فتاویٰ اسلامیہ

(جلد سوم)

کتاب البیوع تا کتاب القضاء

فتاویٰ

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین

اور

"اللجنۃ الدائمۃ للافتاء والارشاد سعودی عرب"



ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)






فتاویٰ
اسلامیہ
(جلد سوم)





ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الرّیاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962-4043432 (1 00966) فیکس :4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس :4614483

جدہ فون: 6879254 وفیکس:6336270 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : RSPOSCP فیکس :RSPOSOQ (009716)

پاکستان : ① 32 B لوئر مال، لاہور فون:7232400 - 7240024 (42 0092)

فیکس:7354072 ای میل :darussalampk@hotmail.com

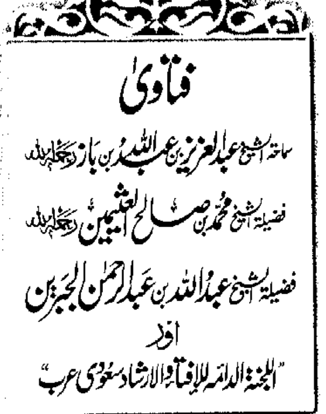
② رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس :7320703

لندن فون :5202666 فیکس : 5217645 (208 0044)

ہیوسٹن فون :7220419 فیکس :7220431 (713 001) نیویارک فون: 6255925 (718 001)

Website: http://www.dar-us-salam.com



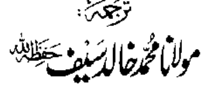


کتاب البیوع
تا
کتاب القضاء

جمع و ترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ

ترجمہ:



(اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

نظرثانی:

ابو عبداللہ محمد عبدالجبار

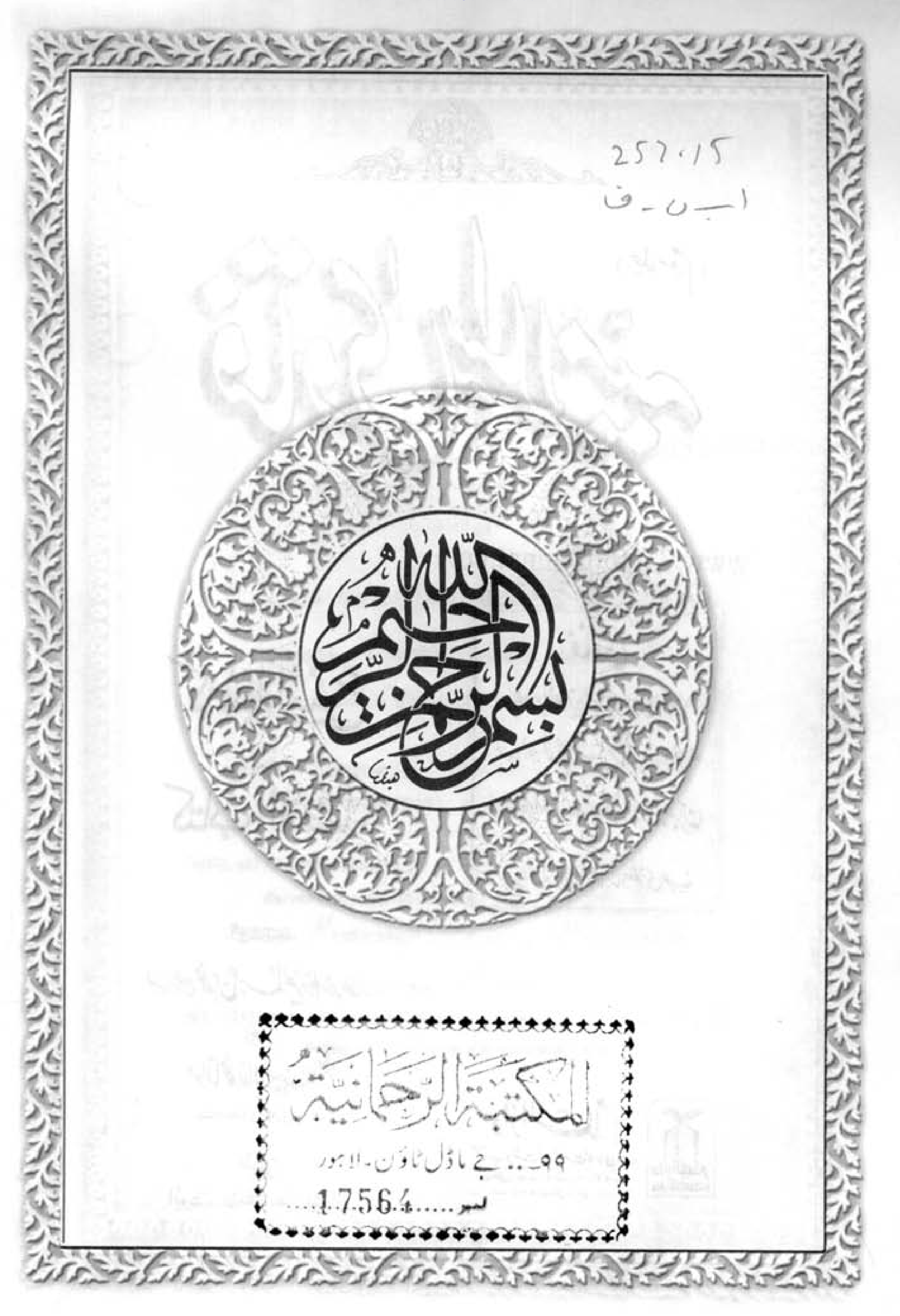


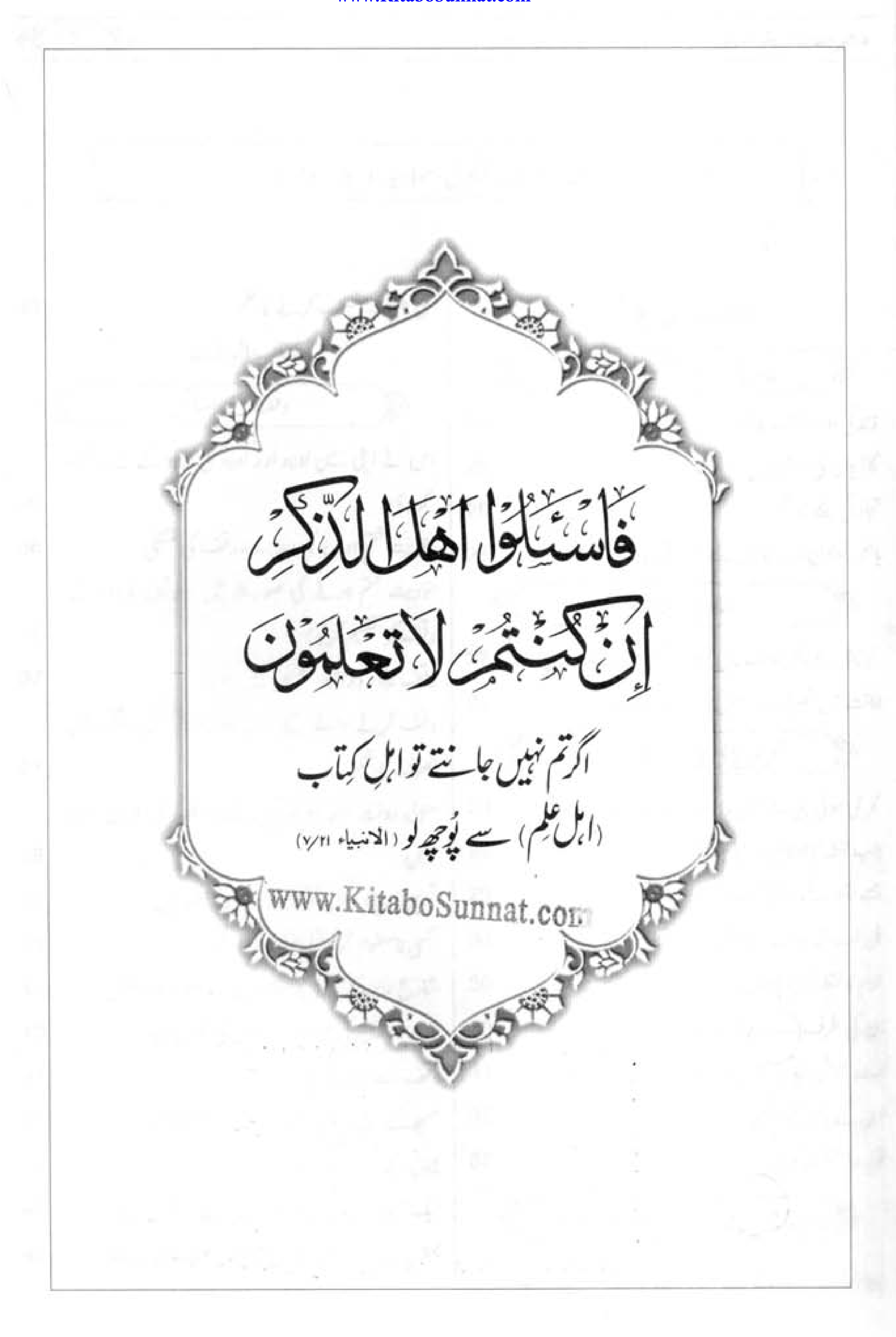
دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ۔ جدہ ۔ شارجہ ۔ لاہور

لندن ۔ ہیوسٹن ۔ نیویارک


بسم الله الرحمن الرحيم



فاسئلوا اهل الذكر
إن كنتم لا تعلمون
اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب
(اہلِ علم) سے پوچھ لو (الانبیاء ۲۱/۷)
www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد سوم)

کتاب البیوع

بیمہ پالیسی اور انشورنس کا حکم

امانت کے احکام

گری پڑی چیز اٹھانے کے احکام

راستے میں گرے پڑے لاوارث نومولود.....

کتاب الوقف

وقف کے مسائل

مسائل وراثت

کتاب الرق

غلامی کے احکام

کتاب النکاح

نظر و خلوت اور اختلاط کے احکام

عورتوں سے معاشرت

نکاح کی فاسد' حرام اور مختلف ....

نکاح میں خلافِ شریعت امور

كتاب الطلاق

طلاق کے مسائل و احکام

کن الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے

کتاب الرضاع

دودھ کے رشتوں کے مسائل

کتاب الجنایات

قتل عمد کے احکام

قتل خطا کے احکام

قسموں سے (قتل کا) فیصلہ

کتاب الحدود

حد زنا (بدکاری کی حد)

منشیات کی سزائیں اور احکام

مرتد کا حکم

كتاب الأطعمة

حلال و حرام حیوانات کا بیان

ذبح کے احکام اور اہل کتاب کا ذبیحہ

مشرکین و کفار کا ذبیحہ

درآمد شدہ اور مجہول ذبیحے

وہ ذبیحے جو مختلف مناسبتوں سے ذبح .....

ذبح کرنے کے احکام

مشتبہ اور حرام کھانے

کسب حرام سے کھانا

شکار کے احکام

چند متفرق احکام

کتاب الایمان

قسم کے الفاظ

فقہی کونسل کی قرارداد

قسم کھانے' توڑنے اور اس کے ....

کفارہ دینے کے احکام

نذر (منت ماننے) کے مسائل

كتاب القضاء

قضا اور اس کے متعلقہ احکام




۹
كتاب
البيوع

بیمہ پالیسی اور انشورنس کا حکم

زندگی اور املاک کا بیمہ

سوال بیمہ زندگی یا بیمہ املاک کا کیا حکم ہے؟

جواب زندگی اور املاک کا بیمہ کرانا حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکہ بھی ہے اور سود بھی اور اللہ تعالیٰ نے امت پر رحمت کے پیش نظر اور اسے نقصان سے بچانے کے لیے تمام سودی معاملات کو حرام قرار دیا ہے نیز ان تمام معاملات کو بھی جن میں دھوکہ ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۵)

"اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام"

اور صحیح حدیث میں ہے:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ»(صحيح مسلم، البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، ح:۱۵۱۳)

"رسول اللہ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔" وباللّٰہ التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

گاڑیوں کی انشورنس

سوال ایک شخص نے گاڑیوں کی انشورنس کے متعلق یہ سوال پوچھا ہے کہ ہوائی اڈوں پر کرائے پر گاڑیاں فراہم کرنے والے دفاتر نے اپنی گاڑیوں کی انشورنس کروائی ہوتی ہے اور جب کوئی شخص ان سے کرائے پر گاڑی لیتا ہے تو اسے تقریباً تیس ریال انشورنس کے بھی ادا کرنے پڑتے ہیں اور اس صورت میں اگر کرائے پر گاڑی لینے والے سے حادثہ ہو جائے تو انشورنس کمپنی گاڑی کی مرمت کے اخراجات ادا کرتی ہے۔ آپ اس بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب میری نظر میں انشورنس نقصان پہنچانے کی ایک صورت ہے وہ اس طرح کہ کمپنی بعض انشورنس کرانے والوں سے سارا سال مال تو وصول کرتی رہتی ہیں لیکن نہ تو انہیں کچھ دیتی ہے اور نہ انہیں گاڑی وغیرہ مرمت کرانے کی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگوں سے کمپنی مال تو تھوڑا وصول کرتی ہے لیکن اسے خرچ زیادہ کرنا پڑتا ہے اور اس طرح کمپنی کو نقصان ہوتا ہے۔

گاڑیوں کے ایسے مالکان جن میں ایمان اور خوف الٰہی کی کمی ہوتی ہے وہ انشورنس کرانے کے بعد نڈر ہو جاتے ہیں اور گاڑیاں اس قدر بے پروائی سے چلاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بہت سے حادثات رونما ہوتے ہیں اور ان کی اندھا دھند ڈرائیونگ کے نتیجے میں کئی مسلمان حادثات کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں' مالی نقصان اس کے علاوہ ہوتا ہے لیکن

انہیں اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہوتی کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گاڑی اور اس کے حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تمام نقصانات کی تلافی کی ذمے دار انشورنس کمپنی ہے لہٰذا میری رائے میں ان وجوہ کی بنا پر انشورنس کسی حال میں بھی جائز نہیں خواہ گاڑیوں کی ہو' یا انسانوں کی' مالوں کی ہو یا کسی اور چیز کی!

——— شیخ ابن جبرین ———

تجارتی بیمے کا حکم

سوال جب کوئی تاجر کسی بیرونی کمپنی سے چاول' چینی یا چائے منگواتا ہے تو وہ اپنے اس مال کی کل قیمت پر کسی بیمہ کمپنی کے پاس دو فیصد کے حساب سے انشورنس ادا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں کمپنی ان تمام نقصانات کو ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے جو اس کے مال کو غرق ہو جانے' جل جانے یا کسی اور طرح سے تباہ ہو جانے کی صورت میں لاحق ہوں حتی کہ اگر جہاز غرق ہو جائے تو بیمہ کمپنی مال کی تمام قیمت ادا کر دیتی ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ تجارتی بیمہ ہے جو کہ حرام ہے کیونکہ اس میں واضح طور پر نقصان بھی ہے اور جوا بھی اور یہ دونوں کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

باہمی تعاون اور تجارتی بیمے میں فرق

سوال باہمی تعاون کے بیمے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تجارتی بیمے کا شرعی بدل ہے سوال یہ ہے کہ بیمے کی ان دونوں قسموں میں کیا فرق ہے؟ تجارتی بیمہ حرام اور باہمی تعاون کا بیمہ جائز کیوں ہے؟

جواب باہمی تعاون کے بیمے سے مقصود معاوضہ لینا نہیں بلکہ اس سے مقصود تو نقصانات وحادثات کی صورت میں تعاون کرنا ہوتا ہے جبکہ تجارتی بیمے سے مقصود نفع کمانا ہے اور وہ بھی جوئے کے طریقے سے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور اسے شراب' بتوں اور تیروں کے ذریعے سے قسمت آزمائی کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

یہ ہے دونوں صورتوں میں فرق' اسے اس مثال سے بھی سمجھئے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک دینار قرض دے اور وہ اسے ایک سال یا کم وبیش مدت کے بعد ادا کرے تو یہ صحیح ہے اور اگر وہ معاوضہ کے طور پر ایک دینار کے بدلے میں ایک دینار اور ادا کرے تو یہ فاسد اور حرام ہے یعنی معاملات کے حرام یا حلال ہونے میں نیت کا بہت اثر ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

امانت کے احکام

کوتاہی کے بغیر امانت میں نقصان کی ذمہ داری نہیں

سوال ایک آدمی کہتا ہے کہ میں ایک ملک میں گیا وہاں مجھے ایک بھائی نے کچھ رقم دی تاکہ اس کی سفر سے واپسی تک وہ رقم میں اپنے پاس بطور امانت محفوظ رکھوں حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ رقم ہوائی اڈے پر پکڑی گئی تو مجھ سے ضبط کر لی جائے گی کیونکہ اس ملک نے باہر رقم لے جانے کے لیے جو مقدار مقرر کر رکھی ہے وہ اس سے زیادہ تھی۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ہوائی اڈے پر وہ رقم مجھ سے ضبط کر لی گئی علاوہ ازیں میرے پاس جو اپنی رقم تھی وہ بھی نکلوا لی گئی تو اس رقم کے واپس کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ امین ہے اگر اس کی کوتاہی کے بغیر امانت ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں لہٰذا اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ کے ذمے اس کی رقم کے عوض اسے رقم لوٹانا واجب نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

امانت میں تصرف اور اس کی سرمایہ کاری

سوال ایک آدمی نے کچھ رقم میرے پاس امانت رکھی تو میں نے اس رقم سے استفادہ کیا اور اسے کاروبار میں لگا دیا اور جب اس نے مجھ سے واپسی کا مطالبہ کیا تو میں نے اسے صرف اس کا اپنا سارا مال ہی واپس کیا اور اس کے مال سے جو استفادہ کیا تو اس کے متعلق میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تو کیا میرا یہ تصرف جائز ہے یا ناجائز؟

جواب جب کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھے تو آپ اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہیں کر سکتے بلکہ آپ کو اس کے مناسب حال اس کی حفاظت کرنی چاہیے اور اب جبکہ آپ اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر چکے ہیں تو اس سے بات کر کے اسے راضی کر لیں اگر وہ بخوشی آپ کو بخش دے تو ٹھیک ورنہ اسے اس کے مال کا نفع دے دیں یا اس کے ساتھ نصف وغیرہ پر مصالحت کریں کیونکہ مسلمانوں میں مصالحت بھی جائز ہے سوائے اس مصالحت کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

گری پڑی چیز اٹھانے کے احکام

گری ہوئی چیز ملے تو پورا ایک سال اعلان کیا جائے

سوال مجھے سونے کی صورت میں گری ہوئی چیز ملی تو میں نے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ اگر اس کا مالک مل گیا اور وہ راضی نہ ہوا تو میں اس کی قیمت اپنی طرف سے ادا کر دوں گا' مجھے یہ سونا ایک بڑے شہر کے وسط سے ملا تھا' کیا مجھ پر اس کا گناہ تو نہ ہو گا؟

جواب آپ کے لیے اور ہر اس شخص کے لیے جسے کوئی اہم گری ہوئی چیز ملے' مکمل ایک سال تک لوگوں کے مجموں میں اس طرح اعلان کرنا واجب ہے کہ ہر ماہ دو یا تین بار اعلان کیا جائے' اگر مالک مل جائے تو وہ چیز اس کے سپرد کر دی جائے اور اگر نہ ملے تو ایک سال کے بعد یہ چیز اس کی ہو گی کیونکہ نبی ﷺ کا اس مسئلے میں یہی فرمان ہے ہاں البتہ اگر وہ چیز حرمین سے ملی ہو تو پھر وہ شخص کبھی بھی اس کا مالک نہیں بن سکتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس چیز کا اعلان کرنا ہو گا حتی کہ اس کے مالک کا پتہ چل جائے یا اسے حرمین میں متعلقہ محکمے کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی اس کے مالک کے لیے حفاظت کر سکے۔ نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ کے متعلق فرمایا تھا:

«لاَ تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلاَّ لِمُنْشِدٍ»(صحيح البخاري، اللقطة، باب كيف تعرف لقطة اهل مكة، ح:٢٤٣٤ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها . . . الخ، ح:١٣٥٥)

"اس میں گری پڑی چیز بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہے ہاں البتہ اسے وہ شخص اٹھا سکتا ہے جو اس کا اعلان کرنا چاہتا ہو۔"

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:

«إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بركة صاع النبي ﷺ ومده، ح:٢١٢٩ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة . . . الخ، ح:١٣٦٠ واللفظ له)

"میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔"

اگر لقطہ (گری پڑی چیز) معمولی اور حقیر ہو مثلاً رسی' جوتے کا تسمہ یا تھوڑی رقم تو اس کا اعلان کرنا ضروری نہیں۔ ایسی چیز پانے والا شخص اس سے خود فائدہ اٹھائے یا اس کے مالک کی طرف سے اسے صدقہ کر دے۔ البتہ اس سے گمشدہ اونٹ وغیرہ ایسے حیوانات مستثنیٰ ہیں جو بھیڑیے جیسے چھوٹے درندوں سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں لہٰذا اونٹ وغیرہ کو پکڑنا جائز نہیں ہے کیوں کہ نبی ﷺ نے اس کے متعلق پوچھنے والے سے فرمایا تھا:

«دَعْهَا فَإِنَّ مَعَهَا حِذَاءَهَا وَسِقَاءَهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَجِدَهَا رَبُّهَا»(صحيح

البخاري، اللقطة، باب ضالة الغنم، ح:٢٤٢٨ وصحيح مسلم، اللقطة، باب معرفة العفاس والوكاء . . . الخ ح:١٧٢٢)

"اسے چھوڑ دے کیونکہ اس کا جوتا اور مشکیزہ اس کے ساتھ ہے' یہ خود پانی پر آسکتا ہے اور درختوں کے پتے کھا سکتا ہے حتیٰ کہ اس کا مالک آکر اسے خود لے لے گا۔"

—— شیخ ابن باز ——

جب لقطہ کا اعلان نہ کیا جائے

سوال مجھے کچھ ریال پڑے ہوئے ملے' میں نے وہ اٹھا کر استعمال کر لیے اب اس سلسلہ میں مجھ پر کیا لازم ہے؟

جواب آپ پر واجب تھا کہ آپ (ایک سال تک) ان کا اعلان کرتے' اگر آپ مکمل ایک سال تک ہر ماہ کم از کم دو یا تین بار یہ اعلان کریں کہ فلاں جگہ پر اگر کسی کے پیسے گم ہوئے ہوں تو وہ لے لے اور یہ اعلان لوگوں کے مجمعوں میں' جامع مسجدوں کے دروازوں پر یا بازاروں میں کریں اور اگر یہ اعلان کرتے ہوئے ایک سال گزر جائے تو ان کا استعمال آپ کے لیے حلال ہے اور جب ان کا مالک آکر صحیح نشانی بتا دے تو آپ اسے دے دیجیے کیونکہ آپ کے پاس تو یہ امانت ہے اور اگر آپ نے اس کا اعلان نہیں کیا بلکہ خاموشی سے خود کھا لیے ہیں تو پھر اتنے ریال ان کے مالک کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دیں کیونکہ آپ نے وہ ذرائع اختیار نہیں کیے جن سے یہ حلال ہو جاتے اور وہ ان کا اعلان کرنا تھا' امید ہے صدقہ کرنے سے ان شاء اللہ مالک کو ثواب مل جائے گا۔ ((واللّٰه ولی التوفیق))

—— شیخ ابن باز ——

جسے لقطہ ملے وہ کیا کرے؟

سوال ایک عالم فاضل آدمی کو دوران سفر راستہ میں کچھ نقدی ملی جس کا وہاں کوئی مالک نہ تھا' اب سوال یہ ہے کہ وہ شخص اس نقدی کا کیا کرے؟

جواب اس شخص پر لازم ہے کہ ان دو شہروں میں جو اس راستے پر واقع ہیں جہاں سے رقم ملی ہے نیز ان کے علاوہ دیگر ایسے شہر' جن کے باشندوں کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ رقم ان میں سے کسی کی ہو سکتی ہے۔ وہاں لوگوں کے مجمعوں میں اس رقم کا اعلان کرے۔

اگر ایک سال تک اعلان کرنے کے باوجود اس کا کوئی مالک نہ ملے تو لقطہ اٹھانے والا مالک بن جاتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ رقم اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ اس کے مالک کو تلاش کر لے یا پھر اس کی طرف سے صدقہ کر دے' اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک مل جائے تو اسے ساری بات بتا دے' وہ صدقہ کرنے پر راضی ہو جائے تو بہت بہتر اور اگر وہ اس پر اعتراض کرے تو اتنی ہی رقم اسے اپنے پاس سے ادا کر دے اور وہ صدقہ اس کی طرف سے ہو جائے گا' یا اسے اپنے دیگر مال کی طرح خرچ کر لے اور جب اس کے اصل مالک کا پتہ چل جائے تو اسے اپنی طرف سے ادا کر دے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

فروخت شدہ گائے کا واپس لوٹ آنا

سوال ایک آدمی کا بیان ہے کہ اس نے اپنی گائے ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کی جسے وہ جانتا بھی نہیں مگر گائے خریدار کے گھر سے بھاگ کر واپس اس کے گھر آگئی' یہ آدمی چونکہ خریدار کو جانتا نہیں تھا للذا اس نے وہی گائے کسی اور کو فروخت کر دی اور اس کی قیمت کھالی۔ سوال یہ ہے کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب یہ گائے جس میں سائل نے سوال میں مذکور تصرف کیا ہے' لقطہ کے حکم میں ہے اور جب کہ اس شخص نے وہ گائے بیچ کر اس کی قیمت بھی کھالی ہے تو اسے چاہیے کہ بازاروں اور لوگوں کے مجمعوں میں ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہے' اگر مالک آجائے تو اسے صورت حال بتائے اور گائے کی وہ قیمت اس کے سپرد کر دے جس میں اس نے گائے بیچی ہے اور اگر وہ نہ آئے تو اس قیمت کو اس نیت سے صدقہ کر دے کہ اگر اس نے مالک کو پہچان لیا تو یہ اسے ساری صورت حال بتائے گا اگر اس نے وہ صدقہ خوشی سے تسلیم کر لیا تو درست ورنہ اس شخص کو اپنی طرف سے گائے کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرم کا لقطہ (گرا پڑا مال)

سوال ایک لڑکے نے حرم مکی میں گری ہوئی ایک گھڑی اٹھالی جو چار سال سے زیادہ عرصہ سے اس کے پاس ہے' اب اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟ کیا اسے دوبارہ حرم میں رکھ دے یا گھڑی فروشوں سے اس کی قیمت معلوم کر کے قیمت کسی فقیر کو بطور صدقہ دے دے؟

جواب حرم کا لقطہ اعلان کرنے والے کے علاوہ اور کسی کے لیے اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ تَحِلُّ سَاقِطَتُهَا إِلاَّ لِمُنْشِدٍ»(صحيح البخاري، اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة، ح: ٢٤٣٤ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها ... الخ، ح: ١٣٥٥)

"یہاں کی گری ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے سوا اور کسی کے لیے اٹھانی جائز نہیں ہے۔"

اب مذکورہ لڑکے پر واجب ہے کہ وہ مذکورہ بالا لقطہ مکہ مکرمہ کے محکمہ کبریٰ (ہائی کورٹ High Court) کے حوالے کر دے تاکہ محکمہ وہ لقطہ اس کمیٹی کے سپرد کر دے جس کی ذمہ داری حرم کے گمشدہ اموال کی حفاظت کرنا ہے' اس طرح یہ لڑکا اس سے بری الذمہ ہو جائے گا نیز سابقہ مدت میں اس لڑکے نے لقطہ کا اعلان نہ کر کے جو کوتاہی کی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس پر توبہ کرنی چاہیے۔ ((وباللہ التوفیق))

——— شیخ ابن باز ———

ان کی طرف سے صدقہ کر دیجیے

سوال چند سال پہلے میں نے اپنے کچھ ساتھیوں سے ایک سو ریال لیے تھے بعد ازاں میں کسی اور جگہ چلا گیا اور ان ساتھیوں کو بھول گیا وہ بھی مجھے بھول گئے' اب مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ سوال یہ ہے کہ میں اس رقم کے بارے

میں کیا کروں جو میرے کندھوں پر بوجھ ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے نام بھول گئے ہیں جن سے آپ نے ایک سو ریال لیے تھے تو اب آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے یہ سو ریال صدقہ کر دیں اور جب کبھی وہ آپ کو یاد آ جائیں یا کہیں مل جائیں تو ان کا حق انہیں دے دیں اِلّا یہ کہ وہ اس صدقہ کو تسلیم کر لیں جو آپ نے ان کی طرف سے کیا ہے تو اس سے آپ بریٔ الذمہ ہو جائیں گے نیز آپ کو اور انہیں اس کا ثواب بھی ملے گا۔

——— شیخ ابن باز ———

اسے تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ ملا

سوال گزارش ہے کہ میں ۱۹۵۰ء سے قبل اردن میں کام کرتا تھا اور جب میں نے سعودیہ آنے کی چھٹی لی تو اپنے ایک ساتھی عبید المطیری سے پندرہ اردنی ریال میں ایک قبا خریدی کہ چھٹیوں کے بعد سعودیہ سے واپسی پر میں اسے یہ قیمت ادا کر دوں گا لیکن واپسی پر مجھے یہ دوست نہ ملا جس سے میں نے قبا خریدی تھی۔ میں نے اس کے متعلق لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ چھٹی لے کر کویت چلا گیا ہے لیکن ابھی تک وہ کویت سے واپس نہ آیا تھا کہ مجھے اردن میں کام سے فارغ کر دیا گیا اور میں سعودیہ واپس آگیا۔ آتے ہوئے میں کچھ دوسرے دوستوں کو اپنا سعودیہ کا پتہ دے کر آیا تھا تاکہ وہ واپس آ کر اس پتہ پر مجھ سے رابطہ قائم کر لے لیکن اس نے اپنے حق کی وصولی کے لیے اب تک مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم ہے تو مجھے اب کیا کرنا چاہیے کہ اس شخص کے میرے ذمہ پندرہ اردنی ریال ہیں؟ رہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اس کے جاننے والوں سے اس کے بارے میں پوچھیں اور مقدور بھر کوشش کر کے اس کا پتہ چلائیں اور یہ رقم اسے بھیج دیں یا خود کویت جا کر اسے اس کا حق دیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح: ٢٥٦٤)

"ہر مسلمان کا خون' مال اور عزت دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے۔"

لہٰذا اس معاملے میں تساہل جائز نہیں ہے اور اگر آپ اسے تلاش کرنے سے عاجز آجائیں اور وہ کویت یا کسی بھی دوسری جگہ آپ کو نہ ملے تو پھر یہ رقم اس کی طرف سے اس شرط پر صدقہ کر دیں کہ اگر وہ آپ کو مل جائے تو آپ اسے یہ اختیار دیں کہ وہ یا تو اپنی رقم لے لے یا صدقے کا اجر وثواب قبول کر لے' اگر وہ صدقے پر راضی ہو جائے تو صدقے کا مستحق وہ ہو گا ثواب اس کے لیے ورنہ یہ ثواب آپ کو مل جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرو"

نیز فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"

———— شیخ ابن باز ————

اس کے پاس گیا لیکن اسے نہ پایا

سوال چار سال پہلے میں نے اپنا گھر تعمیر کیا تو اس کی دیواروں کے لیے سنگ مرمر خریدا تھا جس شخص سے میں نے سنگ مرمر خریدا تھا اس کے پندرہ سو ریال میرے ذمے باقی تھے۔ کچھ مدت بعد جب میں بقیہ رقم ادا کرنے گیا تو میں نے ادارے کے پہلے مالک کو نہ پایا کیونکہ یہ ادارہ اب ایک نئے مالک کی تحویل میں آگیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ رقم اب میں پہلے مالک کو کس طرح ادا کروں' یاد رہے میں نے سنگ مرمر اس ادارے کے ایک ملازم سے خریدا تھا براہ راست اس کے مالک سے نہیں اور نہ ہی میں اصل مالک کو پہچانتا ہوں کیونکہ میرا معاملہ ملازم ہی کے ساتھ تھا۔ میں نے اس مالک کے متعلق کئی بار پوچھا ہے لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا لہٰذا میری رہنمائی فرمائیں کہ اس رقم سے بری الذمہ ہونے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب اگر آپ کو اس ادارے کا نام اور محل وقوع معلوم ہے تو اس کے مالک کے بارے میں مزید تلاش و جستجو کریں' شاید اس کے پڑوسیوں کو اس کا علم ہو اور اگر وہ آپ کو اس کا نام پتہ اور ٹیلی فون نمبر وغیرہ بتا دیں تو اس سے رابطہ قائم کر کے اس کا حق اسے ادا کر دیں تاکہ آپ بری الذمہ ہو جائیں اگر مزید جستجو اور تلاش بسیار کے باوجود آپ اسے نہ پا سکیں اور مقدور بھر کوشش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ لگا سکیں تو یہ رقم اس کی طرف سے اس شرط پر صدقہ کر دیں کہ اگر بعد میں وہ مل گیا تو اسے اختیار ہو گا اگر وہ اخروی ثواب پر راضی ہو جائے تو درست ورنہ آپ اس کی رقم اسے ادا کریں گے اور صدقے کا ثواب آپ کو مل جائے گا۔ واللہ اعلم

———— شیخ ابن باز ————

توبہ واستغفار کریں

سوال ایک عورت نے حرم مکی میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا پایا تو اسے اٹھا لیا اور اپنے سونے کے ساتھ ملا کر فروخت کر دیا اب وہ اس پر نادم ہے تو وہ کیا کرے؟

جواب اس عورت کو چاہیے کہ مذکورہ سونے کی نشانی وغیرہ بتا کر اس کی قیمت محکمہ (Court) کو دے دے۔ شاید اس کی مالکہ لقطہ کی محافظ کمیٹی کے پاس آ کر اس کے بارے میں پوچھے اور اگر اس لقطہ کو اٹھائے ہوئے عرصہ دراز ہو گیا ہو تو اسے اس کی مالکہ کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دے' نیز توبہ واستغفار بھی کرے۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ کافی ہو گا اور اگر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو تو پھر اس کی قیمت محکمہ کو دے دے اور محکمہ وہ قیمت لقطہ کی حفاظت پر مامور کمیٹی کے سپرد کر دے۔

———— شیخ ابن باز ————

راستے میں گرے پڑے لاوارث نومولود کے احکام

لاوارث نومولود بچے کے سرپرست کا بچے کو اپنے نسب کی طرف منسوب کرنے کا حکم

سوال ہمارے ایک رشتے دار نے ایک نومولود لاوارث لڑکا گود لیا اس کی تربیت کی' اسے تعلیم دلوائی اور اس کے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آیا' بڑی محبت اور خاص مناسبت سے اس کا نام "یوسف" رکھا۔ پھر یہ متبنیٰ بنانے والا شخص زبیر مقام پر فوت ہو گیا' اس کی اپنی صلبی کوئی اولاد نہیں جو اس کی وارث بنے وہ بچہ سن رشد کو پہنچ گیا اور اس نے ظہران کے ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ میں داخلہ بھی لے لیا ہے' رشتے داروں نے مشورہ کیا کہ اس لڑکے کا نام بدل دیا جائے۔ بعض نے اس کے حق میں اور بعض نے اس کی مخالفت میں رائے دی کیونکہ اس سے نسب میں گڑبڑ اور وراثت میں غلطی کا خطرہ ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلے میں فتویٰ عطا فرمائیں گے تاکہ ہم آپ کے فتویٰ کی روشنی میں لائحہ عمل اختیار کریں؟

جواب شرعاً یہ جائز ہی نہیں ہے کہ لاوارث بچے کو متبنیٰ بنانے والا اس کی نسبت اپنی طرف اس طرح منسوب کرے جس طرح بیٹا اپنے حقیقی باپ اور اس کے قبیلے کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ استفتاء میں پوچھا گیا ہے کیونکہ اس سے جھوٹ' باطل' انساب میں گڑبڑ' عزتوں کی پامالی اور وراثت میں تبدیلی اس طور پر ہوتی ہے کہ مستحق محروم ہو جاتا ہے اور غیر مستحق مال ودولت کا وارث قرار پاجاتا ہے۔ علاوہ ازیں خلوت ونکاح کے سلسلے میں حرام امور کی حلت اور حلال امور کی حرمت اور اسی طرح کئی دیگر امور کی بے حرمتی اور حدود شریعت سے تجاوز لازم آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ کسی بچے کی نسبت باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کی جائے۔

جو شخص اپنے باپ یا موالی کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو نبی ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَٰهِكُمْ ۖ وَٱللَّهُ يَقُولُ ٱلْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى ٱلسَّبِيلَ ﴿٤﴾ ٱدْعُوهُمْ لِءَابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥﴾ ﴾

(الأحزاب ۳۳/ ٤۔٥)

"اور تمہارے منہ بولے بیٹے تمہارے حقیقی بیٹے قرار نہیں دیے ہیں یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اللہ حق بات فرماتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے' (مسلمانو!) لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے بلاؤ' اللہ کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے۔ پس اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ تم سے غلطی میں جو کچھ ہو جائے تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے' لیکن جو کچھ تم قصداً دل کے ارادے سے کرو گے (اس کا گناہ ہو گا) اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف ... الخ، ح:٤٣٢٦، ٤٣٢٧ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ح:٦٣)

"جو شخص جان بوجھ کر اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

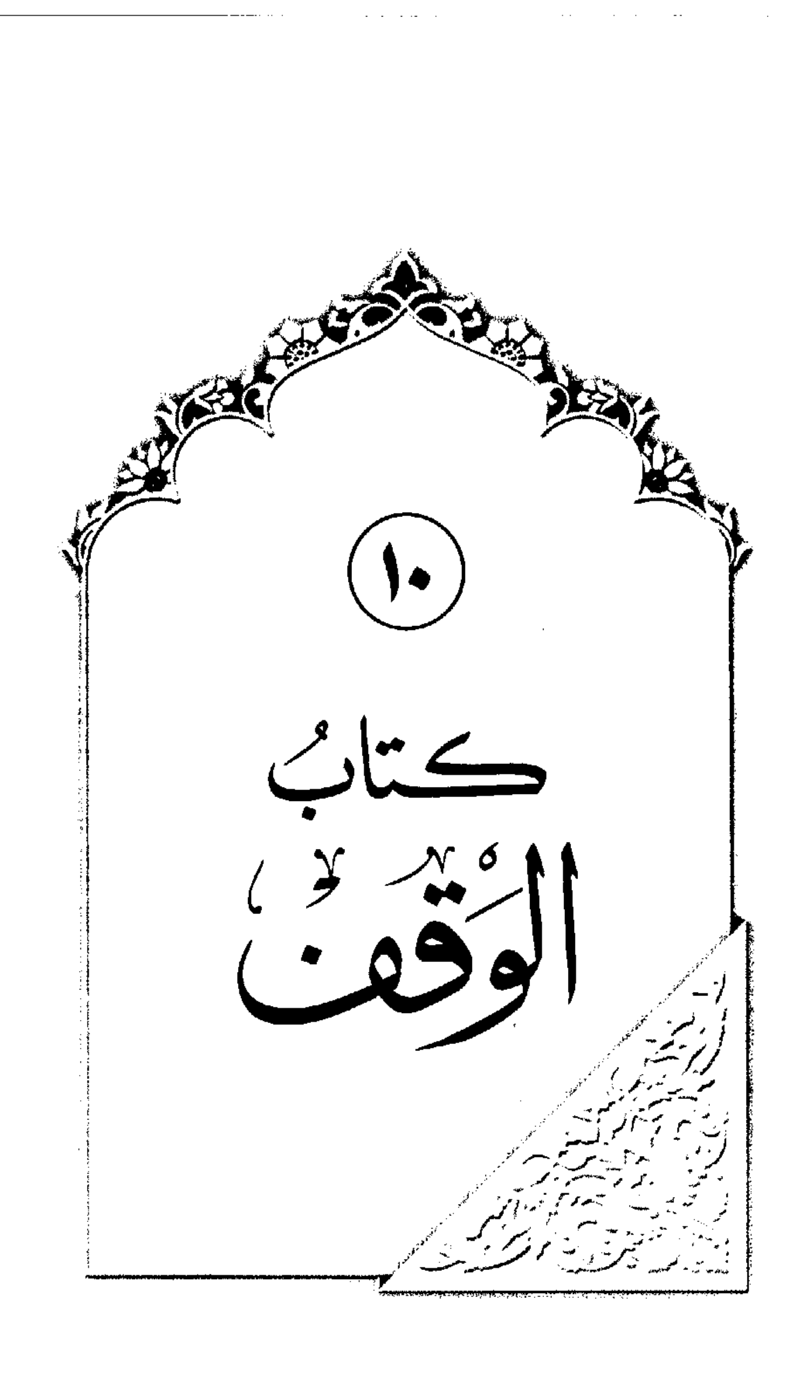
«مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ الْمُتَتَابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، ح:٥١١٥ وجامع الترمذي، الوصايا، باب ما جاء لا وصية لوارث، ح:٢١٢٠)

"جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا کسی اور سے اپنا تعلق جوڑے تو اس پر روز قیامت تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی لعنت برستی رہے گی۔"

لہٰذا سائل نے مذکورہ نام رکھنے میں جو اجتہاد کیا غلط ہے۔ اسے باقی نہیں رکھنا چاہیے بلکہ بدل دینا چاہیے کیونکہ کسی بچے کو اس کے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب کرنے کی حرمت کے بارے میں وارد نصوص اور ان حکمتوں کا یہی تقاضا ہے جنہیں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ باقی رہا مسئلہ نومولود لاوارث کو گود لینے' اس پر شفقت کرنے' اس کی تربیت کرنے اور اس سے اچھا سلوک کرنے کا تو یہ ایک نیک کام ہے' اسلامی شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وسلم))

—— فتویٰ کمیٹی ——




١٠
كتاب
الوقف

وقف کے مسائل

اس نے اپنی زمین اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے وقف کر دی

سوال ایک آدمی پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہوا اور اس نے اپنی زرعی اراضی بیع و شراء کے بجائے اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کی نسل کیلئے وقف کر دی تو سوال یہ ہے کہ کیا وقف کرنے والے کی بیٹیوں کی اولاد بھی اس کی اولاد ہے کہ وہ اس کی وارث ہو یا وہ اس کی اولاد نہیں ہے؟ کیا بیٹیوں کی نسل کی اولاد اس وقف کی وارث ہوگی یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ بیٹیوں کی اولاد بھی اولاد کی اولاد شمار ہوتی ہے یا نہیں' اس میں دو قول ہیں۔ اس کی بابت شرعی عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ ان شاء اللہ کافی ہو گا کیونکہ اس طرح کے مسائل میں اکثر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے اور اس کے حل کے لیے عدالت ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

افادیت ختم ہونے کی وجہ سے وقف کی منتقلی

سوال میری والدہ نے ایک گھر وقف کیا تھا جو بہت پرانا ہونے کی وجہ سے رہائش کے قابل نہیں ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس وقف کو منتقل کر دوں یعنی اسے بیچ کر اس کی قیمت کسی مسجد یا فلاحی تنظیم کو دے دوں یا کسی اور نیکی کے کام میں لگادوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب آپ کو وقف میں تصرف کرنے یا اسے وقف کرنے والے کی مرضی کے خلاف کسی اور جگہ منتقل کرنے کا حق نہیں ہے اور جب اس کی افادیت ختم ہو جائے تو پھر اسے اسی طرح کی زمین' دوکان یا باغ کی صورت میں منتقل کرنا جائز ہے۔ جو اس (وقف) کے قائم مقام ہو۔ اس کی آمدنی بھی اسی مصرف میں خرچ کی جائے جس میں مذکورہ گھر کی آمدنی خرچ ہوتی تھی اور یہ کام اسی ملک کے محکمہ اوقاف کی وساطت سے ہونا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

افادیت ختم ہونے کی صورت میں وارثوں کا دادا کے وقف کو تقسیم کرلینا

سوال سعید نامی شخص نے ایک چھوٹا سا قطعۂ اراضی زمین وقف کیا تھا اور وہ اس قطعۂ زمین کی آمدنی کو ۲۷ رمضان کی رات صدقہ کر دیا کرتا تھا' سعید کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سالم سعید بھی اس کے نقش قدم پر چلتا رہا' سالم سعید کے بعد محمد سالم سعید وارث بنا اور محمد سالم سعید بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتا رہا' محمد سالم سعید کے دو بچے ہیں ایک علی محمد سالم سعید اور دوسرا حیدر محمد سالم سعید' علی محمد سالم سعید بھی اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ علی اور حیدر بھی

تین تین بیٹے چھوڑ کر فوت ہوئے تو کیا ان بیٹوں کے لیے اپنے آباؤ اجداد کی جائیداد آپس میں تقسیم کرنا جائز ہے یا یہ جائیداد نسل در نسل وقف ہی رہے گی؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو ورثاء کے لیے وقف کی یہ زمین آپس میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس کی افادیت ختم ہو گئی ہو تو بھی یہ زمین وقف ہی میں رہے گی اور اس کی آمدنی نیکی کے ان کاموں میں خرچ کی جائے جہاں اس کی ضرورت ہو جبکہ ان کاموں میں خرچ کرنے والا کوئی اور نہ ہو مثلاً مسجدوں کی اصلاح' ترمیم اور تعمیر کے لیے یا پانی کے نظام کے لیے یا چٹائیاں اور دریاں خریدنے یا دیگر ایسے لوازم منفعت کے لیے جن کی اس شہر کے لوگوں کو ضرورت ہو جس میں وہ وقف موجود ہو یا پھر اسے وقف کرنے والے کے رشتہ دار اور غیر رشتہ دار فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

وقف بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا

سوال میرے پردادا نے ساڑھے بارہ کنال زمین وقف کی تھی کہ اس کی آمدنی کنویں پر خرچ کر دی جائے' پھر میرے دادا اور والد نے بھی اس وقف کو جاری رکھا اور اب یہ کنواں بیکار پڑا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اب پانی کی سپلائی پائپ لائنوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور ہمیں اپنی ضرورت کے لیے اس وقف کی شدید ترین ضرورت ہے تو کیا یہ وقف ذاتی ضرورت کے لیے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے کہ زمین کنویں کے لیے وقف کی گئی تھی لیکن اب لوگوں کو اس کی ضرورت نہیں رہی تب بھی یہ ضروری ہے کہ اس زمین کو وقف ہی رہنے دیا جائے اور اس کی آمدنی اس علاقے کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کی جائے جہاں یہ کنواں موجود ہے بایں طور کہ اس سے کوئی مسجد تعمیر کر دی جائے یا کسی مسجد کی مرمت کروا دی جائے' یا حفظ قرآن کا کوئی ادارہ کھول دیا جائے یا اسے فقراء و مساکین پر خرچ کر دیا جائے' وقف کرنے والے کے فقیر رشتہ دار دوسرے لوگوں کی نسبت اس وقف کی آمدنی کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور اگر وقف کی افادیت کے ختم یا کم ہو جانے کی وجہ سے شرعی مصلحت کا یہ تقاضا ہو کہ اس سے کوئی ایسی جائیداد خرید لی جائے جس کی آمدنی زیادہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن یہ کام قاضیٔ شہر کی منظوری کے بعد کیا جائے۔

لیکن وقف کرنے والے کے ورثاء کا محض وارث ہونے کی وجہ سے وقف میں کوئی (خصوصی) حق نہیں کیونکہ وقف بطور میراث نہیں لیا جا سکتا' ہاں البتہ اگر وہ فقیر ہوں تو پھر انہیں بھی اس کی آمدنی میں سے دینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ ((وباللہ التوفیق))

—— فتویٰ کمیٹی ——

وقف کرنے والے کے ارادے کے برعکس وقف میں تصرف کا حکم

سوال ایک زرعی قطعۂ زمین کی آمدنی کو فقط رمضان میں افطاری کے لیے وقف کیا گیا تھا' اب میرے علاوہ اس وقف کا کوئی متولی بھی نہیں ہے اور میں اس شہر سے دور کسی اور علاقے میں ملازمت کرتا ہوں' میرے علاوہ اور کوئی نہیں جو

رمضان میں افطاری کا اہتمام کر سکے' پھر ہمارے علاقے کے لوگ ایسے علاقوں میں جا کر مال مویشی چراتے ہیں جن کے بارے میں علم نہیں ہوتا اور وہ صرف عید یا جمعہ کے دن ہی اکٹھے ہوتے ہیں اور اگر میں بذات خود افطاری کا اہتمام کروں تو بھی کھانے والے لوگ نہیں ملیں گے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں دانے ہی مستحق لوگوں میں تقسیم کر دوں یا وہ دانے بیچ کر ان کی قیمت کے بدلے کھجوریں خرید کر مستحق لوگوں میں تقسیم کروں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے سوا اس وقف کا کوئی اور متولی نہیں ہے اور آپ بذات خود نہ تو اس کا اہتمام کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا شخص ہی آپ کی نیابت کر سکتا ہے اور اگر آپ افطاری کا اہتمام کر بھی لیں تو کھانے والا کوئی نہیں (اس صورت میں) آپ کے لیے جائز ہے کہ رمضان میں اپنے علاقے کے مستحق لوگوں میں دانے تقسیم کر دیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وقف کی جگہ کے قریب ترین علاقے کے مستحق لوگوں میں انہیں تقسیم کر دیں' اسی طرح آپ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ اس کی قیمت سے کھجوریں خرید کر تقسیم کر دیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

متولی دولت مند ہو تو اس کے لیے وقف کی آمدنی حلال نہیں

سوال میری نانی کا ایک مکان ہے' وفات کے وقت انہوں نے میری والدہ کو اس کا وکیل مقرر کر دیا کہ وہ اس کی آمدنی سے ہر سال ان کی طرف سے قربانی کر دیا کرے لیکن مکان کی ویرانی کے سبب والدہ کی زندگی میں کبھی قربانی کی جاتی کبھی نہ کی جاتی' جب میری والدہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ میں اس مکان کی مرمت کرا دوں' میں نے ان کے ورثاء سے بھی اجازت لے لی کہ وہ ترکہ میں سے اس کی مرمت کے لیے خرچہ دیں انہوں نے اس کی اجازت دے دی' والدہ نے بھی ترکہ میں بارہ سو ریال چھوڑے تو میں نے وصیت پر عمل کرتے ہوئے اپنی طرف سے بھی رقم خرچ کر کے اس گھر کی اس طرح مرمت کرا دی ہے کہ وہ آباد و شاد گھروں کی طرح ہو گیا ہے نیز اب اس کی آمدنی ایک قربانی سے کہیں زیادہ ہوتی ہے' سوال یہ ہے کہ میں نے اس مردہ وقف کو زندہ کیا ہے تو کیا میرے لیے اس کا استعمال حلال ہے؟
میری نانی کا ایک اور ویران گھر بھی ہے' کیا اس کی آمدنی کو اس ویران گھر کی مرمت کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ آپ کی والدہ نے آپ کی نانی کے اس گھر کی مرمت کرانے کی آپ کو وصیت کی تھی اور آپ کی نانی نے ان کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے آپ کی والدہ کو اپنا وکیل مقرر کیا تھا اور آپ نے ورثاء کی اجازت سے ان کے ترکہ سے' اپنی والدہ کی چھوڑی ہوئی رقم اپنی طرف سے خرچ کر کے اس مکان کی مرمت کرا دی' ورثاء نے اس سلسلے میں جو کچھ خرچ کیا وہ ان کی طرف سے مالکہ مکان کے لیے صدقہ ہے' آپ نے مکان پر جو کچھ خرچ کیا وہ اپنی والدہ کی وصیت پر عمل اور نانی کے لیے صدقہ ہے' اس مکان کی آمدنی اس کی اصلاح اور اس کے متعلق کی گئی وصیت پر خرچ ہو گی اور جو اس سے بچ جائے وہ شرعی وکیل کی رائے کے مطابق نیکی کے دیگر کاموں میں خرچ کیا جائے گا' دوسرے فقراء کی نسبت میت کے فقیر رشتہ دار زیادہ مستحق ہیں اور اگر ورثاء کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف ہو تو اسے دور کرنے کے لیے شرعی عدالت کی طرف رجوع کیا جائے آپ کی نانی کا دوسرا ویران گھر اگر اسی گھر کے تابع ہے تو اس کا حکم ہم آپ کو بتا چکے ہیں اور اگر اس گھر کا تعلق ترکہ سے ہے اور وہ وقف نہیں ہے تو یہ معاملہ وارثوں کی رائے پر منحصر ہے پس اگر

وہ اسے بھی وقف گھر کے تابع کرنا چاہیں تو اس کا حکم بھی وہی ہو گا جو پہلے وقف گھر کا ہے اور اگر وہ اسے وقف کرنے کی اجازت نہ دیں تو پھر یہ وارثوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

قبریں اپنے مدفون لوگوں کے لیے وقف ہیں

سوال میرے پاس ایک زرعی قطعۂ زمین ہے' جس کے مشرق کی طرف بھی ایک قطعۂ زمین ہے جو میری زمین کی حد کے ساتھ ہے' مغرب کی طرف میری زمین ہے' مشرق کی طرف راستہ ہے' جنوب اور شمال کی طرف کی زمین کسی اور کی ملکیت ہے میں نے زمین کی اصلاح کا ارادہ کیا اور جب میں بنیادوں تک پہنچا تو کئی پرانی قبریں پائی گئیں' جن میں صرف ہڈیاں ہی تھیں' مجھے اس زمین کی ضرورت ہے' امید ہے فتویٰ دے کر رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کی بات سے واضح ہوا کہ جس زمین کے متعلق آپ نے پوچھا ہے وہ قبرستان ہے اور آپ کی زمین اس کی مغربی حد پر ہے جبکہ یہ آپ کی زمین نہیں ہے اور کھدائی پر جب آپ کو وہاں سے قبریں اور قبروں میں ہڈیاں نظر آئی ہیں جیسا کہ آپ نے خود اعتراف کیا ہے تو یہ زمین آپ کی ملکیت نہیں بلکہ یہ تو ان لوگوں کے لیے وقف ہے جو یہاں مدفون ہیں لہٰذا آپ کے لیے اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے یہ حلال نہیں کہ اسے ملکیت میں لیا جائے یا رہائش' زراعت' عمارت یا اس پر خیمہ وغیرہ لگانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

کسی نامعلوم آدمی کی ایک قدیم قبر

سوال میری زمین کے ایک طرف کسی نامعلوم آدمی کی ایک قبر ہے' میرے ساتھ قاضی شہر اور تین دیگر معمر لوگوں نے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ قبر میری زمین کے جنوب مشرقی جانب ہے اور یہ بہت قدیم ہے' جس سمت قبر ہے' اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ یہ قبرستان ہے جب کہ میری زمین کے جنوبی طرف قبرستان ہے اور اب گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں دفن کیا جانا موقوف ہو چکا ہے اب لوگ اس کے اردگرد دفن کرنے لگے ہیں؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کسی نامعلوم آدمی کی قدیم قبر ہے اور قاضی کے ساتھ جانے والے معمر آدمیوں کو بھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس میں مدفون آدمی کب دفن کیا گیا تھا اور اس قبر کے جنوبی طرف قبرستان ہے اور اب گاڑیوں کی کثرت کی وجہ سے اس میں دفن کیا جانا بند کر دیا گیا ہے تو اس قبر کی زمین کی نشاندہی کر کے اسے اس زمین سے نکال دیا جائے جو سائل کے بقول اس کی ملکیت ہے کیونکہ اصل میں زمین بے آباد ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس میں موجود قبر بنائی گئی خصوصاً جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے قریب عام قبرستان بھی ہے اور اگر زمین کی جنوبی جانب واقع قبرستان کے حدود کا چار دیواری کے ساتھ تعین نہیں کیا گیا تو محترم قاضی صاحب کو چاہیے کہ اس کے حدود کا تعین کریں اور متعلقہ محکمہ کے سامنے اس کی چار دیواری بنانے کا مسئلہ پیش کریں۔

وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

شارع عام کے لیے قبرستان کے کچھ حصہ کا استعمال

سوال "جبیل" شہر میں ایک سڑک کا افتتاح مقصود ہے لیکن اس کے لیے ایک قبرستان کا کچھ حصہ بھی استعمال کرنا پڑے گا تو کیا شارع عام کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب واضح رہے کہ مردوں کی بھی اسی طرح حرمت ہے جس طرح زندہ انسانوں کی حرمت ہے' مردوں کی قبریں ان کے گھر ہیں' حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ قبرستانوں کی حفاظت کریں' انہیں بے حرمتی اور ایسے امور سے بچائیں جو ان کے ساکنوں کی حرمت کے منافی ہوں۔ قبرستانوں کے کسی حصے کو ان سے الگ کر کے کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنا ان کی حرمت و حفاظت کے خلاف ہے لہٰذا کسی شرعی جواز کے بغیر قبرستان کے کسی حصے کو کسی اور مقصد کی خاطر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

مذکورہ شہر کی بلدیہ نے جو یہ منصوبہ بندی کی ہے کہ سڑک کو سیدھا رکھنے کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ استعمال کرنا ضروری ہے تو یہ حسب ذیل امور کی وجہ سے شرعی جواز نہیں بن سکتا:

① اس میں مردوں اور ان کے گھروں کی بے حرمتی ہے۔

② مذکورہ شہر میں گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کی وجہ سے ٹریفک کا اس قدر ہجوم بھی نہیں ہے کہ اضطرار کا دعویٰ کیا جا سکے۔

③ جس سڑک کا افتتاح کرنا مقصود ہے نقشہ کے مطابق اس کی چوڑائی ساڑھے تیس فٹ ہو گی تو اس چوڑائی کو اس قدر کم بھی کیا جا سکتا ہے کہ ضرورت بھی پوری ہو جائے اور قبرستان کی حرمت بھی برقرار رہے لہٰذا ان اسباب کی وجہ سے کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ قبرستان کے جنوب میں واقع سڑک کو سیدھا کرنے کے لیے قبرستان کا کچھ حصہ اس میں شامل کرنا جائز نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

فتویٰ کمیٹی

مردہ مسلمان کی حرمت زندہ ہی کی طرح ہے

سوال ایک شخص نے اپنی زرعی زمین میں گھر بنانا یا اسے توسیع دینا یا کوئی اور عمارت تعمیر کرنا چاہا تو اسے اس میں ایک' دو' تین یا اس سے بھی زیادہ قبریں نظر آئیں تو وہ اب کیا کرے؟

جواب دراصل یہ لوگ ایک بے آباد زمین میں دفن کیے گئے تھے لیکن اب یہاں مدفون ہونے کی وجہ سے وہ اس کے مالک بن گئے ہیں لہٰذا ان سے تعرض جائز نہیں' نہ ان کی قبروں کو اکھاڑا جا سکتا ہے' نہ راستہ بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی ایسا معاملہ کیا جا سکتا ہے جس سے ان کی بے حرمتی ہو بلکہ ان کے گرد ایک چار دیواری بنا دینی چاہیے جس کی وجہ سے یہ بے حرمتی سے محفوظ رہیں اور ان میں مدفون انسانوں کی عزت و حرمت برقرار رہے کیونکہ مردہ مسلمانوں کی بھی اس طرح حرمت ہے جس طرح زندہ مسلمانوں کی حرمت ہوتی ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

————— فتویٰ کمیٹی —————

وقف سے رجوع کرنا

سوال ایک شخص نے صحت و تندرستی کی حالت میں بہت وسیع و عریض زمین قبرستان کے لیے وقف کر دی تھی لیکن اب تک اس میں ایک شخص بھی دفن نہیں کیا گیا نیز یہ شخص ۱۳۸۶ھ میں ریٹائرڈ ہو گیا ہے اور اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل و عیال کی رہائش کے علاوہ اور کوئی زمین نہیں ہے تو کیا وہ اس وقف یا اس کے بعض حصے میں رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب اس وقف کی ہوئی زمین یا اس کے بعض حصے میں رجوع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وقف کی وجہ سے یہ واقف کی ملکیت سے نکل چکی ہے بوقت ضرورت اس سے صرف وہی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جس کے لیے یہ وقف کی گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ اس میں مردوں کو دفن کیا جائے اور اگر اس مقصد کے لیے اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے بیچ کر اس کی قیمت کسی دوسرے قبرستان پر خرچ کی جائے اور یہ تصرف بھی اس زمین کے علاقے کے قاضی کے ذریعے ہونا چاہیے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی مالی حالت کی کمزوری وقف سے رجوع کا جواز نہیں بن سکتی' اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا اور آپ نے جو خرچ کیا ہے اس کا نعم البدل بھی عطا فرمائے گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ

————— فتویٰ کمیٹی —————

مسجد کے لیے زمین وقف کر کے رجوع کر لیا

سوال ایک آدمی نے مدرسہ بنانے کے لیے ایک قطعۂ زمین اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اس کے لیے اپنے اس وعدہ سے رجوع کرنا جائز ہو جو اس نے پہلے عید گاہ کے لیے زمین دینے کے سلسلے میں کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا اسے اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنے سابقہ وعدے کے مطابق عید گاہ بنانے کے لیے زمین دے یا وزارت تعلیم کو مدرسہ بنانے کے لیے زمین دے؟ یاد رہے اس علاقے میں عید گاہ موجود ہے؟

جواب اگر وہ آدمی مذکورہ قطعۂ اراضی عید گاہ کے لیے عملاً وقف کر چکا ہے تو وہ قطعہ عید گاہ ہی کے لیے ہو گا۔ لیکن اگر اس کی طرف سے صرف یہ وعدہ تھا کہ وہ عید گاہ کے لیے ایک قطعۂ اراضی کا عطیہ دے گا تو تب بھی اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔

————— فتویٰ کمیٹی —————

نابالغ کے لیے وقف اور.....

سوال میرے والد صاحب رحمہ اللہ فوت ہو گئے ہیں اور ان کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں سے ایک وصیت نامہ ملا ہے جس میں انہوں نے اپنا گھریلو سامان اپنی بیٹی کے نام وقف کر دیا تھا جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی اور وہ بچی اب فوت ہو گئی ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا نابالغ کے لیے وقف کرنا صحیح ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو کیا وقف کے وقت اسے اس کے باقی

بھائیوں پر ترجیح دینا جائز ہے؟ اگر یہ وقف صحیح ہے تو کیا اسے والد صاحب کے ترکہ کے ثلث تک ہی محدود رکھا جائے گا یا سارا گھریلو سامان ہی اسے دے دیا جائے گا؟

جواب وصیت نامہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ سائل نے جو ذکر کیا ہے کہ ان کے والد نے گھریلو سامان اپنی مذکورہ بیٹی کے لیے وقف کر دیا تھا تو یہ بات صحیح ہے' کمیٹی سوال اور وصیت نامہ کے جائزہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس وصیت کو باطل قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں نیز اس وصیت کی حیثیت مستقل ہو گی جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے' اسے ترکہ کے صرف ثلث تک محدود نہیں رکھا جائے گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینامحمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک مسجد کے مال کو دوسری کے لیے استعمال کرنا

سوال ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک مسجد بنانے کے لیے مال جمع کیا گیا' مسجد مکمل ہو گئی لیکن بہت سا مال بچ رہا' ایک دوسرے علاقے میں بھی ایک مسجد ہے اور اس کے اردگرد بہت سے مسلمان رہائش پذیر ہیں اور اس مسجد میں لائبریری' مدرسہ اور بعض اشیاء کے بنانے کی ضرورت ہے لہٰذا اس مسجد کی انتظامیہ کے بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پہلی مذکورہ مسجد کی انتظامیہ سے کچھ مال لے لیں لیکن اس مسجد کی انتظامیہ کہتی ہے کہ یہ مال تو اسی مسجد کے لیے اکٹھا کیا گیا تھا اب اگر شیخ عبدالعزیز بن باز فتویٰ دے دیں کہ یہ مال دوسری مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا' براہ کرم راہنمائی فرمائیں؟

جواب اگر وہ پہلی مسجد مکمل ہو گئی ہے جس کے لیے مال جمع کیا گیا تھا اور وہاں اب مال خرچ کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تو زائد مال کو دیگر مساجد کی تعمیر یا ان میں لائبریریوں اور پانی کے نظام یا اس طرح کی دیگر ضروریات کے لیے خرچ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ اہل علم نے کتاب الوقف میں واضح فرمایا ہے کیونکہ ان اشیاء کا تعلق بھی اس مسجد ہی سے ہوتا ہے جس کے لیے عطیہ دیا گیا ہوتا ہے اور عطیہ دینے والوں کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی تعمیر میں حصہ لینا ہوتا ہے لہٰذا جو مال ایک مسجد سے بچ جائے اسے دوسری مسجد پر خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر کوئی ضرورت والی مسجد موجود نہ ہو تو زائد مال کو مسلمانوں کے مفاد عامہ مثلاً مدارس اور سرائے وغیرہ پر خرچ کر دیا جائے یا فقراء وغیرہ میں صدقہ کر دیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بہتر یہ ہے کہ وقف کو اسی کام میں صرف کیا جائے ....

سوال ایک آدمی نے مسجد کی انتظامیہ کو کچھ مال دیا اور کہا کہ اسے پانی کی سپلائی کے نظام کے لیے خرچ کیا جائے لیکن انتظامیہ کی اکثریت اس کے بجائے کسی اور چیز کے لیے خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب زیادہ بہتر اور احتیاط اسی میں ہے کہ مال کو اسی مقصد کے لیے خرچ کیا جائے جس کے لیے خرچ کرنے والے نے مخصوص کیا ہو جب کہ شرعاً اس میں کوئی حرج نہ ہو مثلاً پانی کی سپلائی کے نظام میں یا اس طرح کے کسی دوسرے مباح کام

میں خرچ کیا جائے لیکن اگر مسجد کی انتظامیہ یہ محسوس کرے کہ اس کی بجائے مسجد کی تعمیر کے کام میں خرچ کرنے کی زیادہ ضرورت ہے تو اس میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں کیونکہ پانی کی ٹونٹیوں پر خرچ کرنے کی بجائے مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا افضل اور زیادہ منفعت بخش ہے کیونکہ اول مقصود تو مسجد کی تعمیر ہی ہے۔ طہارت خانوں کی تعمیر تو نماز ادا کرنے کے لیے سہولت پیدا کرنے اور نمازیوں کی تعداد بڑھانے کے لیے ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بینک کے قرضوں سے تعمیر کی گئی عمارتوں کا وقف

سوال کیا کمرشل بینک سے قرض لے کر تعمیر کی گئی عمارتوں کا وقف کرنا جائز ہے جب کہ یہ عمارتیں ابھی تک بنک ہی کے پاس گروی ہوں؟

جواب اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے جو کہ ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ کیا رہن قبضے کے بغیر لازم ہے یا نہیں؟ جنہوں نے یہ کہا کہ تمام تصرفات جائز ہیں جو ملکیت کو منتقل کر دیں کیونکہ رہن باقبضہ نہیں ہے اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ رہن لازم ہو جاتا ہے خواہ رہن باقبضہ نہ ہو تو وہ وقف صحیح نہ ہو گا اور نہ اس میں ایسے تصرفات ہی جائز ہیں جو اس کی ملکیت کو منتقل کرنے والے ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ بینک کا قرضہ ادا کرنے سے پہلے اسے وقف نہیں کرنا چاہیے تاکہ علماء کے اختلاف سے بھی بچا جا سکے اور اس حدیث پر عمل بھی کیا جا سکے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ»(سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح... الخ، ح:١٣٥٢)

"مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنی چاہئیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب وقف کی افادیت ختم ہو جائے

سوال میرے والد صاحب نے آٹا پیسنے کی چکی کا سامان وقف کیا تھا جب چکی کا استعمال ختم ہو گیا تو میں نے اس کے بجائے غلہ دلنے کی چکی لگوا دی اور جب اس کا استعمال بھی ختم ہو گیا تو اس کے ساز و سامان کی قیمت سے حاصل ہونے والے چار سو ریال میرے پاس موجود ہیں اور اب والد صاحب بھی فوت ہو گئے ہیں تو میں اس رقم کو کہاں استعمال کروں؟

جواب اس باقی ماندہ رقم کو فلاح و بہبود کے ایسے کاموں میں خرچ کیا جائے جن کی لوگوں کو ضرورت ہو اور جن پر خرچ کرنے والا کوئی اور نہ ہو مثلاً مسجدوں کے دروازوں کے پاس یا عام راستوں پر پینے کے لیے پانی کا انتظام کیا جا سکتا ہے یا اس سے ٹیوب ویل لگوانے یا راستے کی اصلاح و مرمت میں حصہ ڈالا جا سکتا ہے یا اس سے کسی مسجد کی مرمت کروائی جا سکتی ہے یا اس کے لیے دریاں وغیرہ خریدی جا سکتی ہیں جبکہ ان کاموں پر کوئی اور خرچ کرنے والا نہ ہو یا خرچ کرنے والا تو موجود ہو لیکن اس کے پاس خرچ پورا نہ ہو' اگر اس طرح کے کسی بہبود عام کے کام پر خرچ کرنا ممکن نہ ہو تو یہ رقم فقیروں پر صدقہ بھی کی جا سکتی ہے بہتر ہے کہ وقف کا معاملہ محترم قاضیِ شہر کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ وہ کسی ایسے ذمہ

دار آدمی کو اس کا نگران مقرر کریں جو وقف شدہ مال کی صحیح دیکھ بھال کرنے والا' امین اور حفاظت کرنے والا ہو۔
واللہ الموفق۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

وقف کیا ہوا گھر بیچ دیا

سوال میں نے مٹی سے بنا ہوا ایک گھر بیچ دیا جسے اپنے باپ سے بطور وراثت حاصل کیا تھا اور اس میں قربانی کے لیے وقف بھی تھا...... میرے والد نے یہ مکان اپنی والدہ سے وراثت میں حاصل کیا تھا اور ان سے میں نے اس شرط پر حاصل کیا کہ اس کے کرائے سے قربانی کی جائے گی۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد میں نے ایک دستاویز دیکھی جس کی وجہ سے مجھے اس مکان کے فروخت کرنے پر افسوس ہوا اور میں نے مشتری کو سمجھایا کہ یہ مکان مجھے واپس کر کے اپنی رقم لے لے کیونکہ یہ مکان قربانی کے لیے وقف ہے لیکن اس نے واپس کرنے سے انکار کر دیا ہے تو کیا میں یہ مطالبہ کر کے بری الذمہ ہو گیا ہوں یا نہیں؟ براہ کرم اس شرعی مسئلہ کے متعلق اپنے جواب سے آگاہ فرمائیں؟

جواب ہماری رائے میں آپ یہ مسئلہ عدالت میں لے جائیں اور قاضی کے سامنے پوری بات واضح کر دیں کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ گھر میں وصیت بھی موجود ہے اور آپ کو یہ بات سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد معلوم ہوئی لہٰذا اسے بیچنے کی وجہ سے بہت شرمندگی ہے کیونکہ وقف کو بیچا نہیں جا سکتا الا یہ کہ اس کی افادیت ہی ختم ہو گئی ہو بہرحال آپ کو قاضی صاحب کے پاس اس مسئلے کا ان شاء اللہ کوئی مناسب حل ضرور مل جائے گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

وقف کو بیچا نہیں جا سکتا

سوال میرے والد رحمہ اللہ فوت ہو گئے ہیں ان کے والدین نے اپنا ایک چھوٹا سا گھر ان کے لیے چھوڑا تھا اور وصیت کی تھی کہ وہ اپنی ساری زندگی اس گھر کے کرائے سے ان کی طرف سے قربانی کرتا رہے اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد اس کام کو سرانجام دے' میرے والد نے اس گھر کو بیچ دیا تھا اور اس کی قیمت تصرف کرنے سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا اور یہ رقم بھی میراث میں داخل ہو گئی' ہمارے پاس اب اپنا وہ گھر ہے جو والدین نے ہمارے لیے چھوڑا ہے اور جو ابھی تک فروخت نہیں ہوا ہم وصیت پر کیسے عمل کریں؟ یاد رہے دادا جان کے مکان کی قیمت پچاس ہزار ریال سے زیادہ نہیں لیکن کیا اس رقم کو نیکی کے کاموں میں یا تعمیر مسجد میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب میری رائے میں اس مسئلہ کے لیے عدالت کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اب اس مکان کو بیچا جا چکا ہے جب کہ وقف کو بیچنا جائز نہیں ہے بشرطیکہ مالک مکان نے اسے وقف کیا ہو اور اس کے کرائے سے قربانی کرنے کی وصیت کی ہو اور اگر اس نے اسے وقف نہیں کیا تو مکان وارثوں کے پاس رہے گا البتہ انہیں ہمیشہ اس سے قربانی کرنا پڑے گی بہرحال سائل کو اس مسئلے کے لیے عدالت ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

چچازاد بھائی کو محروم کرنے کے لیے گھر وقف کرنا

سوال ایک آدمی کے وارثوں میں ایک بیوی' ماں اور باپ کی طرف سے بہن ہے اور عصبہ میں ایک چچازاد بھائی ہے جو اس سے بہت دور ہے' نہ اس کی کوئی مدد کرتا ہے اور نہ صلہ رحمی کا مظاہرہ کرتا ہے' جب کہ یہ آدمی ایک گھر کا مالک ہے اور یہ اسے اپنی ماں' بیوی اور بہن کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ گھر نیکی کے کسی مستقل کام مثلاً مساجد وغیرہ کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنے عصبہ یعنی چچازاد بھائی کو اس سے محروم کرنا چاہتا ہے کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

جواب بحوث علیہ وافتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا: امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان فرمائی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلي رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے گا۔"

اور سائل نے چونکہ خود ہی صراحت کر دی ہے کہ اس کام سے اس کا مقصد اپنے برادر عم (عصبہ) کو محروم کرنا ہے لہٰذا ہماری رائے میں یہ جائز نہیں ہے۔ اب اگرچہ تمام مال اصحاب الفروض کو مل جانے کی وجہ سے یہ چچا زاد بھائی وارث نہیں ہے لیکن مستقبل میں وہ وارث بن سکتا ہے۔ لہٰذا اسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی تصرف جائز نہیں ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ہبہ اور عطیۃ کے مسائل

خاوند اپنی بیوی کو جو چاہے ہبہ کر سکتا ہے

سوال ایک آدمی اپنی بیوی کو اپنے مال یا ملکیت سے تھوڑا یا زیادہ' نقد یا جائیداد یا سونا ہدیہ کے طور پر دینا چاہتا ہے تو کیا اس کے اس تصرف سے دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچے گا؟ اس طرح کے تصرف کے لیے شریعت نے کس حد کا تعین کیا ہے کہ جس سے تجاوز جائز نہ ہو یعنی کل مال کا چوتھائی حصہ یا ایک تہائی؟ اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے خاص مال سے اپنے خاوند کو ہدیہ دینا چاہے تو اس کے لیے تصرف کے کیا حدود ہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب خاوند کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی صحت و حیات میں اپنی بیوی کو اس کے صبر یا حسن خدمت یا اس نے اسے جو اپنا مال اور مہر وغیرہ دیا ہے کے عوض جو چاہے ہدیہ دے سکتا ہے بشرطیکہ اس کا مقصد دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو اس سلسلے میں مال کے چوتھے حصے وغیرہ کی کوئی تعیین بھی نہیں ہے' اس طرح بیوی بھی اپنے خاوند کو اپنے مال یا مہر میں سے جو چاہے دے سکتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ٤)

"اگر عورتیں اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو"

لیکن حالت مرض میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ اس حالت میں یہ وارث کے لیے وصیت شمار ہو گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

خاوند کا ہبہ کرنا

سوال میری بیوی اور میں بانجھ ہیں' میرے اہل خانہ میری بیوی کو پسند بھی نہیں کرتے لہٰذا میں نے اپنے مکان کا چوتھا حصہ اس کے نام فروخت کر دیا ہے تاکہ وہ اسے میری وفات کے بعد اس گھر سے نہ نکالیں' اگر ایسا کرنا حرام ہے تو اس گناہ کے کفارہ کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر اس نے مکان کے اس چوتھے حصہ کی قیمت ادا کر دی ہے جو آپ نے اسے بیچا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں' آپ کی وفات کے بعد اس مکان کا چوتھا حصہ اس کی ملکیت ہو گا اور چوتھا اسے بطور وراثت مل جائے گا لہٰذا وہ اسے اس سے نکال نہیں سکیں گے اور اگر آپ نے اسے چوتھا حصہ قیمت لیے بغیر بطور ہبہ دیا ہے تو وہ آپ کے ساتھ حسن سلوک سے رہنے اور صبر کرنے کی وجہ سے اس کی مستحق ہے' آپ کو اسے ہبہ کرنے کا بھی حق حاصل ہے آپ کے اہل خانہ اسے گھر سے نکال نہیں سکتے بہر حال ان اسباب کی وجہ سے اسے مکان یا اس کا کچھ حصہ فروخت کرنے یا ہبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بہن کا ہبہ

سوال میرے والد صاحب کا مدت ہوئی انتقال ہو گیا تھا' ہمارے پاس ان کا ایک مکان ہے جسے ہم اب فروخت کر کے وارثوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں' میری ایک بہن اپنے حصے سے میرے حق میں دستبردار ہو کر شادی کے لیے میری مدد کرنا چاہتی ہے' یہ بہن خود شادی شدہ اور مالی طور پر خوش حال ہے' کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی فرمائے۔

جواب شادی میں مدد دینے کیلئے بہن اپنا حصہ آپ کو ہبہ کرنا چاہتی ہے تو وہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بہن سلیم العقل ہو کیونکہ کتاب و سنت کے ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ عورت کیلئے اپنا مال اپنے رشتے داروں اور غیر رشتہ داروں کو بطور عطیہ دینا جائز ہے جیسا کہ سلیم العقل ہونے کی صورت میں اس کیلئے صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

یہ ہبہ جائز ہے

سوال ایک عورت نے اپنا وہ حصہ جو اپنے باپ کی وراثت سے حاصل کیا تھا اپنے ایک بھائی کو ہبہ کر دیا' یاد رہے اس کے اپنے بھی آٹھ بچے ہیں جن میں لڑکے بھی ہیں اور لڑکیاں بھی تو کیا اس صورت میں شرعاً یہ ہبہ جائز ہے؟ اس کی اولاد کا

اس میں کتنا حصہ ہے؟

جواب اگر یہ عورت دماغی طور پر صحت مند ہے تو یہ ہبہ جائز ہے اور وہ اپنے مال میں اس طرح تصرف کر سکتی ہے اور جب تک وہ زندہ ہے اس کے بچوں کا اس میراث میں کوئی حق نہیں ہاں البتہ بعد از وفات اس کی وراثت اس کے بچوں میں احکامات شریعت کے مطابق تقسیم ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عطیہ میں ترجیح

 کیا خاندان کے سربراہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بعض ورثاء کو بعض پر ترجیح دے؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ حالت صحت و تندرستی میں بعض وارثوں کو بعض پر ترجیح دے لیکن اولاد میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتا ہاں البتہ بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دیتے ہوئے دوگنا دے سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔“

لہٰذا اگر کوئی اپنے ایک بیٹے کو سو درہم دے تو واجب ہے کہ باقی سب کو بھی سو سو درہم اور بیٹیوں کو پچاس پچاس درہم دے یا پہلے بیٹے سے بھی واپس لے لے۔ اگر بیٹے بیٹیاں سن رشد کو پہنچے ہوئے ہوں اور وہ اپنے باپ کو کسی ایک بچے کو ترجیح دینے کی اجازت دے دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن یاد رہے یہ حکم نفقہ غیرواجب کے لیے ہے جہاں تک نفقہ واجب کا تعلق ہے تو وہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق دیا جائے گا مثلاً اس کا ایک بیٹا شادی کے قابل ہے اور یہ اسے شادی کا خرچہ اور مہر وغیرہ دیتا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جس قدر اس نے اس بیٹے کی شادی پر خرچ کیا ہے' اسی قدر وہ اپنے دیگر بچوں کو بھی دے کیونکہ یہ خرچ تو نفقہ ہے' اس مناسبت سے میں یہاں ایک مسئلہ کی طرف توجہ بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں' وہ یہ کہ بعض لوگ ازراہ جہالت اس طرح کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے بالغ بیٹے کی شادی پر خرچ کیا ہے تو وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لیے یہ وصیت کر دیتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کو بھی اتنی رقم دی جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ تو وارث کے لیے وصیت ہے اور وارث کے لیے وصیت حرام ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، ح:٢٨٧٠ وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية الوارث، ح:٢١٢٠)

”اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔“

اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نے ان کے لیے یہ وصیت اس لیے کی ہے کہ میں نے ان کے دوسرے بھائیوں کی شادی پر اتنی ہی رقم خرچ کی ہے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ اگر یہ چھوٹے بچے بالغ ہو کر آپ کی زندگی میں شادی کے قابل ہو

جائیں تو بے شک ان کی شادی پر اسی قدر خرچ کر دیں جس قدر ان کے دیگر بھائیوں کی شادی پر خرچ کیا ہے اور اگر وہ آپ کی زندگی میں شادی کی عمر کو نہ پہنچیں تو پھر بعد از وفات ان کی شادی کرنا آپ پر واجب نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ہبہ واپس لینے والا کتے کی طرح ہے

سوال میرا ایک بھائی مجھے ملنے کے لیے اس شہر میں آیا جہاں میں کام کرتا ہوں جب کہ ہمارے اہل خانہ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں--- جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے نیکی کے طور پر اسے کچھ رقم دی' میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ یہ قرض ہے اور کبھی میں یہ رقم اس سے واپس لے لوں گا' اسے بھی یہ بات معلوم تھی' رقم لینے کے بعد وہ ہمارے شہر واپس چلا گیا جہاں وہ اور دیگر اہل خانہ مقیم ہیں' وہ رقم اس نے شادی کرنے میں استعمال کی' ایک مدت تک اس کی بیوی نے اس کے ساتھ زندگی بسر کی لیکن بعد میں دونوں میں کشیدگی ہو جانے کی وجہ سے عورت نے سرکشی اور بدخوئی کی روش اختیار کر لی تو میرے بھائی نے میری دی ہوئی رقم کو اپنے پاس وصیت نامہ میں بطور قرض لکھ دیا اور اس پر گواہی بھی لکھ لی اور پھر اس کے ایک مدت بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اپنے بھائی کی وفات کے بعد جب میں اپنے شہر واپس آیا تو مجھے اس وصیت کے متعلق بتایا گیا' میرے بھائی کی بیوی نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا کہ ترکہ میں سے اس کا حصہ اسے دیا جائے اور میں نے مطالبہ کیا کہ بھائی کی وصیت کے مطابق مجھے بھی وہ رقم دی جائے جو اس نے وصیت نامہ میں لکھ رکھی ہے حالانکہ یہ رقم میں نے اسے قرض نہیں بلکہ احسان کے طور پر دی تھی لیکن اس عورت نے وصیت پر عمل کے پیش نظر واقعی مجھے وہ رقم دے دی اور میں نے لے لی اور اس نے ترکہ میں سے اپنا حصہ اس کے بعد وصول کیا (اب مجھے کیا کرنا چاہیے)؟

جواب اگر آپ نے مذکورہ رقم اپنے بھائی کو بطور صدقہ دی تھی' اس نے اسے قبول کر لیا تھا اور اسے یہ معلوم بھی تھا کہ یہ صدقہ ہے تو پھر آپ کو یہ رقم واپس نہیں لینی چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

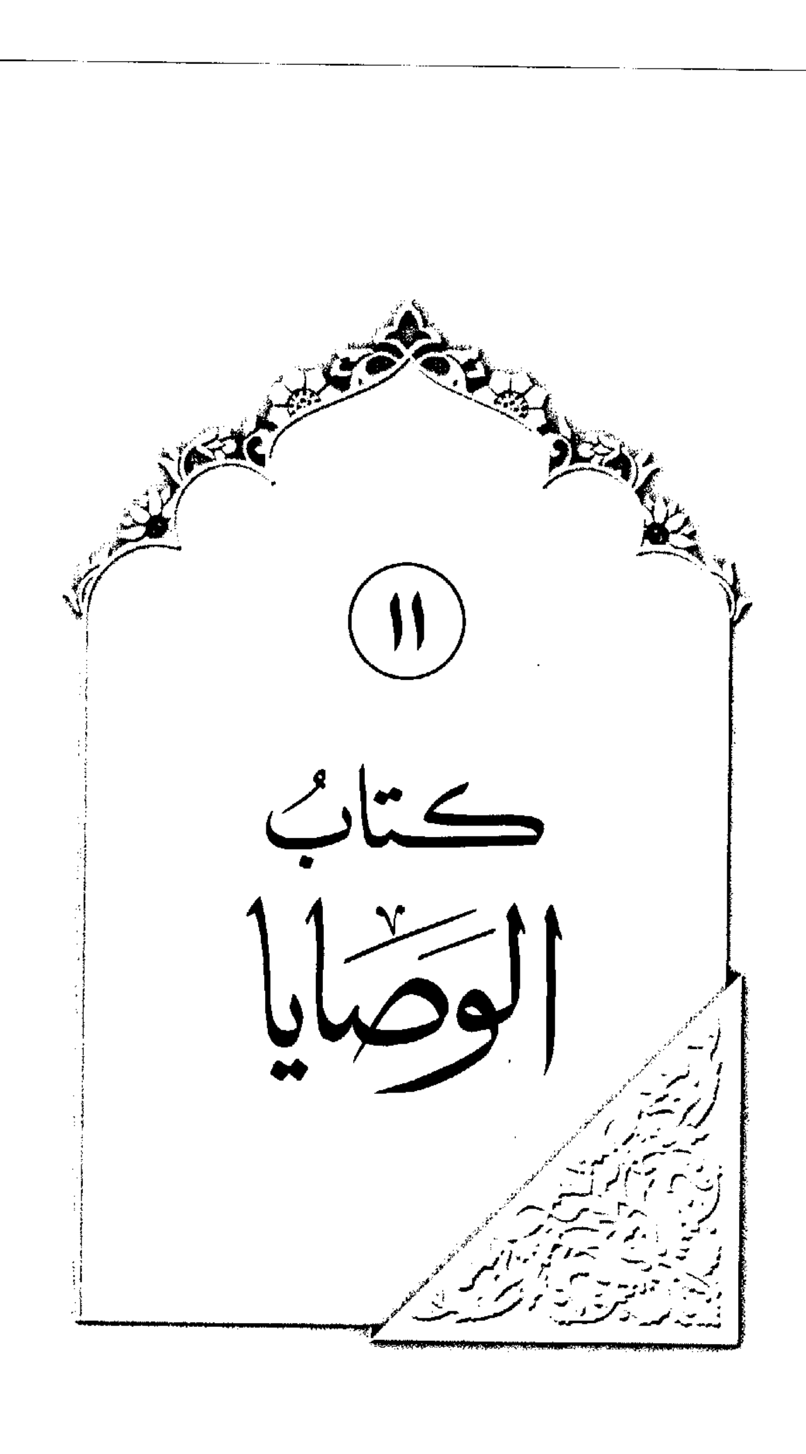
«اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ»(صحيح البخاري معلقا، الهبة، باب هبة الرجل لامرأته ... الخ، قبل، ح:٢٥٨٨ وجامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الرجوع في الهبة، ح:١٢٩٨)

"اپنے ہبہ کو واپس لینے والا کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو چاٹ لے۔"

لہٰذا یہ مال اسی کا ہے' اسے اس کے وارثوں کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر آپ بھی اس کے وارث ہیں تو آپ کو بھی وراثت سے اپنا حصہ ملے گا۔ وباللہ التوفیق' صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——




١١
کتاب
الوصايا

وصیتوں کے مسائل

وصیت کی مقدار اور وقت



سوال وصیت کس وقت کی جائے؟ کیا شریعت نے وصیت کے لیے مال کی کوئی حد مقرر کی ہے؟

جواب وصیت ہمیشہ کی جا سکتی ہے' جبکہ انسان کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو' وصیت کرنے میں جلدی کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، ح:٢٧٣٨ وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، ح:١٦٢٧ واللفظ له)

''مسلمان آدمی جس چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دو راتیں بھی ایسی بسر کرے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو''

امام بخاری اور امام مسلم ؒ نے اپنی اپنی ''صحیح'' میں اس حدیث کو بیان کیا ہے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وصیت کرنا ضروری ہو تو اسے جلدی کرنی چاہیے' وصیت زیادہ سے زیادہ اپنے مال کے ایک تہائی حصے میں کی جا سکتی ہے اور اگر چوتھے یا پانچویں یا اس سے کم حصے میں کر دی جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں لیکن زیادہ سے زیادہ تیسرے حصہ تک میں وصیت کی جا سکتی ہے جیسا کہ حضرت سعد ؓ سے مروی حدیث میں ہے:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، ح:٢٧٤٤ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

''تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔''

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ اگر لوگ تیسرے کی بجائے چوتھے حصے کی وصیت کریں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔'' [1]

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پانچویں حصہ میں وصیت فرمائی تھی۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری' الوصایا' باب الوصیة بالثلث' حدیث: 2743-

[2] مصنف ابن ابی شیبہ' الوصایا' باب مایجوز للرجل من الوصیة فی مالہ' 228/6' حدیث: 30910 و مصنف عبدالرزاق' الوصایا' 67/9' حدیث: 16364-

لہٰذا تیسرے حصے کی بجائے چوتھے یا پانچویں حصے کی وصیت کرنا افضل ہے خصوصاً جب کہ مال بھی زیادہ ہو اور اگر ایک تہائی تک میں وصیت کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

وصیت اور اس کی شرعی دلیل

سوال کیا وصیت کو لکھنا واجب ہے؟ اس کے لیے گواہ لازم ہیں؟ مجھے وصیت کے بارے میں شرعی دلیل معلوم نہیں' لہٰذا امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا

جواب وصیت کو اس طرح لکھا جائے:

میں زیر دستخطی یہ وصیت کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے' اور جنت حق ہے' جہنم بھی حق ہے' قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ قبروں میں مدفون انسانوں کو زندہ کر کے نکالیں گے۔ میں اپنے بیوی بچوں اور دیگر تمام رشتہ داروں کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ کے تقویٰ کو اختیار کریں' باہم اصلاح کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں' حق و صبر کی ایک دوسرے کو وصیت کریں میں بھی انہیں وہی وصیت کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے فرزندوں سے کہا تھا:

﴿ يَـٰبَنِيَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۳۲)

"اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے خبردار! تم مسلمان ہی مرنا۔"

ان الفاظ کے بعد آدمی جو وصیت کرنا چاہتا ہو اسے ذکر کر دے جو اس کے مال کے تیسرے حصے یا اس سے کم کے بارے میں ہو یا کسی مال معین کے بارے میں لیکن وصیت کل مال کے ایک تہائی سے زیادہ حصے میں نہ کرے' اس کے بعد وصیت کیے ہوئے مال کے شرعی مصارف کو بھی واضح کر دے اور کسی کو وکیل بھی مقرر کر دے جو ان مصارف پر مال وصیت کو خرچ کرے۔

وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے' اگر کسی چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے:

«مَا حَقُّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ، لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ، إِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصايا، ح:۲۷۳۸ وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، ح:۱۶۲۷ واللفظ له)

"مسلمان آدمی جس چیز کے بارے میں وصیت کرنا چاہتا ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دو راتیں بھی ایسی گزارے کہ وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"

اگر آدمی کے ذمہ قرض یا ایسے حقوق ہوں جو لکھے ہوئے نہ ہوں تو پھر یہ واجب ہے کہ ان کے بارے میں وصیت

کرے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں' وصیت پر دو عادل گواہوں کی گواہی بھی درج کرا لینی چاہیے نیز اسے قابل اعتماد اہل علم میں سے کسی سے لکھوانا چاہیے فقط اپنی تحریر پر اکتفانہ کرے کیونکہ اس سے ذمہ داروں کو اشتباہ بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا خط پڑھنے والا کوئی ثقہ آدمی میسر نہ آسکے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

وصیت کی پابندی کرنا واجب ہے

سوال ایک آدمی نے وفات سے قبل اپنے مال کے چوتھائی حصے میں اس طرح وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہر سال قربانی کرکے فقیروں اور مسکینوں میں صدقہ کر دی جائے نیز نیکی کے کاموں میں بھی اس کا مال خرچ کیا جائے' وہ چوتھائی مال جس کے بارے میں اس نے وصیت کی ہے وہ جائیداد اور بنک میں رکھی ہوئی قلیل مقدار میں رقم ہے' سوال یہ ہے کہ کیا اس مال وصیت کو مسجد بنانے میں خرچ کرنا جائز ہے یا اسے صرف انہی امور میں خرچ کیا جائے جن کا وصیت کرنے والے نے تعین کیا ہے؟

جواب اس طرح کی وصیت کے بارے میں واجب ہے کہ وصیت کرنے والے نے جو ذکر کیا ہے اس کی پابندی کی جائے' اس طرح دیگر تمام شرعی وصیتوں کے بارے میں بھی یہ واجب ہے کہ وصیت کرنے والے نے جو ذکر کیا ہو اسی کی پابندی کی جائے اور حتی الامکان کوشش کرکے اس پر عمل کیا جائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

وصیت کے مطابق عمل واجب ہے

سوال ایک آدمی نے یہ وصیت کی کہ اس کے ایک گھر کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اس کی طرف سے ہر سال قربانی اور حج کے لیے خرچ کیا جائے' اگر ہر سال یہ ممکن نہ ہو تو ایک سال چھوڑ کر ایسا کیا جائے اور اگر یہ مال قربانی و حج کے اخراجات سے زائد ہو تو پھر دیگر نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے' کیا وصیت کے مطابق حج کرنا ضروری ہے' اس طرح حج کرنے والے لوگ تو بہت ہیں لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا کہ وہ محض مادی فائدہ کے لیے حج کرتے ہیں تو اس صورت میں کیا یہ افضل نہیں ہے کہ حج کے بجائے اس مال کو دیگر نیکی کے کاموں میں مثلاً مسجدوں کے بنانے وغیرہ میں خرچ کر دیا جائے؟

جواب واجب یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی وصیت پر عمل کیا جائے کیونکہ حج بھی تقرب الٰہی کے حصول کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے' وکیل کو چاہیے کہ وہ کسی ایسے شخص کو حج پر بھیجے جس کے ظاہری حالات سے خیروصلاح اور حج کی رغبت معلوم ہوتی ہو اور بظاہر وہ حصول مال ہی کے لیے حج نہ کرنا چاہتا ہو' باقی دلوں کے بھید اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں اور وہی ان کے مطابق بدلہ بھی دیں گے۔

——— شیخ ابن باز ———

وارث کے لیے وصیت نہیں

سوال میرے والد نے اپنی زرعی زمین کے بارے میں یہ وصیت لکھی ہے کہ وہ اس کے بعد اس کے بیٹے کو دے دی

جائے جب کہ والد صاحب کی چار بیٹیاں بھی ہیں تو کیا یہ وصیت جائز ہے؟ اور اگر اس زمین کو اس کے بیٹے اور چار بیٹیوں میں تقسیم کرنا ہو تو اس کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

جواب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ میت کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ ﴾ (النساء٤/ ١١)

''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے''

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داود، الوصايا، باب ما جاء في الوصية للوارث، ح: ٢٨٧٠)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔''

لہٰذا اس باپ کی اپنے بیٹے کے بارے میں وصیت باطل ہے' اس پر عمل نہیں کیا جائے گا ہاں البتہ اگر تمام وارث اس پر راضی ہو جائیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ راضی نہ ہوں تو پھر اس زمین کو بھی ترکہ میں شامل کر کے تمام ورثاء میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور اگر وارثوں میں صرف یہی ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہی ہوں تو تقسیم اس طرح ہو گی کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہو گا۔ اس زمین کی قیمت اور میت کے باقی مال کو جمع کر کے انہی حصوں کے مطابق بیٹے اور بیٹیوں میں تقسیم ہو گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایک تہائی سے کم میں وصیت

سوال یہ تو معلوم ہے کہ ایک شخص اپنے مال کے ایک تہائی حصہ میں وصیت کر سکتا ہے تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ ایک تہائی سے کم میں وصیت کرے جب کہ آدمی کے پاس دولت بھی زیادہ ہو؟ مال وصیت کو کہاں خرچ کیا جائے؟ کیا یہ واجب ہے کہ قربانی کے لیے بھی وصیت کی جائے؟

جواب نبی ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا تھا جب سعد بیمار تھے اور انہوں نے آپ ﷺ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا وہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ صدقہ کر سکتے ہیں؟ ''تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں'' انہوں نے ایک تہائی حصے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب رثاء النبي ﷺ سعد بن خولة، ح:١٢٩٥ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

''ہاں ایک تہائی اور ایک تہائی حصہ بھی بہت ہے' اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقیر چھوڑ کر جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اگر لوگ تیسرے کی بجائے چوتھے حصے کی وصیت کریں تو یہ زیادہ موزوں ہے کیونکہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

«اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیرٌ»(صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، ح:٢٧٤٤ وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، ح:١٦٢٨)

"تیسرے حصے کی وصیت کرو اور تیسرا حصہ بھی بہت ہے۔" اور

«أَوْصٰی أَبُوبَکْرٍ بِالْخُمُسِ»(مصنف عبدالرزق:٩/٦٧ وابن أبي شيبة:٦/٢٢٨)

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کے پانچویں حصے میں وصیت فرمائی تھی۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ حالت مرض میں صدقہ اور وصیت کرنے کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔

تہائی سے کم کی کوئی حد نہیں ہے' وصیت کرنے والا اپنے مال کے بارے میں جو وصیت کرنا چاہے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ تہائی سے زیادہ مال کے بارے میں وصیت نہ کرے اور اگر وہ تہائی سے کم مثلاً چوتھے یا پانچویں یا چھٹے حصے کے بارے میں وصیت کرے تو یہ افضل ہے خصوصا جب کہ مال بھی زیادہ ہو۔ افضل یہ ہے کہ وصیت نیکی کے کاموں کے بارے میں ہو مثلاً فقیروں' مسکینوں' مسافروں اور مجاہدوں کی مدد کے لیے' مسجدوں اور دینی مدرسوں کی تعمیر کے لیے یا رشتہ داروں پر صدقہ کے لیے اور اگر وصیت کرنے والا اپنے لیے یا اپنے دیگر اہل خانہ کی طرف سے قربانی کے لیے وصیت کر جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ قربانی بھی شرعی تقربات میں سے ہے' وصیت ان لوگوں کی مدد کے لیے بھی کی جا سکتی ہے جو شادی کے اخراجات برداشت کرنے سے عاجز ہوں یا جو مقروض اپنا قرض ادا نہ کر سکتے ہوں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

مال وصیت میں سے ہر سال قربانی کرنا

سوال میت کی طرف سے اس کے مال وصیت میں ہر سال قربانی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے' کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب وصیت کرنا شرعاً ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ وصیت کرنے والا اپنے مال کے کچھ حصے کے بارے میں یہ وصیت کر دے کہ اسے ان صدقات اور نیکی کے کاموں میں خرچ کیا جائے جن کا اسے ثواب ملتا رہے مثلاً حج' جہاد' مساجد' دینی کتب' صلہ رحمی' مہمان نوازی' فقراء' مساکین اور مقروض لوگوں پر خرچ کرنے کی وصیت کی جا سکتی ہے' اسی طرح قربانی بھی صدقہ ہی کی ایک قسم ہے اور اس کا بھی بہت ثواب ہے لیکن اس دور میں لوگوں کے بکثرت قربانی کرنے کی وجہ سے قربانی کے گوشت کی بہت کم ضرورت رہ گئی ہے لہذا وہ فقیروں میں تقسیم نہیں ہوتی لہذا قربانی کو بہت ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ حسب ضرورت بعض حالات میں اسے ترجیح دی جا سکتی ہے لہذا سابقہ بیان کیے گئے نیکی کے دیگر کاموں پر مال وصیت کو خرچ کرنا زیادہ موزوں ہو گا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ایک حرام اور باطل وصیت


سوال ایک آدمی کے دو بیٹے ہیں اور اس نے وصیت کی ہے کہ اس کا مکان ان میں سے ایک کو دے دیا جائے' پھر اس

نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد ایک اور شادی کی اور اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس بیٹے کا وراثت میں کیا حصہ ہو گا؟

جواب یہ آدمی جس کے دو بیٹے ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کے بارے میں یہ وصیت کی ہے کہ اس کا مکان اسے دے دیا جائے' یقیناً یہ حرام اور باطل وصیت ہے کیونکہ اس وصیت میں ایک وارث کی تخصیص کی گئی ہے اور ایک بیٹے کو دوسرے پر ترجیح دی گئی ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں پہلی بات یہ کہ وارث کے لیے وصیت حرام ہے کیونکہ یہ حدود الٰہی سے تجاوز ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کے مطابق وراثت کو تقسیم فرما دیا ہے اور وراثت کے سلسلے کی پہلی آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ ﴾ (النساء٤/ ١١)

"تمہارے آباؤ و اجداد ہوں یا تمہارے بیٹے' تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے کے زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور کامل حکمت والا ہے۔"

دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَـٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٣-١٤)

"یہ (احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا' اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔"

اور تیسری میں فرمایا:

﴿ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا۟ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿١٧٦﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٧٦)

"اللہ تم سے (یہ احکام) اس لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بھٹک جاؤ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اولاد میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا بھی ظلم و ستم ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے انہیں کچھ مال بطور عطیہ دیا تو نعمان کی والدہ نے کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک آپ نبی ﷺ کو اس عطیہ پر گواہ نہیں بنا لیتے' نعمان بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب مجھے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ گواہ بن جائیں کہ میں نے اپنا فلاں مال نعمان کو عطیہ میں دے دیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَكُلَّ بَنِيكَ قَدْ نَحَلْتَ مِثْلَمَا نَحَلْتَ النُّعْمَانَ؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: فَأَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي، ثُمَّ قَالَ: أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟ قَالَ: بَلٰى قَالَ: فَلاَ إِذًا» (صحيح

البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"کیا تو نے اپنے ہر بیٹے کو اتنا مال بطور عطیہ دیا ہے جتنا نعمان کو دے رہے ہو؟ میرے والد نے جواب دیا جی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ پھر میرے علاوہ کسی اور کو اس پر گواہ بنالو اور پھر فرمایا: کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تمہارے تمام بچے تم سے یکساں حسن سلوک کا مظاہرہ کریں؟ عرض کیا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بیٹے کو دوسروں پر ترجیح نہ دو۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ» (صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣)

"اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں عدل کرو۔"

پھر اس سے واضح ہوا کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے ایک بیٹے کو تو کوئی عطیہ دے اور دوسروں کو اس سے محروم کر دے کیونکہ یہ خلاف عدل ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس آدمی نے اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد ایک اور شادی کی اور اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا تو اس بچے کا وراثت میں سے کیا حصہ ہو گا؟ تو اس سوال کا جواب اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک تمام وارثوں کی تفصیل معلوم نہیں ہو جاتی کیونکہ تفصیل ہی سے معلوم ہو گا کہ وارث کون ہے اور وراثت میں اس کا کتنا استحقاق ہے؟

——— شیخ ابن عثیمین ———

وصیت پر عمل کے بعد بچ جانے والی رقم کو وارثوں میں تقسیم کیا جائے

سوال ایک آدمی نے اپنی ملکیت کے چوتھے حصے کے بارے میں یہ وصیت کی کہ اس سے دو قربانیاں کر دی جائیں اور اس سے جو رقم بچ جائے اسے اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہو' وکیل وصیت نے اس چوتھے حصے سے ایک دوکان خرید لی اور اس کے کرائے سے دو قربانیاں کر دیں اور باقی رقم وصیت کے مطابق اس کی اولاد میں تقسیم کر دی اور چوتھے حصے کے بعد جو باقی رقم تھی' وہ بیس ہزار ریال تھی جسے اس نے کاروبار میں لگا دیا اور اس سے بہت زیادہ نفع ہوا تو کیا وہ اس نفع کو بھی حسب وصیت وارثوں میں تقسیم کر دے یا یہ نفع وصیت کردہ چوتھائی حصے کے تابع ہو گا کہ اسے وارثوں میں تقسیم نہ کیا جائے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو ان بیس ہزار ریال کا ہر نفع وصیت سے زیادہ ہو گا اور اسے حسب وصیت وارثوں ہی میں تقسیم کیا جائے گا کیونکہ مقصود یہ ہے کہ نفع سے اس کی طرف سے ہر سال دو قربانیاں کر دی جائیں اور جو رقم ان قربانیوں سے بچ جائے گی وہ زائد ہو گی خواہ دونوں قربانیاں دوکان کے کرائے سے کی جائیں یا بیس ہزار کے نفع سے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیوی کا مال لیا لیکن وصیت کر دی کہ ....

سوال ایک آدمی زندگی میں تو اپنی بیوی کا حق کھا جاتا ہے لیکن موت کے وقت وہ یہ وصیت کرتا ہے کہ اس کے عوض اسے اس کی ملکیت زمین سے چند ہاتھ زمین دے دی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اگر بیوی کے حقوق جو اس نے تلف کیے' اس کے ذمے ہوں اور جو اس نے وصیت کی ہے' یہ اس کے حقوق کے مساوی ہو تو یہ وصیت جائز ہے لیکن یاد رہے یہ وصیت اصل ترکے سے ہو گی' ثلث سے نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

فوت ہونے والے نے وصیت نہیں کی

سوال ایک صاحب مال و عیال آدمی فوت ہوا ہے جس کی ساری اولاد نابالغ ہے' ان میں سے سب سے بڑے بچے کی عمر آٹھ سال ہے' یہ اچانک فوت ہو گیا اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی' اگر اسے موت کا علم ہوتا تو یہ ضرور وصیت کرتا تو کیا اس کے مال میں سے کچھ بطور وصیت نکالا جا سکتا ہے یا نیک اعمال مثلاً حج' عمرہ اور قربانی وغیرہ ہی کافی ہیں' رہنمائی فرمائیں؟

جواب وارثوں کے لیے اس کے مال میں سے کچھ الگ کرنا ضروری نہیں لیکن اگر وہ کوئی معلوم حصہ مثلاً ثلث یا ربع وغیرہ الگ کر دیں یا اس کی طرف سے کوئی نقدی وغیرہ صدقہ کر دیں یا کوئی جائیداد خرید کر اس کی طرف سے اللہ کی راہ میں وقف کر دیں اور اس کی آمدنی کو نیک اعمال میں خرچ کر دیں تو اس سے ان سب کو اجر و ثواب بھی ملے گا اور یہ ان کی اپنے باپ کے ساتھ نیکی بھی ہو گی لیکن یہ اس صورت میں ہو گا جب بچے بالغ ہوں' جب بچے نابالغ یا ناقص العقل ہوں تو پھر ان کے ولی کے لیے ان کے حصے سے کچھ نکالنا جائز نہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور .....

سوال ایک آدمی نے اپنے کل مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی لیکن اولاد کے لیے رہائشی مکان کو اس سے مستثنیٰ کر دیا اس طرح کہ اسے شرعی میراث کے مطابق تقسیم کیا جائے لیکن وفات سے پہلے ہی اس نے اس مکان کو بیچ کر اور خرید لیا اور پھر اسے بھی بیچ دیا اور اس کی بجائے ایک تیسرا مکان خرید لیا اور جب وہ فوت ہوا تو اس کے پاس یہی ایک مکان تھا جو اس کے بچوں کا مسکن ہے' کیا مذکورہ گھر اس پانچویں حصے میں داخل ہے اور اس کا حکم پہلے گھر والا ہی ہو گا یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا سوال میں مذکور ہے تو وفات کے وقت اس شخص کے پاس جو گھر تھا یہ اسی گھر کا بدل ہو گا جسے اس نے وصیت میں مستثنیٰ قرار دیا تھا لہٰذا یہ پانچویں حصے میں شامل نہیں ہو گا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک تہائی میں وصیت کے مطابق عمل واجب ہے

سوال میں نے اپنے والد کی املاک کو ۱۳۷۳ھ میں اپنی بہنوں میں تقسیم کیا کہ ان میں سے ہر ایک کے حصے میں سات سات قیراط آئے تو ایک بہن نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ وہ اپنا حصہ میری اولاد کی نذر کرتی ہے لیکن اس وصیت کے ساتھ کہ اس کی وفات کے بعد دو گائیوں کا گوشت فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے' اس نے اپنی اس نذر اور وصیت کا کئی بار ذکر کیا اور پھر ۱۳۹۴ھ میں یہ بہن اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی' اس نذر اور وصیت کے بارے میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی بہن نے باپ کی میراث سے حاصل کردہ جو حصہ آپ کے بچوں کو دیا ہے تو اس کا اثبات اس شہر کے قاضی کی معرفت ممکن ہے جہاں یہ ملکیت ہے۔

اس نے جو یہ وصیت کی ہے کہ اس کی طرف سے گائیں ذبح کر کے ان کا گوشت فقیروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیا جائے تو اب چونکہ اس کا انتقال ہو چکا ہے لہٰذا سوال میں مذکور وصیت کے مطابق اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ وصیت شرعی دلیل سے ثابت ہو اور دو گائیوں کی قیمت اس کے کل مال کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

وصیت نامہ گم ہو گیا تھا اور پھر تقسیم ترکہ کے بعد مل گیا

سوال میرے والد صاحب ۱۳۹۱ھ میں بیمار ہوئے اور اسی سال انہوں نے ۲۹ ذوالقعدہ کو ایک تحریر کے ذریعے اپنے ایک تہائی مال کو وقف کر کے میرے سپرد کر دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اس بیماری سے صحت یاب نہیں ہو سکیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں شفاء عطا فرما دی اور وہ اس بیماری کے چار سال بعد تک زندہ رہ کر ۱۳۹۵ھ میں فوت ہو گئے۔ وصیت لکھنے' ایک تہائی مال کو اپنے قبضے میں لینے اور پھر والد صاحب کے شفایاب ہو جانے کے بعد میں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ وصیت اب ختم ہو گئی ہے اور پھر جب ہم نے وہ وصیت نامہ تلاش کرنا چاہا تو ہمیں نہ ملا' تلاش کر کے جب ہم تھک گئے تو ہم نے اس موضوع کو ہی ختم کر دیا کہ وصیت کرنے والا اب ماشاء اللہ زندہ سلامت اور صحت یاب ہے لیکن اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ والد صاحب ۱۳۹۵/۱/۲ھ کو وفات پا گئے اور اس دفعہ انہوں نے وفات سے پہلے کوئی وصیت نہیں کی' انہوں نے جو ترکہ چھوڑا وہ بتیس ہزار ایک سو اڑتالیس (۳۲۱۴۸) ریال ہے اسے ان کے وارثوں یعنی دو بیویوں' دو بیٹیوں اور چار بیٹوں میں تقسیم کر دیا گیا اور جب ہر وارث نے اپنا اپنا حصہ لے لیا تو مورخہ ۱۳۹۶/۸/۱۰ھ کو ہمیں وہ وصیت نامہ بھی مل گیا جو ۱۳۹۱ھ میں والد صاحب کی پہلی بیماری کے دوران لکھا گیا تھا اور جس میں انہوں نے مال کا تیسرا حصہ وقف کر کے اس کی نگرانی میرے سپرد کی تھی' اب جب کہ ترکہ تقسیم ہو چکا ہے ہم حیران ہیں کہ کیا کریں' وصیت نامہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہم ڈرتے ہیں کہ گناہ نہ ہو' یاد رہے مرحوم کے بیٹے نیک ہیں اور ان کا مقصد بھی اپنے والدین سے نیکی کرنا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو ہر وارث سے اس قدر رقم واپس لے لی جائے جو اس کے ترکہ کے ثلث یعنی دس ہزار سات سو سولہ ریال کے بقدر ہو یعنی ہر وارث سے تیسرا حصہ واپس لے لیا جائے تو وہ

مجموعی طور پر میت کے ترکہ کے ثلث کے برابر ہو گا اور اسے اس کے شرعی وکیل کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا جائے بشرطیکہ وہ شرعی گواہی یا وارثوں کے اقرار سے ثابت ہو۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمدو آلہ وصحبہ وسلم

اس مال کے بارے میں حکم جسے کسی بدعت کے کام میں خرچ کرنے کی وصیت کی گئی ہو

سوال میں نے حرم مدنی میں کسی طالب علم سے یہ سنا ہے کہ شرعاً یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص سے اجرت پر میت کے لیے قرآن پڑھایا جائے' بعض علاقوں میں چونکہ اس کا رواج ہے تو سوال یہ ہے کہ اس مال کے بارے میں کیا کیا جائے جس کے متعلق میت نے یہ وصیت کی ہو کہ یہ اس کی طرف سے قرآن خوانی پر خرچ کیا جائے؟

جواب کسی شخص کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اجرت پر قرآن خوانی کرنا بدعت ہے لہٰذا یہ ناجائز اور غلط ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جو شخص ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور ... الخ، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام بالباطلة ورد محدثات الأمور:١٧١٨ واللفظ له)

"جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے"

میت نے قرآن پڑھنے والے کو بطور اجرت دینے کے لیے جس مال کے بارے میں وصیت کی ہو تو اسے نیکی کے کاموں میں صرف کر دیا جائے' اس کی اولاد اگر فقیر ہو تو بقدر ضرورت ان پر خرچ کر دیا جائے' اسی طرح قرآن مجید اور دینی علم کے ضرورت مند طلبہ پر خرچ کر دیا جائے کہ یہ لوگ اس مال کے زیادہ مستحق ہیں' اسی طرح اسے دیگر نیک کاموں میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

—— فتویٰ کمیٹی ——

بعض بیٹوں کو وراثت سے محروم کرنے کی وصیت

سوال ایک آدمی کے آٹھ لڑکے ہیں ان میں سے چھ تو اللہ تعالیٰ اور اپنے والدین کے فرماں بردار اور دو نافرمان ہیں' وہ نماز نہیں پڑھتے' روزے نہیں رکھتے اور والدین کی نافرمانی بھی کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے والد نے انہیں اپنی وصیت میں وراثت سے محروم قرار دے دیا ہے الآیہ کہ وہ اس کی وفات سے پہلے توبہ کریں' کیا یہ وصیت درست ہے؟

جواب یہ وصیت جائز نہیں کیونکہ شریعت اور اس کے عدل کے تقاضے کے خلاف ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں خصوصاً

اولاد کے بارے میں حکم دیا ہے اور اس وجہ سے بھی یہ وصیت ناجائز ہے کہ امام احمد اور ابوداوٗد رحمہم اللہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ»(سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، ح: ٢٨٧٠)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں ہے"

اور امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے والد انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے گئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام بطور عطیہ دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟ فَقَالَ: لاَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَارْجِعْهُ»(صحيح البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، ح:٢٥٨٧ وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اس طرح کا عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عطیہ بھی واپس لے لو۔"

اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا فِي أَوْلاَدِكُمْ»(صحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ح:١٦٢٣ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے بارے میں عدل سے کام لو۔"

نعمان بیان کرتے ہیں کہ یہ ارشاد سننے کے بعد میرے والد نے اپنا عطیہ واپس لے لیا۔

ہاں البتہ اگر شرعی طور پر کوئی ایسی بات ثابت ہو جائے جو موجب کفر ہو مثلاً یہ بیٹے اپنے باپ کی وفات کے وقت تارک نماز ہوں تو پھر ان کے لیے وراثت میں کوئی حصہ نہ ہو گا خواہ ان کے باپ نے اس کی وصیت نہ بھی کی ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلاَ الكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

"مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

فتویٰ کمیٹی

موت کے بعد دعوتیں کرنا

سوال بعض لوگ اپنے اعزہ و اقارب کی وفات کے بعد دعوتیں کرتے اور ان کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہیں اور ان دعوتوں اور گوشت کے لیے ذبح کیے جانے والے جانوروں کی قیمت متوفیٰ کے مال سے ادا کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر کسی میت نے اس طرح کی دعوتوں کے انعقاد کی وصیت کی ہو تو کیا وارثوں کے لیے اس وصیت پر عمل

کرنا ضروری ہے؟

جواب وفات کے بعد اس طرح کی دعوتوں کے اہتمام کی وصیت کرنا بدعت اور عمل جاہلیت ہے' میت کے اہل خانہ کا وصیت کے بغیر بھی اس طرح کی دعوتوں کا اہتمام کرنا منکر اور ناجائز ہے کیونکہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے:

«كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ»(مسند أحمد: ٢/ ٢٠٤)

"ہم دفن کے بعد اہل میت کے ہاں اجتماع اور کھانے کے اہتمام کو بھی نوحہ شمار کرتے تھے۔"

اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی شریعت نے تو یہ حکم دیا ہے کہ میت کے اہل خانہ کے لیے کھانا تیار کر کے ان کی دلجوئی کی جائے کیونکہ وہ غم اور صدمے میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس موقع پر خود میت کے اہل خانہ کا کھانے کی دعوت کا اہتمام کرنا اس حکم شرعی کے بھی خلاف ہے' غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی جب خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«اِصْنَعُوا لآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ»(سنن أبي داود، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، ح:٣١٣٢ وجامع الترمذي، الجنائز، باب ما جاء في الطعام ... الخ، ح:٩٩٨ وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء في الطعام يبعث إلى أهل الميت، ح:١٦١٠ واللفظ له)

"آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو کہ ان کے پاس ایک ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں غم میں مبتلا کر دیا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جس نے اپنی وفات کے بعد جانور کے ذبح کی وصیت کی ہو

سوال میری والدہ نے وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد جانور ذبح کیا جائے اور اسے پکا کر پڑوسیوں' ساتھیوں' جنازہ میں شرکت کرنے والوں' قبر کھودنے اور دفن میں مدد دینے والوں کو کھلایا جائے' کیا میں اپنی والدہ کی اس وصیت پر عمل کر سکتا ہوں؟

جواب اگر جانور ذبح کرنے سے مقصود پڑوسیوں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور تجہیز و تدفین میں مدد دینے والوں کی مدد ہو تو ہمیں اس وصیت پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا اور نہ اس دعوت میں شرکت میں کوئی حرج معلوم ہوتا ہے خواہ اس ماں کے مال سے اس وصیت پر عمل کیا جائے یا اس کا بیٹا اپنے مال سے اس پر عمل کر دے اور اگر اس دعوت سے مقصود موجودہ عادت پر عمل کرنا ہو جس طرح لوگ ساتویں' چہلم یا برسی وغیرہ کا اہتمام کرتے یا وفات کی وجہ سے ماتم قائم کرتے ہیں تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بدعت اور حکم شریعت کے خلاف ہے لہٰذا اس وصیت پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

واللہ اعلم' وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

——— فتویٰ کمیٹی ———

امام نے وصیت کی کہ اسے قبلہ مسجد میں دفن کیا جائے

سوال ایک جامع مسجد کے امام نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی کہ اسے جامع مسجد کے قبلہ کے سامنے دفن کیا جائے تو کیا یہ وصیت صحیح ہے؟

جواب یہ وصیت باطل ہے کیونکہ مساجد یا ان کے قبلہ میں دفن کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا واجب ہے کہ اس شخص کو بھی عام لوگوں کے ساتھ قبرستان ہی میں دفن کیا جائے' مسجدوں میں دفن کرنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے' آپ ﷺ نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھی فرمائی ہے' آپ ﷺ نے مرض الموت میں اس سے منع فرمایا' امت کو اس سے ڈرایا اور فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل ہے' آپ ﷺ نے اس سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ وسیلہ شرک ہے۔

قبروں پر مسجدیں بنانا اور ان میں مردوں کو دفن کرنا اس لیے وسیلہ شرک ہے کہ لوگ ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ نفع و نقصان کے مالک ہیں لہٰذا یہ اس لائق ہیں کہ ان کی اطاعت بجا لا کر ان کا تقرب حاصل کیا جائے لہٰذا مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس خطرناک کام سے اجتناب کریں' مسجدوں کو قبروں سے خالی ہونا چاہیے' ان کی بنیاد توحید اور صحیح عقیدہ پر ہونی چاہیے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

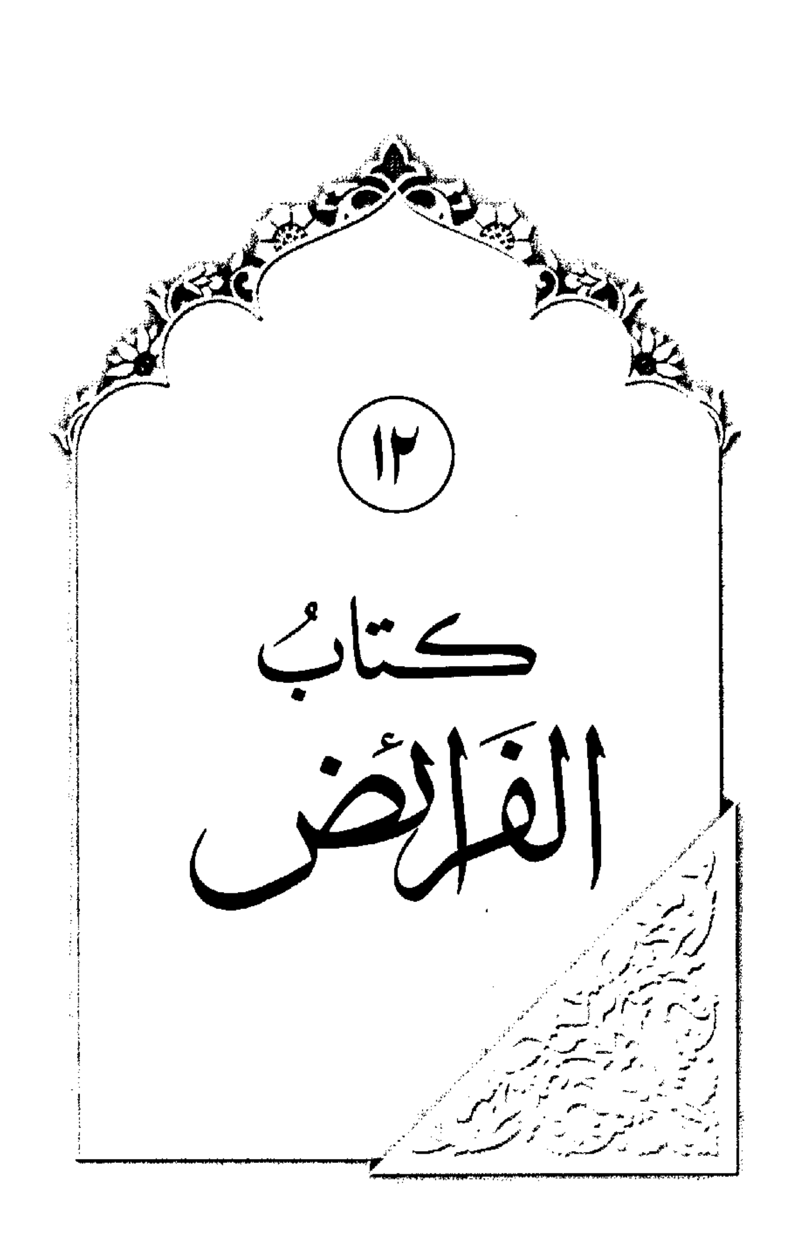
﴿ وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾ ﴾ (الجن ٧٢/ ١٨)

''اور یہ کہ مسجدیں (خاص) اللہ کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''

واجب ہے کہ تمام مسجدیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے لیے ہوں اور پھر جن مسجدوں میں اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت ہوتی ہو انہیں ہر قسم کے شرکیہ مظاہر سے بھی پاک ہونا چاہیے اور ان میں صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جانی چاہیے اور یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن عثیمین ——




١٢
كتاب
الفرائض

وراثت کے مسائل

تقسیم میراث سے قبل قرضوں کی ادائیگی

سوال مجھے ایک قریبی رشتے دار سے کچھ مال بطور وراثت ملا' اس وراثت میں میرے ساتھ ان کی ایک بیٹی اور دو بیویاں بھی شریک تھیں' پھر کچھ مدت کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ متوفی کے ذمہ بہت قرض ہے' باقی وارثوں نے تو ان کے قرض ادا کرنے میں حصہ لینے سے انکار کر دیا لیکن میرا دل متوفی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس کی وجہ سے بہت نرم ہو گیا تو میں نے یہ تہیہ کر لیا کہ میرے پاس جو مال موجود ہے میں اس سے کاروبار کر کے نفع حاصل کروں گا اور اس کے ذمے تمام قرض ادا کر دوں گا۔ اس وقت میرے پاس جو مال ہے' اس کے ذمہ قرضہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب میت کے ورثاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ قرض کی ادائیگی سے قبل وراثت میں سے کچھ لیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب وراثت کو بیان کیا تو فرمایا:

﴿ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ﴾ (النساء٤/ ١١)

("اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت کی تعمیل کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض (کے ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمہ ہو عمل میں آئے گی۔")

لہذا قرضوں کی ادائیگی سے پہلے وارثوں کے لیے میت کے مال میں کوئی حق نہیں' اگر انہیں قرض کا علم نہ ہو اور وہ مال تقسیم کریں تو پھر ہر وارث پر یہ واجب ہے کہ اس نے جو لیا ہے' وہ قرضوں کی ادائیگی کے لیے واپس کرے اور اگر کوئی اس سے انکار کرے تو وہ گناہ گار ہو گا اور میت اور صاحب قرض پر اس کی طرف سے یہ ظلم ہو گا۔ اب آپ نے اس مال کو جو تجارت میں لگا دیا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کر کے میت کا قرض ادا کر سکیں تو یہ ایک اجتہادی تصرف ہے' امید ہے اس اجتہاد کی وجہ سے آپ کو گناہ نہیں ہو گا لہذا آپ کو چاہیے کہ آپ نے جو مال بطور وراثت حاصل کیا ہے اس سے اور اس کے نفع سے بھی قرض ادا کریں لیکن آپ نے جو کیا ہے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کو ایسے مال میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہے جس کے آپ مستحق ہی نہیں ہیں لیکن آپ نے چونکہ یہ بطور اجتہاد کیا ہے' اس لیے امید ہے آپ کو گناہ نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ایک عورت حج سے پہلے فوت ہو گئی

سوال ایک عورت اپنے شوہر' والد اور بہن بھائیوں کو چھوڑ کر فوت ہوئی ہے' اس کی ایک بچی بھی تھی مگر وہ اپنی والدہ سے پہلے ہی فوت ہو گئی تھی' اس عورت نے تھوڑی سی نقدی چھوڑی ہے' اس کے ورثاء ایک بات تو یہ معلوم کرنا چاہتے

ہیں کہ میراث میں ان کا حصہ کیا ہو گا اور دوسری بات یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ عورت نے فریضہ حج ادا نہیں کیا تھا اس لیے بعض ورثاء اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس کے ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس سے اس کی طرف سے حج کروا دیا جائے اور بعض نے علماء کے فتوے اور حکم شریعت کے ساتھ اپنی رضامندی کو موقوف کیا ہے تو اس سلسلے میں ہمیں آپ کے جواب کا انتظار ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو اس کی طرف سے حج و عمرہ کرنے والے کو اس کے ترکہ سے حج و عمرے کا خرچہ دیا جائے جب کہ یہ اپنی زندگی میں حج پر قادر تھی اور اگر یہ فقیر تھی تو پھر اس پر حج و عمرہ فرض نہیں ہے' حج و عمرہ کے اخراجات سے جو رقم بچ جائے اس سے اس کا قرض ادا کیا جائے بشرطیکہ یہ مقروض ہو' پھر وصیت پر عمل کیا جائے اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو اس کے بعد جو باقی بچ رہے وہ وارثوں میں اس طرح تقسیم ہو گا کہ صورت مسئلہ دو سے بنے گی' اس کا نصف اس کے شوہر کو ملے گا اور باقی باپ کو' باپ کی وجہ سے بھائی ساقط ہو جائیں گے اور انہیں کچھ نہیں ملے گا' جو بچی اپنی ماں کی وفات سے پہلے فوت ہو گئی ہے' اسے بھی کچھ نہیں ملے گا کیونکہ تقسیم میراث کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تقسیم کے وقت وارث موجود ہو اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسلم' کافر کا وارث نہیں ہوتا

سوال ایک ماں باپ کے آٹھ بچے ہیں جن میں سے چار لڑکے ہیں اور چار لڑکیاں ہیں یہ سب عیسائی تھے لیکن اب ان میں سے تین لڑکے اور ایک لڑکی مسلمان ہو چکے ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے اپنے پیچھے بہت دولت چھوڑی ہے جو کہ اٹھارہ ملین سعودی ریال کے قریب ہے تو کیا اس متوفی کافر شخص کی مسلمان اولاد وارث ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے تو کفر پر مرنے والے شخص کی مسلمان اولاد اس کی وارث نہیں ہو گی' اس مسئلہ میں اصول وہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔"

وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

مسلمان بیٹا اپنے مشرک باپ کے مال کا وارث نہیں

سوال اگر باپ نماز پنجگانہ اور دیگر ارکان اسلام کا تو پابند ہو لیکن مزاروں اور درباروں میں مدفون لوگوں کے لیے نذر اور ذبح کے جواز کا بھی عقیدہ رکھتا ہو تو کیا بیٹے کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اس باپ کے مال میں سے اپنے مستقبل کو

سنوارنے کے لیے کچھ لے یا اس کی وفات کے بعد اس کے مال کا وارث بنے؟

جواب جو بالغ مسلمان مردوں کے لیے نذر اور ذبح کے جواز کا عقیدہ رکھے تو اس کا یہ عقیدہ ایسا شرک اکبر ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے' ایسے شخص سے تین دن تک توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس پر سختی کی جائے گی' اگر توبہ کرے تو صحیح ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

باقی رہا مسئلہ کہ بیٹے کا اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لیے اس کے مال سے کچھ لینا یا اس کی وفات کے بعد اس کا وارث بننا تو یہ اس بات پر مبنی ہے کہ وفات کے وقت باپ کی کیا حالت تھی اور اس کے عقیدہ کی کیا حقیقت تھی؟ یعنی اگر اس کے باپ کا اسی عقیدہ پر خاتمہ ہوا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اس عقیدہ سے توبہ کی ہے تو پھر یہ بیٹا اپنے باپ کا وارث نہ ہو گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔''

زندگی میں بیٹا اپنے اس باپ کے مال کو اس وقت تک لے سکتا ہے' جب تک وہ اسے خوش دلی سے دیتا رہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

موحد اولاد مشرک کی وارث نہیں ہے

سوال ایک شخص نماز پڑھتا' روزے رکھتا اور دیگر تمام ارکان اسلام بھی ادا کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے' اولیاء کا وسیلہ اختیار کرتا' ان سے مدد مانگتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ نفع پہنچانے اور نقصان دور کرنے پر قادر ہیں تو کیا ایسے شخص کی وہ موحد اولاد وارث ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ایک مانتی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتی ہو؟ جزاکم اللہ خیراً

جواب جو شخص نماز' روزہ اور دیگر تمام ارکان اسلام کی تو پابندی کرتا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مردوں' غائب لوگوں اور فرشتوں وغیرہ سے مدد بھی مانگتا ہو تو وہ مشرک ہے' اگر اسے سمجھایا جائے اور وہ بات نہ مانے اور اس پر اصرار کرے حتی کہ اپنے اس عقیدہ پر مر جائے تو وہ مشرک ہے' شرک اکبر پر فوت ہوا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا لہٰذا اسے نہ غسل دیا جائے' نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے' نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے' نہ اس کی مغفرت کی دعا کی جائے' اس کی موحد اولاد' ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس کے وارث بھی نہیں ہوں گے کیونکہ یہ مسلمان ہیں اور وہ کافر اور دین کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح: ١٦١٤)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔''

——— فتویٰ کمیٹی ———

وارثوں کے علم کے بغیر میراث میں سے صدقہ کرنا

سوال میری والدہ فوت ہو گئی ہیں اور ان کے میرے پاس مبلغ چودہ ہزار ریال ہیں جو میں نے ان سے بطور قرض لیے تھے' رہنمائی فرمائیں کہ میں اس رقم کو وارثوں میں کس طرح تقسیم کروں جب کہ وارثوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے اور والد صاحب بھی زندہ ہیں' کیا میں وارثوں کے علم اور ان کی رضامندی کے بغیر اس مال میں سے والدہ کی طرف سے صدقہ بھی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب آپ پر یہ واجب ہے کہ یہ رقم وارثوں کو دے دیں' آپ خود بھی وارثوں میں شامل ہیں' ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ آپ کے والد کو اس مال کا چوتھا حصہ یعنی تین ہزار پانچ سو ریال ملیں گے اور باقی رقم تین لڑکوں اور ایک لڑکی میں اس طرح تقسیم ہو گی کہ لڑکی کو مبلغ پندرہ سو ریال اور لڑکے کو مبلغ تین ہزار ریال ملیں گے۔ آپ وارثوں کی رضامندی کے بغیر صدقہ نہیں کر سکتے ہاں البتہ اگر آپ کی والدہ نے وصیت کی ہو اور اس وصیت کے دو عادل گواہ موجود ہوں اور وصیت کل ترکہ کی ایک تہائی کے برابر یا اس سے کم ہو تو پھر وصیت پر عمل کے پیش نظر آپ صدقہ کر سکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

غیر مدخولہ بیوی کی میراث

سوال ایک شخص نے ایک دوشیزہ سے شادی کی' عقد نکاح تو ہو گیا لیکن یہ شخص جنسی تعلقات قائم کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا' اس نے ترکہ تو چھوڑا ہے لیکن اس بیوی کے سوا اور کوئی اولاد یا قریبی رشتے دار یا کوئی وارث نہیں تو کیا یہ بیوی جس سے اس نے ابھی تک جنسی ملاپ نہیں کیا تھا اس کی وارث ہے؟

جواب ہاں اس کی یہ بیوی جس سے اس نے جنسی ملاپ نہیں کیا اس کی وارث ہے اور یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم سے ثابت ہے:

﴿وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ (النساء٤/ ١٢)

"اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو' اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ ہے اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے بعد تقسیم کیے جائیں گے۔"

محض عقد صحیح ہی سے بیوی' بیوی بن جاتی ہے لہٰذا جب عقد صحیح ہو اور خاوند فوت ہو جائے تو وہ اس کی وارث ہو گی اور اس کے لیے عدت بھی لازم ہو گی' خواہ اس کے شوہر نے اس سے ملاپ نہ بھی کیا ہو۔ اس کو مہر بھی مکمل ملے گا اور ترکہ میں سے اس کے حصے کے بعد جو بچ رہے وہ اس شوہر کے قریب ترین مرد کو ملے گا لیکن اس صورت میں جو سائل نے پوچھی ہے چونکہ اصحاب الفروض یا عصبہ میں سے اور کوئی موجود نہیں ہے لہٰذا اس عورت کے حصے کے بعد جو مال باقی بچ جائے گا وہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا کیونکہ جس مال

کا کوئی معین مالک نہ ہو اسے بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میراث مطلقہ

سوال کیا وہ مطلقہ عورت جس کا شوہر اچانک فوت ہو جائے اور وہ ابھی تک عدت میں ہو یا عدت پوری ہو گئی ہو' اپنے شوہر کی وارث ہو گی؟

جواب وہ مطلقہ عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ ابھی تک عدت میں ہو تو طلاق یا تو رجعی ہو گی یا غیر رجعی اگر طلاق رجعی ہو تو یہ عورت بیوی کے حکم میں ہو گی اور اس کی عدت طلاق کی عدت کے بجائے وفات کی عدت میں منتقل ہو جائے گی' طلاق رجعی یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو معاوضہ کے بغیر طلاق دی گئی ہو اور طلاق پہلی یا دوسری ہو اگر ایسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو یہ اس کی وارث ہو گی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ ٱللَّهُ فِىٓ أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِى ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوٓا۟ إِصْلَٰحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں اور عورتوں کا حق (مردوں) پر ویسا ہی ہے جیسا دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اے پیغمبر (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا حساب رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے' ڈرتے رہو (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا یقیناً وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مطلقہ عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدت کے دوران اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے کیونکہ:

﴿ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"(اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی نئی) راہ پیدا کر دے۔"

اس سے رجوع مراد ہے اور وہ عورت جس کا شوہر اچانک فوت ہو جائے اگر اس کی طلاق بائنہ مثلاً تیسری طلاق ہے یا اس نے شوہر کو معاوضہ دیا ہے کہ وہ اسے طلاق دے دے یا وہ عدت فسخ میں ہے' عدت طلاق میں نہیں تو یہ عورت وارث نہیں ہو گی اور نہ اس کی عدت طلاق سے وفات کی طرف منتقل ہو گی ہاں البتہ ایک صورت ہے جس میں مطلقہ بائنہ بھی وارث بن سکتی ہے اور وہ یہ کہ مثلاً شوہر اپنی بیوی کو مرض الموت میں طلاق دے اور اس پر الزام ہو کہ اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے طلاق دی ہے تو اس صورت میں وہ وارث ہو گی خواہ اس کی عدت ختم بھی ہو گئی ہو بشرطیکہ اس نے شادی نہ کی ہو اور اگر شادی کر لی ہو تو پھر اسے وراثت نہیں ملے گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مطلقہ کی وراثت

سوال کیا ایسی مطلقہ عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث ہے جس کے شوہر کا انتقال اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہو گیا ہو؟

جواب اگر طلاق رجعی ہو اور شوہر کا انتقال اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہو گیا ہو تو یہ اپنے شرعی حصے کی وارث ہو گی اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو تو پھر یہ وارث نہیں ہو گی' اسی طرح اگر طلاق بائنہ ہو جس میں رجوع کا حق نہیں ہوتا مثلاً یہ کہ عورت نے مال دے کر طلاق حاصل کی ہو یا اسے تیسری طلاق بھی دے دی گئی ہو تو ایسی بائنہ عورتوں کا میراث میں حق نہیں ہے کیونکہ یہ اس شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی نہیں ہے البتہ وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کے شوہر نے اسے مرض الموت میں طلاق دی ہو اور اس پر یہ الزام ہو کہ اس نے میراث سے محروم کرنے کی غرض سے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو ایسی عورت عدت میں بھی اور بعد از عدت بھی وارث ہو گی بشرطیکہ اس نے ابھی تک (کسی اور سے) شادی نہ کی ہو خواہ طلاق بائنہ ہی کیوں نہ ہو' اس کی اس باطل غرض کو ختم کرنے کے پیش نظر اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

ہیجڑے کی میراث

سوال ہیجڑے کا میراث میں کتنا حصہ ہے' کیا اس کا حصہ مرد کے برابر ہے یا عورت کے برابر؟

جواب وہ ہیجڑا جس کے بارے میں واضح نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت اور وہ بچپن میں فوت ہو یا بالغ تو ہو لیکن اس کی پہچان مشکل ہو تو اسے نصف حصہ مرد کی میراث کے بقدر اور نصف عورت کی میراث کے بقدر دیا جائے گا یا اسے اس کا یقینی حصہ تو دیا جائے گا لیکن اسے اس کی صورت حال واضح ہونے تک مؤخر کیا جائے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے کی میراث

سوال اپنے باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے شخص کی میراث کی بابت شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ میراث سے

محروم ہے خواہ اس کے چھوٹے چھوٹے فقیر بچے ہی کیوں نہ ہوں؟ کیا دوسروں کی ناپسندیدگی کے باوجود ایسے بچوں کو کچھ دینا جائز ہے؟

جواب آدمی کو چاہیے کہ جب اس کا کوئی بیٹا اس کی زندگی میں فوت ہو جائے اور اس کی اولاد ہو تو وہ ان کے لیے اپنے مال کے ایک تہائی حصے سے کم میں وصیت کرے خواہ ان کے چچے اسے ناپسند ہی کریں' آدمی کو اپنی وفات سے قبل اپنے مال کے ایک تہائی حصے میں تصرف کا حق حاصل ہے لہٰذا اگر اس کے یتیم پوتے وارث نہ بنتے ہوں تو ان کے حق میں ان کے باپ کی وراثت کی وصیت کر دے بشرطیکہ یہ وصیت کل مال کے ایک تہائی حصے کے برابر یا اس سے کم ہو' اپنے اجتہاد سے جو چاہے ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے تو پھر یتیم بچوں کو دادا کی میراث سے کچھ نہیں مل سکتا الا یہ کہ ان کے چچے اس کی اجازت دے دیں۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں وارث نہیں

سوال کیا میت کی بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں بھی وارث ہے؟

جواب بیوی اپنے شوہر کے باپ کے مال میں وارث نہیں ہے جبکہ شوہر فوت ہو چکا ہو اور اس کا باپ زندہ ہو ہاں البتہ اگر اس کے باپ کا پہلے انتقال ہو گیا ہو تو یہ اپنے شوہر کے اس مال میں وارث ہو گی جو اسے اپنی زندگی میں اپنے باپ کی طرف سے ملا ہو گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

پوتے دادا کی میراث میں شریک نہیں

سوال کیا پوتے اپنے دادا کی میراث میں اس کے بیٹوں کے ساتھ شریک ہیں؟

جواب پوتے اپنے دادا کی میراث میں چچاؤں کے ساتھ شریک نہیں کیونکہ اہل علم کا اجماع ہے کہ پوتے چچاؤں کی وجہ سے محجوب (محروم) ہیں۔

—————— فتویٰ کمیٹی ——————

سوال ایک شخص اپنے والد کی وفات سے پہلے فوت ہو گیا' اس کے بیٹے بھی ہیں اور بھائی بھی پھر اس کا والد بھی فوت ہو گیا تو کیا اس صورت میں پوتے دادا کی میراث میں شریک ہیں یا نہیں؟

جواب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ بیٹوں کی اولاد اپنے چچاؤں کے ساتھ میراث میں شریک نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دے دو"

یہاں الفاظ "قریب ترین مرد" کے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بیٹے پوتوں کی نسبت قریب ترین ہیں ہاں البتہ دادا اگر پوتوں کے لیے ایک تہائی یا اس سے کچھ کم مال کی وصیت کر جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرعی گواہی سے وصیت ثابت ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

باپ کی وجہ سے بھائی میراث سے محروم ہیں

سوال میرا (ایک ماں کا) بڑا بیٹا دس سال کی عمر میں ایک ٹریفک حادثے میں فوت ہو گیا جس کی دیت مل گئی ہے تو کیا اس کے والد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ متوفی کے دو چھوٹے بھائیوں کے حق میں تصرف کر سکے یا ضروری ہے کہ ان کے حصے بالغ ہونے تک محفوظ رکھے تاکہ وہ بڑے ہو کر خود ان میں تصرف کریں؟ یاد رہے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس بچے کی وجہ سے دیت کی رقم کو نیک کاموں میں صرف کر دیں لیکن باپ کو یہ خدشہ بھی ہے کہ بچے بڑے ہو کر اس مال میں صدقے کے علاوہ کوئی اور تصرف نہ کریں؟

جواب بیٹے کی ساری دیت آپ کو (بچے کی والدہ) اور اس کے باپ کو ملے گی' آپ کو چھٹا حصہ اور باقی رقم اس کے والد کو مل جائے گی' اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس صورت میں بھائیوں کا دیت میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ باپ کی وجہ سے بھائی میراث سے محروم ہیں۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

بھائی کی بیٹیاں چچا کی وارث نہیں

سوال ایک آدمی فوت ہو گیا' اس کی بیوی اور بچے نہیں ہیں ہاں البتہ فوت شدہ بھائی کی اولاد موجود ہے تو کیا اس بھائی کی اولاد یعنی اس کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے اس چچا کی وارث ہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو ساری میراث بھائی کے بیٹوں کو ملے گی بیٹیوں کو نہیں ملے گی اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحِقُوا الفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحيح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دے دو"

اور اہل علم کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ بھائی کی بیٹیاں اصحاب الفروض یا عصبہ میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام میں سے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

پنشن صرف میت کے بچوں کا حق ہے

سوال ہم تین بھائیوں کی تمام املاک مشترکہ ہیں' ہم میں سے ایک کا انتقال ہو گیا ہے' ان کے بھی تین بیٹے ہیں اور ہم سب اس فتویٰ کی تاریخ تک تمام کاروبار مشترکہ طور پر کرتے ہیں' فوت ہونے والے بھائی کو حکومت کی طرف سے انکے بچوں کے نام سے ریٹائرمنٹ کی پنشن ملتی ہے تو کیا ہم اس پنشن کو بھی اپنی مشترکہ املاک میں شامل کر سکتے ہیں تا کہ انکی اولاد بھی اپنے باپ کی طرح ان کی وفات کے بعد بھی تمام سابقہ اور لاحقہ املاک میں شریک رہے یا یہ پنشن صرف انہی کے نام سے مخصوص رہے گی؟

جواب آپ کے بھائی کی اولاد کو حکومت کی طرف سے جو پنشن ملتی ہے وہ خاص طور پر انہیں کی ملکیت ہے اور ان میں سے جو عاقل بالغ ہو اور وہ اپنا حصہ بھی آپ کی کمپنی میں داخل کر کے آپ دونوں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا چاہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے اور جو ان میں سے عاقل بالغ نہ ہو تو اس کے سرپرست کی رضامندی کاروبار میں شرکت کے لیے ضروری ہو گی' اسی طرح ان بچوں کی ان تمام دیگر املاک کے لیے بھی یہی حکم ہے جو انہوں نے خود کمائی ہوں یا وراثت میں حاصل کی ہوں' ہر ایک کو اس کی ملکیت کا حق حاصل ہے اور کاروبار میں شراکت' سرمایہ کاری' تصرف اور انتفاع اس کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ

——— فتویٰ کمیٹی ———

بھائی کے تعلیمی اخراجات اس کے حصے میں سے

سوال ہم تین بھائی ہیں' جب ہمارے والد بقید حیات تھے ہم نے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی' البتہ ہمارا چھوٹا بھائی والد صاحب کی وفات کے وقت انٹرمیڈیٹ میں زیر تعلیم تھا تو کیا اس کی تعلیم کے اخراجات اس کے شرعی حصہ وراثت میں سے ادا کیے جائیں یا نہیں؟

جواب اس نوجوان کے کھانے' پینے' لباس اور شادی کے تمام اخراجات اس کے مال میں سے ادا کیے جائیں گے خواہ یہ مال باپ کی وفات سے قبل اس کی ملکیت میں ہو یا اسے باپ کی میراث سے ملا ہو اور اگر بالفرض اس کے پاس کوئی چیز نہ ہو یا باپ نے اس کیلئے کوئی مال نہ چھوڑا ہو تو پھر اس کے تمام اخراجات اس کے ان رشتے داروں کے ذمہ ہوں گے جن پر اس کا نفقہ لازم ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مسائل وراثت

مسائل وراثت

سوال ایک شخص فوت ہوا' اس کے وارثوں میں دو بیٹے' دو بیٹیاں' ایک بیوی' حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن ہیں تو ان میں سے ہر ایک کا وراثت میں کیا حصہ ہو گا؟

جواب فوت شدہ شخص کے مال میں سے سب سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا بشرطیکہ اس کے ذمہ قرض ہو' پھر اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اگر اس نے وصیت کی ہو اس کے بعد باقی مال وارثوں میں تقسیم ہو گا' مسئلہ وراثت آٹھ سے اور اس کی تصحیح اڑتالیس سے ہو گی' بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی اڑتالیس میں سے چھ حصے ملیں گے' ہر بیٹے کو چودہ حصے

اور ہر بیٹی کو سات حصے ملیں گے اور بہن اور بھائی کو کچھ نہیں ملے گا کہ یہ میت کے بیٹوں کی وجہ سے محروم ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سوال ایک شخص فوت ہوا اور اس کے وارثوں میں ایک باپ' بیٹی' ایک حقیقی بھائی' دو باپ کی طرف سے بھائی اور ایک حقیقی بہن ہے تو اس کی میراث کس طرح تقسیم ہو گی؟

جواب تمام ترکہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیٹی کو اصحاب الفروض میں سے ہونے کی حیثیت میں نصف اور اسی طرح باقی باپ کو اصحاب الفروض اور عصبہ میں سے ہونے کی حیثیت میں دے دیا جائے گا' بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ باپ کی موجودگی میں بھائی محروم ہیں ہاں البتہ اگر میت کے ذمے قرض ہو تو اسے وارثوں میں تقسیم سے پہلے کل ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا' قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہے اسے مذکورہ حساب سے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا' اسی طرح اگر میت کی کوئی وصیت شرعی طریقہ سے ثابت ہو تو اسے بھی تقسیم ترکہ سے پہلے پورا کیا جائے گا بشرطیکہ وصیت کل مال کے ایک تہائی حصے کے بقدر یا اس سے کم ہو کیونکہ میت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے مال کے ایک تہائی حصے سے زائد میں وصیت کرے اگر کسی نے اپنے مال کے ایک تہائی سے زائد حصے میں وصیت کی تو اس پر عمل نہیں ہو گا الا یہ کہ اس کے بالغ اور عاقل وارث اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیں' وراثت کی تقسیم سے پہلے قرض کے ادا کرنے اور وصیت پر عمل کرنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ حسب ذیل ہے:

﴿يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِىٓ أَوْلَـٰدِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۚ . . . . مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ﴾ (النساء٤/ ١١)

''اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں وصیت فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے..... یہ (تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تکمیل) کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی۔)''

—— شیخ ابن باز ——

سوال ایک عورت فوت ہو گئی' اس کے وارثوں میں سے ایک غیر حقیقی بھائی کے بیٹے اور ایک چچا کے بیٹے ہیں تو ان میں سے کون اس کا وارث ہو گا اور کون وارث نہیں ہو گا اور ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب اگر اس کے بھائی کے موجودہ بیٹے اس کے باپ کی طرف سے بھائی کے بیٹے ہیں تو وہ اس کے عصبہ ہیں اور ان کی موجودگی میں اس کے چچا کے بیٹوں کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر وہ صرف ماں کی طرف سے بھائی کے بیٹے ہیں تو پھر انہیں کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ ذوی الارحام میں سے ہیں اور اس صورت میں عصبہ اس کے چچا زاد بھائی ہیں بشرطیکہ وہ حقیقی چچا یا باپ کی طرف سے چچا کے بیٹے ہوں تو عصبہ حقیقی چچا کے بیٹے ہوں گے جب کہ وہ ایک ہی درجہ میں ہوں اور اگر بعض بعض سے زیادہ قریب ہوں تو جو زیادہ قریبی ہوں وہ عصبہ ہوں گے اور دور والوں کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا خواہ وہ حقیقی چچا کا بیٹا ہو یا باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَحْرَزَ الْوَلَدُ أَوِ الْوَالِدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ»(سنن أبي داود، الفرائض، باب في الولاء، ح:٢٩١٧ وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب ميراث الولاء، ح:٢٧٣٢)

"جو باپ یا بیٹے سے بچ جائے وہ اس کے عصبہ کے لیے ہے خواہ کوئی بھی ہو۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ»(صحیح البخاري، الفرائض، باب میراث الولد من أبیه وأمه، ح:٦٧٣٢ وصحیح مسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها ... الخ ح:١٦١٥)

"فرائض (مقرر کردہ حصے) ان کے حق داروں کو دے دو اور جو باقی بچ رہے وہ قریب ترین مرد کو دو۔"

اس حدیث میں "اولیٰ" کا لفظ آیا ہے' اس کے معنی "قریب ترین" کے ہیں۔ واللّٰہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

سوال ایک آدمی فوت ہوا اور اس کے وارثوں میں ایک بیٹا' دو بیٹیاں' باپ' حقیقی بہن اور بیوی ہے' ان میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

جواب اگر میت کے ذمے قرض ہو تو ترکہ کی تقسیم سے پہلے قرض ادا کرنا مقدم ہے اور پھر اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور پھر اس کے ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ اٹھائیں اور اس کی تصحیح چھیانوے سے ہوگی بیوی کا آٹھواں حصہ یعنی چھیانوے میں سے بارہ حصے ہوں گے' باپ کے لیے چھٹا حصہ یعنی چھیانوے میں سے سولہ حصے ہوں گے' ہر بیٹی کے لیے چھیانوے میں سے سترہ حصے اور ہر بیٹے کے لیے چونتیس حصے ہوں گے' باپ اور بیٹے کی موجودگی میں بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

سوال اوپر جس باپ کا ذکر ہوا ہے' اب وہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے وارثوں میں ایک بیٹی' پوتا' پوتیاں اور دو حقیقی بھائی ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملے گا؟

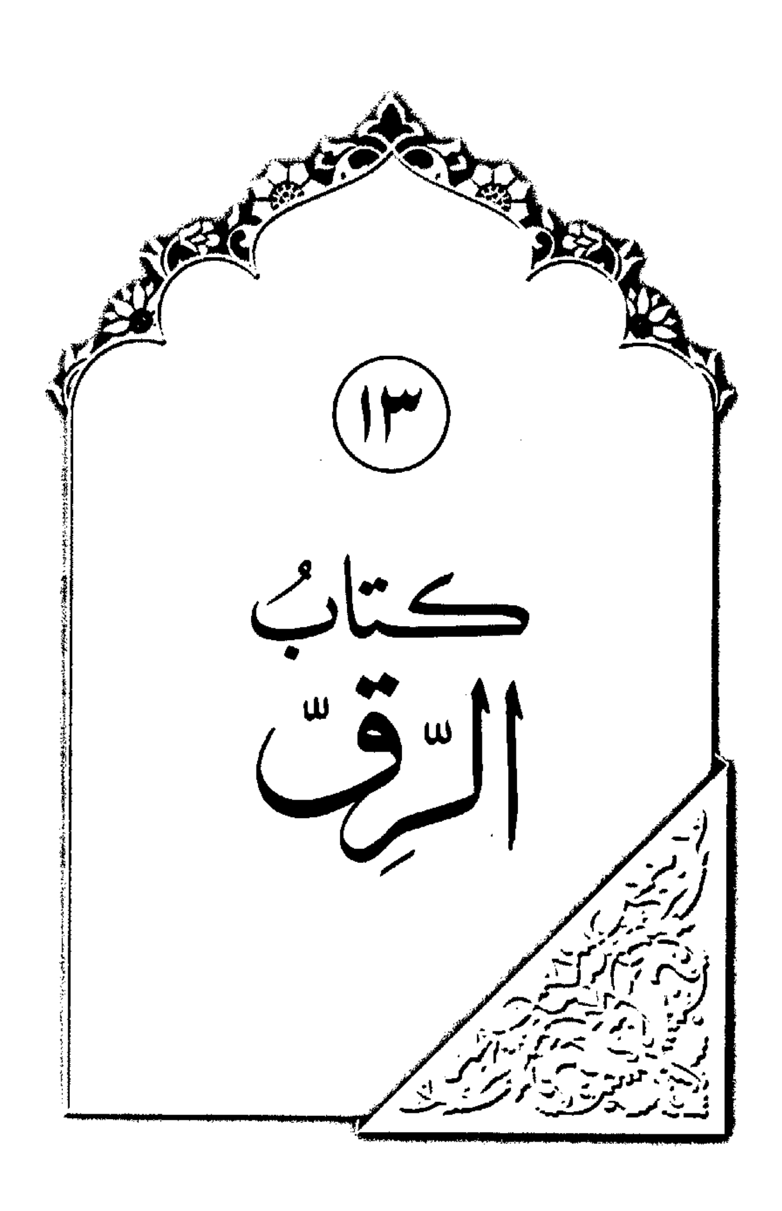
جواب میت کے ذمے اگر قرض ہو تو اس کی ادائیگی مقدم ہے' اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو تو اس کی شرعی وصیت پر عمل کیا جائے گا اور اس کے بعد تقسیم ترکہ مسئلہ دو سے اور اس کی تصحیح آٹھ سے ہوگی' بیٹی کو کل ترکہ کا نصف یعنی آٹھ میں سے چار حصے مل جائیں گے اور باقی چار حصے پوتے پوتیوں میں اس طرح تقسیم ہوں گے کہ پوتے کو دو حصے اور ہر پوتی کو ایک حصہ ملے گا' بیٹے (یا پوتے) کی موجودگی میں اس کے دونوں حقیقی بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

سوال ایک عورت کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کے وارثوں میں وہ خود' اس کی ایک حقیقی بہن' ماں کے ایک حقیقی بھائی کے تین بیٹے اور ان کی ایک بہن ہے تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ کی ماں رحمہا اللہ نے جو ترکہ چھوڑا ہے وہ آدھا آپ کو اور آدھا اس کی بہن (آپ کی خالہ) کو مل جائے گا' ان کے بھائی (آپ کے ماموں) کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس مسئلے میں بہن کی موجودگی میں بھتیجے محروم ہیں' اگر آپ کی ماں نے کوئی وصیت کی ہو تو پہلے اس پر عمل کیا جائے گا بشرطیکہ وہ کل ترکہ کے ایک تہائی حصے کے بقدر یا اس سے کم ہو اور وصیت شرعی طور پر ثابت ہو اور اگر ان کے ذمے کوئی قرض ہے تو اسے وصیت پر عمل کرنے سے پہلے ادا کیجیے۔ قرض اور وصیت کے بعد میراث آپ میں اور ان کی بہن میں تقسیم ہوگی۔

——— شیخ ابن باز ———


۱۳
کتاب
الرّقّ

غلامی کے احکام

غلامی میں شریعت کی حکمت

سوال لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کو کیوں حرام قرار نہیں دے دیا؟

جواب کمال علم و حکمت اور لطف و رحمت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے' وہ اپنی مخلوق کے حالات سے خوب آگاہ اور اپنے بندوں پر بے حد رحم فرمانے والا ہے' وہ اپنے خلق و تشریع میں حکیم ہے' اس نے لوگوں کو ان باتوں کا حکم دیا ہے جس میں ان کی دنیا و آخرت کی بہتری ہے اور جو ان کے لیے حقیقی سعادت و حریت اور مساوات کا کفیل ہے اور پھر یہ سب کچھ ایسے عدل و انصاف کے دائرے میں ہے کہ جہاں نہ حقوق اللہ ضائع ہوتے ہیں اور نہ حقوق العباد' اسی شریعت کے ساتھ اس نے اپنے رسولوں کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کے مبعوث فرمایا کہ جس نے اس کے راستے کی پیروی کی اور اس کے رسولوں کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کی تو وہ عزت کا مستحق ہے اور وہی سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہو گا اور جس نے شاہراہ استقامت پر چلنے سے انکار کر دیا تو اسے قتل یا غلامی جیسے ان حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جو اسے ناپسند ہوں تاکہ عدل' امن اور سلامتی کو برقرار رکھا جائے اور جانوں' عزتوں اور مالوں کی حفاظت کی جا سکے اسی وجہ سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے تاکہ سرکشوں کو روکا جا سکے' فساد پھیلانے والے عناصر کا خاتمہ کیا جا سکے اور زمین کو ظالموں سے پاک کیا جا سکے ایسے ظالموں میں سے جو قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں آجائیں تو مسلمان حکمران کو یہ اختیار ہے کہ اگر ان کی شرارتیں حد سے بڑھ چکی ہوں اور اصلاح کی کوئی امید نہ ہو تو انہیں قتل کر دے۔ یا معاف کر دے یا فدیہ قبول کر کے انہیں چھوڑ دے اور خیر و بھلائی کی راہ ان کے لیے آسان کر دے یا انہیں غلام بنا لے بشرطیکہ وہ یہ محسوس کرے کہ مسلمانوں میں رہنے سے انہیں اپنی اصلاح کا موقع ملے گا' کج روی درست ہو گی' انہیں ہدایت و رہنمائی کا راستہ معلوم ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عدل و انصاف اور ان کے حسن سلوک کو دیکھ کر ایمان قبول کر لیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں' اسلامی آداب و احکام کے بارے میں نصوص کے سننے سے عین ممکن ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کے لیے انشراح قلب و صدر کی دولت حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایمان کی محبت اور کفر' فسق اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دے اور اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک نئی زندگی حاصل کریں گے اور بطریق کتابت یہ آزادی حاصل کرنے کے بھی اہل ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَبۡتَغُونَ ٱلۡكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُكُمۡ فَكَاتِبُوهُمۡ إِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِيهِمۡ خَيۡرٗاۖ وَءَاتُوهُم مِّن مَّالِ ٱللَّهِ ٱلَّذِيٓ ءَاتَىٰكُمۡۚ ﴾ (النور ۲۴/ ۳۳)

’’تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی تمہیں کچھ دیکر آزادی کی تحریر کرانی چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو' اگر تمہیں ان میں بھلائی نظر آتی ہو اور اللہ نے جو مال تم کو بخشا ہے' اس میں سے انہیں بھی دو۔‘‘

یا وہ قسم یا ظہار یا نذر کے کفارے کے طور پر یا اللہ کی خوشنودی کے حصول یا قیامت کے دن کے ثواب کی خاطر آزاد کرنے کے دیگر طریقوں سے بھی آزادی حاصل کرسکتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غلامی کی اصل تو قید ہے یعنی وہ کافر لوگ جو جہاد میں قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائیں تو انہیں اس لیے غلام بنالیا جاتا ہے تاکہ شرک کے ماحول سے الگ کرکے انہیں اپنی اصلاح کا موقع دیا جائے کیونکہ اسلامی معاشرے میں رہن سہن سے ان کے سامنے خیر و بھلائی کا راستہ واضح ہو جائے گا' شرک کے پنجوں سے انہیں نجات ملے گی اور کفر و ضلالت کی نجاستوں سے انہیں پاکیزگی حاصل ہو جائے گی اور یہ ایسی زندگی بسر کرنے کے اہل ہوں گے جو امن و سلامتی کا گہوارہ ہوگی تو اسلام کی نگاہ میں غلامی گویا انسانوں کو پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہے یا یہ ایک ایسا حمام ہے کہ جو اس میں ایک دروازے سے داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے میل کچیل کو دھو کر صاف ستھرا اور پاکیزہ ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے گا۔

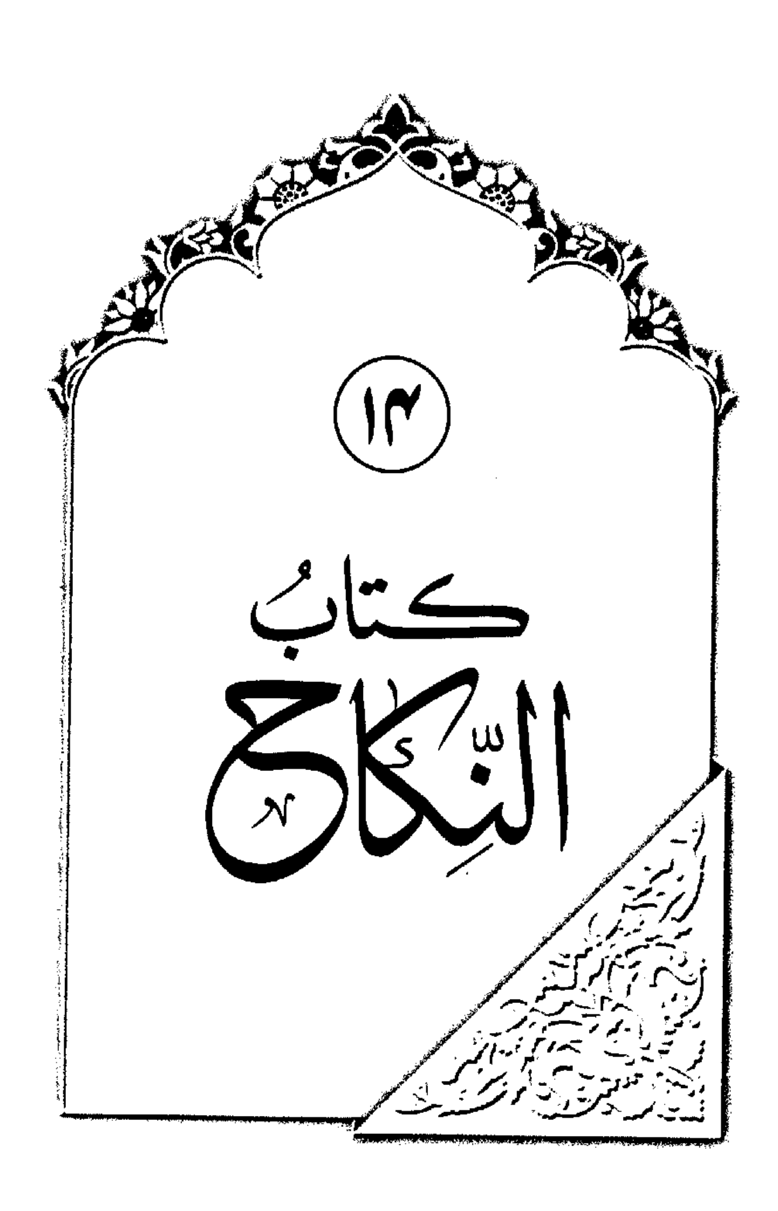
——— فتویٰ کمیٹی ———

آج کے دور میں غلامی کا حکم

سوال آج کل جب کہ شرعی جنگیں نہیں ہیں تو کیا غلامی جائز ہے یا شرعی جنگوں کی وجہ سے یہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہے؟ دلیل سے واضح فرمائیں؟

جواب بے شک وہ جنگیں جو نبی اکرم ﷺ اور کفار کے مابین تھیں' شرعی جنگیں تھیں اور ان میں قید ہونے والے بعض کفار کو غلام بھی بنایا گیا اور پھر خلفاء راشدین کے دور میں اور پھر تینوں خیر القرون میں بھی کفار اور مسلمانوں کے مابین شرعی جنگیں ہوئیں اور وہ بھی کافر قیدیوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرتے تھے جس طرح نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ان کے ساتھ معاملہ ہوتا تھا کہ احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دیا جاتا تھا یا فدیہ قبول کرکے چھوڑ دیا جاتا تھا یا غلام بنالیا جاتا تھا یا انہیں قتل کردیا جاتا بہرحال قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان حکمران ان سے وہ معاملہ کرتے رہے جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہوتی تھی' ائمہ امت کے اجماع کے مطابق بعد کے زمانوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوتا تھا لہٰذا آج بھی اگر مسلمانوں اور کفار کے مابین شرعی جنگیں ہوں' مسلمانوں کو فتح اور نصرت حاصل ہو اور کچھ کفار قیدی بن جائیں تو مسلمان حکمران کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دے یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے یا قتل کردے یا غلام بنالے یعنی آج بھی مسلمان حاکم کو اختیار ہے کہ وہ کتاب و سُنّت پر عمل کرتے ہوئے ان کے بارے میں وہ معاملہ کرے جس میں مسلمانوں کو مصلحت ہو اور اگر جنگیں شرعی نہ ہوں تو پھر کسی کو غلام بنانا جائز نہیں' ہاں البتہ اگر کسی کی غلامی شرعی جنگ سے پہلے سے ثابت ہو اور توالد و توارث کے ذریعے اس کی غلامی برقرار رہی ہو تو وہ غلام ہی ہے حتی کہ اسے آزادی حاصل ہو جائے۔ واللہ الموفق

——— فتویٰ کمیٹی ———


۱۴
كتاب
النِّكَاح

نظر، خلوت اور اختلاط کے احکام

بھابی کے چہرے کی طرف دیکھنا

سوال کچھ داعیان تمدن بھابی کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز قرار دیتے اور بعض دلائل سے استدلال کرتے ہیں، یہ دلائل کہاں تک صحیح ہیں اور ان کی تردید کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کیا ہے؟

جواب بھائی کی بیوی بھی دیگر تمام اجنبی عورتوں ہی کی طرح ہے لہٰذا اس کے بھائی کا اس کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے جس طرح کہ چچا یا ماموں کی بیوی کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز نہیں، دیگر اجنبی عورتوں کی طرح بھابی کے ساتھ خلوت بھی جائز نہیں ہے، کسی عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے بھائی یا اس کے چچا یا ماموں کے سامنے اپنے چہرے کو ظاہر کرے یا اس کے ساتھ سفر کرے یا خلوت اختیار کرے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾
(الأحزاب۳۳/ ۵۳)

"اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

آیت کے عموم کا یہی تقاضا ہے کیونکہ اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ حکم عام ہے جو کہ ازواج مطہرات کے لیے بھی ہے اور ان کے علاوہ دیگر تمام عورتوں کے لیے بھی، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَـٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَـٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُنَّ أَوِ التَّـٰبِعِينَ غَيْرِ أُولِى الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَٰتِ النِّسَآءِ ﴾ (النور٢٤/ ٣٠-٣١)

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس سے ظاہر ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے

خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزۡوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ يُدۡنِينَ عَلَيۡهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّۚ ذَٰلِكَ أَدۡنَىٰٓ أَن يُعۡرَفۡنَ فَلَا يُؤۡذَيۡنَۗ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (باہر نکلا کریں) تو اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں' اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی۔ پھر نہ ستائی جائیں گی۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:۱۸۶۲ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:۱۳۴۱)

"محرم کے بغیر کوئی عورت سفر نہ کرے۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح:۲۱۶۵ ومسند أحمد:۱/ ۱۸)

"جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

عورت اگر اپنے دیور وغیرہ کے سامنے اپنا چہرہ کھولے (ظاہر کرے) گی اور وہ اس کی طرف دیکھے گا تو یہ بات فتنہ میں مبتلا ہونے اور حرام کام کے ارتکاب کا سبب بن سکتی ہے۔

حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ امور ہیں جن کی وجہ سے پردے کو واجب قرار دیا گیا ہے اور غیر محرم عورت کی طرف دیکھنے اور خلوت اختیار کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ چہرہ ہی تو مجمع محاسن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال کیا کسی مرد کے لیے کسی اجنبی عورت کی طرف اچانک نظر سے بڑھ کر دیکھنا جائز ہے؟ کیا علم حاصل کرنے کی دلیل کی بنیاد پر مرد طلبہ کو علم کے لیے ایسی عورت کے لیکچر میں حاضری جائز ہے جس نے بناؤ سنگار کر رکھا ہو یا بہت چست لباس پہن رکھا ہو؟

 اچانک نظر سے زیادہ دیکھنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ کسی ناگزیر ضرورت کا تقاضا ہو مثلاً غرق ہونے یا آگ میں جلنے یا

دیوار کے نیچے دب کر مرنے سے بچانا مقصود ہو یا طبی معائنہ یا بیماری کا علاج مقصود ہو۔ بشرطیکہ ان امور سے عہدہ برآ ہونے کے لیے عورتیں موجود نہ ہوں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرم میں شہوت کے بغیر عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال کیا حرم میں شہوت اور لذت نظر کے بغیر بھی عورتوں کی طرف دیکھنے پر مواخذہ ہو گا حالانکہ عورتیں ہی اپنی طرف توجہ مبذول کرواتی ہیں؟

جواب حقیقت یہ ہے کہ حرم میں عورتوں کا مسئلہ ایک بڑا مشکل مسئلہ ہے کہ بعض عورتیں عبادت اور خضوع کے اس مقام پر اس طرح آتی ہیں کہ فتنہ میں نہ پڑنے والا بھی اس میں مبتلا ہو جائے' یہ عورتیں اظہار زیب و زینت کرتی ہیں خوشبو استعمال کر کے آتی ہیں اور ان کی حرکات سے یوں معلوم ہوتا ہے گویا مردوں کو دعوت دے رہی ہوں' مسجد حرام تو بہت پاک مقام ہے اس طرح کا کام تو ہر جگہ منکر ہے لہٰذا جو عورتیں بھی میری نصیحت سن یا پڑھ رہی ہوں انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' بیت اللہ شریف کا احترام کریں اور یہاں گناہوں کا ارتکاب نہ کریں' مردوں کو بھی چاہیے کہ اگر وہ کسی عورت کو نامناسب حالت میں دیکھیں تو اسے سمجھائیں اور ڈانٹ ڈپٹ پلائیں یا اس شخص تک یہ بات پہنچائیں جو انہیں منع کر سکتا ہو اور الحمد للہ اچھے لوگ بھی موجود ہیں' اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی کہیں گے کہ مرد پر واجب ہے کہ وہ حتی الامکان اپنی نگاہ نیچی رکھے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٠)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔"

لہٰذا مرد کو چاہیے کہ وہ مقدور بھر اپنی نظر نیچی رکھے خصوصاً جب وہ اپنے نفس میں تحریک یا لذت محسوس کرے تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی نظر کو اور بھی جھکا دے اور لوگوں کا اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حرم میں قصد و ارادہ سے عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو مسجد حرام میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے جائے' عورتوں کی جگہ کے قریب نماز ادا کرے اور بار بار ان کے چہروں کی طرف دیکھے؟

جواب حدیث میں ممانعت ہے کہ مرد عورتوں کے قریب نماز ادا کریں' مردوں کی بہترین صف پہلی صف اور بدترین صف آخری صف ہے کیونکہ وہ عورتوں کے قریب ہوتی ہے اور عورتوں کی بہترین آخری اور بدترین پہلی صف ہے کیونکہ وہ مردوں کے قریب ہوتی ہے۔ مرد کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ مسجد میں قصد و ارادہ کے ساتھ عورتوں کی طرف دیکھے اور مسجد میں آنے والی عورت کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ پردہ کرے اور ایسی باپردہ جگہ نماز ادا کرے جہاں مرد نہ آتے

ہوں اور اگر وہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے آئے تو اسے سادگی سے آنا چاہیے اور اگر وہ اپنے گھر ہی میں نماز ادا کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

طالب علم کا طالبہ کو سلام کہنا

سوال میں یونیورسٹی کا طالب علم ہوں اور کبھی کبھی لڑکیوں کو بھی سلام کہہ دیتا ہوں کیا طالب علم کا کالج میں اپنی کسی کلاس فیلو کو سلام کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب پہلی بات تو یہ کہ طلبہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ ایک ہی مقام پر' ایک ہی مدرسہ میں' ایک ہی بینچ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں کیونکہ یہ فتنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے لہٰذا فتنے کی وجہ سے طلبہ و طالبات کے لیے یہ اختلاط جائز نہیں ہے ہاں البتہ انہیں شرعی سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ اسباب فتنہ کے درپے ہونا مقصود نہ ہو' اسی طرح طالبات بھی طلباء کو سلام کہہ سکتی ہیں لیکن مصافحہ نہیں کر سکتیں کیونکہ کسی اجنبی سے مصافحہ جائز نہیں بلکہ پردہ کی پابندی کے ساتھ سلام دور ہی سے ہونا چاہیے' اسباب فتنہ سے بھی دوری اختیار کی جائے اور خلوت سے بھی اجتناب کیا جائے' وہ شرعی سلام جس میں فتنہ نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر طالب علم یا طالبہ کا سلام فتنے کا سبب ہو یعنی اگر یہ شہوت یا حرام کی رغبت کی وجہ سے ہو تو پھر یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ وباللہ التوفیق

—————— شیخ ابن باز ——————

زیب و زینت کے ساتھ ٹیلی ویژن کی سکرین پر.....

سوال ان عورتوں کو دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو بن ٹھن کر ٹیلی ویژن کی سکرین پر نمودار ہوتی ہیں؟

جواب عریاں یا نیم عریاں یا بے پردہ عورتوں کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے' اسی طرح ان مردوں کی طرف دیکھنا بھی جائز نہیں ہے جنہوں نے اپنی رانیں ننگی کی ہوئی ہوں' ایسے مردوں اور عورتوں کو ٹیلی ویژن' ویڈیو' سینما یا کسی بھی جگہ دیکھنا جائز نہیں ہے بلکہ آنکھیں جھکانا اور ایسے مردوں عورتوں کی طرف دیکھنے سے اعراض کرنا واجب ہے کیونکہ یہ فتنہ' دلوں کی خرابی اور ہدایت سے انحراف کا سبب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ (النور ٢٤/ ٣٠-٣١)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں' اللہ ان سے خبردار ہے اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔"

اور حدیث میں حضرت محمد ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے:

«اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ»(المستدرك، الرقاق: ٤/ ٣١٤، ح: ٧٨٧٥)

"نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔"

نظر کا خطرہ بہت عظیم ہے لہٰذا اس سے بچنا چاہیے' انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اس سے بچائے اور ٹیلی ویژن کے صرف ایسے پروگرام دیکھے جن میں مصلحت ہو مثلاً دینی' علمی یا فنی پروگرام' باقی رہیں حرام اشیاء تو انہیں دیکھنا جائز نہیں ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ٹیلی ویژن پر عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے مرد کے لیے اجنبی عورت اور عورت کے لیے اجنبی مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ جائز نہیں' کیونکہ ٹیلی ویژن پر آنے والی اکثر عورتیں اظہار حسن و جمال بھی کرتی ہیں اور کچھ عریانی کا اظہار بھی' اسی طرح مرد بھی اپنے آپ کو بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں اور انہیں دیکھنا اکثر و بیشتر فتنہ و گمراہی کا موجب ہوتا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

مجلّات میں عورتوں کی تصویریں دیکھنا

سوال اخبارات و مجلّات میں عورتوں کی تصویروں کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کے لیے عورتوں کے چہروں یا پردہ کے مقامات کو مجلّات یا کسی اور جگہ دیکھنا جائز نہیں ہے' کیونکہ یہ اسباب فتنہ میں سے ہے' لہٰذا ضروری ہے کہ ان تصویروں کو دیکھ کر نظر کو جھکا لیا جائے' تاکہ ان شرعی دلائل کے عموم پر عمل ہو سکے' جن میں ان کی ممانعت ہے اور فتنے سے بھی محفوظ رہا جا سکے' نیز راستوں پر یا جہاں بھی عورتیں نظر آئیں' انہیں دیکھ کر نظر جھکا لینا واجب ہے۔ وباللّٰه التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

یہ پروگرام دیکھنا حرام ہے

سوال موسیقی گانے سننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز ایسے پروگرام دیکھنے کا کیا حکم ہے جن میں خواتین میک اپ کر کے شرکت کرتی ہیں؟

جواب ان پروگراموں کو دیکھنا اور سننا حرام اور ممنوع ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے' دلوں کو بیمار کرنے اور حرام امور کے ارتکاب کا سبب بنتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٦ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِىٓ أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٧ ﴾ (لقمان ۳۱/ ٦-۷)

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بے ہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھکائیں اور اس سے استہزاء کریں' یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور جب اس کو

ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے کانوں میں ثقل ہے تو آپ اسے درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔"

یہ دو آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ گانا بجانا سننا خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے اسباب میں سے بھی ہے اور آیات الٰہی کو سننے کے بجائے ان کے ساتھ مذاق اور ان سے اعراض بھی ہے۔

ایسا کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کرنے والے اور درد دینے والے عذاب کا وعدہ کیا ہے، آیت میں مذکور "لھوالحدیث" کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا، آلات موسیقی اور ہر وہ آواز ہے جو اللہ کی راہ سے روکے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب ما جاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح:٥٥٩٠)

"میری امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ضرور ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور موسیقی کو حلال قرار دیں گے۔"

"حر" کا لفظ حا اور را کے ساتھ ہے، اس کے معنی حرام شرم گاہ یعنی زنا ہے، ریشم ایک معروف و مشہور چیز ہے جس کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، شراب بھی معروف و مشہور چیز ہے اور اس سے مراد ہر نشہ آور چیز ہے جو سب کے لیے حرام ہے، معازف سے مراد آلات موسیقی مثلاً بانسری، طبلہ اور طنبور وغیرہ ہیں جیسا کہ "نہایہ" اور "قاموس" وغیرہ میں ہے "عزف" کے معنی آلات موسیقی کے ساتھ کھیلنا اور "عازف" کے معنی مغنی اور آلات موسیقی کے استعمال کرنے والے کے ہیں۔

ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ان منکرات سے اجتناب کرے اور ان پروگراموں کو دیکھنے سے بھی اجتناب کرے جن میں خواتین میک اَپ کر کے شرکت کرتی ہیں اور اظہار حسن و جمال کرتی ہیں، کیونکہ ایسے پروگرام دیکھنا حرام ہے، نیز ایسے پروگرام دیکھ کر دل بیمار ہو جاتے ہیں اور غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے اور ایسے پروگرام دیکھنے والے کے حرام میں مبتلا ہو جانے کا بھی شدید خطرہ ہوتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کام کرنے اور ناراضی کے کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

———— شیخ ابن باز ————

رسائل و جرائد میں عورتوں کی تصویریں دیکھنا

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے مجلّات میں شائع ہونے والی عورتوں کی تصویریں دیکھنا جائز ہے؟ کیا عورتوں کو براہ راست دیکھنے یا رسالوں، اخبارات میں ان کی تصویریں دیکھنے کی حرمت ایک جیسی ہے؟ رہنمائی فرمائیں!

جواب بلاشبہ بے پردہ عورتوں کو دیکھنا ان امور میں سے ہے جو فتنے کا سبب بنتے اور فحاشی کی دعوت دیتے ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پردے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں"

بلاشبہ عریاں اور نیم عریاں تصویریں دیکھنا فتنے کا باعث ہے لہٰذا ہر ایسی تصویر دیکھنا حرام ہے جو فتنے فساد کا سبب بنے خواہ وہ فلم' اخبارات' رسائل یا کسی بھی اور جگہ ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

فحش رسائل پڑھنا

سوال ایسے رسائل پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے' جن میں نیم عریاں تصویریں شائع ہوتی ہوں نیز ان تصویروں کے دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہم ہر مسلمان کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ فتنوں اور ان کے اسباب سے دور رہے تاکہ وہ اپنے اس دین کی حفاظت کر سکے جو اسے تمام خرابیوں سے بچانے والا ہے' بلاشبہ خوبصورت عورتوں کی نیم عریاں تصویریں دیکھنا بدکاری اور بے حیائی کا ایک بہت بڑا سبب ہے اور ان یا ان جیسی دیگر عورتوں سے میل ملاپ پر اکسانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور پھر اس مقصد کے حصول کی خاطر انسان اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتا لہٰذا ہر مسلمان کو جو اپنا خود ہمدرد و خیر خواہ ہو یہی بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھے جو اس کے کردار کو داغ دار کرنے والی ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

فلموں میں عورتوں کی تصاویر دیکھنا

سوال کیا کسی مجلہ یا کسی فلم میں عورت کی عریاں تصویر کو دیکھنا جائز ہے؟

جواب کسی اجنبی عورت کی عریاں تصویر دیکھنا یا کوئی ایسی فلم یا مجلہ خریدنا جس میں عریاں تصویریں ہوں' جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ ایسی چیزوں کو جلا دیا جائے تاکہ ان کی وجہ سے فواحش و منکرات کو فروغ حاصل نہ ہو۔



——— شیخ ابن جبرین ———

عورتوں کی تصاویر جمع کرنا

سوال بعض لوگ اجنبی عورتوں کی تصویریں جمع کرتے' انہیں دیکھتے' ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تصویریں ہیں حقیقت تو نہیں ہے' تو اس کے بارے میں شریعت حکم کیا ہے؟

جواب یہ بہت خطرناک بات ہے کیونکہ انسان جب کسی عورت کی تصویر دیکھے گا خواہ وہ مرئی ذرائع ابلاغ میں ہو یا اخبارات و جرائد میں' اس سے انسانی دل میں یقیناً فتنہ پیدا ہو گا کہ وہ اس عورت کو براہ راست دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گا اور ایسا آج کل عام ہو رہا ہے' ہمیں بعض نوجوانوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ خوبصورت عورتوں کی تصویریں جمع کرتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ دیکھ کر لذت حاصل کریں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویروں کا فتنہ کتنا بڑا ہے لہٰذا کسی بھی انسان کے لیے ایسی تصویریں دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ یہ اخبارات و جرائد ہی میں کیوں نہ چھپی ہوں کیونکہ یہ فتنہ دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہو گا' اس سے دل کا میلان عورتوں کی طرف ہو گا اور پھر تصویروں کو دیکھنے والا براہ راست بھی

عورتوں کی طرف دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن عثیمین ———

مختلف ذرائع ابلاغ میں عورتوں کی طرف دیکھنا

سوال مردوں کا ان اداکار یا گلوکار عورتوں کے چہروں اور جسموں کی طرف دیکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جو ٹیلی ویژن یا سینما یا ویڈیو پر نظر آتی ہیں یا کاغذ پر طبع ہوتی ہیں؟

جواب ان تصویروں کو دیکھنا حرام ہے کیونکہ یہ فتنے میں مبتلا کرتی ہیں اور سورۂ نور کی حسب ذیل آیت کریمہ:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾﴾ (النور ٢٤/ ٣٠)

"اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔"

میں جو حکم بیان کیا گیا ہے یہ عام ہے اور خواتین کی تصویروں کے لیے بھی خواہ وہ تصویریں کاغذ پر ہوں یا ٹیلی ویژن وغیرہ کی سکرین پر۔

——— شیخ ابن باز ———

اجنبی عورتوں سے مصافحہ کی حرمت کا سبب

سوال اسلام نے غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کیوں حرام قرار دیا ہے؟ جو شخص شہوت کے بغیر مصافحہ کرے تو کیا اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب اسلام نے اسے اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ انسان کسی اجنبی عورت کے جسم کو ہاتھ لگائے اور ہر وہ چیز جو کسی فتنے کا سبب ہو شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے' اس فتنے و فساد کے ہی سدباب کے لیے شریعت نے نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت ہی سے چھوا ہو' البتہ اگر عورت کو چھونے سے مذی خارج ہو جائے' تو آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضو کرنا اور اگر منی خارج ہو جائے تو غسل کرنا واجب ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بھابی سے مصافحہ کرنا

سوال کیا خاوند کے بھائیوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بھابی سے خلوت کے بغیر مصافحہ کریں جب کہ بہنیں اور والدین بھی موجود ہوں' جیسا کہ عموماً عید وغیرہ کے موقع پر ہوتا ہے؟

جواب خاوند کے بھائی یا چچا یا ماموں یا چچازاد بھائی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی یا ماموں یا چچا کی بیوی سے مصافحہ

کرے جس طرح دیگر تمام اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں' ان سے بھی جائز نہیں کیونکہ بھائی اپنی بھابی کے لیے محرم نہیں ہے' اسی طرح چچا اپنے بھتیجے کی بیوی کا' ماموں اپنے بھانجے کی بیوی کا اور چچازاد بھائی اپنے چچازاد بھائیوں کی بیویوں کے محرم نہیں ہیں لہٰذا ان سے مصافحہ جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا' آپ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

اجنبی عورتوں سے مصافحہ کرنا ان کی طرف دیکھنے کی طرح فتنے کا ذریعہ ہے' بلکہ اس میں تو دیکھنے سے بھی زیادہ فتنہ ہے' البتہ محرم عورتوں مثلاً بہن' پھوپھی' ماں یا بہو سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا

سوال بعض مرد بعض ایسی قریبی عورتوں سے بھی مصافحہ کرتے ہیں جو محرم نہیں ہوتیں بلکہ وہ رشتے دار یا پڑوسی ہوتی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور کیا عورت کے لیے پردے کے لیے ہاتھ پر کپڑے کا ٹکڑا رکھ لینا کافی ہے؟

جواب مرد کے لیے کسی اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں' خواہ اس نے بوقت مصافحہ اپنے ہاتھ پر کپڑا ہی کیوں نہ لپیٹ رکھا ہو۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

دستانے کے ساتھ اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا

سوال اجنبی عورت نے ہاتھ میں دستانہ پہن رکھا ہو تو کیا اس سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟ دلائل کے ساتھ جواب دیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا' کیا اس سلسلے میں بڑی اور چھوٹی عمر کی عورت کا حکم ایک ہی ہے؟

جواب انسان کے لیے کسی بھی ایسی اجنبی عورت سے جو محرم نہ ہو مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے' خواہ اس کے ہاتھ پر دستانہ وغیرہ ہو یا نہ ہو' کیونکہ یہ فتنے کا سبب ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ فَـٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (بني اسرائيل١٧/ ٣٢)

"خبردار زنا کے قریب بھی نہ جانا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے۔"
یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہمارے لیے ہر اس چیز کو ترک کر دینا ضروری ہے جو زنا تک پہنچانے والی ہو خواہ شرم گاہ کا زنا ہو جو اس کی سب سے بھیانک صورت ہے یا اس سے کم تر درجہ کا زنا ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اجنبی عورت کے ہاتھ چھونے سے شہوت کو تحریک ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اس بات پر شدید وعید آئی ہے کہ آدمی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرے اور اس مسئلے میں نوجوان اور بڑی عمر کی عورت میں کوئی فرق نہیں۔ کیوں کہ عمر کے اعتبار سے لوگوں کا نقطہ نگاہ مختلف ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی ایک عورت کو بوڑھی سمجھتا ہے تو ممکن ہے کوئی دوسرا اسے جوان تصور کرتا ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بوڑھی عورت سے مصافحہ کرنا

سوال اجنبی عورت اگر بوڑھی ہو تو اس سے مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اس نے اگر ہاتھ پر کپڑا وغیرہ رکھا ہو تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھی اور خواہ مصافحہ کرنے والا مرد جوان ہو یا بوڑھا کیونکہ اس میں ہر ایک کے لیے فتنے کا خطرہ ہے، صحیح حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلاَمِ»(صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا، آپ ان سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ عورت نے دستانے وغیرہ پہنے ہیں یا نہیں کیونکہ دلائل کے عموم اور فتنے کے سد باب کا یہی تقاضا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

غیر محرم رشتے دار عورتوں سے مصافحہ اور.....

سوال میں اپنے اہل خانہ اور اعزہ و اقارب سے چھ ماہ اور بسا اوقات ایک سال بعد ملنے کے لیے جاتا ہوں اور جب گھر

پہنچتا ہوں تو چھوٹی بڑی تمام عورتیں میرا استقبال کرتی ہیں اور بڑے احترام سے بوسہ دیتی ہیں جس سے مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ یہ عادت ہمارے علاقے میں بہت عام ہے' میرے خاندان میں بھی اسے برا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ ان کی رائے کے مطابق یہ کسی حرام کام کا ارتکاب نہیں ہے لیکن میں نے الحمدللہ اسلامی ثقافت کو بڑی حد تک اختیار کر رکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے حیرت اور پریشانی ہے..... سوال یہ ہے کہ میں عورتوں کے بوسے سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟ یاد رہے کہ اگر میں ان سے مصافحہ کروں تو وہ شدید ناراض ہوں گی اور کہیں گی کہ یہ شخص ہمارا احترام نہیں کرتا' ہمیں ناپسند کرتا ہے اور ہم سے محبت نہیں کرتا وہ محبت جو کہ ایک خاندان کے افراد کے مابین ہوتی ہے نہ کہ وہ محبت جو ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان ہوتی ہے تو کیا اگر میں انہیں بوسہ دوں تو یہ معصیت کا ارتکاب ہو گا جب کہ میری نیت بھی ناپاک نہیں ہے؟

جواب مسلمان آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی یا محرم عورتوں کے سوا کسی اور عورت سے مصافحہ کرے یا اسے بوسہ دے کیونکہ یہ حرام' فتنے کا سبب اور کھلم کھلا فحاشی ہے اور حدیث میں ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح: ٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے بوقت بیعت بھی کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا بلکہ آپ ﷺ عورتوں سے زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔"

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنے سے زیادہ بدترین بات انہیں بوسہ دینا ہے خواہ وہ چچا یا ماموں کی بیٹیاں ہوں یا پڑوسی عورتیں یا خاندان کی دیگر خواتین' ان سب سے مصافحہ کرنا اور بوسہ دینا حرام ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ یہ حرام اور فحش کام میں مبتلا ہونے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور اس کی عادی تمام رشتے دار اور غیر رشتے دار عورتوں کو بتائے کہ یہ حرام ہے خواہ لوگ اس کے عادی ہو چکے ہوں' کسی بھی مسلمان مرد یا عورت کے لیے یہ جائز نہیں خواہ ان کے رشتے دار یا اہل شہر اس کے عادی ہی کیوں نہ ہوں بلکہ واجب ہے کہ اس کا انکار کر دیا جائے' معاشرے کو اس سے بچایا جائے اور مصافحے اور بوسے کے بغیر زبانی سلام پر اکتفا کیا جائے۔

—— شیخ ابن باز ——

غیر محرم عورتوں سے مصافحہ کرنا' ان کے ساتھ بیٹھنا اور انہیں بوسہ دینا



میں اس وقت ریاض شہر میں سکونت پذیر ہوں' اس میں میرے کچھ بہت ہی قریبی رشتے دار بھی رہتے ہیں جن

میں میری خالہ کی بیٹیاں، چچاؤں کی بیویاں اور بیٹیاں بھی ہیں، میں جب ان سے ملنے جاتا ہوں تو انہیں سلام کہتا ہوں، بوسہ دیتا ہوں اور ان کے پاس بیٹھتا ہوں جب کہ ان کے چہرے کھلے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے میں بہت تنگی محسوس کرتا ہوں لیکن اکثر جنوبی علاقوں میں یہ رواج عام ہے، آپ کا اس عادت کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب یہ ایک ایسی عادت ہے جو بہت ہی بری، منکر اور شریعت مطہرہ کے مخالف ہے، عورتوں کو بوسہ دینا اور ان سے مصافحہ کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ آپ کے چچاؤں کی بیویاں اور چچا و ماموں کی بیٹیاں آپ کی محرم نہیں ہیں لہٰذا ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور آپ کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥٣)

"اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ آیت ازواج مطہرات اور دیگر تمام عورتوں کے لیے عام ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ ازواج مطہرات ہی کے ساتھ خاص ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اپنے خاوند اور باپ اور سسر..... (کے سوا) کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں۔"

اور آپ ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جنہیں یہاں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کیونکہ آپ تو اپنے چچا اور ماموں کی بیٹیوں اور بیویوں کے لیے اجنبی ہیں یعنی ان کے لیے محرم نہیں ہیں، اس لیے آپ پر واجب ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے اس کی بابت جو کچھ ذکر کیا ہے، آپ انہیں بتا دیں اور فتویٰ بھی پڑھ کر سنا دیں تاکہ حکم شریعت کو معلوم کر کے وہ آپ کو معذور جانیں، آپ کے لیے بس یہی کافی ہے کہ بوسے اور مصافحے کے بغیر محض زبانی سلام کہہ دیں جیسا کہ مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے جب ایک عورت نے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح:٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ يُبَايِعُهُنَّ بِالْكَلاَمِ» (صحيح البخاري، الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا، آپ ان سے زبانی بیعت

17564

لیا کرتے تھے۔"

صحیح مسلم میں قصۂ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "جب میں نے صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا اور انہوں نے پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔" [1]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد خواتین اپنے چہروں کو ڈھانپ کر رکھتی تھیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائے اور انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

آدمی کے لیے اپنی بیٹی کو بوسہ دینا جائز ہے

سوال کیا آدمی کے لیے اپنی بیٹی کو بوسہ دینا جائز ہے جب کہ وہ بڑی ہو کر سن بلوغت سے تجاوز کر جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ بوسہ رخسار پر ہو یا منہ پر اور اگر بیٹی باپ کو بوسہ دے تو پھر کیا حکم ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنی چھوٹی یا بڑی بیٹی کو شہوت کے بغیر بوسہ دے اور اگر بچی بڑی ہو تو بوسہ رخسار پر ہونا چاہیے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی لخت جگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رخسار پر بوسہ دیا تھا۔

منہ پر بوسہ دینے سے جنسی شہوت کو تحریک ہوتی ہے لہٰذا زیادہ بہتر اور زیادہ محتاط بات یہ ہے کہ منہ پر بوسہ نہ دیا جائے، اسی طرح بیٹی بھی شہوت کے بغیر اپنے باپ کی ناک پر اس کے سر پر بوسہ دے سکتی ہے، شہوت کے ساتھ بوسہ سب کے لیے حرام ہے تاکہ فتنے کو ختم اور فحاشی کا سدباب کیا جا سکے۔

——— شیخ ابن باز ———

ٹیلیفون پر عورت سے گفتگو کرنا

سوال اگر کوئی غیر شادی شدہ نوجوان غیر شادی شدہ جوان لڑکی سے ٹیلیفون پر گفتگو کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اجنبی عورت سے ایسی گفتگو کرنا جائز نہیں جو شہوت کو بھڑکائے جیسے عشقیہ گفتگو یا ناز و نخرہ کے ساتھ گفتگو یا بہت ہی نرم لہجے میں گفتگو خواہ یہ ٹیلیفون پر ہو یا کسی اور طریقے سے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۲)

"(کسی اجنبی شخص سے) نرم لہجے میں بات نہ کرو مبادا کہ وہ شخص جس کے دل میں کسی قسم کا روگ ہو وہ کوئی خیال کرے۔"

---

[1] صحیح بخاری، المغازی، باب حدیث الافک، حدیث: ۴۱۴۱ اور صحیح مسلم، التوبۃ، باب فی حدیث الافک ..... الخ، حدیث: ۲۷۷۰۔

بوقت ضرورت گفتگو میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ فتنہ و فساد سے خالی ہو اور بس بقدر ضرورت ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مرد و زن کی باہمی خط و کتابت

سوال جب کوئی مرد کسی اجنبی عورت کو خط لکھے اور وہ ایک دوسرے سے محبت کریں تو کیا یہ کام بھی حرام ہو گا؟

جواب یہ کام جائز نہیں کیونکہ یہ بھی دونوں کے درمیان جنسی جذبات کو بھڑکائے گا اور طبیعت میں ملاقات کا اشتیاق پیدا کرے گا' اس طرح کی عشقیہ خط و کتابت فتنے ہی کو جنم دیتی ہے اور دل میں بدکاری کی محبت کے بیج بوتی ہے جس سے انسان کے حرام کاری میں مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے لہٰذا جو شخص اپنے نفس کی حفاظت کرنا چاہے اس کے لیے ہماری نصیحت ہے کہ وہ اپنے دین و عزت کی حفاظت کی خاطر اس طرح کی خط و کتابت کو یکسر ترک کر دے۔ واللہ الموفق

——— شیخ ابن جبرین ———

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے

سوال بعض لوگ اجنبی عورتوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے تساہل سے کام لیتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کے پاس جائے اور وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کی بیوی اپنے خاوند کے اس دوست سے گفتگو کرنا شروع کر دیتی ہے' ڈرائینگ روم کا دروازہ کھول دیتی اور اس کے سامنے قہوہ یا چائے پیش کرتی ہے تو کیا یہ جائز ہے؟ یاد رہے اس وقت بیوی کے سوا گھر میں اور کوئی موجود بھی نہیں ہوتا؟

جواب کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں کسی اجنبی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے خواہ وہ اس کے خاوند کا قابل اعتماد دوست ہی ہو کیونکہ اس کے معنی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کے ہوں گے اور حدیث میں ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح: ٢١٦٥ ومسند أحمد: ١/١٨)

''کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

کسی مرد کے لیے بھی یہ حرام ہے کہ اپنے دوست کی بیوی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لیے دروازہ کھولے اور اس کی خدمت کرے خواہ اسے اپنی امانت و دیانت پر کتنا ہی اعتماد کیوں نہ ہو کیونکہ اس بات کا بہرحال خطرہ موجود ہوتا ہے کہ شیطان دونوں کے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈال دے۔

خاوند پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو منع کرے کہ وہ کسی بھی اجنبی کو گھر میں داخل نہ ہونے دے خواہ وہ اس کا قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَارَسُولَ اللهِ، أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بإمراة إلا ذو محرم ... الخ،

ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: دیور تو موت ہے۔"

"حمو" خاوند کے بھائی یا اس کے رشتے دار کو کہتے ہیں لہٰذا اس کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے تو بطریق اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شادی سے پہلے تعلقات

سوال ان تعلقات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شادی سے پہلے سے اگر سائل کی مراد رخصتی سے پہلے اور نکاح کے بعد ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عقد نکاح ہی سے عورت بیوی بن جاتی ہے خواہ رخصتی کے مراحل ابھی طے نہ بھی ہوئے ہوں اور اگر اس سے مراد منگنی کے دوران نکاح سے پہلے یا اس سے بھی پہلے تعلقات ہیں تو یہ حرام ہیں' جائز نہیں ہیں کیونکہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کلام یا نظر یا خلوت کے ساتھ کسی بھی عورت سے لطف اندوز ہو کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ ومَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ، ولاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح: ١٣٤١)

"کوئی بھی مرد کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کے بغیر خلوت میں نہ جائے اور نہ کوئی عورت محرم کے بغیر کسی کے ساتھ سفر کرے۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر یہ میل جول عقد نکاح کے بعد ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ عقد سے پہلے اور منگنی و قبول کے بعد ہے تو ناجائز ہے کیونکہ وہ عورت اس کے لیے حرام ہے اور جب تک عقد نکاح نہ ہو وہ اس کے لیے اجنبی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے

سوال محرم کے بغیر بیرون ملک سے کسی خادمہ کے آنے کے بارے میں کیا حکم ہے کیا خادمہ کا محرم کے بغیر اپنے ملک سے آنا اور محرم کے بغیر اس گھر میں قیام کرنا جہاں وہ خدمت سرانجام دیتی ہو' ممنوع ہے؟

جواب محرم کے بغیر کسی عورت کے لیے سفر کرنا جائز نہیں خواہ وہ خادمہ ہو یا کوئی اور کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ»(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح: ١٨٦٣ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح: ١٣٣٨)

"محرم کے بغیر کوئی عورت سفر نہ کرے"

البتہ گھر میں اس کی موجودگی محرم کی محتاج نہیں ہے لیکن کسی اجنبی مرد کو اس کے ساتھ خلوت کی اجازت نہیں

ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم... الخ، ح:٥٢٣٣ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد محرم کے بغیر کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِامْرَأَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ ومسند أحمد:١/١٨ واللفظ له)

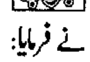
"جب بھی کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

بیرون ملک سے محرم کے بغیر خادمہ کو بلانا

سوال بیرون ملک سے محرم کے بغیر خادمہ کو بلانے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ وہ مسلمان ہو جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ اس طرح کر رہے ہیں حتی کہ وہ بھی جو اپنے آپ کو طالب علم شمار کرتے ہیں اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ مجبور و لاچار ہیں اور بعض یہ دلیل دیتے ہیں کہ محرم کے بغیر سفر کا گناہ خود اس خادمہ کو ہے یا اسے طلب کرنے والے دفتر کو؟ امید ہے آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور جزائے خیر سے نوازے۔


محرم کے بغیر خادمہ کو بلانے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی نافرمانی ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٣٨)

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔"

محرم کے بغیر اس کی آمد فتنے کا سبب بن سکتی ہے اور وہ چیز جو فتنے کا سبب بنے وہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز حرام تک پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔

بعض لوگ اس سلسلے میں جو تساہل سے کام لیتے ہیں تو یہ بہت بڑی مصیبت ہے اور ان کی یہ بات دلیل نہیں بن سکتی کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں کیونکہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ انہیں خادمہ کے بلانے کی ضرورت ہے تو انہیں اس بات کی تو ضرورت نہیں ہے کہ وہ اسے محرم کے بغیر بلائیں' ان کی یہ دلیل بھی درست نہیں کہ محرم کے بغیر سفر کا گناہ خود اس خادمہ کو ہو گا یا اسے بلانے والے دفتر کو کیونکہ جو شخص کسی حرام کام کا ارتکاب کرنے والے کے لیے دروازہ کھولتا ہے تو وہ اس کی اعانت کرنے کی وجہ سے گناہ میں شریک ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے اور محرم کے بغیر خادمہ کو بلانا بلاشبہ ایک امر منکر ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

——— شیخ ابن عثیمین ———

بیرون ملک محرم کے بغیر عورت کا قیام

سوال میرا سوال بیرون ملک محرم کے بغیر عورت کے قیام کے بارے میں ہے، میں اس وقت سعودی عرب میں مقیم ہوں اور ایک ایسی جگہ کام کرتی ہوں جہاں صرف خواتین ہی ہیں اور الحمد للہ وہاں نہ مردوں کے ساتھ اختلاط ہے اور نہ ہی کام یا رہائش کی جگہ پر کوئی ایسی بات جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے، میں نے کوشش کی کہ شرعی محرم کی حیثیت میں اپنے بھائی کو یہاں بلا لوں لیکن اس میں مجھے کامیابی نہیں ہو سکی تو میری موجودہ حالت یعنی محرم کے بغیر قیام کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ میں نے یہاں آنے سے پہلے بہت دفعہ استخارہ بھی کیا تھا اور محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بہت سے کاموں میں آسانی پیدا فرما دی ہے جب کہ میرے اپنے وطن میں میدان عمل میں اختلاط اور سوء اخلاق کے اعتبار سے حالت ایسی ہے کہ کوئی مسلمان وہاں کام کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا تو میں نے جو یہ حالات بیان کیے ہیں ان کی روشنی میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور آپ کے لیے توفیق اور اصلاح احوال کی دعا مانگتے ہیں، آپ نے جو یہاں قیام کیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ محرم کے بغیر عورت کے قیام میں کوئی ضرر یا حرج نہیں ہے خصوصاً جب کہ اس میں خطرے کی بھی کوئی بات نہ ہو کہ کام عورتوں ہی کے حلقے میں ہو اور مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں البتہ آپ کا تنہا سفر کرنا ممنوع ہے لہٰذا محرم کے بغیر سفر نہ کیجیے اور نہ محرم کے بغیر یہاں آئیے اور اگر آپ اپنے ملک سے محرم کے بغیر آگئی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ و استغفار کیجیے اور آئندہ ایسا نہ کیجیے اور جب آپ یہاں سے سفر کا ارادہ کریں تو پھر بھی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لہٰذا محرم کی آمد تک صبر کیجیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلاَّ مَعَ ذِي مَحْرَمٍ» (صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، ح:١٨٦٢ وصحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٣٨)

"کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے"

اگر رشتے داروں کی طرف سے کوئی محرم میسر آجائے یا شادی ہو جائے تو پھر شوہر سفر میں محرم ہو گا بہرحال تمام امور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، آپ کوشش کریں کہ سفر کے وقت آپ کو محرم میسر آجائے، عورتوں ہی میں اقامت اختیار کرنے اور مباح کام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ والحمدللہ!

بلاشبہ محرم کے بغیر عورت کا سفر کرنا خطرناک ہے، اس میں خطرہ بھی ہے اور فتنہ بھی لہٰذا ہم دینی بہنوں کو یہ نصیحت

کریں گے کہ وہ اس سے اجتناب کریں' محرموں کے بغیر سفر نہ کریں' مردوں کے ساتھ اختلاط' مردوں کے ساتھ کام اور مردوں کے ساتھ خلوت سے اجتناب کریں' ان تمام باتوں سے اجتناب واجب ہے کام خواہ ہسپتالوں میں ہو یا کسی اور جگہ۔ میں تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ محرم کے بغیر عورتوں کو نہ بلائیں اور نہ محرم کے بغیر کوئی عورت سفر کرے' نہ مردوں کے ساتھ کام کرے اور نہ کسی بھی غیر محرم مرد کے ساتھ خلوت اختیار کرے کیونکہ یہ فتنے کا راستہ ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرماتے ہوئے اسے حرام قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة، ح: ٢١٦٥ ومسند أحمد: ١٨/١)

"جب بھی کوئی مرد کسی عورت سے خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے"

مقصود یہ ہے کہ عورت اور اس کے ورثاء پر واجب ہے کہ اس کی عزت کی سلامتی اور اسباب فتنہ سے اس کی دوری کی کوشش کریں' عورت کا عورتوں کے مابین کام کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ کام مباح ہو اور دین کے حوالے سے نقصان دہ نہ ہو اور نہ ہی مردوں کے ساتھ کسی فتنہ کا اندیشہ ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

رقص و سرود کی قومی محفلوں میں مدارس کی طالبات کی شرکت .....

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے مجلّہ "المجتمع" کے محترم ایڈیٹر صاحب کے نام! اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد!

میں نے آپ کی طرف سے پیش کیے گئے سوالات کو ملاحظہ کیا ہے اور انہیں بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تو کمیٹی نے ان سوالات کے جواب میں ۱۲-۷-۱۴۰۱ھ کو فتویٰ نمبر ۳۸۳۱ جاری کیا جو کہ اس خط کے ساتھ منسلک ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنے دین کی خدمت اور اس کے دفاع کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سمیع مجیب' والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

—— چیئرمین ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوۃ وارشاد ——

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ وَبَعْدُ

بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی نے ان سوالات کو ملاحظہ کیا جو مجلّہ "المجتمع" کویت کی طرف سے عزت مآب رئیس عام کو موصول ہوئے ہیں ان کا حوالہ نمبر ۸۱۲ ہے اور یہ ۳-۵-۱۴۰۱ھ کو لکھے گئے تھے' مجلّہ کے سوالات اور کمیٹی کے جوابات حسب ذیل ہیں:

سوال کیا ہائی' مڈل اور پرائمری اسکولوں کی طالبات کو رقص و سرود کی محفلوں میں بلانا جائز ہے جب کہ انہوں نے ایسے چست لباس پہن رکھے ہوتے ہیں جن سے ان کے جسم کا ایک ایک عضو نمایاں طور پر نظر آتا ہے کہ بسا اوقات ان کا کپڑا یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ صرف دو بالشت کا ہے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ اس سے لڑکیاں بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور ان کے جسمانی اعضاء بھی نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ

انہوں نے بہت چھوٹے اور تنگ کپڑے پہن رکھے ہوتے ہیں اور پھر یہ محفلیں بھی لہوولعب اور رقص و سرود کی محفلیں ہوتی ہیں اور یہ ایک شر ہے جو محفل میں شریک حاضرین کے جنسی جذبات کو ابھارتا اور فحاشی' فتنے و فساد اور اخلاقی بے راہ روی کو جنم دیتا ہے اور پھر ان محفلوں کے سابقے اور لاحقے بھی بہت مکروہ ہیں اور وہ یہ کہ ان محفلوں میں شرکت سے پہلے بھی ان بچیوں کو اس طرح کے لباس پہنا کر رقص و سرود کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ انہیں اس بے ہودہ کام کی خوب پریکٹس ہو جائے جو شر کے اس میدان میں کامیابی کی ضامن ہو اور اس سے حاضرین خوش ہوں اور ان محفلوں کے لاحقے بھی بہت ذلیل ہیں' وہ یہ کہ یہ تربیت حاصل کرنے والی بچیاں یا ان میں اکثریت مستقبل میں بھی اسی کو بطور پیشہ اختیار کر لیتی ہیں اور دنیائے لہوولعب اور بے حیائی سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔

سوال کیا اس طرح کے پروگرام میں شرکت کی اجازت دینے والا بچی کا وارث گناہ گار ہو گا؟

جواب ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے کسی کی نگرانی سپرد کی ہو وہ اپنی رعایا کے بارے میں جوابدہ ہے' ہر طالبہ کا وارث چاہے وہ باپ ہو یا اس کے کوئی قائم مقام وہ اس کے بارے میں جواب دہ ہے' اگر وہ اسے اسلامی آداب سکھائے' احسن انداز میں اس کی تربیت کرے اور اسے شروفساد میں مبتلا ہونے سے بچائے تو اللہ تعالیٰ اسے اجر و ثواب سے نوازے گا اور اس عزت و آبرو کی حفاظت بھی فرمائے گا اور اگر وہ اس کی غلط تربیت کرے' یا تربیت کی طرف دھیان ہی نہ دے یا اسے فتنے و فساد اور لہوولعب کے مقامات کی طرف دھکیل دے تو وہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے یقیناً گناہ گار ہو گا' اس کا انجام بھی برا ہو گا اور وہ اپنی اس ناعاقبت اندیشی کا یقیناً خمیازہ بھی بھگتے گا' جو دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کی صورت میں ہو سکتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔

سوال کیا حکومتی ادارے قومی محفلوں کے نام سے ان پروگراموں میں شرکت کے لیے بچیوں کو مجبور کر سکتے ہیں؟

جواب امتوں کو سعادت و کامرانی' ترقی' انتظامی خوبی اور حفاظت و استحکام صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کے حکمران اور قائدین اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ عقیدہ' قول و عمل اور تنازعات کے حل میں انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے منہاج پر چلائیں۔

اس طرح حکمرانوں اور قائدین کو بھی استحکام و اعتبار اور وجاہت ایسی امتوں ہی کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں دین' استقامت' علم' ثقافت' صنعت' زراعت' قوت اور ترقی میں ان امور کو پیش نظر رکھیں جو قوموں کو عروج پر پہنچا دیتے ہیں اور ان کے افراد کو سربلندی سے ہمکنار کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسا اعلیٰ نمونہ بن جاتے ہیں کہ عقل مند لوگ ازراہ تعجب نظریں اونچی کر کے انہیں دیکھتے ہیں اور ان کے حالات کو جاننے والے ان سے ڈرتے ہیں۔

حکمران اپنی قوموں کے ساتھ جس قدر خیروبھلائی کے ساتھ حسن سیاست کی روش اختیار کریں گے اور جس قدر ان کی اصلاح کی طرف توجہ مبذول کریں گے' وہ اسی قدر قوت و عزت اور عظمت و شوکت کی صورت میں اس کے ثمرات بھی حاصل کریں گے اور قومیں بھی جس قدر اپنے مصلح حکمرانوں کی آواز پر لبیک کہیں گی' معروف کو قبول کریں گی اور اس کے حصول میں ان کے ساتھ تعاون کریں گی' اسی قدر سعادت و کامرانی' خوش حالی و فارغ البالی اور راحت و اطمینان کی دولت سے فیض یاب ہوں گی۔

مسلمان حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی قوموں میں اسلامی سیاست کو بروئے کار لائیں' رسول اللہ ﷺ کے

نقش قدم پر چلیں' آپ ﷺ کی راہنمائی کے نور سے روشنی حاصل کریں اور خلفاء راشدین کے طرز سیاست کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں تاکہ وہ خود بھی اور ان کی قومیں بھی سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہوں' دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے شاد کام ہوں' انہیں اسلامی شریعت اور اس کے مبنی بر عدل و انصاف اسلوب حکومت کی مخالفت سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی اور کافر حکومتوں کی اندھی تقلید کی وجہ سے یہ تباہی و بربادی کے گڑھوں میں گر جائیں گے جیسا کہ یہ کافر حکومتیں اپنے غلط نظام حکومت' اخلاقی بے راہ روی' تہذیبی و ثقافتی خرابی' تعلیمی اداروں میں لہو ولعب اور مستی و بے حیائی کے چلن اور مخلوط تعلیم کی وجہ سے آج تباہی و بربادی کے گڑھوں میں گرے ہوئے ہیں اگر مسلمانوں نے بھی ایسا کیا تو ان کا شیرازہ بکھر جائے گا' ان کی قوت و شوکت ماند پڑ جائے گی' اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل و رسوا کر دے گا اور انہیں عذاب سے دو چار کر دے گا کہ فتنہ و فساد پھیلانے والوں کی یہی سزا ہے۔

آخر میں یہاں اس جانب توجہ مبذول کروانا بھی ضروری ہے کہ وہ ذات گرامی' جنہیں جوامع الکلم کے معجزے سے نوازا گیا تھا کے اس ارشاد سے بڑھ کر کوئی انسانی قول زیادہ خوبصورت' زیادہ مکمل اور زیادہ جامع نہیں ہے جو آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے:

«أَلاَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الأَعْظَمُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْؤُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُالرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب قول الله تعالى: أطيعوا الله أطيعوا الرسول . . . الخ، ح:٧١٣٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل وعقوبة الجائر . . . الخ، ح:١٨٢٩)

"خبردار تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ' امام جو لوگوں کا نگہبان ہے' وہ اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے' مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے' عورت اپنے شوہر کے اہل خانہ اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے' اور غلام (نوکر) اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خبردار! تم سب نگہبان ہو اور اپنی اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہو۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنُصْحِهِ إِلاَّ لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب من استرعى رعيته فلم ينصح، ح:٧١٥٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته، النار، ح:١٤٢)

"جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا نگہبان بنا دے اور وہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔"

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَا مِنْ وَّالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ إِلاَّ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»(صحيح البخاري، الأحكام باب من استرعى رعيته فلم ينصح، ح:٧١٥١ وصحيح مسلم، الايمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، ح:١٤٢)

"ہر وہ شخص جو مسلمانوں کی کسی رعیت کا والی ہو اور وہ ان سے دھوکہ کرتے ہوئے فوت ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام قرار دے دے گا۔"

ہر حاکم کو چاہیے کہ اپنی رعایا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' ان سے ہمدردی و خیر خواہی کرے اور ان میں حق کے ساتھ حکومت کرے کیونکہ ان کے بارے میں اس سے روز قیامت باز پرس ہو گی۔ واللہ الموفق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

میری بیوی کی بہنیں ننگے منہ ہوتی ہیں اور .....

سوال میں نے ایک لڑکی سے شادی کی ہے جس کی تین چھوٹی بہنیں بھی ہیں اور میں اپنے خسر کے کام میں مدد دینے کے لیے اس کے ساتھ ہی رہائش پذیر ہوں لیکن اس میں بڑی مشکل یہ ہے کہ کھانے پینے وغیرہ کے لیے ہم سب جب اکھٹے ہوتے ہیں تو میری بیوی کی بہنوں نے اپنے سروں کو تو ڈھانپا ہوتا ہے لیکن ان کے چہرے کھلے ہوتے ہیں اور مجھے کبھی کبھی ان میں سے کسی کو گاڑی میں بٹھا کر مدرسہ یا کالج یا لائبریری وغیرہ میں بھی پہنچانا پڑتا ہے تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب خسر کے ساتھ مذکورہ سبب یعنی اجرت لے کر کام میں مدد دینے یا کسی اور مباح سبب کی وجہ سے رہائش اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن آپ کی بیوی کی بہنوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور منہ کو بھی ڈھانپیں کیونکہ زیادہ زینت تو چہرے ہی میں ہے' سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر..... کے سوا کسی پر اپنی زینت ظاہر نہ ہونے دیں۔"

آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ خلوت اختیار کریں یا اسے تنہا مدرسے یا لائبریری میں لے جائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ محرم کے بغیر خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ وأحمد:١/١٨)

"جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار کرتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

لہٰذا جب آپ ان میں سے کسی کو مدرسہ وغیرہ چھوڑنے جائیں تو ضروری ہے کہ ساتھ کوئی تیسرا بھی ہو تاکہ خلوت زائل ہو جائے اور اس کی موجودگی میں شیطانی کے وسوسوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے۔

—————— شیخ ابن باز ——————

بہن کا خاوند محرم نہیں ہے

سوال کیا میری بہن کے لیے اپنے اس چچازاد بھائی سے پردہ کرنا جائز ہے جس کی بیٹی سے میرا بھائی عنقریب شادی کرنے والا ہے مگر یہ شادی ابھی تک ہوئی نہیں ہے، راہنمائی فرمائیں؟

جواب آپ کی بہن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے چچازاد بھائی سے پردہ کرے کیونکہ وہ اس کا محرم نہیں ہے اور اگر وہ اپنی بیٹی آپ کے بھائی کے نکاح میں دے دے تو پھر بھی بہن کا شوہر اور بھائی کی بیوی کا والد وغیرہ اجنبی ہی ہوتے ہیں۔

—————— شیخ ابن جبرین ——————

باپردہ عورت کا مردوں کے ساتھ بیٹھنا

سوال میری ایک سہیلی کا کہنا ہے کہ اسے اپنی جماعت کے مردوں کے ساتھ جو کہ غیر محرم ہوتے ہیں مجبوراً بیٹھنا پڑتا ہے لیکن اس نے اس وقت مکمل پردہ کیا ہوتا ہے، وہ اسے اور اس کے بچوں کو سلام بھی کہتے ہیں جب کہ اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا، اسے اس بات کا علم ہے جبکہ وہ اس صورتحال کو پسند نہیں کرتی لیکن حالات کی وجہ سے مجبور ہے؟

جواب ہم اس عورت کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ ان اجنبی مردوں کے ساتھ نہ بیٹھے خواہ وہ اس کی جماعت ہی کے ہوں اور خواہ اس نے اپنے چہرے کو ڈھانپ ہی رکھا ہو ہاں البتہ اگر دیوار یا پردے کے پیچھے سے خواتین کی موجودگی میں محض سلام پر ہی اکتفا ہو تو وہ قابل معافی ہے، یاد رہے خاوند کی رضامندی اس ہم نشینی کے لیے جواز نہیں بن سکتی ہاں البتہ یہ صورت خلوت یا اظہار زینت کے ساتھ ہم نشینی سے کم تر ضرور ہے لیکن عورت کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ مردوں سے دوری اختیار کرے کہ وہ اسے نہ دیکھیں اور یہ انہیں نہ دیکھے۔ واللہ المستعان

—————— شیخ ابن جبرین ——————

دیور زیادہ خطرناک ہے

سوال میں اور میرے بھائی ایک ہی مکان میں رہائش پذیر ہیں اور ہم الحمدللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے پابند ہیں لیکن آباؤ اجداد سے ہمیں یہ عادت ورثے میں ملی ہے کہ مرد عورتیں سب اکٹھے بیٹھ جاتے ہیں ہمیں بعض دینی غیرت رکھنے والوں نے نصیحت بھی کی لیکن ہم نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی کیونکہ وہ خود نو مسلم ہیں، میں نے اس سلسلے میں ایک دن اپنے والد صاحب سے بھی بات کی کہ ہمیں اس منکر عادت پر قائم نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے

ترک کر دینا چاہیے تو یہ سن کر والد صاحب کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اگر تم نے ایسا کیا تو میں تمہیں چھوڑ جاؤں گا اور تمہارے ساتھ کبھی نہیں بیٹھوں گا' میرے کئی بھائیوں نے بھی اس مسئلے میں والد صاحب کی تائید کی للہذا میں آپ سے راہنمائی کے لیے درخواست کرتا ہوں' کیا میرا موقف صحیح نہیں ہے؟

جواب ہاں آپ اس بری اور مخالف شریعت عادت سے منع کرنے میں حق پر ہیں' بیویوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے خاوند کے بھائیوں سے پردہ کریں' ان کے سامنے نیز بازار میں اجنبی آدمیوں کے سامنے چہرے کو کھلا رکھنا حلال نہیں ہے اپنے دیوروں کے سامنے چہروں کو ظاہر کرنا زیادہ خطرناک ہے کیونکہ دیور تو گھر میں ہی رہائش پذیر ہو گا یا مہمان کی حیثیت سے اکثر آتا جاتا ہو گا اور گھر میں اس کی آمد پر جب کوئی روک ٹوک نہ ہو گی تو اس کا خطرہ بھی بہت ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کے پاس جانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يَارَسُولَ اللهِ، أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: الْحَمْوُ الْمَوْتُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بإمراة إلا ذو محرم . . . الخ، ح: ٥٢٣٢ وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ح: ٢١٧٢)

"عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دیور تو موت ہے۔""

یعنی اس سے تو اسی طرح فرار اختیار کرنا چاہیے جس طرح انسان موت سے فرار ڈھونڈتا ہے۔ یہ کلمہ کہ "دیور تو موت ہے" ایک عظیم تحذیری کلمہ ہے' اس لیے میں یہ کہتا ہوں کہ آپ نے اس عادت سے جو روکا ہے تو آپ کا یہ عمل صحیح ہے اور آپ کے والد صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی عورتوں کو ان کے دیوروں سے پردہ کروایا تو میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا تو میں انہیں بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ حق کو قبول کریں اور مخالفت حق عادات کی پرواہ نہ کرے' اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس بات کا تو انہیں سب سے پہلے حکم دینا چاہیے تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے پردہ کریں تاکہ وہ اپنے گھر کا اچھا سربراہ ثابت ہوتے..... بے شک مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے!

شیخ ابن عثیمین

نیت کی پاکیزگی کی دلیل کے ساتھ عورتوں سے اختلاط

سوال ہمارے ہاں ایک بری عادت مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہم بہت سے کام ان کے ساتھ مل کر کرتے ہیں تو انہیں دیکھتے بھی ہیں جب کہ وہ ننگے منہ کام کر رہی ہوتی ہیں کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری نیتیں پاک ہیں' ہم میں سے جب کوئی اپنی بھابی کی طرف دیکھتا ہے تو احترام کے اعتبار سے اسے بہن سمجھتا ہے' اسی طرح پڑوسی عورتوں کو بھی ان محرمات ہی کی طرح سمجھتا ہے جن سے نکاح حرام ہے۔ الغرض! ہم میں سے ایک آدمی جب اپنے حقیقی یا چچازاد بھائی یا کسی دوست کے ساتھ رہتا ہے تو مرد عورتیں سب اکٹھے کھاتے پیتے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب یہ تمام امور جاہلیت اولیٰ کی عادات میں سے ہیں' شرعاً ضروری ہے کہ عورت اپنے محرم کے سوا کسی کے سامنے اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے' عورت کے لیے واجب ہے کہ چہرہ کھلا ہو تو وہ اجنبی مردوں سے نہ ملے نیز اس کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ کسی بھی جگہ اجنبی مرد کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے' اجنبی سے مراد ہر وہ آدمی ہے جو محرم نہ ہو' مردوں اور عورتوں کے اختلاط کی جو صورت ذکر کی گئی ہے بلاشبہ یہ ان امور میں سے ہے جو مخالفت شریعت ہیں اور پھر اس کے نتیجے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ بے شمار ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

گھریلو ڈرائیور اور عورتیں

سوال گھریلو ڈرائیور کا گھر کی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ اختلاط اور انہیں بازاروں یا سکولوں میں لے جانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح: ٢١٧٥ ومسند أحمد: ١/ ١٨)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

خلوت عام ہے خواہ گھر میں ہو یا گاڑی میں' بازار میں ہو یا دوکان میں کیونکہ خلوت میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو ایسے امور کے بارے میں ہو جو جنسی جذبات کو بھڑکانے والے ہوں' بعض مرد اور عورتیں اگرچہ ورع و تقویٰ' اللہ تعالیٰ کے خوف اور گناہ سے نفرت کے اخلاق کریمانہ سے متصف ہوتے ہیں لیکن شیطان ان میں وسوسہ پیدا کر کے گناہ کو بہت چھوٹا کر کے پیش کرتا اور حیلوں بہانوں کے دروازے کھول دیتا ہے لہٰذا حفاظت و سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے اجتناب برتا جائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ہسپتالوں میں اختلاط

سوال میں ایک ہسپتال میں کام کرتا ہوں اور میرے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ جس میں ہمیشہ عورتوں سے میل جول اور گفتگو ہوتی رہتی ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اجنبی عورت سے خصوصا رمضان میں مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اس ماحول سے دوری اختیار کریں' ایسی جگہ کام کریں جو مردوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو اور آپ کو اختلاط سے دور کر دے اور اگر ایسا مشکل ہو تو پھر عورتوں کو خواہ وہ ڈاکٹر ہی کیوں نہ ہوں مردوں کے اختلاط سے منع کریں خواہ وہ ان کے رفقاء کار ہی کیوں نہ ہوں نیز انتظامیہ سے کہہ کر بھی انہیں اختلاط سے روکا جا سکتا ہے اور اگر آپ کو اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر مقدور بھر کوشش کر کے اپنے آپ کو عورتوں کی طرف دیکھنے اور ان سے مصافحہ کرنے سے بچائیں کیونکہ عورتوں کی طرف دیکھنا اور ان سے مصافحہ کرنا حرام کے اسباب اور وسائل میں سے ہیں خواہ نیت صاف

اور دل پاک ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اختلاط حرام ہے

سوال برطانیہ کے بعض سکولوں میں طلبہ کے والدین کے بعض اجتماع منعقد کیے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورتیں شرکت کرتی ہیں' کیا مسلمان عورت کے لیے اس قسم کے اجتماع میں محرم کے بغیر شرکت کرنا جائز ہے' یاد رہے ایک بھائی نے اسے جائز قرار دیا اور صحیح بخاری میں موجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ ہے کہ:

"ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی مہمانی کون کرے گا؟ چنانچہ ایک انصاری نے انہیں اپنا مہمان بنا لیا تھا اور پھر انہوں نے بیان کیا کہ وہ انصاری اور ان کی بیوی اس مہمان کے ساتھ بیٹھ گئے اور یہ ظاہر کیا گویا وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں....." [1]

امید ہے آپ اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے یہ مخلوط اجتماع ہوتے ہیں اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط شر و فساد تک پہنچاتا ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے عورتوں کی حاضری ضروری ہو تو پھر واجب ہے کہ مردوں کو ایک طرف اور عورتوں کو دوسری طرف اس طرح بٹھا دیا جائے کہ عورتوں نے شرعی حجاب کا مکمل اہتمام کیا ہو یعنی انہوں نے اپنے چہرے سمیت سارے جسم کو ڈھانپ رکھا ہو' سائل نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے قطعاً اختلاط ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس موقع پر مرد اپنی بیوی کے ساتھ مکان کے ایک گوشے میں تھا جب کہ مہمان گوشہ ضیافت میں تھا اور پھر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ شروع میں پردے کا حکم نہیں تھا بلکہ پردے کا حکم تو ہجرت کے پانچ یا چھ سال بعد نازل ہوا لہٰذا جن احادیث میں ایسے واقعات مذکور ہیں جن میں عدم حجاب کا ذکر ہے تو انہیں آیات حجاب کے نزول سے پہلے پر محمول کیا جائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ڈاکٹر کا کسی اجنبی عورت کا معائنہ کرنا

سوال میں نے پانچ سال سے بھی پہلے شادی کی تھی لیکن میری بیوی نے تاحال کسی بچے کو جنم نہیں دیا لہٰذا ہم نے ڈاکٹر کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تو ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور مجھے بالکل تندرست قرار دیا اب میری بیوی کا مسئلہ ہے کیا اگر ڈاکٹر سے معائنہ کرایا جائے تو مجھے گناہ تو نہ ہو گا؟

جواب کسی انتہائی ناگزیر ضرورت کے بغیر مرد کے لیے کسی عورت کے ستر کو دیکھنا جائز نہیں ہے اور یہاں کوئی ایسی ناگزیر ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مقصد کے لیے آپ کو امراض نسواں کی ماہر کوئی عورت بھی مل سکتی ہے اور ایسی عورتیں اندرون و بیرون ملک بہت ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری' مناقب الانصار' باب قول اللہ عزوجل ﴿ ویؤثرون علی أنفسهم ﴾ (الآیة) حدیث: ۳۷۹۸ و صحیح مسلم' الاشربة' باب اکرام الضیف و فضل ایثاره' حدیث: ۲۰۵۴۔

شیخ ابن جبرین

مواصلات میں اختلاط

سوال ہمارے ملک میں وسائل سفر اجتماعی اور مخلوط ہیں جس کی وجہ سے کبھی کبھی بغیر قصد و رغبت کے بعض عورتوں کے جسم چھو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بھیڑ وغیرہ بہت زیادہ ہو تو کیا اس کی وجہ سے ہمیں گناہ ہو گا سفر کے لیے اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں؟

جواب مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورتوں کو چھونے اور ٹکرانے سے اس حد تک دور رہے کہ پردے کے ساتھ بھی اس کا جسم عورتوں کے جسم سے نہ لگے کیونکہ یہ باعث فتنہ ہے اور کوئی بھی انسان معصوم نہیں ہے خواہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہوتا لیکن شیطان انسان کے جسم میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے اور اس سے ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہے جو اس کے معاملے کو خراب کر دیتی ہے' اگر کبھی انسان اس کے لیے مجبور و مضطر ہو جائے اور وہ کوشش کرے کہ وہ اس سے متاثر نہیں ہو گا تو پھر امید ہے کہ کوئی حرج نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے لیے انسان اتنا مجبور و مضطر نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ضرور مل جاتی ہو گی جہاں عورت سے چھونے اور ٹکرانے کا امکان نہ ہو خواہ اس کے لیے اسے کھڑا ہونا پڑے اور اسی سے وہ اس فتنہ انگیزبات سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ہر آدمی کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مقدور بھر ڈرے اور ان امور میں سستی نہ کرے۔

شیخ ابن عثیمین

مخلوط بازاروں میں داخلہ

سوال کیا مسلمان کے لیے کسی ایسے بازار میں جانا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہاں بے پردہ عورتیں بھی ہیں اور ایسا اختلاط بھی جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا؟

جواب اس طرح کے بازار میں داخل ہونا جائز نہیں سوائے اس کے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا چاہیے یا اگر کسی شدید ضرورت کی وجہ سے جانا پڑ جائے تو نظریں نیچی کر لے اور اسباب فتنہ سے اجتناب کرے تاکہ اپنے دین و عزت کی حفاظت کر سکے اور وسائل شر سے دور رہ سکے ہاں البتہ انتظامیہ اور ہر اس شخص کے لیے جسے استطاعت ہو یہ واجب ہے کہ وہ ان بازاروں میں جا کر اس برائی کو روکے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کر سکے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾

(التوبة ٩/ ٧١)

"اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہیں وہ اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى ٱلْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ

ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ (آل عمران۳/ ۱۰٤)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں' اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلَا يُغَيِّرُونَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابِهِ» (سنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ح:٤٠٠٥ وسنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، ح:٤٣٣٨)

"لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے نہ مٹائیں تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ اور بعض اصحاب سنن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹادے' اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سمجھاوے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن باز ——

فیکٹریوں اور دفتروں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط

سوال غیر اسلامی ملکوں کی فیکٹریوں اور دفتروں میں عورتوں کے مردوں کی طرح معاملے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز ان ملکوں میں اگر کوئی مسلمان عورت کسی خطرناک بیماری کے باعث موت کے کنارے پہنچ جائے اور علاج کے لیے اسے برہنہ کرنا پڑے یا ایسی صورت کسی اسلامی ملک میں بھی پیش آئے اور علاج کرنے والے ڈاکٹر مرد ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب کافر ملکوں میں کافروں کے ساتھ فیکٹریوں اور دفتروں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط جائز نہیں اور یہاں تو اختلاط سے بھی ایک بڑی بات ہے اور وہ ہے ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر' لہٰذا کفر کی موجودگی میں ان میں اختلاط کا مرض قابل تعجب نہیں۔ اختلاط تو مسلمان ملکوں میں بھی حرام ہے اور جہاں یہ موجود ہو وہاں کے حکمرانوں اور ذمے دار لوگوں پر یہ واجب ہے کہ وہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ کر دیں کیونکہ اختلاط میں بہت سی ایسی اخلاقی خرابیاں ہیں جو کسی بھی ایسے انسان سے مخفی نہیں جس میں ادنیٰ سی بھی بصیرت ہو!

علاج کے لیے کسی مرد کا مسلمان عورت کو برہنہ کرنے کا جہاں تک تعلق ہے' اگر علاج کے لیے اس کی شدید ضرورت

ہو اور مرد کے سوا کوئی اور علاج کرنے والا بھی موجود نہ ہو تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس کا شوہر بھی اس وقت موجود ہو جب کہ یہ ممکن ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر محرم عورتیں اس وقت ضرور موجود ہونی چاہئیں اور جسم کا صرف بقدر ضرورت حصہ ہی برہنہ کیا جائے' اس کے جواز کے لیے اصل وہ دلائل ہیں جن سے شریعت میں آسانی اور بوقت ضرورت امت سے رفع حرج ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ ﴾ (المائدۃ٥/ ٦)

"اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج٢٢/ ٧٨)

"اللہ نے تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

مخلوط جگہ پر عورت کا کام کرنا

سوال کیا کسی لڑکی کے لیے ایسی جگہ کام کرنا جائز ہے جہاں مرد و عورت مل کر کام کرتے ہوں اور اس جگہ اس کے علاوہ اور لڑکیاں بھی کام کرتی ہوں؟

جواب میری رائے میں حکومت کے کسی ادارے' محکمے یا سرکاری وغیرسرکاری تعلیمی اداروں یا دیگر اداروں میں مردوں عورتوں کا مل جل کر کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میل جول سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اس سے عورتوں کی حیا اور مردوں کی ہیبت ختم ہوجاتی ہے نیز یہ اختلاط اسلامی شریعت کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور سلف صالحین کے عمل کے بھی' کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عیدگاہ جانے کے لیے عورتوں کے لیے ایک خاص راستہ کا تعین فرما دیا تھا تاکہ ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو جیسا کہ حدیث صحیح سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مردوں کے خطاب سے فارغ ہو گئے تو آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں وعظ و نصیحت فرمائی' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواتین مردوں سے اس قدر فاصلے پر تھیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کا وہ خطبہ نہیں سن پائی تھیں جو آپ ﷺ نے مردوں کے اجتماع میں ارشاد فرمایا تھا یا اگر سن پائی تھیں تو مکمل طور پر نہ سن پائی تھیں' پھر آپ کو معلوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح: ٤٤٠)

"مردوں کی بہترین صف پہلی صف اور بدترین آخری صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین صف (یعنی اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم تر درجے والی) پہلی ہے۔"

اور یہ اس لیے فرمایا ہے کہ عورتوں کی پہلی صف مردوں کے زیادہ قریب ہوتی ہے لہٰذا وہ بدترین ہوئی اور آخری صف مردوں سے زیادہ دور ہوتی ہے لہٰذا وہ بہترین ہوئی اور اگر مشترک عبادت میں یہ حال ہے تو غیر عبادت میں آپ اس کا خود

اندازہ فرمالیجیے۔ حالانکہ انسان حالت عبادت میں جنسی جذبات سے بہت دور ہوتا ہے تو اس سے اندازہ لگائیے غیر عبادت میں اختلاط کس قدر مہلک ہے۔ شیطان انسان کے جسم میں اس طرح سرایت کر جاتا ہے جس طرح خون کی گردش جاری ہے لہٰذا اختلاط کے نتیجے میں فتنہ اور بہت بڑا شر رونما ہوتا ہے اس لیے میں اپنے بھائیوں کو یہ دعوت دوں گا کہ وہ اختلاط سے دور رہیں اور جان لیں کہ مردوں کے لیے یہ بات انتہائی نقصان دہ ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب ما يتقي من شؤم المرأة ... الخ، ح:٥٠٩٦ وصحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٠)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ ہو۔"

الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں، ہماری ایک الگ پہچان ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم دوسری قوموں سے ممتاز ہوں، ہم پر یہ واجب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف کریں کہ اس نے ہم پر احسان فرمایا اور واجب ہے کہ ہم اس حقیقت کو بھی جان لیں کہ جو لوگ اللہ کے راستے اور اس کی شریعت سے دور بھاگیں گے وہ گمراہی سے دوچار ہو کر فتنے اور فساد میں مبتلا ہو جائیں گے، ہم یہ سنتے رہتے ہیں کہ جن قوموں کے مرد اور عورتیں مخلوط طور پر کام کرتے ہیں، اب وہ مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے نجات حاصل کریں لیکن اب اتنی دور سے ان کا ہاتھ وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ملک اور مسلمان ملکوں کو ہر برائی، شر اور فتنے سے محفوظ رکھے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مخلوط تعلیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ـ وَبَعْدُ

میں نے وہ مضمون دیکھا ہے جو اخبار "السیاست" مجریہ ۲۴-۷-۱۴۰۴ھ شمارہ نمبر ۵۶۴۴ میں طبع ہوا یہ مضمون صنعا یونیورسٹی کے پرنسپل عبدالعزیز مقالح کا تحریر کردہ ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ طالبات کو طلبہ سے الگ کر دینے کا مطالبہ شریعت کے مخالف ہے، انہوں نے اختلاط کے جواز کے لیے استدلال اس سے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسلمان مرد عورتیں ایک ہی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے (لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہو) ایک اسلامی ملک کی اسلامی یونیورسٹی کے اس مدیر کی اس بات سے مجھے بے حد تعجب ہوا ہے کہ جن سے توقع تو یہ تھی کہ وہ اپنی قوم کے مردوں اور عورتوں کے لیے اس بات کا اہتمام کریں جو ان کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت اور نجات کا ضامن ہو مگر اس نے اس کا مذکورہ جواب دیا تو اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

اس بیان میں اسلامی شریعت کی طرف ایک بہت جھوٹی بات منسوب کی گئی ہے اسلامی شریعت نے کبھی بھی اختلاط کی دعوت نہیں دی کہ اس کی ممانعت کے مطالبہ کو خلاف شریعت قرار دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی شریعت تو بڑی سختی کے ساتھ اختلاط سے منع کرتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۳)

"اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝٥٩ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٩)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ (جب وہ باہر نکلا کریں تو) اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا (کر گھونگٹ نکال) لیا کریں اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٣١ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اے نبی! ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے علاوہ جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے زور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَٰعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٣)

"اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی یہی ہے۔"

یہ آیات کریمہ اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ فتنے کے خوف کے باعث انہیں اپنے گھروں ہی میں رہنا چاہیے اور صرف حسب ضرورت ہی باہر نکلنا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زمانہ جاہلیت کے اظہار تجمل سے بھی منع فرمایا

اور وہ یہ کہ وہ مردوں کے درمیان اپنے محاسن اور فتنہ انگیزیوں کا اظہار کریں۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب ما يتقي من شؤم المرأة ... الخ، ح:٥٠٩٦، وصحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٠)

"میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر نقصان دہ ہو"

اس حدیث کو امام بخاری نے اسامہ بن زید سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسامہ بن زید اور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ... الخ، ح:٢٧٤٢)

"تحقیق دنیا شیریں و شاداب ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں جانشیں بنا کر یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو' دنیا سے ڈر جاؤ اور عورتوں سے بھی ڈر جاؤ' بے شک بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ بھی عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔"

یقیناً رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے' ان کا فتنہ بلاشبہ بہت عظیم ہے' خصوصاً اس دور میں جب کہ اکثر عورتوں نے پردہ ترک کر دیا ہے اور زمانہ جاہلیت کی طرح اظہار زینت کرنے لگی ہیں جس کی وجہ سے فواحش و منکرات میں بھی بہت اضافہ ہو گیا ہے اور بہت سے ملکوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فواحش و منکرات کے دلدادہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حکم شادی سے اعراض کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پردہ سب کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بے پردگی سب کے دلوں کی ناپاکی اور ان کے راہ حق سے انحراف کی دلیل ہے۔ سب جانتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے طالب اور طالبہ کا ایک سیٹ پر بیٹھنا فتنے کا ایک بہت بڑا سبب ہے اور یہ اس حجاب کو ترک کر دینے ہی کی وجہ سے ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا ہے اور انہیں منع فرمایا ہے کہ وہ ان مردوں کے سوا جن کا اس نے سورۂ نور میں ذکر فرمایا ہے اور کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ پردے کا یہ حکم امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہی کے ساتھ خاص ہے تو وہ بہت دور کی کوڑی لاتا ہے اور ان بہت سے دلائل کی مخالفت کرتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم پردہ عام ہے۔ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی بھی مخالفت کرتا ہے:

﴿ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥٣)

"یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی کامل پاکیزگی ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ پردہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور مرد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کے لیے تو پاکیزگی کی بات تھی لیکن بعد کے لوگوں کے لیے نہیں حالانکہ بعد کے لوگ امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت اس کے زیادہ محتاج ہیں کہ دونوں میں قوت ایمانی اور بصیرت حق کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہے کہ حضرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم مرد اور عورتیں بھی بشمول امہات المومنین رضی اللہ عنہن انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین لوگ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق افضل القرون ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحیحین میں موجود ہے' اگر پردہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے تو بعد میں آنے والے لوگ تو اس پاکیزگی کے پہلے لوگوں سے بہت زیادہ محتاج ہیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ کتاب و سنت میں وارد نصوص کو امت میں سے کسی کے ساتھ مخصوص کیا جائے سوائے اس کے کہ تخصیص کی کوئی صحیح دلیل موجود ہو لیکن اس کی تخصیص کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ حکم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر قیامت تک عام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے زمانے سے لے کر قیامت تک کے جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٨)

"(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَـٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ﴾ (سبا٣٤/ ٢٨)

"(اور اے محمد) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

قرآن کریم صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں ہی کے لیے تو نازل نہیں ہوا بلکہ یہ ان کے لیے بھی اور بعد کے سب لوگوں کے لیے بھی نازل ہوا ہے جن تک یہ پہنچ جائے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَـٰذَا بَلَـٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا۟ بِهِۦ وَلِيَعْلَمُوٓا۟ أَنَّمَا هُوَ إِلَـٰهٌ وَٰحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَـٰبِ ﴿٥٢﴾ ﴾

(إبراهيم١٤/ ٥٢)

"یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَأُوحِىَ إِلَىَّ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانُ لِأُنذِرَكُم بِهِۦ وَمَنۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام٦/ ١٩)

"اور میری طرف قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو اور جس جس شخص کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو ڈراؤں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں مردوں کے ساتھ مسجدوں یا بازاروں میں اس طرح اختلاط نہیں کرتی تھیں' جس سے آج مصلحین منع کر رہے ہیں اور قرآن و سنت اور علماء امت نے خوف فتنہ کے باعث جس سے منع فرمایا ہے بلکہ خواتین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں مردوں کی صفوں سے پیچھے صفیں بنا کر نماز ادا کیا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

«خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا»(صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح:٤٤٠)

"مردوں کی بہترین صف سب سے پہلی اور بدترین (اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم درجے والی) صف

سب سے آخری ہے اور عورتوں کی بہترین صف سب سے آخری اور بدترین (اجر و ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے کم درجے والی) صف سب سے پہلی ہے۔''

آپ ﷺ یہ اس لیے فرماتے تاکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کی وجہ سے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے اور پھر عہد نبوی میں مردوں کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر بیٹھے رہیں تاکہ عورتیں مسجد سے نکل جائیں اور ان کا مردوں کے ساتھ مسجد کے دروازوں پر اختلاط نہ ہو' احتیاط کا یہ پہلو ان مردوں اور عورتوں کے حوالے سے تھا جو ایمان اور تقویٰ کے اعتبار سے بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے' اس سے اندازہ فرمایئے کہ بعد کے لوگوں کو اس احتیاط کی کس قدر شدید ضرورت ہے؟ اس دور میں عورتوں کو راستوں کے درمیان میں بھی چلنے سے منع کیا جاتا اور حکم دیا جاتا تھا کہ وہ راستوں کے کناروں پر چلیں تاکہ راہ چلتے ہوئے مردوں سے نہ ٹکرائیں چونکہ راہ چلتے ہوئے ایک دوسرے کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اوڑھ لیا کریں تاکہ اپنی زینت کو چھپالیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اظہار زینت سے بھی منع فرمایا ہے سوائے ان لوگوں کے سامنے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں نام لیا ہے تاکہ اسباب فتنہ کو ختم کر دیا جائے اور عفت و پاکدامنی کے اسباب کو اختیار کرنے اور فساد و اختلاط کے مظاہر سے دور رہنے کی ترغیب دی جائے!

اس سب کچھ کے بعد صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل کو یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے --اللہ تعالیٰ انہیں رشد و ہدایت سے نوازے-- کہ وہ اختلاط کی دعوت دیں اور یہ گمان کریں کہ اسلام نے بھی اس کی دعوت دی ہے اور یونیورسٹی کا ماحول بھی مسجد ہی کی طرح ہے اور تعلیمی اوقات نماز کے اوقات ہی کی طرح ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ فرق' زمین اور آسمان کا فرق ہے لیکن اس کے لیے جس نے اللہ تعالیٰ کے امرونہی کو سمجھا ہو اور ان احکام شریعت کی حکمت پر غور کیا ہو جو اس نے اپنی کتاب عظیم میں مردوں اور عورتوں کے لیے بیان کیے ہیں۔ کسی مومن کو یہ بات کیونکر زیب دیتی ہے کہ وہ یہ کہے کہ ایک طالبہ کا طالب علم کے ساتھ مل کر تعلیمی نشست پر بیٹھنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک مسلمان عورت اپنی مسلمان بہنوں کے ساتھ مل کر مردوں کی صفوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھتی ہے۔ کوئی ایسا شخص اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا جس میں ایمان و بصیرت کی ادنیٰ سی بھی رمق ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور پھر یہ بات تو اس صورت میں بھی خطرناک ہے جب طالبہ نے شرعی حجاب کا اہتمام کر رکھا ہو اور اگر اس نے شرعی حجاب کے بجائے زیب و زینت اور اپنے محاسن کا اظہار کر رکھا ہو' فتنہ انگیز نگاہوں اور باتوں کا ایک ہی نشست پر بیٹھے طالب علم کے ساتھ تبادلہ بھی ہو رہا ہو تو پھر ان فتنہ انگیزیوں اور حشر سامانیوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے:

﴿ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى ٱلْأَبْصَٰرُ وَلَٰكِن تَعْمَى ٱلْقُلُوبُ ٱلَّتِى فِى ٱلصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ ﴾ (الحج ٢٢/ ٤٦)

''بات یہ ہے کہ صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

مقالح صاحب نے جو یہ کہا ہے کہ امرواقع یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے مسلمان مرد عورتیں سبھی ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں لہٰذا تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہونی چاہیے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو صحیح ہے کہ مرد اور عورتیں ایک ہی جگہ نماز ادا کرتے تھے لیکن عورتوں کی صفیں

مسجدوں کے آخری حصے میں ہوتی تھیں اور پھر انہوں نے پردے کا اور فتنے سے بچنے کے تمام اسباب کا بھی پورا پورا اہتمام کیا ہوتا تھا' آدمی مسجد کے ابتدائی حصے میں ہوتے تھے' عورتیں وعظ اور خطبے سنتیں' نماز میں شریک ہوتیں اور جو کچھ سنتی اور دیکھتی تھیں' ان سے احکام دین سیکھتیں۔ نبی اکرم ﷺ عید کے دن ان کے پاس تشریف لے جاتے اور مردوں کے بعد انہیں بھی وعظ و نصیحت فرماتے کیونکہ دور ہو جانے کی وجہ سے وہ خطبہ سن نہیں سکتی تھیں جو آپ ﷺ نے مردوں کے سامنے ارشاد فرمایا ہوتا تھا' اگر صورت حال اس طرح ہو جس طرح بیان کی گئی ہے تو اس میں کوئی اشکال اور حرج نہیں ہے بلکہ اشکال تو صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت و اصلاح قلب سے نوازے اور دینی فقاہت سے سرفراز کرے--- کی اس بات میں ہے کہ "لہٰذا تعلیم بھی ایک ہی جگہ ہونی چاہیے"۔ یہ بات ان کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ عصر حاضر کی تعلیم کو ایک ہی مسجد میں مردوں کی صفوں کے پیچھے عورتوں کی نماز کے ساتھ تشبیہ دیں حالانکہ آج کی تعلیم اور عہد نبوی میں مردوں کے پیچھے عورتوں کے نماز ادا کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ مصلحین اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے تعلیمی ادارے الگ الگ ہونے چاہئیں تاکہ لڑکیاں حجاب اور مشقت کے بغیر سہولت اور راحت کے ساتھ اپنی استانیوں سے تعلیم حاصل کر سکیں اور یہ اس لیے بھی کہ نماز کی نسبت تعلیم کا وقت زیادہ ہوتا ہے لہٰذا مخصوص جگہ پر لڑکیوں کا اپنی استانیوں سے علم حاصل کرنا سب کے لیے محفوظ بھی ہے اور فتنے سے دور رہنے کا سبب بھی' اس سے نوجوان بھی ان کے فتنے سے محفوظ رہیں گے اور دینی تعلیم کی طرف توجہ مبذول بھی کر سکیں گے نیز اپنے اساتذہ کے لیکچرز کو دل جمعی سے سنیں گے' لڑکیوں سے تانک جھانک' دلچسپی' مسموم نظروں اور فسق و فجور کی داعی باتوں کے تبادلے کی بجائے حصول علم کی طرف پوری توجہ مبذول کر سکیں گے۔

مدیر صاحب نے جو یہ کہا--- اللہ تعالیٰ انہیں اصلاح احوال کی توفیق بخشے--- کہ یہ مطالبہ کہ طلبہ و طالبات کو الگ الگ کر دیا جائے یہ دقیانوسی بھی ہے اور مخالف شریعت بھی' لہٰذا یہ ناقابل تسلیم ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ مطالبہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی ہمدردی و خیرخواہی' اس کے دین کے احاطہ اور سابقہ آیات قرآنیہ اور دونوں حدیثوں کے مطابق عمل پر مبنی ہے۔ میری صنعاء یونیورسٹی کے پرنسپل کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' اس بات سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں' سچ اور حق کی طرف رجوع کریں کہ اس کی طرف رجوع ہی عین فضیلت ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ طالب علم کو حق و انصاف کا دامن ہی مضبوطی سے تھامنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رشد و ہدایت کے راستے کی راہنمائی فرمائے' ہمیں اور سب مسلمانوں کو علم کے بغیر بات کرنے سے بچائے' گمراہ کرنیوالے فتنوں اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھے' میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے علماء و قائدین کو اس کی توفیق عطا فرمائے جس میں ملکوں اور شہروں کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود ہو اور وہ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' انه جواد کریم' وصلی اللّٰه وسلم علی نبینا محمد و آله وصحبه والتابعین لهم باحسان الی یوم الدین

——— شیخ عبدالعزیز بن باز ———

رئیس عام: ادارات بحوث علمیہ وافتاء ودعوت وارشاد

تعلیمی اداروں میں اختلاط کے خطرات

سوال ایک نوجوان یہ کہتا ہے کہ اس کا تعلق ایک امیر گھرانے سے ہے اور وہ ایک ایسے سکول میں پڑھتا ہے جہاں مخلوط تعلیم ہے جس کی وجہ سے اس نے جنس مخالف کے ساتھ ناشائستہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور گناہوں میں غرق ہو چکا ہے' اسے اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ توبہ کی قبولیت کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب اس سوال میں دو باتیں قابل غور ہیں (ا) ہمیں اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہیے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کے لیے مخلوط تعلیمی اداروں کا جو اہتمام کیا ہے تو یہ اسلامی شریعت اور مسلمانوں کو جس اخلاق و کردار کا حامل ہونا چاہیے' اس کے خلاف ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«خَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا» (صحيح مسلم، الصلوة، باب تسوية الصفوف ... الخ، ح: ٤٤٠)

"عورتوں کی بہترین صف آخری اور بدترین (اجر و ثواب کے لحاظ سے کم درجے والی) پہلی ہے۔"

اور یہ اس لیے کہ پہلی صف مردوں کے قریب ہوتی ہے اور آخری صف ان سے دور ہوتی ہے' اگر مردوں اور عورتوں میں دوری اور عدم اختلاط قابل رغبت ہے حتی کہ نماز جیسی عبادت میں بھی جب کہ نمازی نماز ادا کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کے سامنے کھڑا ہے تو اس سے اندازہ فرمائیے کہ مدارس میں اختلاط سے اجتناب کس قدر ضروری ہے؟ کیا ان میں دوری اور عدم اختلاط کی زیادہ ضرورت نہیں ہے؟ در حقیقت بات یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک بہت بڑا فتنہ ہے جسے ہمارے دشمنوں نے مزین کر کے ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور جس میں ہمارے بہت سے مسلمان بھی مبتلا ہو چکے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، إِذَا سَلَّمَ قَامَ النِّسَاءُ حِينَ يَقْضِي تَسْلِيمَهُ وَمَكَثَ يَسِيرًا قَبْلَ أَنْ يَقُومَ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأُرَى - وَاللهُ اَعْلَمُ - أَنَّ مُكْثَهُ لِكَيْ يَنْفُذَ النِّسَاءُ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَهُنَّ مَنِ انْصَرَفَ مِنَ الْقَوْمِ»(صحيح البخاري، الأذان، باب التسليم، ح: ٨٣٧)

"رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرتے تو آپ ﷺ کے سلام کے مکمل ہوتے ہی عورتیں کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپ ﷺ اٹھنے سے پہلے کچھ دیر بیٹھے رہتے تھے۔ ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ بہتر جانے' ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ تھوڑی دیر اس لیے بیٹھتے تھے کہ عورتیں مردوں سے پہلے چلی جائیں۔"

اسلامی ملکوں کے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اس طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی اپنی قوموں کو فتنے و شر کے اسباب سے محفوظ رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے متعلق باز پرس کرے گا۔ انہیں اس حقیقت کو بھی خوب جان لینا چاہیے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور تمام چھوٹے بڑے امور میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے گا اور ان کی محبت و خیر خواہی سے بھر دے گا' ان کے معاملات کو آسان کر دے گا اور ان کی قومیں ان کی محبت و اطاعت کا دم بھریں گی۔

امت اسلامیہ کے حکمرانوں اور عوام کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس اختلاط کی وجہ سے کس قدر شر اور فتنہ و فساد

پھیل گیا ہے اور اس کی ایک بہت نمایاں مثال اور ایک بہت بڑا ثبوت وہ ناشائستہ تعلقات ہیں' جن کا سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے اور جن کے اثرات اور گناہوں سے بچنے کی اب وہ کوشش کر رہا ہے۔

صدق نیت اور اصلاح کے عزم راسخ کے ساتھ فتنۂ اختلاط کو ختم کرنا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ خواتین کے لیے ایسے مخصوص مدارس' ادارے' کالج اور یونیورسٹیاں بنا دی جائیں' جن میں مردوں کی شرکت نہ ہو' عورتیں بھی چونکہ مردوں ہی کی ہم پلہ ہیں' انہیں بھی تعلیم حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے لیکن ان کی تعلیم کا میدان مردوں کی تعلیم کے میدان سے دور اور الگ ہونا چاہیے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا:

«يَارَسُولَ اللهِ، ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللهُ، فَقَالَ: اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب تعليم النبي ﷺ أمته من الرجال والنساء ... الخ، ح:٧٣١٠ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، ح:٢٦٣٣)

"یا رسول اللہ! آپ کی حدیث (کا علم زیادہ تر) مرد لے گئے لہٰذا آپ ہمارے لیے بھی ایک دن مخصوص فرما دیں تاکہ ہم حاضر ہوں اور آپ ہمیں بھی وہ دین سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جانا! چنانچہ خواتین (ان مخصوص مقامات پر مخصوص اوقات میں جمع ہو جاتیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لا کر انہیں بھی اس دین کی تعلیم دیتے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی۔"

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورتوں کے لیے تعلیم کی الگ جگہ مخصوص ہونی چاہیے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ خاتون کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ تم مردوں کے ساتھ ہی کیوں شامل نہیں ہو جاتیں؟ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ یہ بھی دنیا و آخرت میں عزت و کرامت حاصل کر سکیں۔

دوسری قابل غور بات سائل کا سوال ہے جس میں اس نے اپنے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ جنس مخالف کے ساتھ ناشائستہ تعلقات کی وجہ سے وہ گناہوں میں غرق ہو چکا ہے لہٰذا وہ کیا کرے؟ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ قبولیت توبہ کی شرطیں کیا ہیں' تو میں اسے یہ بشارت سناتا ہوں کہ توبہ کا دروازہ ہر توبہ کرنے والے کے لیے کھلا ہوا ہے' اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور توبہ کرنے والوں کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُواْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُواْ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًاۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝٥٣ ﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ بہت بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔"

اگر آپ اس کام سے توبہ کریں جو آپ سے سرزد ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے گا جیسا کہ وہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾﴾ (الفرقان۲۵/ ٦٨-٧١)

"اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور وہ بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا، سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور اچھے کام کریں تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور جو شخص توبہ کرے اور نیک عمل کرے وہ تو حقیقتاً اللہ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔"

باقی رہی توبہ کی شرطیں تو وہ پانچ ہیں:

① توبہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو اور اس میں ریاکاری یا کسی مخلوق کا ڈر نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہو کیونکہ ہر وہ عمل جسے انسان قرب الٰہی کے حصول کے لیے سرانجام دینا چاہے مگر وہ اس میں مخلص نہ ہو تو وہ رائیگاں اور باطل ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»(صحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الرياء، ح:٢٩٨٥)

"میں تمام شرکاء کی نسبت شرک سے زیادہ بے نیاز ہوں کوئی شخص کوئی عمل کرے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک سمیت ترک کر دیتا ہوں۔"

② آدمی اپنے گناہ پر ندامت کا اظہار کرے، اپنے آپ کو خطاکار سمجھے اور محسوس کرے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور مغفرت کی ضرورت ہے۔

③ اگر ابھی تک گناہ میں ملوث ہے تو اسے ترک کر دے کیونکہ جو گناہ پر ڈٹا رہے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور پھر بھی وہ اس کا ارتکاب کرے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مذاق کرتا ہے جس طرح مثلاً آپ مخلوق میں سے کسی سے یہ کہیں کہ آپ کے بارے میں مجھ سے جو بے ادبی ہوئی ہے اس پر میں نادم ہوں لیکن اس کے باوجود آپ مزید بے ادبی کرتے چلے جائیں تو یہ اس سے مذاق ہو گا۔ اللہ عزوجل کی ذات گرامی تو بہت عظیم و جلیل ہے کہ آپ دعویٰ تو گناہ سے توبہ کا کریں مگر اس کے باوجود گناہ پر ڈٹے رہیں۔

④ توبہ کے لیے چوتھی شرط یہ ہے کہ آپ پختہ ارادہ کریں کہ آئندہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کریں گے۔

⑤ پانچویں شرط یہ ہے کہ توبہ، قبولیت توبہ کے وقت میں ہو یعنی پیام موت کے آنے سے پہلے اور سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے ہو۔ جس دن سورج مغرب سے طلوع ہوا، اس دن توبہ قبول نہ ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾

(الأنعام ٦/ ١٥٨)

"یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا پروردگار آئے یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں، جس روز تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا اس وقت اس کا ایمان لانا اسے کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے (تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہو گا اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔"

اس آیت میں مذکور کچھ نشانیوں سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اسی طرح جب موت کا وقت آجائے تو پھر بھی توبہ قبول نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٨)

"اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آموجود ہو تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو کفر کی حالت میں مریں، ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اگر یہ (پانچوں شرطیں) موجود ہوں تو پھر ان شاء اللہ آپ کی توبہ مقبول ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوط تعلیم والے سکول میں تعلیم حاصل کرنے کا حکم

سوال میں بیرونِ ملک ایک ایسی یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں جس میں مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔ کیا اس یونیورسٹی میں میرا پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہم ہر اس مسلمان کو نصیحت کرتے ہیں جو اپنی نجات چاہتا ہو، کہ وہ شر اور فتنے کے اسباب سے دور رہے اور کوئی شک نہیں کہ دوشیزاؤں کے ساتھ سکولوں میں اختلاط، فساد کے واقع ہونے اور زنا کے پھیلنے کا سبب ہے اور اگر کوئی شخص اپنی حفاظت کرنا چاہے تو اسے ضرور مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن جب کوئی شخص اس فتنے میں مبتلا ہو جائے تو اسے طاقت کے مطابق عورتوں سے دور رہنا چاہیے شرم گاہ کی حفاظت، نگاہ نیچی اور اپنا تحفظ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مخلوط تعلیم کے بارے میں اسلام کا موقف

سوال بعض اسلامی ملکوں کی ایسی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے، جن میں بہت زیادہ فسق و فجور اور کفر ہے کہ ان میں لڑکیاں بالکل عریاں لڑکے گمراہ اور منحرف اور اس طرح کھلم کھلا اور بدترین فحاشی کے انداز میں اختلاط کہ جسے اسلام قطعاً پسند نہیں کرتا لیکن یونیورسٹیوں کی تعلیمی امور کی انتظامیہ اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور دوسری طرف ان یونیورسٹیوں کے بہت سے کالجوں میں مسجد تک کا انتظام نہیں کہ جس میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہو سکے اور پھر ان یونیورسٹیوں میں جس یونیفارم کو لازم قرار دیا گیا ہے وہ یورپ کے مشرکوں کا یونیفارم ہے کہ اس کے بغیر کسی دوسرے لباس مثلاً قمیص اور پگڑی وغیرہ کے ساتھ امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک یہ لباس دقیانوسیت اور جہالت کی علامت ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب علوم نافعہ کی تعلیم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے لہٰذا امت خصوصاً حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ مختلف انواع و اقسام کے ایسے علوم حاصل کرنے کے لیے مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت تیار کریں، جن کی ملک و ملت کو ضرورت ہو تاکہ امت اپنی ثقافت کی حفاظت کر سکے، اپنے مریضوں کا علاج کر سکے اور خطرات سے بچ سکے اگر یہ مقصد پورا ہو جائے تو اس سے امت بری الذمہ ہو جائے گی، ثواب کی امید ہوگی ورنہ آفتیں مصیبتیں گھیر لیں گی اور امت مبتلائے عذاب ہو جائے گی۔

② تعلیمی اداروں میں طلبہ کا طالبات کے ساتھ اور اساتذہ کا استانیوں کے ساتھ اختلاط حرام ہے کیونکہ یہ فتنہ وفساد برپا کرتا ہے، جنسی جذبات بھڑکاتا اور فحاشی میں مبتلا کرتا ہے اور اس وقت گناہ دگنا اور جرم بڑا ہو گا جب استانیاں یا طالبات برہنگی کا مظاہرہ کریں گی یا ایسا بہت ہی باریک لباس پہنیں گی جس سے سب کچھ نظر آتا ہو یا وہ طلبہ و اساتذہ کے ساتھ خوش طبعی اور مذاق کریں یا کوئی اور ایسی حرکت کریں جو جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی تک پہنچانے والی ہو۔

حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ تعلیمی ادارے، کالج اور یونیورسٹیاں قائم کریں تاکہ دین کی حفاظت کی جا سکے، جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی کو روکا جا سکے، غیرت مند اور دین دار لوگوں کے لیے کسی حرج یا تنگی کے بغیر زیور تعلیم سے آراستہ ہونا بھی اس صورت میں ممکن ہو گا اور اگر حکمران اپنا فرض ادا نہ کریں، مردوں اور عورتوں کے تعلیمی ادارے الگ الگ نہ کریں اور عریاں و برہنہ طالبات کو نہ روکیں تو پھر ان لوگوں کے ساتھ شامل ہونا جائز نہیں ہے سوائے اس شخص کے جسے یہ قدرت حاصل ہو کہ وہ ان تعلیمی اداروں میں جا کر منکر کو کم کر سکے اور اپنے جیسے ساتھیوں اور اساتذہ کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور تعاون سے شر کو کم کر سکے اور وہ اپنے آپ کو فتنے سے بچا سکے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دعوت الی اللہ کے لیے مخلوط یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنا

سوال کیا آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے جہاں مرد اور عورتیں ایک ہی کمرے میں مخلوط طور پر تعلیم حاصل کرتے ہوں، یاد رہے یہ آدمی دعوت الی اللہ کے میدان میں بھی خاصا سرگرم ہے؟

جواب میری رائے میں کسی بھی انسان کے لیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یہ جائز نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرے کیونکہ اس میں اس کی عفت و پاکدامنی اور اخلاق کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ انسان خواہ کیسا ہی پاک

دامن اور با اخلاق کیوں نہ ہو جب اس کے ساتھ اس کی نشست پر ایک خاتون بھی بیٹھی ہو گی جو خوبصورت بھی ہو اور اس نے میک اپ بھی کر رکھا ہو تو فتنے فساد اور خرابی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو فتنے فساد اور خرابی کا باعث ہو وہ حرام اور ناجائز ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں ان امور سے محفوظ رکھے جو ان کے نوجوانوں کو فتنہ و فساد اور شر میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر ملک میں صرف ایک ہی یونیورسٹی ہو تو طلبہ کو چاہیے کہ اسے چھوڑ کر کسی ایسے ملک چلے جائیں جس کے اداروں میں مخلوط تعلیم نہ ہو دوسروں کی رائے خواہ کچھ اور ہو۔ میری رائے میں مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مخلوط اداروں میں تدریس

سوال کیا وہ استاد جو کسی ایسے ادارے میں پڑھائے جہاں مخلوط تعلیم ہو یا وہ صرف لڑکیوں کو پڑھائے مگر وہ بالغ ہوں تو کیا وہ ان کی طرف دیکھنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا؟

جواب مرد کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عورتوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی نگاہ نیچی کر لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣٠)

”مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے (اور) جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔“

امام مسلم' ابوداود رحمہم اللہ اور کئی دیگر آئمہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، عَنْ نَظْرَةِ الْفُجَاءَةِ فَقَالَ: اصْرِفْ بَصَرَكَ» (صحيح مسلم، السلام، باب نظر الفجأة، ح:٢١٥٩/ ٤٥ وسنن أبي داود، النكاح، باب في ما يؤمر به من غض البصر، ح:٢١٤٨ واللفظ له)

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اپنی نظر کو ہٹالو۔“

مردوں اور عورتوں کی مخلوط تعلیم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان میں فحاشی پھیلانے کا ایک ذریعہ ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پرائمری اسکولوں میں استانیوں کا لڑکوں کو پڑھانے کے خطرات

میں نے وہ مضمون دیکھا ہے جو اخبار ”المدینہ“ نے شمارہ نمبر ۳۸۹۸ میں ۱۳۹۷/۲/۳۰ھ کو شائع کیا ہے اور یہ مضمون ”نورہ بنت.....“ کے قلم سے ”آمنے سامنے“ کے زیر عنوان سے طبع ہوا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ نورہ مذکورہ خواتین کی ایک مجلس میں جدہ ٹریننگ کالج کی پرنسپل فائزہ دباغ کے ساتھ شریک ہوئی اور اس نے بیان کیا ہے کہ اس مجلس میں فائزہ دباغ نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ عورتیں ابتدائی کلاسوں کو کیوں نہیں پڑھاتیں حتیٰ کہ وہ انہیں پانچویں جماعت تک

بھی نہیں پڑھاتیں نورہ نے بھی فائزہ کی تائید کی اور ان اسباب کو بھی بیان کیا جن کی وجہ سے خواتین ابتدائی مرحلے کے پانچویں جماعت تک کے لڑکوں کو بھی پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

میں جہاں نورہ' فائزہ اور ان کی ساتھی خواتین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے وہاں میں اس طرف توجہ مبذول کروانا بھی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس تجویز کے بہت سے نقصانات اور انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوں گے اگر بچوں کی ابتدائی تعلیم خواتین کے سپرد کر دی جائے تو اس سے بالغ بچوں کے ساتھ خواتین کا اختلاط پیدا ہو گا کیونکہ ابتدائی تعلیم کے مرحلے ہی میں بعض بچے بالغ ہو جاتے ہیں کیونکہ بچہ جب دس سال کا ہو جائے تو وہ بلوغت کے قریب پہنچ جاتا ہے اور وہ طبعی طور پر عورتوں کی طرف مائل ہونا شروع ہو جاتا ہے کیونکہ اس عمر میں اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ شادی کرے اور وہ کچھ کرے جو مرد کرتے ہیں' یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ عورتوں کا ابتدائی مرحلے میں بچوں کو تعلیم دینا اختلاط تک پہنچائے گا اور پھر یہ اختلاط بعد کے مرحلوں تک بھی پھیل جائے گا اور یہ گویا بلاشک و شبہ تمام مراحل میں اختلاط کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور معلوم ہے کہ مخلوط تعلیم سے کس قدر خرابیاں اور کس قدر بھیانک نتائج ان ممالک میں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اس نظام تعلیم کو اختیار کیا ہے۔ اسلامی بصیرت رکھنے والا ہر وہ شخص جسے ادلہ شرعیہ اور عصر حاضر میں امت کے حالات کا ادنیٰ سا بھی علم ہو اور وہ ہمارے بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کا خواہاں ہو تو وہ بھی اس حقیقت کو یقیناً معلوم کرے گا۔ میری رائے میں تو شیطان یا اس کے کسی نمائندے نے مذکورہ فائزہ اور نورہ کی زبان پر یہ تجویز القاء کی ہے جو بلاشک و شبہ ہمارے اور اسلام دشمنوں کو خوش کرے گی کیونکہ وہ تو ظاہر اور خفیہ طور پر ہمیشہ اس کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

میری رائے میں اس دروازے کو انتہائی مضبوطی سے مقفل کر دینا چاہیے اور ہمارے لڑکوں کو تمام تعلیمی مراحل مرد اساتذہ کے سامنے ہی طے کرنے چاہئیں اور ہماری لڑکیوں کو تمام تعلیمی مراحل خواتین اساتذہ ہی کے سامنے طے کرنے چاہئیں' اسی سے ہم اپنے دین اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور رجعت کا طعنہ اپنے دشمنوں پر لوٹا سکتے ہیں اور قابل احترام خواتین اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر مقدور بھر صلاحیتوں کو مکمل اخلاص' صدق اور صبر کے ساتھ بچیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں صرف کر دیں اور مرد اساتذہ کو چاہیے کہ وہ اپنی تمام تر مقدور بھر صلاحیتوں کو مکمل اخلاص' صدق اور صبر کے ساتھ تمام تعلیمی مراحل میں بچوں کو تعلیم دینے میں صرف کر دیں اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ بچوں کے تمام تعلیمی مراحل میں خواتین اساتذہ کی نسبت مرد اساتذہ ہی زیادہ صابر' قوی اور محنتی ثابت ہوتے ہیں اور جیسا کہ یہ بھی ایک معلوم حقیقت ہے کہ لڑکے خواہ وہ ابتدائی مرحلے کے ہوں یا اوپر کے مراحل کے وہ مرد استاد سے زیادہ ڈرتے ہیں' اس کا زیادہ احترام کرتے ہیں اور اس کی بات پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور پھر ابتدائی مرحلے میں بچوں کی تربیت اس انداز سے کرنا ہوتی ہے کہ ان میں مردوں کے اخلاق' مردوں کی سی قوت' شجاعت اور صبر پیدا ہو سکے۔ صحیح حدیث میں ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يومر الغلام بالصلاة، ح: ٤٩٥ ومسند أحمد: ٢/ ١٨٧)

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوں اور اگر دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا دو اور اس عمر میں ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو"

یہ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ تمام مراحل ہی میں بچوں اور بچیوں کی مخلوط تعلیم کے خطرات بہت زیادہ ہیں اور اس سلسلے میں کتاب و سنت اور امت کے حالات و واقعات سے دلائل اس قدر زیادہ ہیں کہ اختصار کی وجہ سے ہم انہیں یہاں ذکر نہیں کرنا چاہتے اور پھر یہ سارے دلائل ہماری حکومت--- اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائے--- عزت مآب وزیر تعلیم اور عزت مآب چیئرمین برائے تعلیم خواتین کے علم میں بھی ہیں لہٰذا اس مقام پر انہیں شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں ہر اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس میں ہم سب کی اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور نجات ہو اور جس میں ہمارے بچوں اور بچیوں کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود اور سعادت ہو۔ انه سميع قريب' وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم

——— شیخ ابن باز ———

عورتوں کے فتنے سے بچنے کا طریقہ

سوال میں انیس برس کا ایک غیر شادی شدہ نوجوان اور ایک عورت کے حسن و جمال سے بہت متاثر ہوں' مجھے کیا کرنا چاہیے جس سے میں اس عورت سے دور ہو جاؤں جس کے بارے میں ہر وقت سوچتا رہتا ہوں اور جو بری طرح میرے اعصاب پر سوار ہے؟

جواب عورتوں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی نگاہ نیچی رکھیں' ان کے بارے میں سوچنا ختم کر دیں اور یہ یاد کریں کہ عفت و پاکدامنی اختیار کرنے والوں اور حرام سے بچنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا کچھ تیار فرما رکھا ہے' جلد شادی کے لیے بھی کوشش کریں کیونکہ اس سے بھی نظریں نیچی ہوں گی' شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور عورتوں کے بارے میں سوچ و بچار ختم ہو کر آپ کی توجہ حلال اور مباح تک محدود ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح سے متعلق مختلف احکام

پوشیدہ عادت

سوال پوشیدہ عادت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پوشیدہ عادت یعنی مشت زنی حرام ہے' ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس سے اجتناب کرے کیونکہ یہ عادت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے خلاف ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ

مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵-۷)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا لونڈیوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں' یقیناً (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

یہ پوشیدہ عادت اس لیے بھی حرام ہے کہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

—— شیخ ابن عثیمین ——

شادی کے لیے مناسب عمر

سوال مرد و عورت کے لیے شادی کرنے کی مناسب عمر کیا ہے' بعض عورتیں اپنے سے بڑی عمر کے مردوں اور بعض مرد اپنی عمر سے بڑی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا پسند نہیں کرتے لہذا امید ہے کہ آپ اس سوال کا جواب عطا فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب میں عورتوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ کسی مرد کے ساتھ شادی کرنے سے محض اس لیے انکار نہ کریں کہ وہ عمر میں اس سے دس یا بیس یا تیس سال بڑا ہے کیونکہ عمر میں بڑا ہونا کوئی عذر نہیں ہے' نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ کی عمر ترپن (۵۳) سال اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نو سال تھی لہذا عمر میں بڑا ہونا شادی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ عورت کی عمر زیادہ ہو اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ مرد کی عمر زیادہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو آپ ﷺ کی عمر شریف صرف پچیس برس تھی جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی' نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے وحی کے نزول سے پہلے یہ شادی کی تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے عمر میں پندرہ برس بڑی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے جب شادی کی تو ان کی عمر چھوٹی تھی یعنی وہ صرف چھ یا سات برس کی تھیں اور جب رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو برس تھی اور آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت ترپن برس تھی۔ اکثر لوگ جو ریڈیو اور ٹیلی وژن پر باتیں کرتے اور میاں بیوی کی عمر کے تفاوت سے نفرت دلاتے ہیں تو ان کی یہ بات غلط ہے انہیں ایسی باتیں کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ واجب یہ ہے کہ عورت یہ دیکھے اگر شوہر صالح اور مناسب ہے تو وہ اس سے شادی پر آمادگی کا اظہار کر دے خواہ وہ اس سے عمر میں بڑا ہو' اسی طرح مرد کو بھی چاہیے کہ وہ نیک اور دین دار عورت کو ترجیح دے خواہ وہ عمر میں اس سے بڑی ہو بشرطیکہ شباب اور انجاب (بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت) کی عمر ہو حاصل کلام یہ ہے کہ مرد یا عورت اگر نیک ہوں تو عمر کی کمی بیشی کو عذر یا عیب قرار نہیں دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح احوال فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

اجنبی لوگوں میں شادی افضل ہے


ایک قریبی رشتے دار نے مجھے رشتہ دینے کی پیشکش کی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ بچوں کے مستقبل وغیرہ کے

اعتبار سے خاندان سے باہر شادی کرنا افضل ہے' آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ قاعدہ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ وراثت کے بھی کچھ اثرات ہوتے ہیں اور بے شک وراثت کے انسان کے اخلاق اور جسم پر اثرات ہوتے ہیں۔ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے--- اس کا مقصد یہ تھا کہ جب والدین کا رنگ سفید ہے تو اس کے بچے کا رنگ سیاہ کیوں ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا کیا رنگ ہے؟ اس نے کہا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان میں کوئی مٹیالے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ مٹیالے رنگ کا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا شاید اسے کوئی رگ کھینچ لائی ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ شاید تیرے اس بیٹے کو بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔" [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وراثت کے بھی اثرات ہوتے ہیں اور بلاشبہ یہ اثرات ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح:٥٠٩٠ وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، ح:١٤٦٦)

"عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے ① اس کے مال ② اس کے خاندان ③ اس کے حسن ④ اور اس کے دین کی وجہ سے لیکن تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں تم دین دار عورت سے شادی کرنے میں کامیابی حاصل کرو۔"

گویا عورت سے شادی کرنے کے لیے اصل معیار دین ہے' عورت اگر دین دار اور خوبصورت ہو تو اس سے شادی کو ترجیح دینی چاہیے خواہ وہ قریبی رشتے دار ہو یا کوئی دور کی عورت ہو کیونکہ دین دار عورت اس کے مال اولاد اور گھر کی حفاظت کرے گی اور خوبصورت عورت اس کی ضرورت کو پورا کرے گی اس کی نظریں نیچی رکھے گی اور وہ اس کی موجودگی میں کسی اور عورت کی طرف متوجہ نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن عثیمین ———

بانجھ پن کی دو قسمیں ہیں

سوال جو شخص یہ کہتا ہے کہ بانجھ پن کا علاج ممکن ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو فرماتا ہے:

﴿ وَيَجْعَلُ مَن يَشَآءُ عَقِيمًا ﴾ (الشورى٤٢/ ٥٠)

"اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔"

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الطلاق' باب: إذا عرض بنفي الولد' حدیث:٥٣٠٥ و صحیح مسلم' اللعان' باب اللعان' حدیث ١٥٠٠:

جواب ہماری رائے میں بانجھ پن کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو کسی سبب کی وجہ سے ہو تو اس کا علاج ممکن ہے اور دوسری جو طبعی ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے پیدائشی بانجھ کیا ہو تو اس کا علاج ممکن نہیں ہے اور اگر علاج کیا بھی جائے تو وہ کارگر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ بانجھ رہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

شیخ ابن عثیمین

شادی سے پہلے معائنہ کرانے کی ضرورت نہیں

سوال میں اپنی چچازاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن اس نے اور بعض رشتے داروں نے بھی کہا ہے کہ شادی سے پہلے مجھے طبی معائنہ کروا لینا چاہیے تاکہ اطمینان ہو جائے کہ تولیدی جراثیم موجود ہیں' کیا اس طرح طبی معائنہ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر میں مداخلت تو نہ ہوگی؟ اس معائنے کے بارے میں دینی حکم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے؟

جواب اس طبی معائنے کی کوئی ضرورت نہیں' تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

«أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي»(صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله، ح:٧٥٠٥ وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالى، ح:٢٦٧٥)

"میں اپنے بندے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہوں جس طرح وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے۔"

یہ ایک حدیث قدسی ہے۔ بسا اوقات طبی معائنے کے نتائج صحیح بھی نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ دونوں کو ہر شر سے محفوظ رکھے۔

شیخ ابن باز

بے نماز سے شادی

سوال میرے ایک قریبی رشتے دار نے مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ طلب کیا ہے۔ وہ مجھ سے مالی حیثیت میں تو بہتر ہے لیکن وہ پکا شرابی ہے' برے لوگوں کے ساتھ اس کا میل جول ہے' نماز بہت کم یا بالکل نہیں پڑھتا اور ہمیشہ ویڈیو' ٹیلی ویژن اور آلات لہو ولعب سے شغل جاری رکھتا ہے جس کی وجہ سے مجھے اسے رشتہ دینے میں بہت حرج محسوس ہوتا ہے' امید ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں گے کہ اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر واقعی آپ سے بیٹی کا رشتہ طلب کرنے والا شخص ایسا ہے تو اسے رشتہ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ بیٹی آپ کے پاس امانت ہے اور آپ پر واجب ہے کہ آپ اس کی شادی دینی و اخلاقی اعتبار سے کسی بہت ہی موزوں شخص سے کریں اور جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اسے کسی نمازی مسلمان خاتون کا رشتہ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ اس کا کفو (برابر کا) نہیں ہے کیونکہ ترک نماز تو کفر اکبر ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان اطلاق اسم

الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور کفرو شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١)

ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے گا وہ کافر ہے۔"

اسی طرح کتاب و سنت کے دیگر بہت سے دلائل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تارک نماز کافر ہے خواہ وہ نماز کی فرضیت کا انکار نہ بھی کرے' اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے اور اگر کوئی شخص نماز کے وجوب کا انکار یا اس کا مذاق اڑائے تو وہ تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق کفراکبر کا مرتکب ہے۔

جو شخص نشہ کرتا ہو اور نماز پڑھتا ہو تو اسے کافر قرار نہیں دیا جا سکتا بشرطیکہ وہ نشے کو حلال نہ سمجھتا ہو لیکن نشہ کرنا کبیرہ گناہ اور فسق ہے لہٰذا فسق کی وجہ سے بھی اسے رشتہ دینا جائز نہیں خواہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو بھی اس جرم عظیم کا عادی بنا دے' ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اصلاح احوال فرمائے' انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' اور ہمیں اور انہیں خواہشات نفس اور شیطان کی اطاعت سے بچائے۔ انه جواد کریم

——— شیخ ابن باز ———

پہلے شادی

سوال آج کل یہ عادت عام ہے کہ لڑکی یا اس کا والد رشتہ طلب کرنے والوں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں کہ وہ ثانوی یا یونیورسٹی کی تعلیم کی تکمیل کے بعد بلکہ چند سال تک کسی ادارے میں پڑھانے کے بعد شادی کریں گے اور اس طرح بعض لڑکیاں شادی کے بغیر تیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر کی ہو جاتی ہیں تو اس کے بارے میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب تمام نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو میری نصیحت یہ ہے کہ جب اسباب میسر آجائیں تو وہ جلد شادی کریں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب مَنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْبَاءَةَ فَلْيَصُمْ، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو' تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظروں کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کی جنسی

خواہش کو دبا دے گا۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح: ١٠٨٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح: ٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح: ٣٢٢٩ ومسند أحمد: ١٥٨/٣، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح: ٤٠٢٨ ولفظه "يوم القيامة" عند الامام أحمد)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی سے شادی کرو کیونکہ روز قیامت میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔"

اس میں بہت سے مصلحتیں کارفرما ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا کہ اس سے نظر نیچی رہتی ہے' شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے' امت میں اضافہ ہوتا ہے اور بہت بڑے فساد اور بھیانک انجام سے تحفظ فراہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق بخشے جس میں ان کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہو' انه سميع قريب

———— شیخ ابن باز ————

جواب مذکورہ بالا سوال کا شیخ ابن عثیمین کے قلم سے جواب:

یہ بات نبی اکرم ﷺ کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے نکاح دے دو" نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح: ٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ ح: ١٤٠٠ واللفظ له)

اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شادی کی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کرلے کیونکہ یہ نظروں کو نیچی رکھنے والی اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔"

شادی نہ کرنے سے وہ مقاصد فوت ہو جاتے ہیں جن کی خاطر شادی کی جاتی ہے لہٰذا میں عورتوں کے وارثوں' مسلمان بھائیوں اور بہنوں سے یہ کہوں گا کہ وہ تعلیم یا تدریس کی تکمیل کے بہانے شادی سے انکار نہ کریں کیونکہ عورت یہ شرط بھی عائد کر سکتی ہے کہ وہ نکاح کے بعد تکمیل تک اپنی تعلیم کو جاری رکھے گی یا ایک دو سال تک وہ تدریس کو جاری رکھے

گی اور بچوں میں مشغول نہیں ہوگی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں البتہ یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ کیا ہمیں واقعی اس بات کی ضرورت ہے کہ عورت ضرور یونیورسٹی تک کی تعلیم حاصل کرے۔ میری رائے میں تو عورت اگر ابتدائی مرحلے کی تعلیم حاصل کرے' اسے اس قدر لکھنا پڑھنا آجائے کہ وہ کتاب اللہ اور اس کی تفسیر اور احادیث نبوی اور ان کی تشریح پر مشتمل کتب کا مطالعہ کر سکے تو یہ کافی ہے الا یہ کہ وہ ایسے علوم میں ترقی کرے جن کے بغیر لوگوں کے لیے چارہ کار ہی نہیں مثلاً ڈاکٹری وغیرہ کی تعلیم بشرطیکہ اس میں اختلاط جیسا کوئی ممنوع امر مانع نہ ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

لڑکی کے وارث کا رشتہ دینے سے انکار

سوال ایک شخص لڑکی کا رشتہ طلب کرنے کے لیے آیا مگر اس کے وارث نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اس لڑکی کو شادی سے محروم رکھنا چاہتا ہے تو اس کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ فتویٰ عنایت فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا

جواب ورثاء کا فرض ہے کہ وہ لڑکیوں کی جلد شادی کر دیں جب ان سے ان کے کفو (ہم مرتبہ لوگ) رشتہ طلب کریں اور لڑکیاں بھی اس پر راضی ہوں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ» (جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح: ١٠٨٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

یہ جائز نہیں کہ عورتوں کو اپنے چچازاد وغیرہ سے شادی کرنے کی خاطر مجبور کیا جائے اور اس وجہ سے کسی اور جگہ ان کی شادی نہ کی جائے' اور نہ یہ جائز ہے کہ بہت زیادہ مال کے مطالبے یا دیگر ایسی اغراض کی وجہ سے جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا انہیں شادی سے روکا جائے۔ امراء و قضاۃ اور حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان وارثوں کو منع کریں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو اس طرح کے مقاصد کی خاطر شادی سے روک رکھا ہے اور ان کی ان کے قریبی رشتے داروں سے شادیاں کر دیں تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو' عدل و انصاف قائم ہو اور نوجوان بچوں اور بچیوں کو حرام امور میں مبتلا ہونے سے روکا جا سکے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت کی اور خواہشات نفس پر حق کو ترجیح دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سميع مجيب۔

——— شیخ ابن باز ———

بیوی سے پہلی ملاقات کے وقت دو رکعتیں پڑھنا

سوال شادی کی رات بیوی کے پاس جاتے ہوئے دو رکعتیں ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلی رات بیوی سے ملاقات کے وقت دو رکعتیں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں لیکن اس بارے میں مجھے رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح سنت معلوم نہیں ہے ہاں البتہ یہ امر مشروع ہے کہ بیوی کی پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر اللہ

تعالیٰ سے اس کی بہتری اور جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے اس کی بہتری کا سوال کرے اور اس کے شر اور جس پر اسے پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے اور اگر ان الفاظ سے عورت کے بدکنے کا خطرہ ہو تو اس کی پیشانی کے بالوں کو پکڑ لے گویا اس سے قریب ہونا چاہتا ہے اور اسے بوسہ دے اور اپنے دل میں یہ دعا پڑھ لے اور اسے نہ ستائے کیونکہ بعض عورتیں جب یہ الفاظ سنیں کہ "میں اس کے شر اور جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں" تو ممکن ہے کہ انہیں یہ خیال آئے کیا مجھ میں شر ہے؟

—— شیخ ابن عثیمین ——

عزل

سوال کسی عذر یا عذر کے بغیر عزل کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کسی عذر کی وجہ سے عزل جائز ہے مثلاً یہ کہ آدمی کسی دارالحرب میں ہو اور اسے صحبت کی ضرورت محسوس ہو اور وہ عزل کر لے' یا اس کی لونڈی ہو اور وہ اپنی اولاد کے غلام ہونے سے ڈرتا ہو یا اس کے پاس کوئی باندی ہو اور اسے صحبت کی بھی ضرورت ہو اور وہ اسے بیچنا بھی چاہتا ہو۔ عزل کے بارے میں اصل تو وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔"

صحیح بخاری ہی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں کچھ لونڈیاں ملیں تو ہم نے عزل شروع کر دیا اس کے بارے میں جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ إِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ؟ قَالَهَا ثَلَاثًا، مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلاَّ هِيَ كَائِنَةٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢١٠ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨)

"کیا تم یہ کرتے ہو؟ --- آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا--- اور پھر فرمایا کہ قیامت تک جس جان دار نے پیدا ہونا ہے' اس نے پیدا ہو کر رہنا ہے۔"

ابو داؤد میں حدیث ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ! میری ایک باندی ہے میں اس سے عزل کرتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو جائے لیکن وہ کام بھی کرنا چاہتا ہوں جو مرد کرنا چاہتے ہیں اور یہودی یہ کہتے ہیں کہ عزل زندہ درگور کر دینے کی ایک چھوٹی صورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَذَبَتْ يَهُودُ لَوْ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧١)

"یہودی جھوٹ کہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو تم اسے پیدا ہونے سے روک نہیں سکتے۔"

کسی عذر کے بغیر باندی سے تو اس کی اجازت کے بغیر بھی عزل جائز ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے نص موجود ہے' امام

مالک' ابو حنیفہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے کیونکہ اسے صحبت یا بچہ پیدا کرنے کا حق حاصل نہیں ہے' اسی طرح اسے اپنی باری یا اپنے لیے نفقے کا مطالبہ کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے تو عزل سے منع کرنے کی تو وہ بالاولیٰ مالک نہ ہوئی۔

آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لیے اصل وہ حدیث ہے جسے امام احمد و ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُعْزَلَ عَنِ الحُرَّةِ إِلاَّ بِإِذْنِهَا»(سنن ابن ماجه، النكاح، باب العزل، ح:١٩٢٨ ومسند أحمد:١/ ٣١)

"رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس کی سند قابل حجت نہیں ہے" بچہ پیدا کرنے کا چونکہ اسے حق حاصل ہے اور عزل کی وجہ سے اس کا نقصان ہے لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی اجازت سے عزل جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عزل اور اس کی کیفیت

سوال عزل کب واجب ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب امام احمد و ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے عبدالرزاق رحمہ اللہ نے "مصنف" میں اور بیہقی رحمہ اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«نَهَى عَنْ عَزْلِ الْحُرَّةِ إِلاَّ بِإِذْنِهَا»(السنن الكبرى للبيهقي، الصداق، باب من قال يعزل عن الحرة باذنها... الخ:٧/ ٢٣١ بلفظ آخر موقوفاً ومصنف عبدالرزق، باب تستأمر الحرة في العزل ... الخ، ح:٧/ ١٤٣، ح:١٢٥٦٢)

"آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنا منع ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت سے اجازت کے ساتھ جائز اور اجازت کے بغیر عزل منع ہے اور باندی سے عزل کیلئے اجازت کی ضرورت نہیں ہاں البتہ شدید حاجت و ضرورت کے بغیر عزل نہ کیا جائے۔ عزل کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال کے وقت مرد آلہ تناسل کو شرم گاہ سے باہر نکال کر انزال کرلے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بوقت ضرورت حمل اور عزل

سوال ایک ماہر مسلمان طبیب نے ایک عورت کو یہ بتایا ہے کہ اس کے لیے حمل جائز نہیں ہے کیونکہ اگر وہ حاملہ ہوئی تو وہ مر جائے گی' اس کے خاوند کی اس کے علاوہ اور کوئی بیوی بھی نہیں ہے' دونوں کی بھرپور جوانی ہے' ایک دوسرے کے

بغیر رہ بھی نہیں سکتے تو کیا اس عورت کے لیے کوئی مانع حمل دوائی استعمال کرنا جائز ہے یا اس کا خاوند جماع کے وقت عزل کرے؟

جواب ① مانع حمل گولیوں کے استعمال کا حکم عورتوں کے حالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے' اس موضوع پر سعودی علماء کی کونسل نے تحقیق کے بعد ایک قرار داد بھی منظور کی ہے۔

② عزل کا جواز حدیث سے ثابت ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٨ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠ واللفظ له)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے' آپ ﷺ کو بھی اس کے بارے میں خبر پہنچی مگر آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔"

③ مانع حمل گولیوں کا استعمال اور عزل اس انسان کو پیدا ہونے سے روک نہیں سکتے' جسے پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما رکھا ہے' اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جو ہماری خادمہ بھی ہے اور نخلستان سے ہمارے لیے پانی بھی لاتی ہے' میں اس سے جنسی عمل تو کرتا ہوں لیکن اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ حاملہ ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَا قُدِّرَ لَهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٩ وسنن أبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧٣)

"اگر چاہو تو عزل کر لیا کرو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو فیصلہ فرما رکھا ہے' وہ ہو کر رہے گا۔"

اسی طرح ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں گئے تھے تو ہمیں عرب باندیاں بھی ملیں' ہمیں عورتوں کی خواہش تھی اور تجرد کی زندگی ہمارے لیے بہت گراں گزر رہی تھی' ہم نے عزل کرنا پسند کیا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لاَ تَفْعَلُوا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلاَّ وَهِيَ كَائِنَةٌ» (صحيح البخاري، العتق، باب من ملك من العرب رقيقًا ... الخ، ح:٢٥٤٢ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨ وسنن إبي داود، النكاح، باب ما جاء في العزل، ح:٢١٧٢)

"تم اگر نہ کرو تو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

یہ دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث عزل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور مانع حمل گولیوں کا استعمال بھی عزل ہی کے معنی میں ہے۔

④ اس ماہر مسلم طبیب نے جو یہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ عورت حاملہ ہو گئی تو یہ بوقت ولادت فوت ہو جائے گی صحیح نہیں ہے کیونکہ موت کا علم تو وہ غیب ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے ساتھ خاص ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِى نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ

غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ﴾ (لقمان ٣١/ ٣٤)

"یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی (حاملہ کے) پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ نر ہے یا مادہ) کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کچھ کرے گا اور نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

خاوند پر نفقہ واجب ہے

سوال اگر بیوی ملازم ہو اور اس کی تنخواہ بھی اچھی ہو تو کیا پھر بھی اس کے خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہے اور اگر خاوند کی تنخواہ کم ہو تو پھر کیا صورت ہو گی؟

جواب خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہے خواہ اس کی تنخواہ بہت اچھی ہو اور خاوند کی تنخواہ کم ہو کیونکہ نفقہ تو درحقیقت خاوند کا بیوی سے استفادہ کرنے کا معاوضہ ہے ہاں البتہ اگر عورت اپنی خوش دلی سے اپنے شوہر سے درگزر کرے اور اس سے خرچہ نہ لے تو اسے اس کا اختیار ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خاوند پر بیوی کے علاج کا خرچ برداشت کرنا واجب نہیں

سوال کیا شرعاً بیوی کا علاج کرنا خاوند کے ذمے ہے؟ اور جو شخص اپنی بیوی کا علاج کرانے سے انکار کر دے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خاوند پر اپنی بیوی کے علاج' دوائیوں اور ڈاکٹر کی فیس کے اخراجات برداشت کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق معمول کی ضروریات سے نہیں ہے بلکہ یہ تو کسی عارضہ کی وجہ سے پیش آتی ہے للذا خاوند پہ لازم نہیں ہے جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کے لیے عرف و عادت کو دیکھا جائے گا کہ اس زمانے میں عرف و عادت یہی ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے علاج معالجہ کے اخراجات برداشت کرتا ہے للذا اگر وہ اس عرف کے مطابق عمل کرے تو یہ اس کی طرف سے فضل و کرم اور حق ادائیگی ہو گی۔ واللہ اعلم

——— شیخ ابن جبرین ———

رزق اور شادی لکھے ہوئے ہیں

سوال کیا رزق اور شادی کے بارے میں بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے؟

جواب قلم کی پیدائش سے لے کر روز قیامت تک کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا تو اسے حکم دیا:

«اُكْتُبْ - قَالَ: رَبِّي وَمَاذَا اَكْتُبُ؟ قَالَ: اُكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ، فَجَرٰى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا

هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (جامع الترمذي، القدر، باب اعظام أمر الإيمان بالقدر، ح:٢١٥٥، وح:٣٣١٩ وسنن أبي داود، السنة، باب في القدر، ح:٤٧٠٠ ومسند أحمد:٥/٣١٧ بألفاظ مختلفة)

"تو لکھ' اس نے عرض کیا: اے میرے رب میں کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھ دے تو قلم نے اسی لمحے وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

"شکم مادر میں جب جنین پر چار ماہ گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کا رزق' اجل' عمل اور شقی ہے یا سعید' لکھ دیتا ہے۔"[1]

رزق بھی لکھا ہوا ہے' اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ طلب رزق کے جو اسباب انسان اختیار کرتا ہے' ان میں سے ایک سعی و کوشش بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ ذَلُولًا فَٱمْشُوا۟ فِى مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا۟ مِن رِّزْقِهِۦ ۖ وَإِلَيْهِ ٱلنُّشُورُ ﴿١٥﴾ ﴾

(الملك٦٧/ ١٥)

"وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کیا تو تم اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور تمہیں اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے"

انہیں اسباب میں سے ایک صلہ رحمی یعنی والدین سے نیکی کرنا اور رشتے داروں سے حسن سلوک بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ» (صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح:٥٩٨٦ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، ح:٢٥٥٧)

"جو شخص یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں فراخی اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اسے اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔"

اور انہی اسباب میں سے ایک تقویٰ بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا' وہ اس کے لیے (رنج و آلام سے) خلاصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔"

لیکن آپ یہ نہ کہیں کہ رزق تو لکھا ہوا اور محدود ہے لہٰذا میں حصول رزق کے لیے اسباب اختیار نہیں کروں گا کیونکہ یہ تو عجز و درماندگی ہے اور عقل و احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آپ رزق اور دین و دنیا کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' بدء الخلق' باب ذکر الملائکۃ صلوات اللہ علیہم' حدیث: ٣٢٠٨ و صحیح مسلم' القدر' باب کیفیۃ خلق الآدمی ..... الخ' حدیث: ٢٦٤٣۔

«اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللهِ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث الكيس ... الخ، ح:٢٤٥٩ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، ح:٤٢٦٠ ومسند أحمد:٤/ ١٢٤)

"عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ خود کرتا رہے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا کر اللہ تعالیٰ سے امید لگا لے۔"

جس طرح رزق لکھا ہوا اور اسباب کے ساتھ مقدر ہے' اسی طرح شادی کا معاملہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے' میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے یہ لکھا ہوا ہے کہ اس کی شادی اس سے ہو گی اور اللہ تعالیٰ سے تو آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عبادت کے لیے شادی سے انکار

سوال بعض لوگ عبادت اور تجرد کی زندگی بسر کرنے کیلئے شادی سے انکار کر دیتے ہیں' اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب اس مسئلے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ شادی سے انکار کے لیے یہ ایک کمزور بلکہ مردہ بہانہ ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنہوں نے تبتل (عزلت نشینی) کی زندگی بسر کرنے کا ارادہ کیا تھا' منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا:

«لَكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ، وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»(صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١ ومسند أحمد:٣/ ٢٥٩، واللفظ لمسلم)

"لیکن میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ نکاح بھی عبادت بلکہ افضل عبادت ہے حتی کہ اہل علم نے یہ صراحت کی ہے کہ شہوت کے ساتھ نکاح نفل عبادات سے افضل ہے' بہت سے اہل علم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ نکاح واجب ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ واجب کا ثواب مستحب سے زیادہ ہے اور واجب اللہ تعالیٰ کو نفل عبادت سے زیادہ پسند ہے جیسا کہ قدسی حدیث میں ارشاد ہے:

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحْبِبْتُهُ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، ح:٦٥٠٢ وسنن الكبرى للبيهقي، صلاة الاستقاء، باب الخروج من المظالم ... الخ، ح:٣٤٦)

"میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا تقرب حاصل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ محبوب ہو جسے میں نے اس پر فرض قرار دیا ہے اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ بھی میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔"

ہم ان نوجوانوں کو جو یہ مریضانہ بلکہ مردہ بہانہ پیش کرتے ہیں یہ نصیحت کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی اطاعت کریں اور آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے شادی کریں نیز اس سے امت اسلامیہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ انہیں شادی سے نفع بھی پہنچائے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

خط و کتابت یا ٹیلی فون کے ذریعے شادی

سوال کیا ٹیلی فون یا خط و کتابت کے ذریعے شادی ہو جاتی ہے؟ یعنی مثلاً اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کی ٹیلی فون پر یا خط و کتابت کے ذریعے شادی کر دے تو وہ ہو جائے گی؟

جواب ٹیلی فون یا خط و کتابت کے ذریعے شادی نہیں ہو گی بلکہ شادی کے لیے شوہر' ولی اور گواہوں کی موجودگی ضروری ہے اور یہ موجودگی ٹیلی فون یا خط وکتابت کی صورت میں چونکہ موجود نہیں ہوتی ہاں البتہ خط و کتابت سے اس صورت میں ممکن ہے کہ جب نکاح کرنے والا کسی دوسرے ملک میں ہو تو وہ کسی کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی طرف سے نکاح کو قبول کر لے اور اس حالت میں یہ ضروری ہو گا کہ وکالت نامہ شرعی طور پر قابل اعتماد اور ثابت شدہ ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دیوث وہ ہے جو اپنی اہلیہ کی فحاشی پر راضی ہو

سوال کیا دیوث وہ ہے جو خلوت میں اپنی بیوی کے ساتھ گزرے ہوئے حالات و واقعات کو بیان کرے یا دین حنیف کی نظر میں صحیح معنوں میں دیوث کون ہے؟ جزاکم اللہ خیراً؟

جواب دیوث وہ ہے جو اپنی بیوی کے بدکاری کرنے پر راضی ہو اور اسے زنا سے نہ روکے اور اس بات پر بے غیرتی اور بے ایمانی کی وجہ سے ناراض نہ ہو اور جو شخص اسے منع کرے اور فحاشی سے روکے تو وہ دیوث نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اولاد کی مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کے بارے میں شک

سوال میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں' میری بیوی نے چھ بچوں کو جنم دیا ہے لیکن میرے اور بعض بچوں کے درمیان مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اس کے کردار کے بارے میں شک ہے' سوال یہ ہے کیا مشابہت نہ ہونے کی وجہ سے شک کیا جا سکتا ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب آپ کی بیوی اگر کسی ایسے بچے کو جنم دے جس کی مشابہت مشتبہ ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے کیونکہ صحیحین میں حدیث ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

"یا رسول اللہ! میری بیوی نے ایک کالے رنگ کے بچے کو جنم دیا ہے' جبکہ اس آدمی اور اس کی بیوی کا رنگ کالا نہ تھا لہٰذا وہ اس کے بچے کے بارے میں شبہہ کا اظہار کر رہا تھا تو نبی ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس

اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا رنگ کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا' سرخ' نبی ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی مٹیالے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا اس کا رنگ مٹیالا کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ شاید اسے کوئی رگ کھینچ لائی ہو' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اسے بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔ [1]

آپ کو معلوم نہیں' ہو سکتا ہے کہ آپ کے یا آپ کی بیوی کے آباء و اجداد میں سے کسی کے ساتھ ان بچوں کی مشابہت ہو جن کے بارے میں آپ کو شبہہ ہے لہٰذا اس شبہہ کی طرف توجہ نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے پناہ مانگیں' جب تک آپ کی بیوی صحیح ہے آپ کے دل میں اس کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حمل کی کم سے کم مدت

سوال میں اپنی بیوی سے مکمل ایک سال تک غائب رہا' اسے بھی میرے بارے میں معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں' طویل مدت کے بعد جب میں واپس آیا تو آٹھ ماہ پچیس دن اس کے ساتھ رہا اور اس نے اس مدت کے بعد بچے کو جنم دیا' نویں مہینے کے پانچ دن کم ہونے کی وجہ سے مجھے اس بچے کے بارے میں شک ہے۔ راہنمائی فرمائیں کیا کروں؟

جواب عورت اگر بچے کو نو ماہ سے پہلے جنم دے دے تو یہ کوئی شک والی بات نہیں ہے کیونکہ حمل کی مدت چھ ماہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَمْلُهُ وَفِصَٰلُهُ ثَلَٰثُونَ شَهْرًا ﴾ (الأحقاف٤٦/ ١٥)

"اس حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے کا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَفِصَٰلُهُ فِي عَامَيْنِ ﴾ (لقمان٣١/ ١٤)

"اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے لہٰذا عورت اگر ساتویں ماہ یا اس کے بعد بچے کو جنم دے تو اس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

ایک شخص چار سال غائب رہا.....

سوال ایک شخص اپنی بیوی سے چار سال تک غائب رہا اور پھر اس مدت کے بعد اس کی بیوی نے بچے کو جنم دیا۔ کیا بچے کو اس کے باپ کے ساتھ ملایا جائے گا؟ یاد رہے اس کی یہ بیوی آزاد ہے' غلام نہیں۔

---

[1] دیکھیے : صحیح البخاری' الطلاق' باب اذا عرض بنفی الولد' حدیث : ۵۳۰۵ و صحیح مسلم' اللعان' باب اللعان' حدیث : ۱۵۰۰

جواب اگر آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کی ہے تو اہل علم کے صحیح قول کے مطابق بچے کو اسی کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:٦٨١٨ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش ... الخ، ح:١٤٥٨)

"بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو۔"

اگر اس آدمی کو یہ معلوم ہو کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہے تو اسے بچے کی نفی کر دینی چاہیے اور عورت سے لعان کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

مشت زنی اور شیخ قرضاوی کا جواز کا فتویٰ

سوال مشت زنی کے بارے میں شیخ قرضاوی اپنی کتاب ((الحلال والحرام)) (ص ۱۱۶) (مطبوعہ مکتب الاسلامی) میں لکھتے ہیں کہ "امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ منی بھی دیگر جسمانی فضلات کی طرح ایک فضلہ ہے لہٰذا فصد کی طرح اسے خارج کرنا جائز ہے" ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے بھی اس کی تائید کی ہے' کیا یہ صحیح ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مشت زنی کو عام جائز قرار دیا ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور پھر یہ مصیبت اس قدر عام ہو رہی ہے کہ اللہ کی پناہ! نوجوان اس بد عادت میں مبتلا ہو کر یہ بھول رہے ہیں کہ اس حالت میں تو روزہ رکھنے کا حکم تھا۔ بعض نوجوانوں نے بتایا کہ وہ کپڑے یا روئی سے لڑکی کی قبل یا دبر کی سی صورت بنا کر اس میں آلہ تناسل داخل کر کے اس سے وطی کرتے ہیں.....الخ

جواب اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق مشت زنی حرام ہے' جمہور کا بھی یہی قول ہے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ہے جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنی جنسی ضرورت صرف اپنی بیوی یا لونڈی سے پوری کرے اور جو اس کے علاوہ کسی بھی اور طریقے سے اپنی حاجت کو پورا کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حلال قرار دیئے ہوئے طریقے سے تجاوز کرتا ہے اور مشت زنی بھی اسی میں داخل ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر ائمہ نے اسے بیان فرمایا ہے اور پھر اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ اور اس کے نتائج بھی بہت خوفناک ہیں' اس سے قویٰ مضمحل اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور اسلامی شریعت ہر اس چیز سے منع کرتی ہے جو انسان کے دین' بدن' مال اور عزت کے لیے نقصان دہ ہو۔

موفق بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ اگر اس نے مشت زنی کی تو ایک حرام فعل کا ارتکاب کیا

اور اگر انزال نہ ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہو گا اور اگر انزال ہو گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ فعل بوسہ لینے کی طرح ہے" ان کا مطلب یہ کہ مشت زنی بوسے کی طرح ہے جبکہ اس کی وجہ سے انزال ہو جائے جبکہ بغیر انزال کے بوسہ لینے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (مجموع الفتاویٰ، ج:۳۴، ص:۳۲۸) میں فرماتے ہیں کہ مشت زنی جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں بھی صحیح ترین قول یہی ہے لہٰذا مشت زنی کرنے والے کو تعزیری سزا دی جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے، اکثر آئمہ زنا کے خوف یا کسی اور وجہ کے باوجود بھی اسے جائز قرار نہیں دیتے۔

علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر (اضواء البیان، ج:۵، ص:۷۶۹) میں فرماتے ہیں کہ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ سورۃ المومنون کی یہ آیت:

﴿ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۷)

"اور جو ان کے سوا اور ڈھونڈیں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اپنے عموم کے اعتبار سے "مشت زنی" کی ممانعت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ جو شخص اپنے ہاتھ سے لذت حاصل کرے حتیٰ کہ اس سے انزال ہو جائے تو اس نے اس کے سوا طریقہ اختیار کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور اس آیت کریمہ کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے جیسا یہاں سورۃ "المومنون" میں اور سورۃ "المعارج" میں بھی مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے متبعین نے اسی آیت کریمہ سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ محمد بن عبدالحکم نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حرملہ بن عبدالعزیز سے یہ سنا کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ سے مشت زنی کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بھی:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَـٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزْوَٰجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝٦ فَمَنِ ٱبْتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلْعَادُونَ ۝٧ ﴾ (المؤمنون ۲۳/ ۵-۷)

"اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں سے جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں۔ اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کردہ حد سے) نکل جانے والے ہیں۔"

تلاوت فرمادی، امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے بھی بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک و امام شافعی اور دیگر اہل علم رحمہم اللہ کا اس آیت کریمہ سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کتاب اللہ کی روشنی میں صحیح ہے کیونکہ قرآن مجید سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور کتاب و سنت سے کوئی چیز اس کے معارض ثابت نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے علم و جلالت اور تقویٰ کے اعتراف کے باوجود ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے جو یہ قیاس کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا ہے کہ یہ بھی بوقت ضرورت بدن سے فضلہ کا اخراج ہے لہٰذا فصد اور سینگی پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے:

إِذَا حَلَلْتَ بِــوَادٍ لاَ أَنِيــسَ بِــهِ   فَاجْلِدْ عميرةَ لاَ عَـارَ وَلاَ حَرَجَ

"جب کسی ایسی وادی میں آؤ جہاں محبوب نہ ہو تو مشت زنی کر لو اس میں عار اور حرج کی کوئی بات نہیں۔"

تو یہ قیاس درست نہیں ہے اگرچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے لیکن یہ قیاس چونکہ عموم قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے اور جو اس طرح کا قیاس ہو وہ فاسد الاعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اس مبارک کتاب (تفسیر قرطبی) میں اسے کئی بار ذکر کیا ہے اور ہم نے مراقی السعود کے مؤلف کے قول کا حوالہ بھی دیا تھا:

وَالْخِلْفُ لِلنَّصِّ أَوْ إِجْمَاعٍ دَعَا فَسَادَ الإِعْتِبَارِ كُلُّ مَنْ وَعٰى

"تمام علماء کے نزدیک نص یا اجماع کی مخالفت غیر معتبر ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٥)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اور اس سے صرف دو ہی قسموں کو مستثنیٰ قرار دیا اور فرمایا ہے:

﴿ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٦)

"مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملکیت ہوتی ہیں ان کے بارے میں انہیں کوئی ملامت نہیں ہے۔"

یعنی شرم گاہ کی عدم حفاظت صرف بیوی اور کنیز ہی سے مستثنیٰ ہے اور پھر اس کے بعد بہت جامع مانع الفاظ استعمال کیے گئے جنہوں نے ان دو صورتوں کے سوا باقی ہر صورت سے منع کر دیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٧)

"اور جو ان کے سوا ڈھونڈیں وہی تو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اور بلاشک و شبہ یہ عموم مشت زنی کرنے والے کو بھی شامل ہے اور عموم قرآن کے ظاہر سے کتاب و سنت کی کسی ایسی دلیل کے بغیر جس کی طرف رجوع واجب ہو' روگردانی جائز نہیں ہے اور وہ قیاس جو ظاہر قرآن کے مخالف ہو وہ فاسد الاعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

ابوالفضل عبداللہ بن محمد بن صدیق حسنی ادریسی اپنی کتاب "الاستقصاء لادلة تحريم الاستمناء أو العادة السرية من الناحيتين الدينية والصحية" میں "مشت زنی کی حرمت اور اس کی دلیل کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں": مالکیہ' شافعیہ' حنفیہ اور جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ مشت زنی حرام ہے' صحیح مذہب بھی یہی ہے' اس کے علاوہ اس مسئلے میں کوئی اور قول جائز نہیں ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

پہلی دلیل' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون ٢٣/ ٥-٧)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اور تلاش کریں وہ (اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے استدلال ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ حرام کام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں لیکن اپنی بیویوں یا کنیزوں کے پاس جانا قابل ملامت نہیں ہے اور پھر اس کے بعد ذکر فرمایا کہ جو کوئی بیویوں یا لونڈیوں کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرے تو وہ ظالم ہے اور حلال سے تجاوز کر کے حرام کا ارتکاب کرتا ہے اور جو کوئی حد سے تجاوز کر جائے تو اسلام اسے ظالم قرار دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۲۹)

"اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہی ظالم ہیں۔"

تو یہ آیت بیویوں اور کنیزوں کے سوا حرمت کے لیے عام ہے اور بلاشک مشت زنی بھی ان دونوں کے علاوہ ہے لہٰذا وہ حرام ہے اور اسے کرنے والا نص قرآن کی روشنی میں ظالم ہے۔ اس کے بعد مصنف نے مشت زنی کی حرمت کے دلائل کو بیان کرتے ہوئے چھٹی دلیل کے طور پر یہ لکھا ہے کہ علم طب سے ثابت ہے کہ مشت زنی کئی ایک بیماریوں کا سبب بنتی ہے کہ اس سے نظر کمزور ہو جاتی ہے' حرارت غریزی بڑی حد تک کم ہو جاتی ہے' آلہ تناسل کمزور ہو جاتا ہے اس میں جزئی یا کلی طور پر استرخاء (ڈھیلا پن) پیدا ہو جاتا ہے اور مشت زنی کرنے والا اس قوت مردی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے جس سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت عطا فرمائی ہے' عورت کے مشابہ ہو جاتا ہے اور شادی کی استطاعت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر وہ شادی کر بھی لے تو وہ صحیح طور پر وظیفۂ زوجیت سرانجام نہیں دے سکتا جس کی وجہ سے اس کی بیوی یقیناً کسی اور کی طرف دیکھے گی کیونکہ یہ اس کی ضرورت پوری نہیں کر سکتا لہٰذا اس میں یہ بے پناہ خرابیاں ہیں جو کسی سے بھی مخفی نہیں۔

مشت زنی کے نتیجے میں لاحق ہونے والی کمزوری کی وجہ سے اعصاب بھی بہت کمزور ہو جاتے ہیں' اس سے معدہ کمزور ہو جاتا ہے اور نظام ہضم میں خلل آ جاتا ہے' اس سے جسمانی نشوونما خصوصاً آلہ تناسل اور خصیتین کی نشوونما رک جاتی ہے اور یہ اپنی طبعی حد تک نہیں پہنچتے' اس سے خصیتین میں التہاب منی کی وجہ سے سوزش پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے مشت زنی کا عادی بری طرح سے سرعت انزال کا مریض بن جاتا ہے کہ آلہ تناسل سے کسی چیز کی معمولی رگڑ سے بھی انزال ہو جاتا ہے۔

اس سے ریڑھ کی ہڈی کے مہروں میں بھی درد رہنے لگتا ہے چونکہ منی بھی پشت ہی سے خارج ہوتی ہے لہٰذا اس درد کی وجہ سے کمر خمیدہ ہو کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

مرد کی منی غلیظ اور گاڑھی ہوتی ہے لیکن مشت زنی کرنے والے کا مادہ منویہ پتلا اور رکیک ہو جاتا ہے اور اس میں جراثیم بھی نہیں ہوتے یا بہت کمزور ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا مادہ بار آور نہیں ہوتا یا اس سے بہت ہی کمزور جنین پیدا ہوتا ہے لہٰذا اگر مشت زنی کرنے والے کے ہاں بچہ پیدا ہو بھی جائے تو وہ بہت دبلا پتلا اور کمزور ہوتا ہے' طبعی اور تندرست منی سے پیدا ہونے والے بچوں کی طرح صحت مند نہیں ہوتا' اس سے بعض اعضاء مثلاً پاؤں وغیرہ میں رعشہ بھی پیدا ہو جاتا ہے' مشت زنی سے دماغ کے غدود بھی کمزور ہو جاتے ہیں جس سے عقل و فہم میں کمی پیدا ہو جاتی ہے خواہ وہ پہلے کتنا ہی عقل مند کیوں نہ ہو اور یہ دماغی کمزوری بسا اوقات اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس سے عقل میں فتور آ جاتا ہے۔

ان دلائل اور مشت زنی کے نقصانات کی تفصیل سے سائل کے لیے یقیناً یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ مشت زنی حرام ہے' روئی وغیرہ سے شرمگاہ کی شکل بنا کر اور اس میں آلہ تناسل داخل کر کے منی کا اخراج بھی مشت زنی ہی کی طرح ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کرنے والے اور منگیتر کو دیکھنے کے احکام

جب منگنی کرنے والا عقد سے پہلے فوت ہو جائے

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے منگنی کی' عورت کے رشتے داروں نے بھی اس سے اتفاق کیا' حق مہر کی رقم بھی طے ہو گئی اور آدمی نے ابھی تک حق مہر ادا نہیں کیا تھا کہ وہ فوت ہو گیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ عورت اس کی وارث ہو گی اور اس پر سوگ منائے گی؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ ان میں ابھی تک ولی کی طرف سے ایجاب اور خاوند کی طرف سے قبول کی صورت میں عقد نکاح نہیں ہوا تھا اگرچہ معتبر شروط تو موجود تھیں اور دونوں کے لیے کوئی امر مانع بھی نہ تھا تاہم یہ مذکورہ عورت اس کی وارث نہیں ہو گی' اس کے لیے عدت اور سوگ بھی نہیں کیونکہ ابھی تک عقد نکاح شرعی نہیں ہوا تھا بلکہ ابھی تک تو صرف منگنی اور مہر پر رشتے داروں کی رضامندی ہوئی تھی اور منگنی اور رضامندی کو نکاح نہیں کہا جاتا' اس مسئلے میں اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں اور اگر عورت کے وارثوں نے منگنی کرنے والے سے کچھ مال لے لیا ہو تو انہیں واپس کر دینا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنی منگیتر کو دیکھنا

سوال کیا میری بہن کو اپنے اس چچازاد سے پردہ کرنا چاہیے جو مستقبل میں اس کا شوہر ہو گا لیکن یہ ابھی اس کی بیوی نہیں ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اس سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں؟

جواب ہاں اسے دیگر اجنبی مردوں کی طرح اپنے چچازاد سے پردہ کرنا ضروری ہے خواہ اس سے اس کی منگنی ہو چکی ہے اور آپ لوگوں نے بھی اسی سے شادی کا عزم کر رکھا ہے۔ ہاں البتہ ہر وہ شخص جو کسی عورت سے منگنی کی رغبت رکھتا ہو تو وہ اسے خلوت کے بغیر دیکھ سکتا ہے تاکہ اسے نکاح کی رغبت پیدا ہو لیکن جب تک نکاح نہیں ہو تا لڑکی کا اس کے ساتھ بیٹھنا ہمیشہ اپنے چہرے کو ننگا رکھنا اور خلوت اختیار کرنا' اس وجہ سے کہ اس سے شادی کا وعدہ ہو چکا ہے' جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اگر منگیتر شرعی حکم کی پابندی سے انکار کر دے



سوال میں نے تین سال سے ایک عورت سے منگنی کر رکھی ہے اور اس اثنا میں میں نے اسے لکھا ہے کہ شادی کے

بعد میں ان شاء اللہ اسے مخلوط کام یا غیر محرموں سے مصافحہ کی اجازت نہیں دوں گا' میں نے ان مسائل سے متعلق اسے آیات' احادیث اور علماء کے فتاویٰ بھی بھیجے ہیں لیکن اس نے ہر مرتبہ مجھے یہی جواب دیا کہ وہ اپنے چچازاد' خالہ زاد اور پڑوسیوں کے بیٹے کو سلام کہے گی اور مخلوط کام بھی کرے گی لیکن میں نے اپنی بات کو شرط کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ شادی کے بعد اختلاف نہ ہو اور میں نے جو مذکورہ باتیں لکھی ہیں ان کو تسلیم کرنا اس کے لیے فرض قرار دیا ہے' امید ہے آپ بھی میری راہنمائی فرمائیں گے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب آپ نے اچھا کیا جو یہ شرط عائد کر دی ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر اس مرد سے پردہ کرے جو اس کا محرم نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے مصافحہ بھی کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوهُنَّ مِن وَرَآءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۳)

"اور جب تم نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے کامل پاکیزگی کی بات ہے۔"

یہ آیت عام ہے ازواج مطہرات اور دیگر تمام عورتوں کو شامل ہے جیسا کہ خطاب شریعت کے سلسلے میں اصول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے لہٰذا کسی خاص دلیل کے بغیر کسی حکم کی تخصیص جائز نہیں ہے اور پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو علت بیان کی ہے یعنی دلوں کی پاکیزگی تو یہ ایک ایسی علت ہے جس کی ہر مسلمان مرد و عورت کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں ایک دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۵۹)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر لٹکا لیا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور سورۂ نور میں فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ۲٤/ ۳۱)

"اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور

اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں (غرض ان لوگوں کے سوا) کسی پر اپنی زینت (اور سنگار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

اس آیت میں "بعولتھن" سے مراد عورتوں کے خاوند ہیں اور زینت سے مراد جسمانی زینت' جس طرح کہ چہرہ' دونوں ہاتھ' سر' دونوں قدم اور بدن کے دوسرے حصے ہیں اور اس سے مراد اکتسابی زینت بھی ہے جس طرح کہ زیور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔"

اور زینت سے مراد یہاں "پازیب" ہے اور چونکہ جسمانی اور اکتسابی زینت کا اظہار مردوں کے فتنے کا باعث ہے اور اسی طرح نرم انداز گفتگو بھی مردوں کے فتنے اور بیمار دل والوں کے طمع کا سبب ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ۚ إِنِ ٱتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِٱلْقَوْلِ فَيَطْمَعَ ٱلَّذِى فِى قَلْبِهِۦ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٣٢)

"اے نبی کی بیویو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم لہجے میں بات نہ کرنا تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرلے ہاں دستور کے مطابق بات کیا کرو"

اس لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو نرم انداز سے بات کرنے سے منع فرمایا اور دستور کے مطابق بات کرنے کا حکم دیا یعنی ایسے طریقے سے بات کرنے کا حکم دیا جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی۔ غور فرمائیے! کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو نرم انداز میں بات کرنے سے منع فرمادیا اور مردوں کو منع فرمادیا کہ پردے کے بغیر ان سے کوئی چیز طلب نہ کریں حالانکہ وہ کائنات کی سب سے پاکباز اور سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار خواتین ہیں تو ان کے علاوہ پھر دیگر خواتین کے لیے تو فتنے کا زیادہ ڈر ہے جب وہ بات میں نرم لہجہ اختیار کریں یا پردہ ہٹادیں۔

عورتوں کا غیر محرم مردوں سے مصافحہ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ بھی فتنے کا سبب ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ»(سنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، ح: ٢٨٧٤ وسنن النسائي، البيعة، بيعة النساء، ح: ٤١٨٦)

"تحقیق میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔"

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

«وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ» (صحيح البخاري،

الطلاق، باب إذا أسلمت المشركة ... الخ، ح:٥٢٨٨ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦)

"اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا تھا' آپ ﷺ ان سے بیعت بھی زبانی لیا کرتے تھے۔"

تمام مسلمان عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں' اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور سے اپنے آپ کو بچائیں' اسباب فتنہ سے بھی بچیں' عورتوں کے وارثوں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ ان سے احکام شریعت کی پابندی کرائیں اور ایسے اسباب اختیار کرنے کی تلقین کریں جن میں نجات' سعادت اور انجام کی بہتری ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾ ﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

"زمانے کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

اور فرمایا:

﴿ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے معاون اور دوست ہیں وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور نمازوں کو پابندی سے بجا لاتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ جلد رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں یہ واضح فرمادیا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون' حق بات کی تلقین

اور صبر کی تاکید کرنا واجب ہے اور سورۃ العصر میں واضح فرمایا کہ مکمل نفع' کامل سعادت اور نقصان سے حفاظت صرف انہی اہل ایمان ہی کے لیے ہے جو عمل صالح' حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کی گئی آخری آیت میں فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

اور مکمل رحمت صرف انہی لوگوں کا مقدر ٹھہرے گی جو اللہ تعالیٰ کے دین و اطاعت پر اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت پر استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں گے۔

تمام مومن مردوں اور عورتوں پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پابندی کریں اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کریں اور اس کی مخالفت سے اجتناب کریں کہ اس سے سب کو وہ کامیابی و کامرانی حاصل ہو گی جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں اور بندیوں سے وعدہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧٢)

"اللہ نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں سے ان باغات (جنتوں) کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے' یہی زبردست کامیابی ہے۔"

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت اور حق پر ثابت قدمی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سائل کو یہ وصیت بھی کریں گے کہ وہ اس منگیتر کے علاوہ جس نے حکم شریعت کی پابندی سے انکار کر دیا ہے' شادی کے لیے کوئی اور ایماندار عورت تلاش کر لے' اگر آپ طلب میں صادق ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تو ہم آپ کو خیر و بھلائی اور حسن انجام کی بشارت دیتے ہیں کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی فرما دے گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة، ح:٢٥١٦ ومسند أحمد: ١/ ٢٩٣)

"تم اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانی پیدا فرمائے' آپ کی حاجت کو پورا کرے' ہماری اور آپ کی عاقبت کو اچھا کرے' آپ کی منگیتر کو ہدایت عطا فرمائے' اسے حق کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے اور اسے اپنے نفس اور شیطان کے شر سے بچائے۔ انه سميع قريب۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی سے پہلے منگیتر کو کس حد تک دیکھنا جائز ہے؟

سوال جب کوئی نوجوان کسی دوشیزہ سے منگنی کرنے آئے تو کیا اسے دیکھنا واجب ہے؟ کیا اس وقت دوشیزہ کا اپنے سر کو ننگا کرنا بھی صحیح ہے تاکہ اس کا حسن و جمال خوب واضح ہو جائے؟ راہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کی راہنمائی فرمائے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کہ یہ ایک دوسرے کو دیکھ لیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے منگنی کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ منگیتر دیکھ لے کیونکہ اس سے دونوں میں محبت پیدا ہو گی' اگر منگیتر اپنا چہرہ دونوں ہاتھ اور سر ننگا کر لے تو صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو دیکھنا ہی کافی ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مذکور حدیث کے پیش نظر اس کے سر' چہرہ' دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن یہ خلوت میں جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ اس وقت دونوں کے ساتھ اس کا باپ یا بھائی یا کوئی اور ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُو مَحْرَمٍ»(صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ح:١٣٤١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ اس کے محرم کے بغیر خلوت اختیار نہ کرے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ»(جامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء في لزوم الجماعة، ح:٢١٦٥ ومسند أحمد:١٨/١)

"کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرتا مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

دوشیزہ کے علم کے بغیر دیکھنا

سوال بعض شادی کرنے والے دوشیزہ کی تصویر یا اسے براہ راست دیکھنا چاہتے ہیں یا اسے کسی موقع پر اس طرح دیکھ لیں کہ اسے علم نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے؟

---

[1] یہ حدیث صحیح مسلم میں نہیں ہے بلکہ یہ جامع الترمذی اور مسند احمد میں ہے۔

جواب منگنی کرنے والے کو منگیتر کی تصویر دینا جائز نہیں کہ اس میں یہ خطرہ ہے کہ وہ اس تصویر کو مذاق نہ بنا لے اور پھر تصویر سے حقیقت حال بھی تو واضح نہیں ہوتی کہ انسان کئی ایسی تصویریں بھی دیکھتا ہے جو حقیقت سے بہت دور ہوتی ہیں۔ تصویر سے بسا اوقات منگیتر حقیقت سے زیادہ خوبصورت بھی نظر آسکتی ہے اور اس سے شوہر دھوکے میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور اگر وہ شادی کے بعد اسے اس طرح نہ پائے جیسا کہ اس نے تصویر میں دیکھا تھا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بے نیاز ہو کر اس سے کراہت کرنے لگے اور صورت حال الٹ ہو جائے۔ ہاں البتہ اسے براہ راست دیکھنے میں یا کسی مناسب موقع پر اس طرح دیکھنے میں کہ اسے معلوم نہ ہو کوئی حرج نہیں بلکہ شرعی طور پر مطلوب ہے کہ اسے دیکھ لیا جائے تاکہ وہ علی وجہ البصیرت کام کرے لیکن اس کے لیے کچھ شرطیں بھی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:

① خلوت اختیار نہ کرے۔

② یہ دیکھنا محض معلومات کے لیے ہو لطف و لذت حاصل کرنے کے لیے نہ ہو۔

③ اس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ اگر اسے لڑکی پسند آئی تو یہ اس سے شادی کرے گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

منگیتر کے بارے میں معلومات کس طرح حاصل کی جائیں؟

سوال جب میں کسی لڑکی سے منگنی کرنے جاؤں تو اس سے کس طرح بات کروں تاکہ اس کا عقیدہ' تقویٰ' خلق اور ادب معلوم کر سکوں؟ کیا اس کے ساتھ بیٹھنا جائز ہے؟

جواب منگنی کرنے والا خلوت کے بغیر منگیتر کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت ثابت ہے' شادی کی مصلحت سے متعلق ضروری باتوں کے بارے میں وہ منگیتر اور اس کے وارثوں سے معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگنی کرنے والے کا شادی شدہ ہونے سے انکار

سوال کیا شادی کی صحت کیلئے یہ شرط ہے کہ (پہلے سے شادی شدہ) مرد جس عورت سے شادی کرنا چاہے وہ نہ بھی پوچھے تو اسے بتائے کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور اگر اس سے پوچھا جائے اور وہ انکار کر دے تو اس انکار کے نتیجے میں کیا مرتب ہو گا؟

جواب مرد کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بیوی یا اہل خانہ کو یہ بتائے کہ وہ شادی شدہ ہے بشرطیکہ وہ اس کے بارے میں سوال نہ کریں لیکن اس طرح کی بات عموماً مخفی نہیں رہتی کیونکہ شادی میاں بیوی میں سے ہر ایک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور چھان بین کرنے کے بعد ہوتی ہے اور امر واقع میں سے کسی چیز کو چھپانا جائز نہیں ہے' اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کے بارے میں کوئی ایسی جھوٹی بات ثابت ہو جائے جس پر فریق ثانی نے بنیاد رکھی ہو تو اسے نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مثلاً اگر وہ جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ دے کہ وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے' اسی طرح اگر وہ عورت کے بارے میں یہ بتائیں کہ یہ باکرہ (کنواری) ہے لیکن حقیقت میں وہ ثیبہ (شادی شدہ) ہو تو شوہر کو بھی اختیار ہے کہ چاہے اس شادی کو برقرار رکھے یا ترک کر دے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

منگنی کی انگوٹھی

سوال منگنی کرنے والے مرد کے دائیں ہاتھ اور منگیتر کے بائیں ہاتھ میں یہ جو انگوٹھی (چھلا) پہنائی جاتی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے' یاد رہے یہ سونے کی بنی ہوئی نہیں ہوتی؟

جواب شریعت میں اس عمل کا کوئی ثبوت نہیں ہے لہٰذا افضل یہی ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے خواہ یہ چاندی کی انگوٹھی ہو یا کسی اور چیز کی اور اگر یہ سونے کی بنی ہوئی ہو تو پھر یہ مرد کے لیے حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منگیتر کی رائے مقدم ہے

سوال ایک لڑکی سے منگنی کے دو آدمی خواہش مند ہیں' یہ لڑکی اور اس کی والدہ ان میں سے ایک پر راضی ہیں جب کہ اس کا باپ دوسرے آدمی کو پسند کرتا ہے جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے گی؟

جواب ترجیح اسے دی جائے گی جسے لڑکی پسند کرے مثلاً لڑکی ایک آدمی کو پسند کرے اور اس کی ماں یا باپ دوسرے کو تو لڑکی کی بات کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اپنے شوہر کی شریک حیات بن کر زندگی اس نے گزارنی ہے اور اگر یہ کسی ایسے آدمی کو پسند کرے جو دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو نہ ہو تو پھر اس کی رائے کا اعتبار نہ ہو گا خواہ والدین کی بات ٹھکرانے کی وجہ سے اسے شادی کے بغیر زندگی بسر کرنا پڑے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص شادی کا مطالبہ لے کر آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہو جائے گا۔"

اگر ماں باپ میں اختلاف ہو کہ ماں ایک آدمی سے شادی کو پسند کرے اور باپ کسی دوسرے آدمی سے تو پھر اس معاملے میں اس لڑکی کی طرف رجوع کیا جائے گا جس کی منگنی کرنا مقصود ہو۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

محرم عورتوں کے احکام

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

سوال سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ فَـٰحِشَةً وَمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَـٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّـٰتُكُمْ

وَخَلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾﴾ (النساء٤/ ٢٢-٢٣)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔ تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں' بیٹیاں' بہنیں پھوپھیاں' خالائیں' بھتیجیاں اور بھانجیاں (اسی طرح) تمہاری دودھ کی مائیں اور تمہاری دودھ کی بہنیں' تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری مدخولہ بیویوں کی (کسی دوسرے شوہر سے) بیٹیاں اور اگر تم نے دخول کیا ہو تو کوئی حرج نہیں اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔"

مندرجہ بالا آیات کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے' ان آیات میں جن اسباب حرمت کو بیان کیا گیا ہے' ان کا تعلق تین چیزوں سے ہے اور وہ یہ ہیں (۱) نسب (۲) رضاعت اور (۳) مصاہرت۔

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ﴾ (النساء٤/ ٢٢)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا۔)"

سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی ایسی عورت سے شادی کرے جس سے اس کے باپ یا دادا یا اس سے بھی کسی اوپر کے انسان نے شادی کی ہو' دادا ہو یا نانا دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہے اور اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ ان کا اس عورت سے جنسی تعلق قائم ہوا ہے یا نہیں۔

جب کوئی آدمی کسی عورت سے صحیح عقد قائم کرے تو وہ اس کے بیٹوں' پوتوں' پڑپوتوں اور نیچے سب تک حرام ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اس آیت میں ان رشتوں کو بیان کیا گیا ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں: ① مائیں اور ان سے اوپر کی خواتین یعنی دادیاں اور نانیاں ② بیٹیاں اور ان سے نیچے کی خواتین یعنی بھتیجیاں اور بھانجیاں ③ بہنیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف ماں کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ④ پھوپھیاں' ان سے آباء و اجداد کی بہنیں مراد ہیں خواہ وہ حقیقی

پھوپھیاں ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں یا صرف ماں کی طرف سے۔ حقیقی پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے بہنیں ہوں اور باپ کی طرف سے پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ان کے باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور ماں کی طرف سے پھوپھیاں وہ ہیں جو آپ کے باپ کی ان کی ماں کی طرف سے بہنیں ہوں ⑤ خالائیں' اس سے مراد ماں اور نانی کی بہنیں ہیں خواہ وہ نانی سے بھی اوپر کی ہوں خواہ وہ ماں کی باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے بہنیں ہوں' حقیقی خالائیں وہ ہوتی ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کے ماں باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور باپ کی طرف سے خالائیں وہ ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کے باپ کی طرف سے بہنیں ہوں اور ماں کی طرف سے خالائیں وہ ہیں جو آپ کی والدہ کی ان کی ماں کی طرف سے بہنیں ہیں۔

یاد رہے کسی شخص کی خالہ یا پھوپھی اس کی اولاد در اولاد کی بھی خالہ اور پھوپھی ہے یعنی آپ کے باپ کی پھوپھی آپ کی پھوپھی اور آپ کے باپ کی خالہ آپ کی بھی خالہ ہے' اس طرح آپ کی ماں کی پھوپھی اور خالہ بھی آپ کی پھوپھی اور خالہ ہے' اسی طرح آپ کے دادوں' نانوں اور دادیوں' نانیوں کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ ⑥ بھتیجیاں خواہ وہ بھائی جس کی وہ بیٹیاں ہوں وہ حقیقی بھائی ہو یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف بھائی ہو یعنی آپ کے حقیقی بھائی کی بیٹی یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے بھائی کی بیٹی اور اس کی بیٹی کی بیٹی بھی آپ کے لیے حرام ہے' اس طرح اس کے بیٹے کی بیٹی بھی آپ کے لیے حرام ہے اور اس سے نیچے کی تمام بیٹیاں بھی آپ کے لیے حرام ہیں۔ ⑦ اسی طرح بھانجیوں کی حرمت کے بارے میں بھی یہی اصول ہے اور یہ سات رشتے نسب سے حرام ہیں۔ اور اس آیت کریمہ:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں۔"

میں ان رشتوں کی طرف اشارہ ہے جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور نسب سے جو رشتے حرام ہیں وہ مائیں' بیٹیاں' بہنیں' پھوپھیاں خالائیں' بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں تو ان کی نظیر جو رضاعی رشتے ہوں گے وہ بھی نبی ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق حرام ہیں۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِي دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمۡ تَكُونُواْ دَخَلۡتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَٰٓئِلُ أَبۡنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنۡ أَصۡلَٰبِكُمۡ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری ساس حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں) تم

پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی عورتیں بھی۔"

اس آیت میں ان تین رشتوں کا ذکر ہے جو مصاہرت کی وجہ سے حرام ہیں یعنی بیویوں کی ماؤں سے مراد یہ ہے کہ آدمی کے لیے اپنی بیوی کی ماں اور دادی اور اوپر کی تمام خواتین بھی حرام ہیں خواہ وہ اس کے باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے اور یہ تمام خواتین محض عقد نکاح ہی سے حرام ہو جاتی ہیں۔

جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے تو اس مرد پر منکوحہ کی ماں حرام ہو جاتی ہے اور وہ اس کی محرم بن جاتی ہے خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول نہ بھی کیا ہو مثلاً اس کی یہ بیوی فوت ہو جائے یا یہ اسے طلاق دے دے تو اس کی ماں سے نکاح کرنا اس کے لیے حرام ہو گا' اگر اس نے اپنی بیوی سے دخول نہیں کیا تو پھر بھی اس کی ماں اس کے لیے حرام ہو گئی' وہ اس کے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کر سکتی ہے' اس کے ساتھ سفر کر سکتی ہے' خلوت میں جا سکتی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ محض عقد نکاح سے اس کی بیوی کی ماں اور اس کی دادیاں نانیاں حرام ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ((وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ)) "بیویوں کی ماؤں" کے عموم میں داخل ہیں اور عورت محض عقد ہی سے اپنے شوہر کی بیوی بن جاتی ہے۔ اور اس ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی وہ بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو۔"

سے مراد بیوی کی بیٹیاں اور اس کی اولاد کی بیٹیاں ہیں اور خواہ وہ اس سے بھی نیچے کے درجے میں ہوں۔ جب کوئی انسان کسی عورت سے شادی کرے تو اس کی وہ بیٹیاں جو کسی اور خاوند سے ہوں وہ بھی اس کے لیے حرام ہیں اور اس کی محرم ہیں' اسی طرح اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کی بیٹیاں بھی اس کے لیے حرام ہیں لیکن اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہاں دو شرطیں بیان فرمائی ہیں وہ یہ کہ ① بیوی کی پہلے خاوند سے بیٹی (ربیبہ) آدمی کی زیر پرورش ہو۔ ② اور بیوی سے صحبت ہو چکی ہو۔ ان میں سے پہلی شرط جمہور اہل علم کے نزدیک اغلبی ہے جس کا کوئی مفہوم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مدخولہ بیوی کی بیٹی مرد کے لیے حرام ہے خواہ وہ اس کی پرورش میں نہ بھی ہو اور دوسری شرط یعنی "جن کے ساتھ تم نے دخول کیا ہو" یہ شرط اصل مقصود ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا مفہوم بھی ذکر فرمایا ہے۔ جب کہ پہلی شرط کا مفہوم بیان نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اس شرط کا مفہوم معتبر نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ ٱلَّتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ کے مفہوم کا اللہ تعالیٰ نے اعتبار کیا ہے' اسی وجہ سے تو فرمایا کہ ﴿ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ اور اس ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی۔"

سے مراد حقیقی بیٹے کی بیوی ہے خواہ وہ اس سے بھی نیچے کے درجے میں ہو' وہ بھی محض عقد نکاح ہی سے اس کے باپ پر حرام ہے' اس طرح پوتے کی بیوی بھی محض عقد ہی سے دادا پر حرام ہو جاتی ہے لہٰذا اگر کوئی مرد کسی عورت سے صحیح عقد کرے اور پھر اسے فوراً طلاق دے دے تو وہ اس کے باپ دادا اور اس سے بھی اوپر کے تمام لوگوں کے لیے بھی حرام ہو جائے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں (بھی حرام ہیں)۔"

کے عموم کا یہی تقاضا ہے اور عورت محض عقد ہی سے اپنے شوہر کی بیوی بن جاتی ہے۔

یہ ہیں وہ تین اسباب جو موجب حرمت ہیں یعنی (۱) نسب (۲) رضاعت اور (۳) مصاہرت' نسب کی وجہ سے سات قسم کے رشتے حرام ہیں' رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہیں جو نسب کی نظیر ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور مصاہرت کی وجہ سے چار قسم کے رشتے حرام ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیات :۲۲/ ۲۳ میں ہے یعنی (۱) وہ عورتیں جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو (۲) ساسیں (۳) جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی بیٹیاں اور (۴) تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں۔ اور رہا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے)"

تو یہ حرمت' ابدی نہیں ہے کیونکہ دونوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے' بیوی کی بہن شوہر کے لیے حرام نہیں ہے حرام یہ ہے کہ دونوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھے' یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دو بہنوں کا اکٹھا کرنا حرام ہے' یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری بیویوں کی بہنیں حرام ہیں لہٰذا اگر مرد اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دے اور اس کی عدت پوری ہو جائے تو وہ اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے کیونکہ حرام یہ ہے کہ دونوں بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھا جائے' جس طرح دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے' اسی طرح کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو اکٹھا کرنا بھی حرام ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے یہ ثابت ہے یعنی جن عورتوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے وہ تین قسم کی ہیں (۱) دو بہنیں (۲) عورت اور اس کی پھوپھی اور (۳) عورت اور اس کی خالہ (جب کہ چچا اور ماموں کی بیٹی کو جمع کرنا جائز ہے۔)

— شیخ ابن عثیمین —

یہ عورت اجنبی ہے

سوال میری عمر اڑتالیس برس تھی' میں بیمار ہو گیا تو میرے اہل خانہ میں سے کوئی بھی میری خبر گیری کے لیے موجود نہ تھا' میرا ایک شریک کار اور مسلمان دوست تھا' مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے میری مدد کی اور مجھے اپنے گھر لے گیا' اس کی بیوی بھی مسلمان' دیندار اور حافظ قرآن ہے' بیماری کے دوران اس نے بھی میری خدمت کی اور جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء اور صحت و عافیت سے نواز دیا تو میں نے چاہا کہ اپنے دوست کی اس بیوی کو اپنی بہن بنا لوں جب کہ میری کوئی حقیقی بہن نہیں ہے لہٰذا ہم نے قرآن مجید سامنے رکھ کر یہ عہد کیا کہ یہ عورت میری بہن ہے اور میرے لیے

ہمیشہ ہمیشہ حرام ہے' یہ معاہدہ اس کے شوہر' اولاد' بچیوں اور میرے سارے اہل خانہ کی رضا مندی سے ہوا تھا جس کی وجہ سے میں اب اسے اپنی حقیقی بہن سمجھتا ہوں تو سوال یہ ہے: کیا میں اس کے ہاتھ کو چھو سکتا ہوں؟ حج میں اس کا محرم بن سکتا ہوں جب کہ میرے اور اس کے خاندان کے اکثر لوگوں کو بھی یہ معلوم ہے کہ میں نے اسے بہن بنا لیا ہے؟ امید ہے آپ اس مسئلے میں شریعت اسلامی کے حکم سے آگاہ فرمائیں گے؟

جواب آپ کے اس دوست نے آپ سے خواہ کیسی بھی نیکی کی ہو اور اس کی بیوی نے خواہ کتنی بھی خدمت سرانجام دی ہو تو اس وجہ سے وہ آپ کی محرم نہیں بن سکتی بلکہ وہ بدستور اجنبی ہی ہے کیونکہ عورت نصوص شریعت کے بیان کردہ حدود کے اندر صرف نسب' رضاعت یا مصاہرت ہی سے حرام ہو سکتی ہے' لہٰذا آپ کے لیے اسے ہاتھ یا کسی اور عضو سے چھونا جائز نہیں اور نہ آپ حج وغیرہ کے سفر میں اس کے لیے محرم ہی بن سکتے ہیں' اس سے خلوت بھی حرام ہے خواہ اس پر وہ اور اس کا شوہر اور خاندان راضی کیوں نہ ہوں اس عورت سے آپ کا معاملہ اسی طرح ہو گا جس طرح کسی بھی اجنبی عورت سے ہو سکتا ہے۔ ہاں انہوں نے آپ کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس پر آپ اس کے شوہر اور رشتے داروں کا شکریہ ادا کریں' ان کے کام میں جسمانی مدد کے ذریعے تعاون کریں' مالی تعاون کریں' حسن سلوک سے پیش آئیں ان سے ہمدردی و خیر خواہی کا اظہار کریں اور بوقت ضرورت ان کی مقدور بھر مدد میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

حرمت میں خون کو دودھ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا

سوال کسی عورت کو اگر خون کی ضرورت ہو اور وہ کسی اجنبی شخص سے لے کر اسے دے دیا جائے' عورت کو شفاء حاصل ہو جائے اور وہ شخص اس سے شادی کرنا چاہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہاں انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس عورت سے شادی کرے جسے اس کا خون دیا گیا ہو کیونکہ خون دودھ نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اس سے وہ حرام ہو جائے گی' حرمت تو دودھ سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ دو سال کی عمر میں دودھ چھڑانے سے پہلے پیا ہو اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

سوال ایک شخص کی بیوی بیمار تھی۔ اسے خون دینے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ہسپتال میں خاوند کا خون لے کر اس کی بیوی کو لگا دیا گیا تو کیا اس کی ازدواجی زندگی پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

جواب سائل کے ذہن میں شاید یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ اس نے خون کو دودھ پر قیاس کر لیا ہے جو کہ موجب حرمت

ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے اور اس کے دو سبب ہیں (۱) خون دودھ کی طرح غذا نہیں بنتا (۲) بموجب نص جس سے حرمت لازم آتی ہے وہ رضاعت (دودھ) ہے اور وہ بھی ان دو شرطوں کے ساتھ کہ (۱) رضاعت میں پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ دودھ پینا ثابت ہو اور (۲) رضاعت دودھ پینے کی دو سال کی مدت کے اندر ہو لہٰذا خون جو بیوی کو منتقل کیا گیا ہے اس کا ان کی ازدواجی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

اپنے بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح

سوال میں اپنی پھوپھی زاد سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن یاد رہے کہ میرے بڑے بھائی نے میری اس پھوپھی کا ایک سے زیادہ بار دودھ پیا ہے لیکن میں نے اپنی اس پھوپھی کا مطلقاً دودھ نہیں پیا اور میری اس پھوپھی زاد نے بھی میری ماں کا دودھ بالکل نہیں پیا۔ سوال یہ ہے: کیا میں اپنی اس پھوپھی زاد سے شادی کر سکتا ہوں یا میں اس کا بھائی ہوں؟

جواب اس سوال کا جواب نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں دیا جائے گا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

یعنی رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو قرابت سے حرام ہیں کیونکہ نسب قرابت ہے۔ لفظ "نسب" کے بارے میں ان شاء اللہ عنقریب تفصیل ذکر کروں گا۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اپنی اس پھوپھی زاد سے شادی کر سکتے ہیں جس کی ماں کا آپ کے بھائی نے دودھ پیا ہے کیونکہ آپ کے اور اس کے درمیان ایسا کوئی رضاعی رشتہ نہیں ہے' لہٰذا آپ اس کے بھائی نہیں ہیں کیونکہ آپ نے تو اس کی ماں کا دودھ نہیں پیا ہے لہٰذا وہ آپ کی بہن نہیں ہے۔ حرمت صرف دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کے بارے میں ثابت ہوتی ہے۔ یعنی رضاعت کا اثر دودھ پینے والے اور اس کی اولاد پر مرتب ہوتا ہے' اس کے بہن بھائیوں پر یا اصول میں جو اس سے اوپر کے رشتے دار ہوں ان تک اس حرمت کا اثر نہیں پہنچتا ہاں البتہ یہ حرمت دودھ پینے والے اور اس کی اولاد کی طرف دودھ پلانے والی کی طرف سے ضرور منتقل ہوتی ہے نیز اس کی طرف سے بھی جس کی طرف اس کا دودھ منسوب ہو یعنی جس نے اسے دودھ پلایا ہو یہ اس کی ماں ہو گی' اس کی ماں اس کی نانی ہو گی' اس کا باپ اس کا نانا ہو گا' اس کے بھائی اس کے ماموں ہوں گے اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں ہوں گی۔

اسی طرح جس کی طرف اس عورت کا دودھ منسوب ہو اور وہ اس کا شوہر ہو گا یا آقا یا وہ جس نے شبہہ کی وجہ سے اس سے وطی کی ہو تو وہ اس کا باپ ہو گا اور اس کی اولاد دودھ پینے والے کے بھائی اور اس کے بھائی' اس کے چچے اور بہنیں' پھوپھیاں ہوں گی۔ یہ سب کچھ ہم نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے لیتے ہیں:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على

الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔"

کلمہ "نسب" (قرابت داری) کے متعلق میں نے جو یہ کہا تھا کہ اس کے بارے میں تفصیل ذکر گزارش کروں گا تو وہ یہ ہے کہ بہت سے عوام انساب یا ارحام کے کلمے سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد میاں یا بیوی کے رشتے دار ہیں حتی کہ کئی آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص میرے انساب یا ارحام میں سے ہے' کیونکہ میں نے ان میں شادی کی ہے' یہ بات لغت اور شریعت کے اعتبار سے غلط ہے کیونکہ انساب اور ارحام سے مراد تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو باپ یا ماں کی طرف سے رشتے دار ہوں اور جو میاں یا بیوی کی طرف سے رشتے دار ہوں تو انہیں انساب نہیں بلکہ اصہار (سسرال) کہا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُۥ نَسَبًا وَصِهْرًا ﴾ (الفرقان٢٥/ ٥٤)

"اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو نسب والا اور سسرالی رشتوں والا کر دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے باہمی تعلقات کے لیے ان دو چیزوں یعنی نسب اور مصاہرت کو ذریعہ بنایا ہے اور یہ دو الگ الگ قسمیں ہیں' میں نے اس کی طرف یہ توجہ اس لیے دلائی ہے تاکہ لوگوں کو شرعی الفاظ کے مدلولات کا علم ہو جائے اور وہ غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شوہر کے اجداد بیوی کے محرم ہیں

سوال کیا شوہر کا نانا اس کی بیوی کا محرم شمار ہو گا یا نہیں؟

جواب شوہر کے تمام دادے اور نانے اس کی بیوی کے محرم ہیں کیونکہ محرمات کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں۔"

"حلائل" کے معنی ہیں بیویاں' اور بیٹوں کے بیٹے بھی اپنے نانا کے بیٹے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا تھا:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ»(صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي ... الخ، ح:٢٧٠٤)

"میرا یہ بیٹا سردار ہے۔"

اور وہ نبی ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی حسب ذیل آیت کریمہ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ "حضرت عیسیٰ ابن مریم' حضرت نوح و ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں:

﴿ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِۦ دَاوُۥدَ

وَسُلَيْمَـٰنَ . . . . وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٨٥﴾ (الأنعام٦/ ٨٤-٨٥)

"اور ہم نے ان کو (حضرت ابراہیم کو) اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داود اور سلیمان کو بھی..... اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی۔ یہ سب نیکوکار تھے۔"

اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہ تھا وہ تو حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں جو حضرت آدم' نوح اور ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَـٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تمہارے صلبی بیٹے۔"

تو اس سے درحقیقت ان لے پالکوں کو خارج کرنا مقصود ہے جنہیں اہل جاہلیت متبنیٰ بنا لیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اپنی کتاب کریم میں منع کرتے ہوئے سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ ٱدْعُوهُمْ لِءَابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٥)

"مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

باپ کی بیوی کی دوسرے شوہر سے بیٹی کے ساتھ شادی

سوال میرے والد نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی پھر اسے طلاق دے دی تو اس نے ایک اور مرد سے شادی کر لی اور اس سے اس کے کئی بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں تو کیا ان میں سے کسی لڑکی کے ساتھ میرے لیے شادی کرنا حلال ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ کے اور اس کے مابین رضاعت اور قرابت کا کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جو شادی سے مانع ہو' اس عورت کی بیٹیاں آپ کے باپ کے لیے حرام ہیں کیونکہ وہ اس کی ربیبائیں ہیں' اس لیے کہ ان کی ماں کے ساتھ آپ کے باپ نے مباشرت کی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

بہن کی رضاعی بہن سے نکاح

سوال میرے چچا کے بیٹے ہیں اور ان کی بڑی بہن نے میری ماں کا دودھ پیا ہے اور میری بڑی بہن نے ان کی ماں کا دودھ پیا ہے' ایک عرصہ بعد میں اپنے چچا کی چھوٹی بیٹی سے شادی کا پیغام لے کر گیا جس نے میری والدہ کا دودھ نہیں پیا تو کیا اس سے میری شادی جائز ہے جب کہ میں نے بھی اپنی اس چچی کا دودھ نہیں پیا ہے؟

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ کے لیے اس چچازاد سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جس نے آپ کی والدہ کا دودھ نہیں پیا اور آپ کے اور اس کے درمیان رضاعت یا قرابت کا کوئی ایسا

رشتہ بھی نہیں جس کی وجہ سے یہ حرام ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیوی کی وفات کے بعد اس کی بھانجی یا پھوپھی یا خالہ سے نکاح کرنا

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کی وفات کے بعد اس کی بھتیجی یا بھانجی یا پھوپھی سے یا خالہ سے یا ان کی بیٹیوں سے شادی کرے؟

جواب جائز ہے' کیونکہ اس صورت میں ممانعت کا سبب ختم ہو گیا ہے اور وہ ہے ایسے رشتوں کو جمع کرنا جو قطع رحمی کا سبب بنیں۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا وہ فوت ہو جائے تو اس کے لیے اس کی بہن یا بھتیجی یا بھانجی یا خالہ یا ان کی بیٹیوں سے شادی کرنا حلال ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ایک رضعہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال میں اپنی چچازاد سے شادی کرنا چاہتا تھا تو منگنی سے پہلے اس کی بہن نے مجھے بتایا کہ اس نے مجھے دودھ پلایا ہے لیکن اسے رضعات (دودھ پینے) کی تعداد معلوم نہیں لیکن میری والدہ نے مجھے یہ بتایا کہ اسے یاد ہے کہ اس نے صرف ایک بار دودھ پلایا تھا اور اس کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں' والدہ سے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ صرف ایک ہی دفعہ دودھ پینا ثابت ہے' میں نے اپنی چچازاد سے منگنی کر لی اور اب میں تردد میں ہوں کہ اس سے شادی کر لوں یا نہیں' کیونکہ پانچ معلوم رضعات تو ثابت نہیں ہیں یا یہ کہ شادی سے پہلے ہی طلاق دے دوں؟

جواب آپ اسے طلاق نہ دیں کیونکہ وہ رضاعت ثابت نہیں جس سے نکاح کرنا حرام ہو جاتا ہے اور وہ ہیں پانچ معلوم رضعات اور وہ بھی اس طرح کہ ہر دفعہ پستان کو منہ میں لے کر دودھ چوسا گیا ہو اور پھر چھوڑ دیا گیا ہو' اگر اس طرح رضاعت ثابت ہو تو یہ بیوی آپ کی خالہ یعنی آپ کی ماں کی رضاعی بہن ہو گی لیکن جب صرف ایک ہی رضعہ ثابت ہے تو یہ آپ کے لیے حرام نہیں ہے' اسے اپنی بیوی بنا کر اپنے پاس رکھو' اللہ سے ڈرو اور پریشانی اور اوہام کو دور کر دو کیونکہ اصل تو حلت ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جو اس حلت کو ختم کرنے والی ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بہن کی سوکن کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال میری بہن ایک شخص کی بیوی ہے جب کہ اس کی ایک بیوی اور بھی ہے اور ان میں سے ہر ایک نے دوسری کے بچوں کو دودھ بھی پلایا ہے اور اس پہلی بیوی کی کچھ بڑی بیٹیاں بھی ہیں جنھوں نے میری بہن کا دودھ نہیں پیا تو کیا ان میں سے کسی ایک سے میرے لیے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ کے لیے اپنی بہن کی سوکن کی ان بیٹیوں

میں سے کسی ایک سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے' جن کو آپ کی بہن نے دودھ نہ پلایا ہو بشرطیکہ آپ کے اور ان کے مابین قرابت اور رضاعت کا کوئی اور ایسا تعلق بھی نہ ہو جو موجب حرمت ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اس نکاح سے کوئی امر مانع نہیں ہے

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز' السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

گزارش ہے کہ میرا بھانجا عدنان میری ایک بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن اس مسئلے میں ایک دشواری یہ ہے کہ اس کی والدہ (میری بہن) نے میرے ان تمام چھوٹے بھائیوں کو دودھ پلایا ہے جو میرے بعد پیدا ہوئے اور اس وقت میری والدہ نے میری بہن کے ان بچوں کو دودھ پلایا تھا جو عدنان سے بڑے ہیں' اس مسئلے میں آپ مجھے جو شرعی فتویٰ عطا فرمائیں گے میں اس کی پابندی کروں گا' کیا یہ نکاح حرام تو نہیں ہے۔ یاد رہے عدنان نے اپنے دیگر بھائیوں کی طرح میری والدہ کا دودھ نہیں پیا؟

جواب وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو عدنان مذکور کے آپ کی کسی بیٹی سے شادی کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کیونکہ یہاں کوئی ایسی قرابت یا رضاعت موجود نہیں ہے جو شادی سے مانع ہو' اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا والے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

——— شیخ ابن باز ———

رضاعی بھائی کی بہن سے شادی میں کوئی حرج نہیں

سوال کیا ایسی لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے جس کی بڑی بہن میرے چھوٹے بھائی کی رضاعی بہن ہے؟ وجزاکم اللہ عنا خیر الجزاء

جواب بھائی کی رضاعی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ صرف آپ کے بھائی نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہو' لیکن آپ نے اس کا دودھ نہ پیا ہو اسی طرح اگر دودھ پینے والی اس لڑکی کی بہن ہے جس نے آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے تو پھر بھی اس لڑکی سے نکاح کرنا حلال ہے اور اس کی بہن نے آپ کی والدہ کا جو دودھ پیا ہے یہ آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ آپ کے بھائی کا اس کی ماں کا دودھ پینا آپ کے لیے نقصان دہ ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بہن کے خاوند کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال کیا ایسی لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے جس کا باپ میری بہن کا خاوند ہے لیکن یہ لڑکی میری بہن کی بیٹی نہیں ہے بلکہ میری بہن کے شوہر کی بیٹی ہے (یہ کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہے) یہ لڑکی جس کی عمر اٹھارہ برس ہے یہ

مجھے اپنا ماموں کہتی ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ یہ کہوں کہ میں تمہارا ماموں نہیں ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس کے سامنے کھلم کھلا اس حقیقت کا اظہار کردوں کہ میں اس کا ماموں نہیں ہوں اور اس سے شادی کرلوں' راہنمائی فرمائیں؟

جواب ہاں اس لڑکی سے شادی حلال ہے کیونکہ یہ آپ کی قرابت دار نہیں ہے' اس کا باپ آپ کے لیے اجنبی ہے خواہ اس نے آپ کی بہن سے شادی کر رکھی ہے' اس کی ماں بھی آپ کے لیے اجنبی ہے خواہ وہ آپ کی بہن کی سوکن ہے' آپ اس لڑکی کے ماموں نہیں ہیں' لہٰذا اس سے نکاح کرنا آپ کے لیے حلال ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بیوی کی دوسرے خاوند سے ہونے والی بیٹیوں کے ساتھ شادی کا حکم

سوال ایک آدمی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے کئی بیٹیاں پیدا ہوئیں پھر اس نے اسے طلاق دے دی' اس نے ایک اور آدمی سے شادی کرلی اور اس سے بھی کئی بیٹیاں پیدا ہوئیں تو کیا اس دوسرے آدمی کی یہ بیٹیاں پہلے آدمی سے پردہ کریں گی؟ اور اگر پردہ کریں گی تو کیا وہ ان سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب جب کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرے اور اس کے ساتھ دخول بھی کرے تو اس کی کسی بیٹی یا بیٹی کی اولاد کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی سابقہ شوہر کی ہو یا لاحقہ کی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ . . . . وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں--- اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی بیٹیاں جن کی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)"

ربیبہ سے مراد یہاں بیوی کی بیٹی ہے اور یہ شخص اس عورت کی بیٹیوں کا محرم شمار ہو گا جس سے اس نے شادی کی اور پھر دخول بھی کیا' یہ بیٹیاں اس سے پردہ بھی نہیں کریں گی۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بیٹی کی باپ کے ماموں سے شادی اور .....

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اپنے باپ کے ماموں سے کر دے نیز کیا وہ اپنے چچا کی اسی بیٹی سے شادی کر سکتا ہے جس نے اس کے ساتھ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ دودھ پیا ہو؟

جواب پہلا سوال کہ کیا سائل کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا اپنے باپ کے ماموں سے نکاح کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حلال نہیں کیونکہ باپ کا ماموں سائل کا' اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کا بھی ماموں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ماموں کے لیے بھانجیوں سے شادی کرنا حرام قرار دیا ہے خواہ وہ کتنے ہی نیچے کے درجے میں ہوں' دوسرے سوال کا جواب یہ ہے

کہ اگر رضاعت پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہو تو وہ بھی موجب حرمت ہے لہٰذا سائل کے لیے اس صورت میں یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے چچا کی اسی بیٹی سے شادی کرے جس نے اس کے ساتھ یا اس کے کسی بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہو اور اگر رضعات پانچ سے کم ہوں یا دو سال کی مدت کے بعد ہوں تو پھر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ شرعاً معتبر رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان سے دودھ پیے اور پینے کے بعد جب پستان کو چھوڑ دے تو اسے ایک رضعہ کہتے ہیں اور جب دوبارہ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا حتی کہ وہ اسی طرح پانچ رضعات مکمل کر لے' اس سے واضح ہوا کہ رضاعت میں اعتبار اس کیفیت کا ہے جو ہم نے ابھی ابھی بیان کی ہے' اس بات کا اعتبار نہیں ہے کہ رضاعت ایک دن یا دن کے کچھ حصے پر مشتمل ہے کیونکہ شرعاً معتبر رضاعت کو بچہ کبھی ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پورا کر لیتا ہے اور کبھی اس پر پانچ یا اس سے زیادہ دن بھی صرف ہو سکتے ہیں۔ وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

رضاعت سے کیا حرام ہے؟

سوال دو عورتوں میں سے ایک کا بیٹا ہے اور دوسری کی بیٹی اور انہوں نے ایک دوسری کے بچے کو دودھ پلایا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان دودھ پینے والوں کے بہن بھائیوں میں سے کس کے لیے دوسرے سے شادی کرنا حلال ہے؟ راہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب جب کوئی عورت کسی بچے کو پانچ معلوم یا اس سے بھی زیادہ رضعات دو سال کی مدت کے اندر پلا دے تو دودھ پینے والا بچہ اس کا اور اس کے شوہر کا بیٹا بن جاتا ہے جو کہ دودھ لانے کا باعث بنا ہے۔ اور عورت کی اس شوہر سے ساری اولاد اور دوسرے شوہر سے اولاد بھی اس کے بھائی بن جاتے ہیں اسی طرح اس شوہر کی ساری اولاد خواہ وہ اس کی اس دودھ پلانے والی بیوی کے بطن سے ہو یا کسی دوسری کے بطن سے وہ بھی اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی بن جاتے ہیں' اسی طرح اس عورت کے بھائی اس بچے کے ماموں' شوہر کے بھائی اس بچے کے چچا' عورت کا باپ بچے کا نانا' اس کی ماں نانی' شوہر کا باپ دادا اور اس کی ماں دادی بن جاتی ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۂ نساء میں محرمات کے ذکر میں یہ بھی بیان فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں (بھی حرام ہیں۔)"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٨ والسنن الكبرى للبيهقي، الرضاع، باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢ واللفظ له)

"رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں پہلے دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان میں سے پانچ معلوم رضعات کو منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی تو وہ (پانچ رضعات والی آیات) قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق یا وفات کے بعد چچی یا ممانی سے شادی کرنا

سوال کیا چچا کے طلاق دینے کے بعد بھتیجے کے لیے اپنی چچی سے شادی کرنا جائز ہے؟ اور کیا ماموں کے طلاق دینے کے بعد بھانجے کے لیے اپنی ممانی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب طلاق کے بعد آدمی کے لیے اپنے چچا یا ماموں کی بیوی سے نکاح کرنا حلال ہے' اس طرح طلاق کے بعد بھائی یا بھتیجے کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حلال ہے جب کہ اس کی عدت گزر جائے ہاں البتہ اپنے بیٹے یا دادے یا پوتے کی بیوی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں

سوال میری والدہ' میرے والد کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ایک شخص کے نکاح میں تھیں جس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا اور اس لڑکے کے ساتھ انہوں نے اپنی ایک بہن کو بھی دودھ پلایا اور رضاعت کا یہ سلسلہ تقریباً ایک ہفتے تک جاری رہا' پھر میری والدہ اس شخص سے الگ ہو گئی اور اس سے میرے والد نے شادی کر لی۔ کیا ہم جو کہ اپنی والدہ کے اس دوسرے خاوند کے بیٹے ہیں' اپنی خالہ کی ان بیٹیوں سے شادی کر سکتے ہیں جنہوں نے ہماری ماں کا دودھ پیا ہے یا نہیں کر سکتے؟

 تمہارے لیے اپنی مذکورہ خالہ کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ رضاعت کی وجہ سے وہ

تمہاری بہن بن گئی ہے اور تم اس کی اولاد کے ماموں بن گئے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

—————— شیخ ابن باز ——————

بیوی کے باپ کی بیوی سے نکاح کرنا

سوال دو آدمی ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے کی بیٹی سے شادی کی' پھر بیٹی کی ماں یعنی دوسرے کی بیوی فوت ہو گئی تو اس نے ایک اور عورت سے شادی کر لی اور پھر یہ آدمی بھی فوت ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ کیا پہلے آدمی کے لیے یہ درست ہے کہ وہ اپنی بیوی کے باپ کی بیوی سے نکاح کرے اور اگر وہ بیٹی کی طلاق کی صورت میں اس کی جگہ اس کے باپ کی بیوی سے شادی کر لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب پہلے آدمی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے باپ کی بیوی سے شادی کرے بشرطیکہ وہ اس کی بیوی کی ماں نہ ہو' اس کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں خواہ اس کے شوہر کی بیٹی اس کے ساتھ ہی ہو کیونکہ ان دونوں بیویوں یعنی اس کی پہلی بیوی اور اس کے باپ کی بیوی کے درمیان کوئی قرابت داری نہیں ہے اور جن خواتین سے بیک وقت نکاح حرام ہے' وہ یہ ہیں (۱) دونوں بہنیں (۲) عورت اور اس کی خالہ (۳) عورت اور اس کی پھوپھی' اس کے علاوہ دیگر عورتوں سے بیک وقت نکاح حلال ہے کیونکہ محرمات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔"

بعض سلف نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ آدمی عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو اکٹھا کرے لیکن اس کراہت کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

جب آدمی کے لیے ایک عورت اور اس کے باپ کی بیوی کو یکجا کرنا جائز ہے تو یہ بالاولیٰ جائز ہو گا کہ وہ اپنی بیوی سے فراق کے بعد اس کے باپ کی بیوی سے شادی کرے۔

ماں اور اس کی بیٹی کے حوالے سے بات یہ ہے کہ بیٹی اگر بیوی ہے تو اس کی ماں اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محض عقد ہی سے حرام ہو جاتی ہے اور اگر ماں بیوی ہے اور شوہر نے اس کے ساتھ مباشرت بھی کی ہے تو بیٹی اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہے اور اگر اس کے ساتھ مباشرت نہ کی ہو تو اس کو چھوڑ کر اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ . . . وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنکی تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں .... اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی حرام ہے مگر جو ہو چکا(سو ہو چکا۔)"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلاَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، ح:٥١٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها . . . الخ، ح:١٤٠٨)

"عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو اکٹھا نہ کیا جائے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

لڑکے کے باپ نے لڑکی کی ماں کے ساتھ شادی کی تھی.....

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی اور پھر اس عورت نے ایک اور مرد سے شادی کی جس سے اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی' پھر اس کی ماں فوت ہو گئی اور یہ بیٹی زندہ ہے' پھر پہلے مرد نے جس نے اس بیٹی کی ماں سے شادی کی تھی ایک دوسری عورت سے شادی کی اور اس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا' اس بیٹے نے اس لڑکی--- یعنی اس لڑکی سے جس کی ماں سے اس کے والد نے شادی کی تھی--- سے منگنی کی ہے تو اس شادی کے بارے کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ لڑکے کے لیے مذکورہ لڑکی سے شادی کرنا جائز ہے خواہ اس کے باپ نے اس کی ماں سے شادی کی تھی کیونکہ محرمات نکاح کا ذکر کرنے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

اور مذکورہ لڑکی ان محرمات میں شامل نہیں ہے جن کا قرآن و سنت میں ذکر ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

یہ رضاعت شادی سے مانع نہیں ہے

 میں سولہ سالہ نوجوان ہوں اور اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی

چھوٹی بہن نے میری بڑی بہن کا دودھ پیا ہے۔ کیا اس سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے لیکن یاد رہے کہ اس نے میری والدہ کا دودھ نہیں پیا؟

جواب اس لڑکی سے شادی کرنے میں آپ کے لیے کوئی حرج نہیں' اس کی چھوٹی بہن نے آپ کی بڑی بہن کا جو دودھ پیا ہے اس کا آپ کی شادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا یہ لڑکی آپ کے لیے اجنبی ہے کہ اس نے آپ کی والدہ کا یا آپ نے اس کی والدہ کا دودھ نہیں پیا اور نہ اس کی کسی بہن کا دودھ پیا ہے لہٰذا آپ دونوں کے مابین قرابت (رضاعت) نہیں ہے لیکن اس کی چھوٹی بہن آپ کے لیے یا آپ کے کسی اور بھائی کے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ اس نے تمہاری بہن کا دودھ پیا ہے لہٰذا یہ تمہاری سب بھائیوں کی بھانجی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میں نے اپنے ماموں کی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا تھا.....

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور میں نے اپنے ماموں کی سب سے بڑی بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کی اور بھی بہنیں پیدا ہوئیں جو کہ شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی اور بھائی کے لیے ان میں سے کسی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اے سائل! اگر آپ نے اپنے ماموں کی بیوی سے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی مدت کے اندر پیے ہیں تو آپ کے ماموں کی تمام بیٹیاں آپ کی بہنیں ہیں لہٰذا آپ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی نہیں کر سکتے ہاں البتہ آپ کے بھائیوں کے لیے آپ کے اس ماموں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہوں نے آپ کی ممانی کا دودھ نہیں پیا بشرطیکہ آپ کے ماموں کی بیٹیوں نے بھی آپ کے بھائیوں کی ماں یا آپ کے باپ کی بیوی یا آپ کی بہنوں کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ آپ کے بھائیوں کے لیے آپ کے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کے درمیان رشتہ رضاعت نہ ہو جو شادی سے مانع ہوتا ہے اور مذکورہ بالا صورت میں ممانی سے رضاعت آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے' اس سے آپ کے ماموں کی بیٹیاں آپ کے بھائیوں کے لیے حرام نہیں ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

مطلقہ عورت کا اپنے پہلے شوہر کے باپ سے پردہ

سوال کیا مطلقہ عورت کے لیے جس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی ہو یہ جائز ہے کہ وہ پہلے شوہر کے والد کے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کرے؟

جواب ہاں اس کے لیے یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس کا محرم ہے خواہ اس کا بیٹا اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے' اسی طرح اس کے پہلے شوہر کی دوسری بیوی کے بیٹے اور اس کے پوتے وغیرہ بھی سب اس کے محرم ہیں خواہ ان کے باپ نے اسے طلاق دے دی ہو یا وہ فوت ہو گیا ہو اور خواہ بیٹے اور پوتے نسبی ہوں یا رضاعی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ ءَابَآؤُكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النساء٤/ ٢٢)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا۔"

اور محرمات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے:

﴿ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہارے صلبی (حقیقی) بیٹوں کی عورتیں بھی (حرام ہیں)"

صلبی کی شرط لگا کر لے پالکوں کو اس سے خارج کر دیا۔ بعض عرب زمانہ جاہلیت میں بعض لڑکوں کو اپنا متبنیٰ بنا لیتے تھے' اس قید سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نکال دیا اور اسلام میں متبنیٰ کی رسم کو باطل قرار دیا۔ باقی رہی رضاعت تو اس کا حکم وہی ہے جو نسب کا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

"القواعد" سے مراد بوڑھی عورتیں ہیں ....

سوال میرے چچا کی بیوی قاعدہ ہے (کوئی کام نہیں کرتی اور گھر میں بیٹھی رہتی ہے) تو کیا اس کے لیے میرے سامنے اپنے چہرے کو ننگا کرنا جائز ہے؟

جواب اس سوال کا جواب درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی روشنی میں دیا جائے گا:

﴿ وَٱلْقَوَٰعِدُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ ٱلَّٰتِى لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَٰتٍۭ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ﴾ (النور٢٤/ ٦٠)

"اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی اور وہ کپڑے (برقعہ وغیرہ) اتار لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں اور اگر اس سے بھی بچیں تو (یہ) ان کے حق میں بہتر ہے"

اس آیت میں قواعد سے مراد بڑی عمر کی بوڑھی عورتیں ہیں یعنی جن کو اب نکاح کی توقع نہیں رہی تو ان کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ کپڑے (برقع یا وہ بڑی بڑی چادریں وغیرہ جو بطور برقع پہنی جاتی ہیں) اتار لیا کریں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں ظاہر نہ کریں۔ اس آیت سے مراد وہ عورت نہیں ہے جو جوان ہو اور کام کاج نہ کرتی ہو اور اس میں جو حکمت ہے وہ ظاہر ہے کہ وہ بوڑھی عورت جو شادی کے قابل نہ ہو اس کی طرف کوئی التفات نہ کرے گا اور نہ کوئی رغبت رکھے گا لہذا اس کی طرف دیکھنے میں فتنے کا کوئی خوف و خطرہ نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نکاح کے لئے ولی کی شرط

ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں

سوال میری عمر چالیس سال ہے' اڑھائی سال سے میں نے دینی تعلیمات پر باقاعدہ عمل شروع کر دیا ہے' ایک نوجوان نے مجھ سے منگنی بھی کی ہے لیکن حیلے بہانے سے اس نے یہ کہتے ہوئے میرے ساتھ خلوت اختیار کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ تو تو میری بیوی ہے اور بعض اہل علم نے شہرت کے بغیر بھی شادی کو جائز قرار دیا ہے اور اس بات کو بھی کہ شادی کا اعلان بعد میں کر دیا جائے نیز امام مالک رحمہ اللہ کا بھی مذہب ہے کہ "جو شخص شہرت کے بغیر نکاح کرتا ہے' اسے رجم نہ کیا جائے" تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ خصوصاً جب کہ میں تنہا رہتی ہوں اور میں نے اس نوجوان کو بھی منع کر دیا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے نہ آیا کرے لیکن وہ کہتا ہے کہ تو میری بیوی ہے للذا تو مجھے ملاقات سے کیوں منع کرتی ہے؟ اور جب میں نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو تو پہلے دو گواہ اور میرے والد صاحب کو بلا لاؤ (تاکہ نکاح کیا جا سکے) تو اس نے کہا کہ ہاں میں دو ایسے گواہ تلاش کرتا ہوں جو شادی کی اس خبر کو فی الحال چھپا لیں تاکہ لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ آپ میری بیوی ہیں اور پھر بعد میں میں خود ہی لوگوں کو یہ بتا دوں گا؟

جواب ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے' کسی کے لیے بھی یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ عورت کے عصبات (ورثاء) میں سے کسی ولی کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کرے' شرعی ترتیب کے مطابق جو ولی عورت سے قریب ترین ہو گا وہ مقدم ہو گا' ولی کے بغیر نکاح فاسد اور غیر صحیح (غلط) ہے جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ۚ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۲۱)

"اور تم (اے اہل ایمان!) شرک کرنے والی عورتوں سے (اس وقت تک) نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یاد رکھو! ایک ایماندار لونڈی' مشرک عورت سے کہیں زیادہ بہتر ہے' خواہ مشرک عورت تمہیں کیسی ہی بھلی لگے۔ اور (اسی طرح) ایماندار عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔"

اس آیت میں مومن مرد کو حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرک عورتوں سے شادی نہ کرو اور مومنہ عورت کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے مشرک کے نکاح میں نہ دو اور یہ اس لیے فرمایا کہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کرے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ﴾ (النور ۲۴/ ۳۲)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو)۔"

اس آیت میں بھی بیوہ عورتوں کے ولیوں کو یہ حکم ہے کہ وہ ان کے نکاح کر دیا کریں۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَٰجَهُنَّ إِذَا تَرَٰضَوْا۟ بَيْنَهُم بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۳۲)

"ان کو اپنے (پہلے) شوہروں کے ساتھ۔ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں۔ نکاح کرنے سے مت روکو۔"

اگر نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط نہ ہوتی تو پھر اس کے نکاح سے روکنے کا کوئی اثر نہ ہوتا' نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي ح:٢٠٨٥ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا بولي، ح:١١٠١)

"ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" نیز نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق ... الخ، ح:١٤١٩)

"بیوہ عورت کا اس کے مشورہ کے بغیر اور باکرہ (کنواری) کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ! کنواری لڑکی کس طرح اجازت دے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔"

لہٰذا اس آدمی کی اس بات سے جس نے حیلے بہانے سے خلوت اختیار کی ہے اور اس عورت سے کہا ہے کہ "تو میری بیوی ہے" یہ عورت اس کی بیوی نہیں بن جائے گی۔ بلکہ ضروری ہے کہ نکاح کے لیے ولی سے اجازت لی جائے' جہاں تک نکاح کی شہرت و اعلان کا تعلق ہے تو اس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ نکاح کے لیے اعلان ضروری ہے جب کہ بعض دیگر کی یہ رائے ہے کہ بجائے اعلان کے شہرت ہی کافی ہے لیکن صورت حال جو بھی ہو اس آدمی کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا (اور غلط) ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے' اس دعویٰ کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔ لہٰذا اس عورت کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنے وارثوں سے رابطہ قائم کرے تاکہ وہ اسے میل جول سے منع کریں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عورت بذات خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی

سوال جب میں ابھی چھوٹی عمر کی تھی اور بلوغت کو بھی نہیں پہنچی تھی' میرے دادا نے میری ناپسندیدگی کے باوجود اپنے پوتے سے میرا نکاح کر دیا' زفاف کے وقت بھی میں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے کئی مشکلات بھی پیدا ہوئیں حتی کہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا اور عدالت نے میرے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ دے دیا لیکن میرا چچا جو کہ اس نوجوان کا والد ہے' وہ اپنے بیٹے ہی سے میری شادی کرنے پر مصر ہے لیکن مجھے یہ رشتہ منظور نہیں' چچا کے خوف کی وجہ سے کیا مجھے اجازت ہے کہ میں عدالت میں جا کر اس شخص سے شادی کر لوں جو میرے والد کی زندگی میں شادی کا پیغام لے کر آیا تھا؟ کیا ولی کی اجازت کے بغیر یہ شادی صحیح ہو گی؟ یاد رہے کہ اب اس چچا کے سوا میرا اور کوئی ولی نہیں ہے۔

جواب آپ کو چاہیے کہ پھر اسی عدالت میں جائیں جس نے پہلے نکاح کو فسخ کر دیا تھا اور قاضی کو بتائیں کہ آپ کے چچا نے آپ کو روک رکھا ہے اور کفو کے ساتھ شادی سے منع کر رکھا ہے تاکہ آپ کو اس طرح پریشان کر کے اپنے بیٹے سے

شادی پر مجبور نہ کر سکے' قاضی کے سامنے جب یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ وہ ایک طویل مدت سے آپ کو شادی سے روک کر نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ آپ کے چچا کی ولایت کو ختم کر کے کسی اور کو ولی مقرر کر دے گا۔ یا وہ خود ولی کے فرائض سرانجام دے گا کیونکہ:

«فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لاَ وَلِيَّ لَهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي، ح:٢٠٨٣ وجامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، ح:١١٠٢)

"جس کا کوئی ولی نہ ہو حاکم اس کا ولی ہے۔"

لیکن آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنا نکاح خود کریں کیونکہ حدیث میں ہے:

«لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا»(سنن ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلا بولي، ح:١٨٨٢)

"کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔"

نیز حدیث ((لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ)) کا بھی یہی تقاضا ہے۔

———— شیخ ابن جبرین ————

جب باپ اپنی بیٹیوں کے مناسب رشتوں سے انکار کر دے

سوال ہم کئی بہنیں ایک ہی مکان میں رہائش پذیر ہیں' ہمارے لیے کئی مناسب نوجوانوں کے رشتے آئے مگر ہمارے والد صاحب چونکہ نفسیاتی مریض ہیں اس لیے وہ رشتہ دینے سے ہر ایک کو انکار کر دیتے ہیں' کیا اس صورت حال میں قاضی ہماری شادی کرا سکتا ہے؟

جواب ہاں ولی جب کسی عورت کے دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو (ہم پلہ مرد) سے شادی کرنے سے انکار کر دے تو پھر ولایت اس کی بجائے عصبات میں سے قریب ترین رشتہ دار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اگر رشتہ دار بھی شادی سے انکار کر دیں جیسا کہ عموماً آج کل ہو رہا ہے تو پھر ولایت حاکم شرعی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے لہٰذا حاکم شرعی پر واجب ہے کہ وہ ایسی عورت کی شادی کرا دے جس کے ورثاء کے متعلق اسے معلوم ہو کہ وہ اس کی شادی میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں کیونکہ حاکم شرعی کو ولایت خاصہ حاصل نہ بھی ہو تو اس کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔

فقہاء کرام ۔۔ رحمہم اللہ ۔۔ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب کوئی ولی کفو (ہم پلہ) رشتوں کو بار بار رد کر دے تو اس سے وہ فاسق ہو جاتا اور اس کی عدالت و ولایت ساقط ہو جاتی ہے بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب (قول) کے مطابق اس کی امامت بھی ساقط ہو جاتی ہے یعنی وہ اس بات کا اہل بھی نہیں رہتا کہ نماز میں مسلمانوں کی امامت کے فرائض سرانجام دے سکے' اس سے اندازہ فرمائیں کہ یہ کس قدر اہم معاملہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے' بعض لوگ اپنی لڑکیوں کے ہم پلہ رشتوں کو بھی مسترد کر دیتے ہیں اور لڑکیاں قاضی کے پاس اپنی شادی کے مسئلہ کو لے جانے میں حیا محسوس کرتی ہیں اور امر واقع یہی ہے۔ ان حالات میں لڑکی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مصالح و مفاسد کا جائزہ لے اور دیکھے کہ کیا زیادہ خرابی اس میں ہے کہ وہ شادی کے بغیر رہے اور

اس کے متعلق وہ ولی اپنے مزاج اور خواہش کے مطابق فیصلہ کرے خواہ وہ بڑی ہو جائے حتی کہ وہ بالآخر خود ہی اس کی شادی کر دے گا یا زیادہ خرابی اس میں ہے کہ وہ قاضی کے پاس جائے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی شادی کا بندوبست کرے۔ یاد رہے اسے اس مسئلہ میں قاضی کے پاس جانے کا پورا پورا شرعی حق حاصل ہے۔

بلاشک و شبہ ان میں سے دوسری صورت ہی زیادہ بہتر ہے یعنی یہ کہ وہ قاضی کے پاس جائے اور اس سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کی شادی کا مسئلہ حل کرے کیونکہ اسے قاضی کی عدالت میں جانے کا پورا پورا حق حاصل ہے اور پھر دوسری خواتین کی مصلحت بھی اسی میں ہے کہ یہ عدالت سے رجوع کریں کہ اس طرح انہیں بھی عدالت سے رجوع کر کے ان ظالموں کے ظلم واستبداد سے نجات پانے کا موقع ملے گا کہ جو اپنی خواتین کو ہم پلہ لوگوں سے شادی کرنے سے منع کر کے ان پر ظلم کرتے ہیں یعنی گویا اس میں تین حسب ذیل مصلحتیں ہیں:

① اس میں عورت کی اپنی مصلحت ہے کہ اس طرح اس کی شادی ہو جائے گی اور وہ خاوند کے بغیر زندگی نہیں گزارے گی۔

② اس میں دوسری عورتوں کی بھی مصلحت ہے کہ اس طرح ایسی عورتوں کے لیے بند دروازہ کھل جائے گا جو اس انتظار میں ہیں کہ کوئی پہل کرے اور وہ اس کے نقش قدم پر چلیں۔

③ اس سے ان ظالموں کو بھی روکا جا سکے گا جو اپنی بیٹیوں یا ان خواتین کے بارے میں جن کا اللہ تعالیٰ نے انہیں ولی بنایا' اپنے ارادہ اور اپنی خواہش ہی پر ہر صورت میں عمل کرنا چاہتے ہیں۔

نیز اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل پیرا ہونے کا موقع ملے گا:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرنے کے لیے آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔"

اس میں ایک خاص مصلحت یہ بھی ہے کہ اس طرح عورتوں کے ان رشتہ طلب کرنے والوں کی بھی ضرورت پوری ہو گی جو دین و اخلاق کے اعتبار سے کفو (ہم پلہ) ہوں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کافر باپ اپنی مسلمان بیٹی کا ولی نہیں ہو سکتا

سوال ایک مسلمان نوجوان ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن لڑکی کا باپ ہمیشہ نشہ کرتا رہتا ہے اور وہ ملحد بھی ہے۔ کیا اس باپ کا دیا ہوا رشتہ جائز ہو گا؟

جواب اگر یہ لڑکی مسلمان ہے تو اس نوجوان مسلمان کے اس کے ساتھ شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن باپ اگر کافر (بے دین) ہے تو وہ اپنی بیٹی کا ولی نہیں بن سکتا لہٰذا اس کا بھائی یا چچا زاد بھائی یا اس کا بھتیجا وغیرہ اس کا ولی بن سکتا ہے جب کہ یہ عصبہ مسلمان ہوں' لہٰذا ان میں سے جو بھی قریب ترین رشتہ دار موجود ہو وہ اس کا رشتہ دے دے اور اگر کافر (بے دین) باپ کے علاوہ کوئی اور رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر قاضی اس کی شادی کر دے۔

—— شیخ ابن باز ——

ولایت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال میں ایک نوجوان عورت ہوں اور زندگی کے تیسرے عشرہ میں ہوں' میرے والدین فوت ہو چکے ہیں اور درج ذیل رشتہ دار موجود ہیں:

1 حقیقی چچا کا بیٹا (میری بہن کا شوہر) 2 میری والدہ کے بھائی (سگے ماموں) 3 میری بہنوں کے بیٹے جو کہ بالغ ہیں 4 میرے والد کے چچوں کے بیٹے' تو سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون میرا محرم ہے؟ اور ان میں سے کس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شادی میں میرا ولی بنے؟

جواب آپ کی شادی کے لیے ولایت کا زیادہ حق دار آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے کیونکہ آپ کے سوال میں مذکور عصبات میں سے یہ قریب ترین ہے۔ آپ کا ماموں اور بہنوں کے بیٹے شادی میں آپ کے ولی نہیں بن سکتے کیونکہ وہ عصبہ نہیں ہیں ہاں البتہ آپ کے محرم ضرور ہیں' حقیقی چچا کے بیٹے کے بعد آپ کے باپ کے چچاؤں کے بیٹے نکاح میں آپ کے ولی ہیں لیکن وہ آپ کے محرم نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے آپ سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ رضاعت یا مصاہرت کی وجہ سے کوئی ممانعت نہ ہو!

——— شیخ ابن باز ———

یتیم لڑکی کے نکاح میں ولی کون ہو گا؟

سوال سماحۃ الشیخ! جس لڑکی کا باپ فوت ہو گیا ہو تو بالترتیب اس کے نکاح میں ولی کون ہو گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب اگر لڑکی کا ولی نہ ہو تو پھر اس کا دادا ولی ہو گا بشرطیکہ وہ زندہ ہو اور اگر دادا زندہ نہ ہو تو پھر اس لڑکی کے حقیقی بھائی' پھر اس کے باپ کی طرف سے بھائی' پھر حقیقی بھائی کے بیٹے' پھر باپ کی طرف سے بھائی کے بیٹے' پھر حقیقی چچا اور پھر باپ کی طرف سے چچا ولی ہو گا اور اگر لڑکی کا باپ موجود ہو تو وہ سب سے مقدم ہو گا۔

——— شیخ ابن باز ———

عقد نکاح کے احکام

عقد نکاح میں وکالت جائز ہے

سوال انسان خود تو شادی کرتا ہی ہے لیکن کیا اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ شادی کے لیے کسی اور شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے؟ کیا وکیل کو کوئی مخصوص رشتہ بتانا ضروری ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو شادی کے لیے وکالت کی کیا شرطیں ہیں؟

جواب ہاں انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کرے جو اس کے لیے عقد نکاح کو قبول کرے اور کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے تاکہ فلاں عورت سے میرے نکاح کو وہ قبول کرے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس عورت کا تعین بھی کرے جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہے مثلاً وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے

تجھے وکیل مقرر کیا ہے تاکہ تو میرے لیے بیوی تلاش کرے اور پھر اس سے میرا عقد کر دے کیونکہ اس صورت میں جہالت اور غرر (دھوکہ) ہے' ہو سکتا ہے کہ وکیل کے انتخاب کے بارے میں اسے ندامت ہو' بسا اوقات یہ صورت میاں بیوی کی علیحدگی پر بھی منتج ہو سکتی ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر وہ عورت جو وکیل کو اچھی لگے وہ موکل کو بھی اچھی لگے لہٰذا اس عورت کا تعین ضروری ہے' جس سے عقد نکاح کے بارے میں وکیل مقرر کیا ہو۔ اسی طرح عورت کے ولی کے لیے بھی یہ جائز ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کرے جو اس کی طرف سے اس کی زیر سرپرستی عورت' جس عورت کا وہ ولی ہے کا فلاں شخص سے نکاح کر دے اور اس صورت میں بھی ضروری ہے کہ اس شخص کا باقاعدہ تعین کرے جس سے اس عورت کا نکاح کرنا مقصود ہو' ولی کو اور عورت کو اس شخص کے بارے میں علم ہو اور وہ دونوں کو پسند بھی ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقد نکاح میں وکالت جائز ہے خواہ یہ وکالت شوہر کی طرف سے ہو کہ وہ کسی شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی طرف سے فلاں عورت سے اس کے عقد نکاح کو قبول کرے یا وکالت بیوی کے ولی کی طرف سے ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل مقرر کر دے جو اس کی زیر ولایت عورت کا فلاں شخص سے نکاح کر دے۔

وکالت کی شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وکیل ایسا شخص ہونا چاہیے جس کی اس عقد میں وکالت جائز ہو مثلاً اگر اس نے کسی عورت کو وکیل مقرر کر دیا تو یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ عورت تو اپنا عقد نکاح خود نہیں کر سکتی کسی دوسرے کا کیسے کر سکتی ہے۔ ہاں! البتہ اگر کسی عاقل (بالغ) مرد کو وکیل مقرر کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حالت حیض میں عقد نکاح

سوال میں ایک نوجوان لڑکی ہوں' کچھ عرصہ پیشتر ایک نوجوان لڑکے سے میری شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی مگر اتفاق سے اس تاریخ کو میرے ماہانہ معمول کا آغاز تھا' میں نے اس بارے میں پوچھا بھی کہ اس حالت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ جائز ہے لیکن میری تسلی نہیں ہوئی' اس لیے امید ہے کہ آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح نہیں ہے تو کیا نکاح کا اعادہ واجب ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب حالت حیض میں عورت سے عقد نکاح جائز اور صحیح ہے' اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عقود کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال اور صحیح ہیں الا یہ کہ ان میں سے کسی کی حرمت کے متعلق کوئی دلیل موجود ہو اور حالت حیض میں نکاح کی حرمت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا مذکورہ عقد صحیح ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ہم عقد نکاح اور طلاق میں فرق کو بھی معلوم کر لیں۔ یاد رہے حالت حیض میں طلاق حلال نہیں بلکہ حرام ہے' رسول اللہ ﷺ نے اس وقت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی ہے' آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ رجوع کریں' بیوی کے قریب نہ جائیں حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر پاک ہو جائے اور پھر اس کے بعد اگر وہ چاہیں تو بیوی کو اپنے پاس رکھیں یا اسے طلاق دے دیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحۡصُواْ ٱلۡعِدَّةَۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ رَبَّكُمۡۖ لَا

تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اے نبی! (مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو (عدت کو یاد رکھو) اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ (وہ خود بخود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

لہٰذا کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو حالت حیض میں یا کسی ایسی حالت طہر میں' جس میں اس نے مباشرت کی ہو' طلاق دے ہاں البتہ اگر یہ واضح ہو گیا ہو کہ بیوی حاملہ ہے تو پھر جب چاہے اسے طلاق دے سکتا ہے' طلاق واقع ہو جائے گی۔

عجیب بات یہ ہے کہ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا مرد کیلئے حالت حمل میں بیوی کو طلاق دینا جائز ہے خواہ اس نے زمانہ قریب ہی میں اس سے مباشرت بھی کی ہو لیکن اگر غیر حاملہ سے مباشرت کی ہو تو پھر انتظار کرنا پڑے گا کہ اسے حیض آجائے اور پھر وہ پاک ہو جائے یا واضح ہو جائے کہ اسے حمل قرار پا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الطلاق میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی مدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

یہ آیت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حاملہ عورت کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حدیث ابن عمر کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلاً»(صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى يايها النبي إذا طلقتم النساء، ح: ٥٢٥١ وصحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها . . . الخ، ح: ١٤٧١ واللفظ له)

"اس کو حکم دیجیے کہ وہ رجوع کرے اور پھر اپنی بیوی کو حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دے۔"

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حالت حیض میں عقد نکاح جائز اور صحیح ہے لیکن میری رائے میں بیوی جب تک پاک نہ ہو جائے شوہر کو اس کے پاس علیحدگی میں نہیں جانا چاہیے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور بحالت حیض مباشرت کر کے حرام کام کا ارتکاب کر بیٹھے خصوصاً شوہر اگر جوان ہو تو اسے اور بھی زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے یعنی اسے انتظار کرنا چاہیے کہ جب اس کی بیوی پاک ہو جائے تو پھر اس کے پاس جائے تاکہ فطری طریقے سے اس سے مستفید ہو سکے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زنا سے حاملہ عورت سے نکاح

سوال اس ثیبہ عورت سے نکاح کرنے کے متعلق کیا حکم ہے جو زنا کی وجہ سے حاملہ ہو اور حمل آٹھ ماہ کا ہو' کیا اس

صورت میں نکاح باطل یا فاسد یا صحیح ہو گا؟ ہمارے ہاں دو علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے' ان میں سے ایک نے تو اس نکاح کو باطل قرار دیا ہے لیکن دوسرے نے نکاح کو تو صحیح قرار دیا ہے لیکن وضع حمل سے قبل مباشرت کو حرام قرار دیا ہے؟

جواب جب کوئی آدمی زنا سے حاملہ عورت سے نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح باطل ہے اور اس حالت میں اس کے لیے اس عورت سے مباشرت حرام ہے کیونکہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ ٱلنِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ ٱلْكِتَٰبُ أَجَلَهُۥ ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۵)

''اور جب تک عدت پوری نہ ہو لے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۴)

''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔''

اور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

«لاَ يَحِلُّ لاِمْرِىءٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ» (سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:۲۱۵۸ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية وهي حامل، ح:۱۱۳۱ ومسند أحمد:۴/۱۰۸)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔''

نیز حسب ذیل ارشاد نبوی کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے:

«لاَ تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:۲۱۵۷)

''حاملہ عورت سے وضع حمل تک مباشرت نہ کی جائے۔''

اس حدیث کو ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا اور حاکم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہ قول ہے کہ اس حالت میں عقد صحیح ہے ہاں البتہ مذکورہ احادیث کے پیش نظر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے وضع حمل تک مباشرت کو حرام قرار دیا ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مباشرت کو بھی جائز قرار دیا ہے کیونکہ زنا کے پانی کی کوئی حرمت نہیں ہوتی اور نہ بچے ہی کو زانی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:۶۸۱۸ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش ... الخ، ح:۱۴۵۸)

''زانی کے لیے پتھر ہیں۔''

اس بچے کو اس عورت سے شادی کرنے والے کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ عورت تو حمل کے بعد اس کا بچھونا بنی ہے۔ اس تفصیل سے مذکورہ علماء میں اختلاف کا سبب واضح ہو گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے وہ بات کہی

ہے جو اس کے اس امام نے کہی جس کی اس نے تقلید کی ہے لیکن ان میں سے صحیح بات یہی ہے کہ یہ نکاح باطل ہے کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور ممانعت پر دلالت کرنے والی احادیث کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

ٹیلی فون پر نکاح

سوال جب نکاح کے دیگر تمام ارکان اور شروط تو پورے ہوں مگر ولی ایک ملک میں ہو اور شوہر دوسرے ملک میں' تو کیا ٹیلی فون کے ذریعے نکاح جائز ہو گا یا نہیں؟

جواب یہ دیکھتے ہوئے کہ آج کل دھوکا اور فراڈ بہت عام ہو گیا ہے لوگ ایک دوسرے کے انداز گفتگو کی نقالی میں بھی مہارت رکھتے ہیں حتی کہ ایک آدمی مختلف مردوں' عورتوں' چھوٹوں اور بڑوں کی آواز' لب و لہجے اور ان کی مختلف بولیوں کی بیک وقت نقالی کر سکتا ہے حتی کہ سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ مختلف لوگ باتیں کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت ایک ہی شخص بات کر رہا ہوتا ہے۔ نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے شرمگاہوں اور عزتوں کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا ہے لہٰذا عقد نکاح میں دیگر عقود (معاملات) کی نسبت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے لہٰذا کمیٹی کی یہ رائے ہے کہ عقد نکاح میں ایجاب و قبول اور وکالت کے لیے ٹیلی فون کے ذریعے گفتگو پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تاکہ مقاصد شریعت کی تکمیل ہو' عزت و آبرو کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جا سکے اور خواہشوں کے پجاری' دھوکے باز اور فریب کار کوئی دھوکا نہ دے سکیں۔

فتویٰ کمیٹی

بیوی کے ساتھ مستعار نام سے نکاح کرنا

سوال میں نے اپنی بیوی کے ساتھ اس کے لیے ایک مستعار نام کے ساتھ نکاح کیا ہے اور وہ نام دراصل اس کی ایک فوت شدہ بہن کا ہے اور یہ اس لیے کرنا پڑا کہ دفتر پیدائش میں میری بیوی کی رجسٹریشن نہ تھی اور ہمیں اس کی عمر کے بارے بھی معلوم نہیں ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل درست نہیں ہے کیونکہ اس میں جھوٹ ہے' اس عورت کو اس کی بہن کے نام سے موسوم کرنا جھوٹ ہے ہاں! البتہ جہاں تک عقد کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے کیونکہ یہ عقد ایک ایسی عورت کے ساتھ ہوا ہے جو معین ہے اور جسے ولی اور شوہر جانتا ہے اور عورت بھی پہچانتی ہے لیکن ہم اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے جھوٹ اور فریب سے کام نہ لیں کیونکہ یہ منافقوں کا طریقہ ہے' لہٰذا ہم سائل کو یہ نصیحت کریں گے کہ وہ نکاح رجسٹرار کے پاس جائے اور اپنی بیوی کے حقیقی نام کا اندراج کرائے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین

عقد کے بعد اور رخصتی سے پہلے شوہر کے لیے کیا حلال ہے؟

سوال شوہر کے لیے بیوی سے عقد کے بعد مگر رخصتی سے پہلے کیا حلال ہے؟

جواب اس کے لیے وہ سب کچھ حلال ہے جو شوہر کے لیے اپنی مدخولہ بیوی سے حلال ہوتا ہے مثلاً دیکھنا' بوسہ دینا (چومنا)' خلوت اختیار کرنا' سفر کرنا اور مباشرت کرنا وغیرہ..... الخ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

سوال ایک عورت کا شوہر دو بچوں کی پیدائش کے بعد فوت ہو گیا اور پھر ایک ایسے شخص نے اس سے شادی کرنی چاہی جس سے اس کا تعلق اور میل جول تھا لیکن اس کے چچا اور ولی نے یہ طے کیا کہ وہ اس شخص سے اس کی شادی نہیں کریں گے اور پھر انہوں نے اس کے ایک ایسے قریبی رشتہ دار سے اس کی شادی کر دی جس نے فوراً حق مہر ادا کر دیا اور عورت کے نہ چاہتے ہوئے اس سے اس کی شادی کر دی گئی لیکن اب شادی کے بعد دونوں میں ہم آہنگی اور انس و محبت پیدا ہو چکی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس طرح مجبوری کی شادی کے دو گواہوں کو کیا گناہ ہو گا؟ کیا اس صورت میں تجدید نکاح کی تو ضرورت نہیں؟

جواب اس عقد (نکاح) میں کوئی حرج نہیں جو میاں بیوی میں طے پا چکا جس میں ہم آہنگی اور انس و محبت بھی پیدا ہو چکی اور عقد کے تمام شروط و ارکان بھی پورے ہو چکے ہیں ہاں البتہ اس عورت کے وارثوں کی یہ ضرور غلطی ہے کہ انہوں نے عقد سے پہلے اس اجنبی کے ساتھ اسے میل جول کا موقع فراہم کیا جو خلوت میں اس کا دوست اور مونس تھا کہ محارم (خواتین) کے بارے میں غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں اختلاط سے اور اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت اختیار کرنے سے منع کیا جائے۔ بہرحال اب جب کہ اس عورت کا ایک قریبی رشتہ دار کے ساتھ عقد (نکاح) ہو چکا ہے اور یہ عورت اس پر راضی بھی ہو گئی ہے اور میاں بیوی میں ہم آہنگی بھی ہے تو ان حالات میں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بیوی کو مارنے سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا

سوال کیا بیوی کو مارنے سے عقد نکاح باطل ہو جاتا ہے؟

جواب اس سے نکاح تو باطل نہیں ہوتا لیکن کسی (معقول) وجہ کے بغیر بیوی کو مارنا منع ہے۔ ہاں! البتہ اگر کوئی (معقول) وجہ ہو مثلاً سرکشی وغیرہ تو پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ﴾ (النساء ٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ اگر نہ سمجھیں تو پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو' اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں (ہلکا سا) مارو۔"

علماء فرماتے ہیں کہ عورت کو محض تادیب کے لیے مارنا چاہیے اور زیادہ نہیں مارنا چاہیے لہٰذا اگر کوئی شخص تادیب وغیرہ کے لیے اپنی بیوی کو مارتا ہے تو اس سے نکاح باقی رہتا ہے' باطل نہیں ہوتا کیونکہ مارنے کا سبب خود اس کی اپنی سرکشی اور بدخوئی ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عقد سے قبل حرام قرار دینا نکاح پر اثر انداز نہیں ہوتا

سوال ایک مرد نے عورت کو منگنی کا پیغام تو بھیجا لیکن نکاح نہیں کیا اور اس کے اور عورت کے والد کے درمیان چونکہ تعلقات کشیدہ ہو گئے اس لیے اس نے کہہ دیا کہ "یہ عورت میرے لیے میری ماں بہن کی طرح حرام ہے"' پھر بعد میں اس کے اور اس عورت کے والد کے تعلقات خوشگوار ہو گئے اور اس نے مہر معین کے ساتھ عورت سے نکاح کر لیا' عورت نے بھی اس نکاح کو برضا و رغبت قبول کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ قبل از عقد اس عورت کو حرام قرار دینے کی وجہ سے مرد کے لیے کوئی کفارہ وغیرہ لازم ہے اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب اس تحریم کا عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں ہو گا کیونکہ اس کا تعلق قبل از عقد نکاح سے ہے۔ اس صورت میں کفارہ ظہار بھی لازم نہیں کیونکہ مرد نے منگیتر کو اپنی بیوی بننے سے پہلے حرام قرار دیا ہے ہاں البتہ اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہو گا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَـٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَـٰنَكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧۔٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اس سے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو' اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان (دس محتاجوں) کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تمہیں چاہیے کہ ان قسموں کی حفاظت کرو۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١۔٢)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے جائز کی ہے تم اس کو حرام کیوں کرتے ہو' کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

لہٰذا جو شخص اس طرح کسی چیز کو حرام قرار دے تو اسے چاہیے کہ وہ دس مسکینوں کو اس اوسط (درمیانہ) درجے کا کھانا کھلائے' ان میں سے ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ دے دے یا دس مسکینوں کو کپڑے دے یا ایک گردن کو آزاد کر دے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ مسلسل تین دن کے روزے رکھے۔ وصلی اللّٰہ علٰی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نکاح میں شروط و عیوب

بیوی کو شوہر کے ساتھ جانے سے روکنا

سوال جب کوئی نوجوان کسی خاندان سے رشتہ طلب کرنے کے لیے آتا ہے تو لڑکی کا والد بہت زیادہ حق مہر کی شرط عائد کر دیتا ہے' جب شادی پر فریقین کا اتفاق ہو جاتا ہے اور نوجوان شادی کر لیتا ہے تو پھر والد لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ اس کے گھر جانے سے روک دیتا ہے تاکہ وہ لڑکی اسی کی خدمت کرتی رہے' لڑکی کو بھی اس سے بہت پریشانی ہوتی ہے کہ اب وہ اپنے والد ہی کے گھر میں رہے یا اپنے شوہر کے گھر جائے' اس سے بہت سی اور مشکلات بھی پیدا ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس طرح کے مسائل میں لوگوں کو صحیح طرز عمل کی راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اس بات کو مشروع قرار دیا ہے کہ مہر کم ہوں اور ان میں میانہ روی کو اختیار کیا جائے' اسی طرح ولیمہ کی دعوتوں میں بھی اعتدال کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ ہر ایک کے لیے آسانی اور سہولت کے ساتھ شادی کرنا ممکن ہو' نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جا سکے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی جا سکے۔

ہم نے اس موضوع پر کئی بار لکھا ہے تاکہ مسلمانوں کی ہمدردی اور خیرخواہی کا فریضہ ادا کیا جا سکے اور انہیں حق بات کی وصیت کی جا سکے۔ اس موضوع سے متعلق مجلس کبار علماء کی طرف سے بھی کئی قراردادیں اور سفارشات جاری ہوئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کو کم ہونا چاہیے' ولیمہ کی دعوتوں میں تکلف نہیں ہونا چاہیے نیز ان میں معاشرہ کو ہر اس چیز کی ترغیب دی گئی ہے' جس سے نوجوانوں کو شادی کرنے میں آسانی ہو' میں بھی اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ وصیت کروں گا کہ وہ بھی اس مسئلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تاکہ نکاح کی کثرت ہو' بدکاری کا سدباب ہو اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عفت و پاکدامنی غض بصر کی زندگی بسر کرنے کا موقع میسر آ سکے اور شادی ہی عفت و پاکدامنی کا سب سے اہم ذریعہ ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شخص نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے کا (بہترین) ذریعہ ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ روزہ اس کی جنسی خواہش کو کچل دے گا۔"

صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

"جو شخص اپنے (مسلمان ضرورت مند) بھائی کی کسی ضرورت کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرمائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جب تک کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے' اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس بندے کی نصرت فرماتا ہے۔" (اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کرتے ہیں' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلْعَصْرِ ۝١ إِنَّ ٱلْإِنسَـٰنَ لَفِى خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ۝٣﴾ (العصر١٠٣/ ١-٣)

"عصر کی قسم کہ ہر انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں ایک دوسرے کو حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔"

بلاشک و شبہ مہر اور ولیمہ کی دعوت میں تخفیف کے لیے تعاون اور تلقین بھی اسی بات میں شامل ہے' اس تخفیف کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نکاح بکثرت ہونے لگیں گے' کنوارے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد میں کمی آجائے گی' شرم گاہوں کی حفاظت ہو گی' نظریں نیچی رہیں گی' فواحش و منکرات میں کمی آجائے گی اور امت کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو گا جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ ومسند أحمد:٣/ ١٥٨، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨ ولفظة "يوم القيامة" عند الامام أحمد)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ روز قیامت تمہاری کثرت کی

وجہ سے میں امتوں پر فخر کروں گا۔"

عورت کے والد یا بھائی کا اسے اپنے شوہر کے ساتھ سفر کرنے سے محض اس لیے منع کرنا کہ وہ اس کی خدمت میں لگی رہے یا اس کے اونٹ اور بکریوں کو چراتی رہے تو یہ ایک منکر (برا) اور ناجائز امر ہے کیونکہ عورت کے ولی کو تو یہ چاہیے کہ وہ تعاون کرے تاکہ میاں بیوی کے مل جل کر رہنے سہنے کے حالات پیدا ہو سکیں نیز اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہر اس چیز سے اجتناب کرے جو کسی شرعی جواز کے بغیر ان کی علیحدگی کا سبب بنے' میں عورتوں کے وارثوں کو یہ بھی وصیت کروں گا کہ وہ اپنی خواتین کی ہم پلہ لوگوں سے شادی میں تاخیر نہ کریں خواہ وہ مالی طور پر فقیر ہی ہوں بلکہ انہیں چاہیے کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرتے ہوئے ان کے ساتھ تعاون کریں:

﴿ وَأَنكِحُواْ ٱلْأَيَٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُواْ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾

(النور٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیوہ عورتوں اور نیک غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دینے کا حکم دیا ہے اور اس نے ہمیں یہ خبر دی اور وہ خبر دینے میں بالکل سچا ہے کہ شادی فقیر و مفلس لوگوں کے لیے خوشحالی کا سبب ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر اس لیے دی ہے تاکہ شوہر اور عورتوں کے ولی مطمئن ہو جائیں کہ فقر و افلاس کی وجہ سے شادی کو ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ شادی تو بجائے خود رزق اور دولت کا سبب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو خیر و بھلائی کی توفیق بخشے۔

———— شیخ ابن باز ————

شادی کے لیے شرط

سوال بعض ولی اپنی بیٹیوں کی شادی کے موقع پر یہ شرط لگا دیتے ہیں کہ بیٹی شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم جاری رکھے گی یا یہ کہ وہ تعلیم سے فراغت کے بعد ملازمت کرے گی تو کیا اس طرح کی شرط جائز ہے؟ اگر شادی کے بعد اس طرح کی شرط پر عمل نہ ہو سکے تو اس کے متعلق (شریعت کا) کیا حکم ہے؟

جواب شادی کے وقت شوہر کے ساتھ جو شرط طے کی جائے اگر وہ شرعاً حرام نہ ہو تو اسے پورا کرنا لازم ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ساتھ تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

لیکن بیوی اور اس کے وارثوں کو چاہیے کہ وہ اس طرح کی شرطیں عائد نہ کیا کریں جو سوال میں مذکور ہیں بلکہ ان

مسائل کو نکاح کے بعد میاں بیوی پر چھوڑ دیں کہ وہ باہمی اتفاق سے جو چاہیں آپس میں طے کر لیں او یہ سبھی جانتے ہیں کہ مرد شادی اس لیے کرتا ہے کہ بیوی اس کے بچوں کی تربیت کرے اور اس کی خدمت کرے' وہ شادی اس لیے نہیں کرتا کہ بیوی کام کرے اور وہ اسے کبھی کبھار ہی مل سکے لہٰذا زیادہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ اس طرح کے امور میں آسانی کو پیش نظر رکھا جائے اور اس طرح کی شرطیں عائد نہ کی جائیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جائز شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے

سوال جب بیوی شوہر کے ساتھ یہ شرط طے کر لے کہ وہ اسے تدریس سے منع نہیں کرے گا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کر لے اور تسلیم کرنے کے بعد نکاح کو قبول کر لے تو کیا اس صورت میں شوہر کے لیے بیوی بچوں کا نفقہ لازم ہو گا جب کہ بیوی خود بھی ملازم ہے' کیا شوہر بیوی کی رضامندی کے بغیر اس کی تنخواہ میں سے کچھ لے سکتا ہے؟ عورت اگر دیندار ہو اور وہ گانے اور موسیقی نہ سننا چاہتی ہو جب کہ شوہر اور اس کے اہل خانہ گانے سننے کے عادی ہوں اور کہتے ہوں کہ جو گانے نہ سنے وہ وسوسہ میں مبتلا ہے تو کیا اس حالت میں بیوی کے لیے ان لوگوں کے ساتھ رہنا سہنا جائز ہے؟

جواب جب کوئی عورت اپنے منگیتر سے یہ شرط لگائے کہ وہ اسے تدریس یا پڑھنے سے منع نہیں کرے گا اور وہ اس شرط کو قبول کرتے ہوئے اس کی بنیاد پر نکاح کرے تو یہ شرط صحیح ہے لہٰذا وہ شادی کے بعد اسے پڑھنے پڑھانے سے منع نہیں کر سکتا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ أَحَقَّ الشَّرْطِ أَنْ يُوفَى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشرط في النكاح، ح:١٤١٨ واللفظ له)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ساتھ تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

شادی کے بعد اگر شوہر بیوی کو پڑھنے پڑھانے سے منع کرے تو اسے اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اگر چاہے تو شرعی حاکم سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔

شوہر اور اس کے اہل خانہ کے گانے سننے اور موسیقی سے شغف سے نکاح فسخ نہیں ہو گا ہاں البتہ عورت کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کو نصیحت کرے اور بتائے کہ گانے اور موسیقی حرام ہیں اور گانے وغیرہ سننے میں وہ ان کے ساتھ شریک نہ ہو' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»(صحيح مسلم، الإيمان، بيان ان الدين النصيحة، ح:٥٥)

"دین ہمدردی و خیرخواہی کا نام ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الإيمان . . . الخ،

ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹادے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس موضوع سے متعلق آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں' شوہر کو چاہیے کہ اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرے' اسے اپنی بیوی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کی تنخواہ میں سے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور بیوی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نکل کر اپنے اہل خانہ یا کسی اور کے پاس جائے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

ازالہ بکارت کے وقت خون نکلنا شرط نہیں ہے

سوال جب کوئی شخص کسی نمازی مسلمان دوشیزہ سے شادی کرے لیکن شب زفاف مباشرت کے وقت خون جاری نہ ہو تو کیا اس صورت میں شادی کو جاری رکھنا جائز ہے یا ضروری ہے کہ اس صورت میں علیحدگی اختیار کرے خواہ اصلاح کی امید ہو' میں نے سنا ہے کہ طبی طور پر ایسے بہت قلیل یا شاذ و نادر حالات ہی ہوتے ہیں کہ ازالہ بکارت کے وقت خون جاری نہ ہو؟

جواب یہ کوئی ضروری نہیں کہ پہلی مباشرت کے وقت خون بکارت خارج ہو بسا اوقات عورت بڑی عمر کی ہوتی ہے یا پردہ بکارت خون حیض کی وجہ سے یا چھلانگ وغیرہ لگانے کی وجہ سے بھی زائل ہو جاتا ہے لہٰذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو' اس سے حسن ظن رکھو اور اس سے احسن انداز میں زندگی بسر کرو خصوصاً جب کہ آپ کو اس سے نیکی و اصلاح کی بھی امید ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

بکارت مباشرت کے بغیر بھی زائل ہو سکتی ہے

سوال ایک نوجوان نے ایک لڑکی سے شادی کی اور دخول کے وقت دیکھا کہ وہ باکرہ نہیں ہے حالانکہ اس نے اس سے پہلے شادی بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیا کرے' کیا اسے طلاق دے دے؟ یا اس سے حقیقت حال کے بارے میں معلوم کرے؟ آپ اس کو کیا نصیحت فرماتے ہیں؟

جواب ہماری رائے میں اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دینی چاہیے کیونکہ بکارت مباشرت کے بغیر بھی زائل ہو سکتی ہے مثلاً چھلانگ لگانے سے' کثرت حیض سے یا انگلی مارنے وغیرہ سے بھی پردہ بکارت زائل ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ لڑکی سے بھی پردہ بکارت کے زائل ہونے کا سبب پوچھ لیا جائے' اگر وہ کوئی ایسی بات بتائے جو ممکن ہو اور بدکاری کی نفی کرے تو اس کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے گا اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس سے شبہ یا مجبور کر کے مباشرت کی گئی ہے تو وہ معذور ہے اور اگر وہ زنا کا اعتراف کرے اور توبہ و ندامت کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شادی کے بعد معلوم ہوا کہ عورت بد صورت ہے

سوال میں نے اپنی بیوی کو پہلی مرتبہ شادی کے بعد ہی دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت ہی بد صورت ہے' اس سے بہت ناگوار بو بھی آتی ہے' اگر اسے طلاق دے کر میں کسی دوسری عورت سے شادی کر لوں تو کیا گناہ تو نہ ہو گا؟ یاد رہے میں دو عورتوں سے شادی کی استطاعت نہیں رکھتا۔

جواب آپ کو طلاق دینے میں ان شاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ اس عورت کے ساتھ زندگی بسر کرنے میں آپ کو کوئی فرحت و سکون حاصل نہیں ہو گا جس سے آپ انقباض اور کراہت محسوس کرتے ہیں' بے شک ناگوار بو بھی ان عیوب میں سے ہے جن کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح اور جو اس نے خرچ کیا ہے' اسے واپس لینے کا حق حاصل ہے' ناگزیر اسباب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے اور سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ اور صورت بھی کتاب و سنت میں مذکور ہے اور اس میں کوئی گناہ یا حرج نہیں ہوتا بلکہ گناہ تو عورت کے ان وارثوں پر ہے جنہوں نے اس کے ان عیوب کو چھپایا تھا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

نامردی اور نکاح

سوال میں بائیس برس کا ایک نوجوان ہوں اور نامردی و جنسی کمزوری کا مریض ہوں جو کہ تقریباً ۳۵ فی صد ہے' طبی معائنہ کے بعد میرے لیے کئی مقوی ادویہ تجویز کی گئی ہیں جو کبھی کبھی بہت محرک ثابت ہوتی ہیں تو کیا ان کے استعمال میں کوئی گناہ تو نہیں؟ اور اگر میں کسی شریف زادی سے نکاح کر لوں تو کیا اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ میں جس قدر جنسی قوت کو پیدا کیا ہے' آپ اس پر راضی ہوں' جنسی شہوت کے اعتبار سے انسانوں میں بہت زیادہ فرق ہے کچھ لوگوں میں جنسی شہوت بے حد زیادہ ہوتی ہے اور کچھ میں بہت کم اور کچھ میں بالکل نہیں ہوتی' میں سمجھتا ہوں کہ علاج اور دواؤں سے ساری زندگی جنسی شہوت کو تیز نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ان سے محض مختصر سے وقت کے لیے کام لیا جا سکتا ہے اور پھر پہلی سی حالت ہی ہو جاتی ہے لہٰذا اگر آپ میں جنسی شہوت ہے خواہ کم ہی ہو تو آپ شادی کر سکتے ہیں اور مہینے یا دو مہینے بعد مباشرت ہی کافی ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شوہر کا اپنے عیوب کو چھپانا دھوکا ہے

سوال اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ میں پھلبہری کے مرض میں مبتلا ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم یہ فرمایا کہ اس کا زیادہ تر ظہور جسم کے خفیہ حصوں میں جلد پر تھا' بیس سال کی عمر میں اس مرض میں مبتلا ہوا' علاج میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن اس حکمت و مصلحت کی وجہ سے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کو معلوم ہے مجھے شفاء حاصل نہ ہو سکی' اس مرض کے

شروع ہونے کے پندرہ سال بعد میں نے منگنی کی اور اس وقت میرے دائیں ہاتھ پر اس کے تین نشان نمایاں تھے جب کہ تمام بدن کے مخفی حصوں پر اس کے نشانات بہت زیادہ تھے' منگنی کی مدت میں جو کہ چھ ماہ تک رہی' میں نے اس مرض کے بارے میں اپنی منگیتر اور اس کے گھر والوں کو کچھ نہ بتایا تاکہ وہ شادی سے انکار نہ کر دیں اور میں نے یہ سمجھا کہ میرے دائیں ہاتھ کے نشانات جو انہوں نے منگنی کے عرصہ میں دیکھے ہیں' ان سے وہ یہ اندازہ لگالیں گے کہ جسم کے باقی حصوں پر بھی یہ نشانات ہو سکتے ہیں' بہرحال شادی ہو گئی لیکن میرے گھر منتقل ہونے کے بعد میری بیوی نے میرے جسم پر جب اس مرض کے نشانات دیکھے تو اس نے شدید سرکشی اختیار کر لی اور کہا کہ اسے اس صورت حال سے بے خبر رکھ کر میں نے اسے دھوکا دیا ہے۔ میں نے اس کی سرکشی کو بسا اوقات بہت شدت اختیار کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے کئی بار زد و کوب سے بھی کام لینا پڑا لیکن اس کے باوجود اس نے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا۔ تنگی' ترشی اور تلخی کے ساتھ کئی سال میرے ساتھ بسر کرنے کے بعد اس نے ان حالات کے سامنے سرنگوں کر دیا' اب تین بچے بھی ہو چکے ہیں اور ہماری شادی کو تیرہ سال ہو گئے ہیں لیکن مجھے کبھی کبھی بہت شدید ندامت بھی ہوتی ہے کہ میں نے شادی کے لیے اپنی صورت حال کو چھپایا' اسی ندامت میں میں یہ بھی خیال کرنے لگتا ہوں کہ اے کاش یہ مجھ سے علیحدگی کا مطالبہ کر لیتی تاکہ میں ظالم قرار نہ پاتا تو سوال یہ ہے کہ میں نے اپنے جسم پر اس مرض کے ظہور کو منگنی کی مدت میں جو چھپایا تو کیا اس کی وجہ سے میں ظالم ہوں؟ کیا اس صورت میں میری یہ شادی صحیح ہے؟ اب میرے لیے کیا واجب ہے؟

جواب لاریب! آپ نے اس مرض کو جو چھپایا اور اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا یہ محض دھوکا اور فریب ہے' آپ کے دائیں ہاتھ پر جو نشان تھا اس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ یہ اس قدر واضح اور ظاہر تھا کہ مرض کی نشاندہی کرتا تھا یا یہ اس قدر مخفی اور چھوٹا تھا کہ مرض پر دلالت کناں نہ تھا یا اس کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ جلنے وغیرہ کا نشان ہو' آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس عورت اور اس کے اہل خانہ کو اپنی بیماری کے بارے میں واضح طور پر بتا دیتے' اسے چھپانے اور ان سے مخفی رکھنے کی وجہ سے بلاشبہ آپ گناہ گار ہیں لہٰذا اب آپ اس عورت سے معافی طلب کریں کہ آپ نے اس سے صورت حال کو چھپایا اور مستزاد یہ کہ اس کے احتجاج پر تشدد کیا اور اگر وہ معاف کر دے تو آپ اس کی شدت و قسوت کو معاف کر دیں کیونکہ معاف کر دینے میں بہت خیر و بھلائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ ﴾ (الشوری٤٢/ ٤٠)

"پھر جو شخص درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔"

نیز اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٤)

"اور وہ جو لوگوں کے قصور معاف کر دینے والے ہیں۔"

اصلاح کے ساتھ معاف کر دینا سراپا خیر ہے اور اس کا ثواب بھی بہت ہے لہٰذا آپ کو میری یہ نصیحت ہے کہ اپنی بیوی سے معافی طلب کریں اور اسے بھی میری یہ نصیحت ہے کہ وہ آپ کو معاف کر دے کیونکہ وہ آپ کے بچوں کی ماں اور آپ کی شریک حیات ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کی توبہ قبول فرمائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میاں بیوی کا ہم پلہ ہونا

ہاشمی خواتین کی غیر ہاشمی مردوں سے شادی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عَبْدِهِ وَرَسُوْلِهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

منکر امور میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ بعض لوگ جو بنو ہاشم میں سے ہونے کے مدعی ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ان کا ہم پلہ اور ہم پایہ نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ نہ دوسرے خاندان کے لوگوں کو رشتے دیتے ہیں اور نہ ان سے رشتے لیتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی' بہت بڑی جہالت اور عورت کے لیے ظلم اور ایک ایسی بات ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے (یعنی برادریاں اور خاندان) بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو(اور) اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"مومن تو سب کے سب آپس میں بھائی ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ (التوبة۹/ ۷۱)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

مزید فرمایا:

﴿ فَٱسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّى لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَٰمِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّنۢ بَعْضٍ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹۵)

"تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا یقیناً تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ

أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوٰى»(مسند أحمد: ٥/ ٤١١)

کسی عربی کو عجمی پر' کسی عجمی کو عربی پر' کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔"

ترمذی کی روایت میں ہے:

«اَلنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللهُ آدَمَ مِنَ التُّرَابِ»(جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الحجرات، ح: ٣٢٧٠)

"تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ آلَ أَبِي يَعْنِي فُلاَنًا لَيْسُوا لِي بِأَوْلِيَاءَ إِنَّمَا وَلِيِّيَ اللهُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ»(صحيح البخاري، الأدب، باب تبل الرحم ببلالها، ح: ٥٩٩٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب موالاة المؤمنين ... الخ، ح: ٢١٥ واللفظ له)

"آل بنی فلاں میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرے دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک صالح اہل ایمان ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح: ١٠٨٤)

"جب تم سے رشتہ طلب کرنے کے لیے کوئی ایسا شخص آئے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں بہت بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔"

نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش اسدیہ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کر دی تھی۔ فاطمہ بنت قیس قرشیہ کی شادی اسامہ بن زید سے کر دی تھی کہ یہ دونوں باپ بیٹا آزاد کردہ غلام تھے' حضرت بلال بن رباح حبشی نے عبدالرحمن بن عوف کی بہن سے شادی کی تھی جو کہ زہری و قریشی تھیں ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی نے اپنے بھائی ولید کی بیٹی کا نکاح سالم سے کر دیا تھا جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَٱلطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِ﴾ (النور٢٤/ ٢٦)

پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔

خود نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو حضرت عثمان اور زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے حبالہ عقد میں دے دیا تھا جب کہ یہ دونوں بنو ہاشم سے نہیں بلکہ بنو عبد شمس میں سے ہیں۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا جو کہ عدوی ہیں' ہاشمی نہیں۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان رحمہ اللہ نے فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تھا جو کہ اموی ہیں ھاشمی نہیں' اسی طرح مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی بہن سکینہ رحمہا اللہ سے شادی کی تھی اور وہ بھی ہاشمی نہیں بلکہ اسدی ہیں' مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب ہاشمیہ رضی اللہ عنہا یعنی نبی ﷺ کے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی اور مقداد کندی ہیں ھاشمی نہیں اور اس طرح کی

بہت سی مثالیں ہیں‘ اس وقت مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ بعض ہاشمی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہاشمی خاتون کی غیر ہاشمی مرد سے شادی کرنا حرام یا مکروہ ہے تو یہ بات بالکل باطل ہے۔ کیونکہ واجب یہ ہے کہ دونوں میں دینی مناسبت اور برابری ہو۔ اسلام سے محروم ہونے نے ابو طالب اور ابو لہب کو دور کر دیا تھا جب کہ ایمان‘ نیکی‘ اور تقویٰ و اتباع شریعت اور صراط مستقیم پر چلنے نے سلمان فارسی‘ صہیب رومی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم کو قریب کر دیا تھا۔ اس جہالت اور تصرف باطلہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بہت سی ہاشمی خواتین شادی سے محروم ہو جاتی ہیں یا ان کی شادی میں بے حد تاخیر ہو جاتی ہے اور اس کے فساد‘ تعطیل یا تقلیل نسل کی صورت میں جو نتائج برآمد ہوتے ہیں‘ انہیں قطعاً مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

”اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (بہت) وسعت والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے نکاح کر دینے کا مطلق حکم دیا ہے جو غنی (مالدار)‘ فقیر (تنگدست) اور دیگر تمام اقسام کے مسلمانوں کے لیے ہے جب اسلامی شریعت نے نکاح کی ترغیب دی اور بے حد تلقین کی ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں جلدی کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

”اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جسے نکاح کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔“

وارثوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیٹیوں‘ بہنوں اور بیٹوں کی جلدی شادی کریں تاکہ ان میں سے ہر ایک اس زندگی سے متعلق اپنا کردار ادا کر سکے اور فتنہ و فساد اور جرائم کم ہو سکیں اور سبھی جانتے ہیں کہ عورتوں کو شادی سے محروم رکھنے یا اس میں بے حد تاخیر کرنے سے اخلاقی جرائم پھیلتے ہیں جو معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب ہیں تو اے اللہ کے بندو! اپنے بارہ میں اور اپنی بیٹیوں‘ بہنوں‘ مسلمان بھائیوں اور دیگر لواحقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور معاشرے میں خیر و بھلائی اور سعادت کی فضا پیدا کرنے کے لیے کوشش کرو تاکہ جرائم کے پھیلنے کے اسباب کا ازالہ ہو سکے اور خوب جان لو کہ تم سب سے اپنے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی‘ محاسبہ ہو گا اور ان کے مطابق ہی جزا و سزا ملے گی‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩٢-٩٣)

”تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان سے ضرور پرسش کریں گے‘ ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔“ نیز فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ لِيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَسَٰٓـُٔوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَيَجْزِيَ ٱلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ بِٱلْحُسْنَى ﴿٣١﴾ ﴾ (النجم ۵۳/ ۳۱)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے (اور اس نے مخلوق کو) اس لیے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے برے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیکیاں کیں ان کو نیکیوں کا بدلہ دے۔"

اور نبی اکرم ﷺ' حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مسلمانوں کی اقتداء (پیروی) کرتے ہوئے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی جلد شادی کرو اور شادی پر خرچ بھی کم کرو۔ مہر' دعوت ولیمہ اور شادی کے دیگر اخراجات میں مبالغہ سے کام نہ لو اور شادی کے سلسلہ میں نیکی' تقویٰ اور امانت و عفت کے اوصاف کے حامل لوگوں کو ترجیح دو' اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین میں فقاہت وثبات کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں' آپ کو اور دیگر تمام مسلمانوں کو اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے محفوظ رکھے اور ہمیں اور آپ کو ظاہری و باطنی اور گمراہ کن فتنوں سے بچائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمان حکمرانوں کی اصلاح فرمائے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

—— شیخ ابن باز ——

قبیلی اور خضیری کی آپس میں شادی کا حکم

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ قبیلی اور خضیری کے کیا معنی ہیں اور ان کی آپس میں شادی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ ایک جزئی مسئلہ ہے جو لوگوں میں معروف ہے قبیلی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی معروف قبیلہ کی طرف منسوب ہو جسے قحطانی' سبیعی' تمیمی' قریشی اور ہاشمی وغیرہ۔ ان کو قبیلی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے اپنے قبیلہ کی طرف منسوب ہیں اور خضیری علاقہ نجد کے لوگوں کی اصطلاح ہے کہ نجد کے علاوہ کسی اور جگہ یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوتی اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مخصوص قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو یعنی عربی تو ہو لیکن اس کا کوئی معروف قبیلہ نہ ہو اور وہ قحطانی' تمیمی یا قرشی کی طرح اپنے قبیلہ کی طرف منسوب نہ ہو یعنی وہ عربی ہو' اس کی زبان بھی عربی ہو' عربوں ہی میں وہ پلا بڑھا ہو اگرچہ معروف ہو اور اس کی جماعت بھی معروف ہو۔

عربوں کے عرف میں مولیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصل میں مملوک غلام ہو مگر اسے آزاد کر دیا گیا ہو' مولیٰ کی جمع موالی ہے۔ اور عجمی وہ ہیں جو عربوں کی طرف منسوب نہ ہوں یعنی ان کا تعلق عجمی خاندانوں سے ہو عربی خاندانوں سے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق ان مختلف لوگوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے خواہ کوئی قبیلی ہو یا خضیری' مولیٰ ہو یا عجمی یہ سب کے سب برابر ہیں' ان میں سے کسی کو کسی پر بجز تقویٰ کے کوئی فضیلت حاصل نہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمر عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ

أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوٰى» (مسند أحمد: ٥/ ٤١١)

"کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٣)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

قدیم زمانہ سے عربوں میں یہ عادت رہی ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے رشتے صرف انہی لوگوں کو دیتے تھے جن کا تعلق ایسے قبائل سے ہوتا جنہیں وہ جانتے تھے اور اس شخص کو وہ رشتہ نہیں دیتے تھے جس کا کسی قبیلے سے تعلق نہ ہوتا تھا اور یہ عادت اب تک عربوں میں باقی ہے۔

بعض لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں اور وہ خضیری' مولیٰ اور عجمی کو بھی رشتہ دے دیتے ہیں چنانچہ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آزاد کردہ غلام اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی شادی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی جو کہ قرشی ہیں۔ اسی طرح ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی بھی شادی قرشی خاندان میں ہوئی تھی اور اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی گئی کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے زمانہ سے اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن اس کے بعد خصوصاً نجد اور بعض دیگر علاقوں میں لوگوں نے غیر عربوں کو رشتے دینے ترک کر دیے اور اس بارے میں بہت تشدد سے کام لینا شروع کر دیا جیسا کہ ان کے آباؤ اسلاف سے اس کی روایت چلی آرہی ہے اور بعض اس بات سے بھی ڈرتے ہیں کہ ان کے قبیلے کے لوگ انہیں اس طرح کی باتیں کر کے ایذاء پہنچائیں گے کہ تم نے فلاں شخص کو کیوں رشتہ دیا ہے اور اس سے قبیلہ میں کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے' انساب میں اختلاط آجاتا ہے اور کئی دیگر خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں لہٰذا وہ اس طرح کے کئی عذر پیش کرتے ہیں جو بسا اوقات صحیح بھی ہوتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ مصاہرت کے لیے انتخاب کا معیار دین و اخلاق ہونا چاہیے اگر دین و اخلاق موجود ہے تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ عربی ہے یا عجمی' آزاد کردہ غلام ہے یا خضیری' یا کچھ اور' اساس اور بنیاد دین و اخلاق ہونا چاہیے اور اگر بعض لوگوں کی رغبت اس میں ہو کہ وہ صرف اپنے قبیلہ ہی میں رشتہ دیں گے تو ہمارے علم کے مطابق اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

حرامی کے نکاح کا حکم

سوال ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حرامی ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر وہ مسلمان ہے تو نکاح صحیح ہے کیونکہ وہ اپنی ماں اور اس کے ساتھ بدکاری کرنے والے کے گناہ میں شریک نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾ (النجم٥٣/٣٨)

"کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

اگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے اور پسندیدہ اخلاق کو اختیار کرے تو ان دونوں کے عمل کی وجہ سے اس پر کوئی عار نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴾ (الحجرات٤٩/١٣)

"لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے (برادریاں اور خاندان) بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ سے جب یہ پوچھا گیا کہ سب سے معزز کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا تو اس کا نسب اسے آگے نہ لے جا سکے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلاَّ تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، ح:١٠٨٤)

"جب تم سے کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق تمہیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو ورنہ زمین میں بہت بڑا فتنہ و فساد رونما ہو جائے گا۔"

—— شیخ ابن باز ——

ہاشمی سمجھ کر رشتہ دے دیا اور پھر............

سوال ایک آدمی نے دوسرے سے رشتہ طلب کیا تو اس نے اسے ہاشمی سمجھتے ہوئے رشتہ دے دیا پھر (بعد میں) معلوم ہوا کہ وہ ہاشمی نہیں ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب عقد مذکور میں دیگر ساری شرائط موجود ہوں تو نکاح صحیح ہے اور اگر عورت کے ولی نے رشتہ طلب کرنے والے سے یہ شرط لگائی ہو کہ اس کا ہاشمی ہونا ضروری ہے اور پھر بعد میں معلوم ہوا ہو کہ وہ ہاشمی نہیں ہے تو اسے اختیار ہے کہ اپنی عزیزہ کو اس کے نکاح میں رہنے دے یا اس سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اگر اس نے اس کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیا ہو تو وہ خاتون تمام مہر کی حق دار ہو گی اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کر دے تو دونوں اس معاملہ کو شرعی حاکم کے پاس لے جائیں تاکہ وہ شریعت کی روشنی میں ان دونوں کا فیصلہ کر دے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَقَّ الشَّرْطِ أَنْ يُوفٰى بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم النكاح، باب الوفاء بالشرط في النكاح، ح:١٤١٨ واللفظ له)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ ہیں جن کے ذریعے تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو۔"

اور اگر ہاشمی ہونے کی باقاعدہ شرط نہ لگائی گئی ہو بلکہ ہاشمی ہونے کے بارے میں اس کی بات کو صحیح مان لیا گیا ہو اور نکاح کے لیے اسے شرط قرار نہ دیا گیا ہو تو میرے علم کے مطابق اسے اختیار نہیں ہے کیونکہ عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں خواہ وہ ہاشمی ہوں یا نہ ہوں۔ بلکہ علماء کی ایک جماعت نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں بشرطیکہ وہ دین دار ہوں خواہ شوہر عربی اور بیوی عجمی یا مولیٰ ہو یا صورت حال اس کے برعکس ہو۔ مذکورہ بالا شرعی دلائل کی روشنی میں یہ قول بے حد قوی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

غلام کا آزاد عورت سے نکاح

سوال ایک آدمی نے اپنے آپ کو آزاد ظاہر کرتے ہوئے ایک آزاد عورت سے نکاح کر لیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ تو غلام ہے' تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو اس عورت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو نکاح کو فسخ کر دے' کیونکہ شوہر کے غلام ہونے کی وجہ سے اسے بہت نقصان ہے اور اس لیے بھی کہ حقیقت حال کو واضح نہ کر کے اس نے دھوکا دیا ہے لہٰذا اسے اختیار حاصل ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا جب آزاد ہوئی تو اس کا شوہر مغیث رضی اللہ عنہ غلام تھا لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہ رضی اللہ عنہا نے اس اختیار کی وجہ سے مغیث رضی اللہ عنہ سے علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا(متفق علیہ) اور سوال میں جس عورت کا ذکر ہے وہ تو اختیار کی زیادہ حق دار ہے کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے اور اسے بتایا نہیں گیا کہ وہ غلام ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يَخْذُلُهُ وَلاَ يَحْقِرُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح:٢٥٦٤ وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم، ح:١٩٢٧)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا وہ اس پر ظلم نہ کرے اسے ذلیل و رسوا نہ کرے اور اسے حقیر نہ جانے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، ح:١٠١)

"جو ہمیں دھوکا دے' وہ ہم میں سے (اہل اسلام و ایمان سے) نہیں ہے۔"

اس آدمی نے بلاشبہ اس عورت کو دھوکا دیا ہے' اپنی حقیقت حال کو اس سے چھپایا ہے اور اپنے آپ کو آزاد ظاہر کرتے ہوئے جھوٹ بولا ہے' اس نے اگر عورت سے مباشرت کی ہو تو عورت پورے حق مہر کی مستحق ہو گی' تنازعہ کی صورت میں معاملہ شرعی حاکم کی عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ وہ صورت حال کا جائزہ لے کر دونوں کے بارے میں شریعت محمدیہ ﷺ کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کر دے۔

——— شیخ ابن باز ———

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) عورتوں سے نکاح کا حکم

سوال اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک یہ حلال اور مباح ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَـٰتِ وَالْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَـٰنِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُۥ وَهُوَ فِى الْـَٔاخِرَةِ مِنَ الْخَـٰسِرِينَ ۝ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

"اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی اور جو شخص ایمان کا منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔"

علماء تفسیر کے صحیح ترین قول کے مطابق محصنہ آزاد اور پاک دامن عورت کو کہتے ہیں' چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے لیے آزاد اور پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا حلال قرار دے دیا گیا ہے اور یہ جملہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تمہید ہے:

﴿ وَالْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

"اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)۔"

ایک قول یہ ہے کہ "محصنات" سے مراد آزاد عورتیں ہیں باندیاں نہیں۔ چنانچہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں۔ چنانچہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے آزاد عورتیں مراد ہوں یا اس سے آزاد اور پاک دامن عورتیں مراد ہوں جیسا کہ ان سے مروی دوسری روایت میں ہے اور یہی جمہور کا بھی قول ہے اور یہی قول زیادہ صحیح بھی ہے اور یہ اس لیے کہ اس میں ذمی عورتیں شامل نہ ہو جائیں کیونکہ وہ عفیف بھی نہیں ہوتیں اور ان کی حالت بھی خراب ہوتی ہے' ذمی عورت سے شادی کرنے والے کی حالت تو اس طرح ہو گی جیسا کہ ایک ضرب المثل ہے کہ "سودا ردی بھی اور تول میں کم بھی" لہٰذا اس آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "محصنات"

سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بدکاری سے پاک دامن ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ مُحْصَنَٰتٍ غَيْرَ مُسَٰفِحَٰتٍ وَلَا مُتَّخِذَٰتِ أَخْدَانٍ ﴾ (النساء٤/ ٢٥)

"بشرطیکہ عفیفہ (پاک دامن) ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں۔"

پاک دامن اہل کتاب عورتوں کے بارے میں مفسرین اور علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حکم ہر پاک دامن کتابی عورت کے لیے ہے' خواہ وہ آزاد ہو یا غلام جیسا کہ ابن جریر نے سلف کی ایک جماعت سے بیان کیا ہے کہ محصنہ سے مراد عفیفہ ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اسرائیلی عورتیں ہیں۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں حربی نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ﴾ (التوبة٩/ ٢٩)

"جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر یقین رکھتے ہیں' ان سے جنگ کرو۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ نصرانی عورت سے نکاح کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے بڑا اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور تم (اے مومنو!) مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔"

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی' محمد بن حاتم بن سلیمان مؤدب' قاسم بن مالک مزنی' اسماعیل بن سمیع رحمۃ اللہ علیہم کی سند کے ساتھ ابو مالک غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور تم (اے مومنو! مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح مت کرو۔"

نازل ہوئی تو لوگ ان سے نکاح کرنے سے رک گئے حتی کہ اس کے بعد جب یہ آیت:

﴿ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور پاکدامن اہل کتاب عورتیں بھی حلال ہیں۔"

نازل ہوئی تو لوگوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا شروع کر دیا' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں سے نکاح کیا اور اس مذکورہ آیت کے پیش نظر انہوں نے اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کیا اور انہوں نے اسے سورۂ بقرہ کی اس آیت کے لیے مخصص قرار دیا جس میں مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی ممانعت ہے بشرطیکہ یہ کہا جائے کہ کتابی عورتیں بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہیں ورنہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہو گا کہ قرآن حکیم میں کئی ایک مقامات پر اہل کتاب کا مشرکین سے الگ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ ٱلْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ ﴾ (البينة٩٨/ ١)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَقُل لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ ﴾ (آل عمران۳/ ۲۰)

"اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم (بھی اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو پس اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پائیں گے۔"

ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ بحمد اللہ اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ آزاد اہل کتاب عورتیں حلال ہیں' چنانچہ حضرت عمر' عثمان' طلحہ' حذیفہ' سلمان' جابر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اوائل میں سے کسی سے بھی صحیح طور پر یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اسے حرام قرار دیا ہو۔ خلال نے اپنی سند کے ساتھ حذیفہ' طلحہ' جارود بن معلیٰ اور اذینۃ عبدی رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اہل کتاب عورتوں سے شادی کی تھی چنانچہ دیگر تمام اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ ہاں البتہ امامیہ نے اسے درج ذیل آیات کے پیش نظر حرام قرار دیا ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۱)

"اور تم (اے مومنو!) شرک کرنے والی عورتوں کے ساتھ اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔"

﴿ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ (الممتحنۃ۶۰/ ۱۰)

"اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دے دو۔)"

﴿ الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب تم ان کا مہر دے دو۔"

نیز امامیہ کا استدلال اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ہے۔

(اب ان کے دلائل کا جواب سنیے) چنانچہ آیت کریمہ ﴿ وَلاَ تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت سورۃ مائدہ کی آیت کی وجہ سے منسوخ ہے' دوسری آیت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں آیتیں (پہلے کی) ہیں اور سورۂ مائدہ کی آیت ان سے بعد کی ہے۔ دیگر علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیات منسوخ تو نہیں ہیں لیکن بات یہ ہے کہ مشرکین کا لفظ جب مطلقا استعمال ہو تو اہل کتاب اس میں شامل نہیں ہوتے جیسا کہ درج ذیل آیات میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کو الگ سے مستقل طور پر ذکر کیا گیا ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿١﴾ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۱)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی۔"

اور فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (البینة۹۸/ ٦)

"بے شک وہ لوگ جو اہل کتاب ہیں اور مشرک ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ ﴾ (البقرة۲/ ۱۰۵)

"جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب یا مشرک وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔"

اسی طرح دیگر سارے قرآن مجید میں بھی مشرکین اور اہل کتاب کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا لفظ اہل کتاب کو شامل نہیں ہوتا چنانچہ سعید بن جبیر اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔ ان لوگوں نے جو استدلال کیا ہے وہ ہر کافر کے بارے میں عام ہے جب کہ ہمارے سامنے اس وقت مسئلہ خاص اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی حلت کا ہے اور اصول یہ ہے کہ خاص کو مقدم کرنا واجب ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو پھر زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ کتابیہ سے شادی نہ کی جائے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان لوگوں سے کہا تھا جنہوں نے اہل کتاب خواتین سے شادی کی تھی کہ انہیں طلاق دے دو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے سوا دیگر تمام لوگوں نے انہیں طلاق دے دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی فرمایا کہ اسے طلاق دے دو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مست کر دینے والی ہے اسے طلاق دے دو۔ انہوں نے پھر کہا کیا آپ یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ مست کر دینے والی ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مشکوک اور ناقابل اعتماد ہے لیکن یہ مجھ پر حلال ہے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے بھی طلاق دے دی تو ان سے پوچھا گیا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو حکم دیا تو آپ نے اس وقت طلاق کیوں نہ دی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کتابیہ عورت سے شادی کرنے میں اس بات کا بھی خدشہ ہے کہ کہیں اس کی طرف دل کا میلان اس قدر زیادہ نہ ہو جائے کہ وہ فتنہ ہی میں مبتلا کر دے یا ہو سکتا ہے کہ دونوں سے پیدا ہونے والی اولاد کا رجحان (میلان) ماں کی طرف ہو جائے"' صاحب "المغنی" رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب "المغنی" رحمہما اللہ نے جو ذکر کیا ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكَـٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۱)

"اور تم (اے مومنو!) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح مت کرو۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدة۵/ ۵)

"آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں۔"

میں دو وجہ سے کوئی تعارض نہیں ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اطلاق کے وقت اہل کتاب مشرکین میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں ان کا الگ الگ ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ ﴾ (البینۃ۹۸/ ۱)

"جو لوگ کافر ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرکین وہ (کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے۔"

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ فِى نَارِ جَهَنَّمَ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ ﴾ (البینۃ۹۸/ ٦)

"بے شک وہ لوگ جو اہل کتاب سے ہوں یا مشرکین سے' وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائیں گے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۰۵)

"جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب سے یا مشرکین سے' وہ کبھی بھی پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کچھ بھلائی نازل ہو۔"

اسی طرح قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کے درمیان فرق کیا گیا ہے لہٰذا پاک دامن اہل کتاب عورتیں ان مشرک عورتوں میں داخل نہیں ہیں جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

لیکن یہ قول محل نظر ہے کیونکہ زیادہ صحیح یہی بات ہے کہ اہل کتاب خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اطلاق کے وقت مشرک مردوں اور عورتوں میں داخل ہیں کیونکہ وہ بلا شک و شبہ کافر اور مشرک ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَـٰذَا ﴾ (التوبۃ۹/ ۲۸)

"مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔"

اگر اہل کتاب عند الاطلاق (مطلقاً) مشرکوں میں داخل نہ ہوتے تو یہ آیت انہیں شامل نہ ہوتی۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبۃ۹/ ۳۱)

"ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان سب کو شرک کا مرتکب قرار دیا کیونکہ یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: مسیح

اللہ کا بیٹا ہے اور ان سب نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیا تھا اور یہ سب کچھ شرک کی بدترین صورت ہے اور اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت سورۂ بقرہ کی آیت کی تخصیص کر رہی ہے اور خاص عام سے مقدم ہوتا ہے جیسا کہ یہ اصول فقہ کا ایک معروف قاعدہ ہے اور اس پر فی الجملہ اجماع بھی ہے اور یہی بات درست بھی ہے اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا مسلمانوں کے لیے حلال ہے اور یہ ان مشرک عورتوں میں داخل نہیں ہیں جن کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے چنانچہ جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے بلکہ اس پر اجماع ہے جیسا کہ صاحب "المغنی" کے کلام کے حوالہ سے قبل ازیں بیان کیا گیا ہے لیکن ان سے نکاح کرنے کی بجائے پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا بہتر اور افضل ہے جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب' آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور سلف صالح رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت سے ثابت ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے میں خصوصاً غربت اسلام کے اس دور میں بے حد خطرات ہیں' جس میں نیک اور دین میں سمجھ بوجھ رکھنے والے آدمی بہت کم ہیں اور عورتوں کی طرف میلان رکھنے والوں اور ہر چیز میں ان کی سمع و اطاعت بجالانے والوں کی کثرت ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر اور اس کی اولاد کو اپنے دین و اخلاق ہی کی طرف نہ لے جائے۔ واللہ المستعان۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے مسلمان مردوں کے لیے شادی کرنا تو جائز ہے لیکن مسلمان عورتوں کے لیے اہل کتاب مردوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان جب اللہ تعالیٰ' اس کے رسولوں اور ان پر نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں تو رسولوں میں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی ہیں اور ان کتابوں میں تورات بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور انجیل بھی ہے جو حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر اتری۔ تو مسلمانوں کا جب اللہ تعالیٰ کے تمام نبیوں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور احسان کی تکمیل فرماتے ہوئے ان کے لیے پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دے دیا لیکن اہل کتاب نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل کی گئی کتاب عظیم قرآن مجید کے ساتھ کفر کیا تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں سے نکاح کو اس وقت تک کے لیے حرام قرار دے دیا جب تک کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول بلکہ خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ایمان نہیں لاتے' اگر یہ ایمان لے آئیں تو پھر ان کے لیے ہماری عورتوں سے بھی نکاح کرنا حلال ہو گا اور ہمارے اور ان کے حقوق و فرائض ایک جیسے ہو جائیں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حاکم ہے' عادل ہے' اپنے بندوں کے حالات کو دیکھنے والا اور ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اور ہر حکم حکمت و مصلحت پر مبنی ہے' وہ گمراہوں' کافروں اور تمام مشرکوں کے قول سے پاک اور منزہ ہے۔

اس میں ایک حکمت اور بھی ہے اور وہ یہ کہ عورت ضعیف اور کمزور ہے' وہ اپنے شوہر کی فوراً اطاعت شروع کر دیتی ہے' اگر مسلمان عورت کے لیے اہل کتاب مردوں سے شادی کرنا جائز قرار دے دیا جاتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اکثر و بیشتر عورتیں اپنے شوہر کے دین کو اختیار کر لیتیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اسے حرام قرار دے دیا گیا۔

——— شیخ ابن باز ———

کتابیہ عورت سے شادی

سوال کیا اسلام اس صورت میں کتابیہ عورت سے شادی کو جائز قرار دیتا ہے' جب کوئی مسلمان کسی عیسائی ملک میں ہو' اسے شریک حیات کی ضرورت ہو اور شادی نہ کرنے کی صورت میں اسے گناہ کے ارتکاب کا خطرہ ہو؟

جواب کتابیہ عورت سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہو بدکار نہ ہو کیونکہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے پاک دامنی کی شرط بیان فرمائی ہے۔ اگر مشہور ہو کہ فلاں کتابیہ عورت پاک دامن ہے اور فحاشی سے دور ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں اور کھانے کو ہمارے لیے جائز قرار دیا ہے لیکن اس دور میں ان سے شادی کرنے میں بہت زیادہ خرابی اور برائی ہے کیونکہ وہ شوہر کو اپنے دین کی طرف دعوت دیں گی' اس کی اولاد کو بھی عیسائی بنا دیں گی لہٰذا اس خطرے کی وجہ سے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مسلمان کتابیہ عورت سے شادی نہ کرے اور پھر آج کل اہل کتاب عورتوں کی اکثریت فحاشی میں بھی مبتلا ہے لہٰذا اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی اور کی اولاد کو اس کی طرف منسوب کر دیں گی۔ لہٰذا اگر بظاہر یہ معلوم بھی ہو کہ یہ عورت بدکار نہیں ہے بلکہ عفت مآب ہے تو پھر بھی احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے شادی نہ کرے اور کسی مسلمان مومن عورت سے شادی کرنے کی مقدور بھر کوشش کرے لیکن اگر اس کی واقعی ضرورت ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ تاکہ اپنے آپ کو عفیف و پاک دامن رکھ سکے اور غض بصر کا سامان کر سکے مقدور بھر کوشش کر کے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دیتا رہے' اس کے شر سے بچتا رہے اور اس بات کا بطور خاص خیال رکھے کہ وہ اسے یا اس کی اولاد کو کفر میں مبتلا نہ کر دے۔

—— شیخ ابن باز ——

کتابی عورت سے شادی کرنے کی دو شرطیں

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنَٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنَٰتِ وَالْمُحْصَنَٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

"آج کے دن تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)۔"

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کتابی عورت سے شادی کرنا جائز ہے' سوال یہ ہے کیا آیت آج کل کی اس کتابی عورت کے لیے بھی ہے جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے یعنی جو مشرکہ ہے؟

جواب اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ یعنی اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں یعنی وہ زنا اور اس کے مقدمات سے محفوظ ہوں اور یہ سبھی جانتے ہیں کہ اہل کتاب بھی اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں' گو وہ شریعت محمدیہ کی آمد کے بعد منسوخ ہو چکی ہیں اور اس مذکورہ بالا آیت کا حکم ﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَٰتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ﴾ اور ﴿ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ﴾ کی آیات سے خاص ہو گا لیکن اس کے باوجود بعض صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم نے کتابی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیا تھا۔ مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم بدکار عورتوں سے نکاح نہ کر لو۔ تاہم جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ پاک دامن ہوں اور اپنے شوہر کے بستر (اپنی عفت و عصمت) کی حفاظت کرنے والی ہوں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شریعت کے مطابق کتابی عورت سے شادی

سوال میں فرانس میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں اور ایک فرانسیسی نصرانی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' شادی کے لیے کیا شرطیں ہیں؟ مہر کیسے دیا جائے گا؟ کیا مہر کے بغیر بھی شادی ہو جائے گی؟ میں عرفی اور شرعی شادی میں فرق بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں؟ میرا تعلق مغرب سے ہے اور اب فرانس میں رہ رہا ہوں اور تعلیمی وظیفہ کے سوا میری اور کوئی آمدنی بھی نہیں ہے؟

جواب مسلمان کے لیے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی کسی عورت سے شادی کرنا جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَٱلْمُحْصَنَـٰتُ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِىٓ أَخْدَانٍ ﴾
(المائدۃ٥/ ٥)

''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ تم ان کو ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔''

لیکن ضروری ہے کہ مسلمان کی کتابیہ عورت سے شادی اسلامی شریعت کے مطابق ہو کیونکہ مسلمان کے لیے اسلامی شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ مہر کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیتے ہوئے مال کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ چنانچہ محرمات نکاح کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَـٰفِحِينَ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

''اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بایں طور کہ تم مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔''

سائل نے عرفی اور شرعی نکاح میں جو فرق معلوم کیا ہے تو شرعی نکاح وہ ہے جو اسلامی شریعت کے مطابق ہو' شریعت کی مقرر کردہ شروط پوری ہوں اور اس میں کوئی امر مانع نہ ہو' جب کہ عرفی نکاح وہ ہوتا ہے جو اپنے دور کے رواج وعادت کے مطابق ہو لیکن مسلمان کے لیے یہ ازحد (انتہائی) ضروری ہے کہ وہ نکاح شرعی تقاضوں کے مطابق ہی کرے کیونکہ مسلمان اسلامی احکام کا پابند ہے' اگر اس نے شادی کی اور اس میں شرعی شروط پوری نہ ہوں یا شرعاً اس میں کوئی امر مانع ہو تو یہ شادی فاسد ہو گی' عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی اور نہ اس پر شرعی نکاح کے احکام مرتب ہوں گے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شادی کا چرچ میں اعلان

سوال کیا کسی مومن کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کسی کتابی عورت سے شادی کی ہو تو وہ چرچ میں جا کر کسی پادری کے ہاتھ پر اس نکاح کا اعلان کرے؟

جواب کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان یا کتابی عورت سے اپنی شادی کا چرچ میں جا کر کسی پادری کے سامنے اعلان کرے خواہ اس نے یہ شادی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہی کیوں نہ کی ہو کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ نکاح کے شعار' ان کے مشاعر اور معابد کی تعظیم اور ان کے علماء و مشائخ کے احترام اور ان کی توقیر میں (نصرانیوں کے ساتھ) مشابہت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، ح:٤٠٣١ ومسند أحمد: ٢/ ٥٠)

"جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے' وہ انہیں میں سے ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

حق مہر کے احکام

مہر میں مبالغہ آرائی

سوال بعض لوگ' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے' مہر کی رقم بہت زیادہ طلب کرتے ہیں اور بیٹیوں کی شادی کے وقت وہ ایک بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں' دیگر شرائط اس کے علاوہ ہوتی ہیں تو کیا اس طریقے سے لیا ہوا مال حلال ہے یا حرام؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ مہر میں تخفیف و تقلیل ہو اور اس میں بہت زیادہ رغبت نہ ہو تاکہ اس سلسلہ میں وارد احادیث پر عمل ہو سکے' شادی کو آسان بنایا جا سکے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی عفت و پاک دامنی کا اہتمام کیا جا سکے' وارثوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے بھی رقم کا مطالبہ کریں کیونکہ یہ ان کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف عورت کا حق ہے ہاں البتہ باپ کوئی ایسی شرط عائد کر سکتا ہے جس سے بچی کو بھی کوئی نقصان نہ ہو اور نہ اس کی شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو اور اگر وہ ہر قسم کی شرط کو ترک کر دے تو یہ اس کے لیے بہت بہتر اور افضل ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اور اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے خوش حال کر دے گا۔"

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقا حتى مات، ح:٢١١٧ والمستدرك للحاكم، النكاح: ٢/ ١٨٢، ح:٢٧٤٢ واللفظ له)

''بہترین مہر وہ ہے جو (دینا) آسان ہو۔''

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور جب ایک خاتون نے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہبہ کر دیا تھا اور آپ نے اس کی ایک صحابی سے شادی کا ارادہ فرمایا تھا تو اسے حکم دیا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ کَانَ خَاتَمًا مِنْ حَدِیْدٍ»(صحیح البخاري، النکاح، باب السلطان ولي ... الخ، ح:٥١٣٥، وصحیح مسلم، النکاح، باب الصداق وجواز کونه تعلیم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٥)

''مہر کا انتظام کرد خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو۔''

اور جب اسے لوہے کی انگوٹھی بھی میسر نہ آسکی تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اس عورت کو قرآن حکیم کی وہ سورتیں سکھا دے جن کے متعلق اس نے بتایا تھا کہ وہ اسے زبانی یاد ہیں۔ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم تھا (جو آج کے تقریباً ایک سو تیس ریال کے برابر ہے) اور آپ کی صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا (جو آج کے قریباً سو ریال کے برابر ہے) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ ہے۔''

شادی کے اخراجات جس قدر کم ہوں گے' مردوں اور عورتوں کے لیے عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنا آسان ہو گا' فواحش و منکرات میں کمی ہو گی اور امت کی تعداد میں اضافہ ہو گا اور شادی کے اخراجات میں جس قدر اضافہ ہو گا' لوگ زیادہ مہر کی رغبت کریں گے تو شادیاں کم اور بدکاریاں زیادہ ہوں گی اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگی تعطل کا شکار ہو جائے گی۔ الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا میری تمام مسلمانوں کو' خواہ وہ کسی بھی جگہ رہ رہے ہوں' یہ نصیحت ہے کہ وہ شادی و نکاح کو آسان بنائیں۔ اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے تعاون کریں' زیادہ مہر کا مطالبہ نہ کریں' ولیمہ کی دعوتوں میں بھی تکلف سے اجتناب کریں اور صرف شرعی ولیمہ پر اکتفاء کریں جس کی وجہ سے بہت زیادہ اخراجات برداشت نہیں کرنے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اصلاح فرمائے اور انہیں ہر چیز میں سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

کم اخراجات والی شادی بابرکت ہے

سوال مہر میں مبالغہ اور شادی کی محفلوں میں اسراف کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے خصوصاً شادی کے بعد ہنی مون منانے کے لیے بے پناہ اخراجات و تکلفات کیے جاتے ہیں' کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

جواب مہر اور شادی کی تقریبات میں مبالغہ خلاف شریعت ہے۔ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہوتا ہے جس میں اخراجات کم ہوں جس قدر اخراجات کم ہوں گے اسی قدر برکت زیادہ ہو گی۔ اکثر و بیشتر حالات میں یہ مسئلہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے کیونکہ عورتیں ہی اپنے شوہروں سے زیادہ مہر کا مطالبہ کرتی ہیں' اگر مہر کم ہو تو عورت کہتی ہے کہ نہیں یہ مہر مناسب نہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ ہماری بیٹی کے لیے تو (اتنا اتنا اس سے کہیں زیادہ) مہر ہو۔ تقریبات میں بھی بے پناہ اخراجات سے شریعت نے منع کیا ہے اور یہ اخراجات بھی حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں داخل ہیں:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوٓاْ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣١)

"اور (اپنا مال) بے جا نہ اڑاؤ یقیناً اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کو تقریبات کے زیادہ اخراجات پر بھی مجبور کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ فلاں فلاں کی تقریب تو اس قدر شان و شوکت سے منعقد ہوئی تھی اور ہم کسر کیوں اٹھا رکھیں لیکن یہ ضروری ہے کہ ان تمام معاملات کو شریعت کی روشنی میں سرانجام دیا جائے۔ انسان کو نہ حد سے بڑھنا چاہیے اور نہ اسراف سے کام لینا چاہیے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسراف ناپسند فرمایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف٧/ ٣١)

"یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

ہنی مون کے نام سے جو فضول خرچی کی جاتی ہے تو یہ بھی بے حد ناپسندیدہ اور ناشائستہ حرکت ہے کیونکہ اس میں غیر مسلموں کی تقلید بھی ہے اور بہت سے مال و دولت کا ضیاع بھی علاوہ ازیں بہت سے دینی امور بھی ضائع ہوتے ہیں خصوصاً جب کہ مسلمان ہنی مون کو منانے کے لیے کسی غیر اسلامی ملک میں چلا جائے تو وہ ان کی ایسی رسوم و عادات کو اپنے ساتھ لاتا ہے جو مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان اپنی بیوی کو ساتھ لے کر عمرہ کے لیے یا مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے چلا جائے تو ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مہر میں مبالغہ آرائی کے مشکل مسئلہ کا حل

سوال مہر میں مبالغہ آرائی ایک معاشرتی مسئلہ ہے لہٰذا اس کا کوئی نہ کوئی حل ہونا چاہیے' آپ کی رائے میں اس سنگین مسئلہ کا کیا حل ہے؟

جواب بے شک مہر میں مبالغہ آرائی ایک سنگین معاشرتی مسئلہ ہے حکومت' علماء اور معززین کو باہمی تعاون کے ذریعے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ اس کے لیے لوگوں کو بھی یہ نصیحت کی جائے کہ وہ مہر میں تخفیف سے کام لیں' تخفیف کے فوائد بھی بیان کریں اور خود اپنا عملی نمونہ بھی پیش کریں تاکہ دوسرے لوگ بھی امراء' علماء اور معززین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس خرابی کو دور کر سکیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بھی پانچ سو درہم سے زیادہ مہر نہیں دیا تھا اور آپ کی ذات گرامی اپنے اقوال و اعمال میں ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ»(سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا، ح:٢١١٧ والمستدرك للحاكم، النكاح: ٢/ ١٨٢، ح: ٢٧٤٢ واللفظ له)

"بہترین مہر وہ ہے جو کم ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

«أَبْرَكُهُنَّ أَيْسَرُهُنَّ مُهُورًا»(المغني عن حمل الأسفار في الأسفار للعراقي: ٢/ ٤٠، ح:٩)

"زیادہ بابرکت عورتیں وہ ہیں' جن کے مہر کم ہوں۔"

ایک صحابی کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے جب کوئی مال نہ تھا تو آپ ﷺ نے اس کی شادی ایک عورت سے اس مہر پر کر دی کہ اسے قرآن مجید کی جس قدر سورتیں یاد ہیں' وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دے۔

نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مہر میں تسامح سے کام لینا چاہیے اور ولیمہ کی دعوتوں میں بھی تکلف سے کام نہیں لینا چاہیے' بے شک ان امور میں سبقت کا مظاہرہ نوجوانوں کی جلد شادی کا سبب بنے گا اور اس طرح بہت سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو عفت و پاک دامنی کی زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم ہو گا اور معاشرے کو شیطان کی چالوں اور دیسیہ کاریوں سے محفوظ رکھا جا سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کرنے کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے نگاہیں نیچی رہیں گی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے' روزہ اس کی جنسی خواہش کو ختم کر دے گا۔"

—— شیخ ابن باز ——

مہر کی شرط سب سے اہم شرط ہے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ مہر کی رقم کو مؤجل اور قسطوں میں ادا کیا جائے کیونکہ میرے پاس مکمل مہر ادا کرنے کے لیے ساری رقم نہیں ہے؟

جواب انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی عورت سے مہر معین پر شادی کر لے خواہ اسے معجل طور پر (فوراً) ادا کرے یا مؤجل (کچھ وقت کے بعد)۔ سارے مہر یا اس کے کچھ حصہ کو مؤجل کرنے پر وہ بیوی کے ساتھ معاہدہ کر سکتا ہے اور جب دونوں کسی معاہدہ پر متفق ہو جائیں تو پھر دونوں کے لیے ضروری ہے کہ اس معاہدہ کو پورا کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨)

"جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے' وہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہو۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

مہر ادا کرنے میں تاخیر

سوال عورت کے مہر کے ادا کرنے میں تاخیر کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے کیا یہ حرام ہے یا حلال؟

جواب مہر کی ادائیگی میں تاخیر میں کوئی حرج نہیں مثلاً اگر اتفاق سے یہ طے پا جائے کہ دس ہزار معجل (فوراً) اور دس ہزار مؤجل (کچھ وقت کے بعد) ادا کیا جائے گا یا بیس ہزار ہی کو مؤخر ادا کیا جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق معاملات کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَقُّ ما أَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوطِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»(صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في المهر عند عقدة النكاح، ح:٢٧٢١ وصحيح مسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، ح:١٤١٨ ومصنف عبدالرزاق، النكاح، باب الشرط في النكاح، ح:١٠٦١٣ واللفظ له)

”جن شرطوں کو پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہو۔“

اگر مہر کو کسی مدت یا طلاق یا موت تک مؤخر کیا ہو تو اسے ادا کر دینا چاہیے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

مہر میں تاخیر جائز ہے

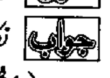
سوال کیا شادی کے وقت مہر کے ادا کرنے میں تاخیر جائز ہے یا نہیں؟

جواب مہر کے کچھ حصہ کو کسی مصلحت کے پیش نظر مؤخر کرنا جائز ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔ اس مدت کی تعیین بھی جائز ہے جس میں شوہر اسے ادا کر دے گا اور اگر اس نے کسی مدت کا تعین نہ کیا ہو تو اس میں طلاق یا وفات تک بھی تاخیر جائز ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

مہر کے بغیر نکاح

سوال کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ کسی کو محض لوجہ اللہ دے دے اور مہر کا تعین نہ کرے؟



جواب نکاح میں مال کا وجود ضروری ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

”اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔“

اور حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ میں ہے جس کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے اس عورت سے شادی کرنا چاہی تھی جس نے اپنے آپ کو نبی اکرم ﷺ کے لیے ہبہ کیا تھا:

«اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ»(صحيح البخاري، النكاح، باب السلطان ولي ... الخ، ح:٥١٣٥ وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٥)

"مہر کے لیے کوئی چیز تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو۔"

اگر کوئی شخص مہر کے بغیر شادی کرے تو عورت کے لیے مہر مثل واجب ہو گا' یہ بھی جائز ہے کہ شادی کے لیے آدمی یہ مہر مقرر کرے کہ وہ اسے قرآن مجید کی کچھ سورتیں یا کچھ حدیثیں یا دیگر علوم نافعہ میں سے کچھ معلوم اشیاء سکھا دے گا' کیونکہ اس ہبہ کرنے والی عورت سے شادی کرنے والے کو جب کوئی مال نہ ملا تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ "اسے قرآن مجید کی کچھ سورتیں سکھا دو" مہر عورت کا حق ہے' اگر عورت اپنے اس حق سے دستبردار ہو جائے اور وہ سلیم العقل ہو تو یہ جائز ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ﴾ (النساء٤/ ٤)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔"

—————— شیخ ابن باز ——————

سودی کاروبار کرنے والے باپ کے مال سے شادی کرنا

سوال الحمدللہ ' اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے سرفراز فرما رکھا ہے اور میں ان شاء اللہ عنقریب شادی بھی کرنا چاہتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے والد صاحب ' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے ' سودی کاروبار کرتے ہیں اور وہ اس شادی میں میرے ساتھ مالی تعاون بھی کریں گے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں کہ میرے پاس از خود مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے اور اگر میں اپنے والد کی اس حرام کمائی کے تعاون کو قبول نہ کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں کئی سالوں تک شادی نہ کر سکوں گا لہٰذا رہنمائی فرمائیں کہ میں کیا کروں؟

جواب میں چاہتا ہوں کہ سائل اور قارئین کرام کو پہلے ایک مفید قاعدہ بتا دوں کہ ہر وہ چیز جو کمائی کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہے' وہ صرف کمانے والے کے لیے حرام ہے اور ہر وہ چیز جو خود حرام ہے وہ کمانے والے کے لیے بھی اور دیگر لوگوں کے لیے بھی حرام ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا مال لے لے اور وہ اسے کسی دوسرے کو بیع یا ہبہ کی صورت میں دینا چاہے تو ہم کہیں گے کہ یہ حرام ہے کیونکہ یہ مال بعینہ حرام ہے۔

لیکن جو کمائی حرام ہو مثلاً یہ کہ وہ سود یا دھوکے سے کی گئی ہو تو یہ صرف کمانے والے کے لیے حرام ہے جو اسے حق کے ساتھ لے لے اس کے لیے یہ حرام نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یہودیوں کا ہدیہ اور دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے' ان کا کھانا (طعام) تناول فرما لیا کرتے تھے' ان سے اشیاء بھی خرید لیا کرتے تھے اور سبھی جانتے ہیں کہ یہودی سودی لین دین کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے بارے میں ذکر فرمایا ہے۔

اس قاعدہ کی بنا پر میں سائل سے یہ کہوں گا کہ آپ کو شادی کے لیے جس قدر بھی ضرورت ہے' اپنے باپ کے مال سے لے لو یہ آپ کے لیے حلال ہے' حرام نہیں۔ سودی کاروبار کا گناہ آپ کے باپ کو ہو گا' میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے باپ کو ہدایت' توبہ اور سودی کاروبار ترک کر دینے کی توفیق عطا فرمائے' آپ کے باپ کو معلوم

ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَأْكُلُونَ ٱلرِّبَوٰاْ لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ ٱلَّذِى يَتَخَبَّطُهُ ٱلشَّيْطَٰنُ مِنَ ٱلْمَسِّ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٥)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔"

اس آیت کا کیا معنی سامنے آتا ہے؟ مفسرین نے اس آیت کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ سود کھاتے ہیں یہ جب قیامت کے دن اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان نے لپٹ کر جنون کی وجہ سے دیوانہ بنا دیا ہو' تو اس سے اندازہ فرمائیں کہ روز قیامت تمام لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کرنے کے لیے ان کی یہ سزا کس قدر سنگین ہو گی۔

بعض علماء متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ سودی معاملہ مجنونوں کی طرح کرتے ہیں کہ سود نے ان کی عقل اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کر دیا ہوتا ہے کہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر ان کی دلچسپی کا مرکز و محور سود ہی ہوتا ہے۔ آیت میں چونکہ اس معنی کا بھی احتمال ہے تو درحقیقت یہ معنی بھی وہی ہے جو پہلا معنی ہے جس پر جمہور علماء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس بے پناہ حرص اور لالچ کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی یہ سزا ملتی ہے اور آخرت میں بھی اس سزا سے دوچار ہوں گے!

——— شیخ ابن عثیمین ———

جب شوہر مقاربت (بیوی کے ساتھ ملاپ) سے پہلے فوت ہو جائے تو ....!

سوال ایک شخص عقد نکاح کرنے کے بعد مگر مقاربت سے پہلے فوت ہو گیا تو کیا اس کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی بیوی سے وہ مہر واپس لے لیں جو اس نے اپنی بیوی کو دیا تھا؟

جواب جب کوئی شوہر اپنی بیوی سے مقاربت سے پہلے ہی فوت ہو جائے تو اس صورت میں بھی بیوی کے لیے طے شدہ تمام مہر واجب ہوتا ہے کیونکہ شوہر کی وفات کی صورت میں بھی بیوی تمام مہر کی اسی طرح حق دار ہوتی ہے جس طرح وہ مقاربت کی صورت میں حق دار ہوتی ہے خواہ اس نے کچھ مہر ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو' شوہر کا باپ یا اس کی ماں مہر کے کسی بھی تھوڑے یا زیادہ حصے کے وارث نہیں ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مہر کا کچھ حصہ ادا کیا اور پھر اسے چھوڑ دیا

سوال میرے ایک رشتہ دار نے میری بہن سے منگنی کی اور مہر کا کچھ حصہ بھی ادا کر دیا لیکن ایک سال کے بعد اس نے اس منگنی کو توڑ دیا اور ایک دوسری عورت سے شادی کر لی تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہے جو اس نے مہر کے کچھ حصے کے طور پر ادا کی تھی؟ کیا یہ رقم اس کا حق ہے یا میری بہن کا؟

جواب یہ رقم اس نے اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے ادا کی تھی اور پھر اس نے تمہارے ہاں شادی کرنے کا ارادہ ترک کر کے اس رقم کو تمہارے لیے چھوڑ دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس رقم کو معاف کر دیا ہے لہٰذا تم اس کے رشتہ کے مطالبہ کو قبول (منگنی) کرنے اور ایک سال تک اپنی بہن کی شادی نہ کرنے کے بالمقابل اس رقم کے مستحق ہو اور پھر یہ کہ اس نے خود ہی اس رقم کو چھوڑا ہے اور اس کی واپسی کا مطالبہ بھی نہیں کرے گا لیکن بعد میں اگر وہ اس کا مطالبہ کرے تو آپ کو چاہیے کہ حسب اتفاق وہ پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ اس کو واپس کر دو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

ولیمہ اور دیگر تقریبات میں خلاف شریعت باتیں

دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنا

سوال شادی کے دعوتی کارڈوں پر بسم اللہ لکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے جبکہ عموماً انہیں پڑھنے کے بعد سڑکوں یا ردی کی ٹوکریوں میں پھینک دیا جاتا ہے؟

جواب دعوتی کارڈوں اور دیگر خطوط وغیرہ میں بسم اللہ لکھنا مشروع ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَبْتَرُ»(إرواء الغليل: ١/ ٢٩ والدر المنثور: ١/ ٣١)

"ہر وہ کام جس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہے۔"

اور اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مکتوبات و رسائل کو بسم اللہ ہی سے شروع فرمایا کرتے تھے لیکن جس شخص کو کوئی ایسا کارڈ یا خط ملے جس میں بسم اللہ یا قرآن مجید کی کوئی آیت ہو' اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے کوڑے میں یا ردی کی ٹوکریوں میں پھینکے یا کسی ناپسندیدہ جگہ پر رکھے۔ اسی طرح اخبارات و جرائد کی بے حرمتی کرنا' انہیں کوڑے میں پھینکنا' کھانے کے لیے دسترخوان کے طور پر بچھانا یا لفافوں وغیرہ کے طور پر استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ان میں بھی کہیں نہ کہیں اللہ کا نام ہوتا ہے جو شخص اس طرح کرے گا وہ گناہ گار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لکھنے والے کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر طرح کی خیر و بھلائی کی توفیق بخشے!

——— شیخ ابن باز ———

ہوٹلوں میں تقریبات کا انعقاد

سوال ہوٹلوں میں منعقد کی جانے والی تقریبات کے بارے میں آنجناب کی کیا رائے ہے؟

جواب ہوٹلوں میں منعقد کی جانے والی تقریبات میں کئی طرح کی غلطیاں اور کئی قابل اعتراض باتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ان تقریبات میں اکثر و بیشتر صورتوں میں اسراف اور فضول خرچی ہوتی ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسری بات

یہ کہ ہوٹلوں میں ولیمہ کی دعوتوں میں بہت تکلف سے کام لینا پڑتا ہے اور اس قدر زیادہ لوگوں کو بلانا پڑتا ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ تیسری بات یہ کہ اس طرح کی تقریبات میں مردوں اور عورتوں میں اختلاط ہو جاتا ہے' ہوٹل کے سٹاف کے ساتھ بھی اور دیگر مردوں کے ساتھ بھی اور مردوں عورتوں کا یہ اختلاط انتہائی غلط اور منکر بات ہے۔ اس وجہ سے کبار علماء کی مجلس کی طرف سے جلالۃ الملک کی خدمت میں یہ سفارش پیش کی گئی ہے کہ ہوٹلوں میں شادی اور ولیمہ کی تقریبات پر پابندی عائد کر دی جائے اور لوگوں سے کہا جائے کہ وہ ان تقریبات کا انعقاد اپنے گھروں پر کریں۔ ہوٹلوں میں پر تکلف دعوتوں کو ترک کر دیں کیونکہ ہوٹلوں میں ان دعوتوں سے کئی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں' اسی طرح ان دیگر تقریبات پر بھی پابندی عائد کر دی جائے جن پر بہت زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ یہ سفارش لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لیے پیش کی گئی ہے تاکہ انہیں زیادہ خرچ نہ کرنے کی وجہ سے آسانی ہو' اقتصادیات بھی بہت خراب نہ ہو' اسراف اور فضول خرچی کی بھی حوصلہ شکنی ہو تاکہ متوسط درجے کے لوگوں کے لیے بھی شادی میں آسانی اور اسراف و فضول خرچی کی وجہ سے پریشانی نہ ہو کیونکہ جب کوئی شخص یہ دیکھے گا کہ اس کے چچازاد یا کسی اور رشتہ دار نے ہوٹل میں ولیمہ کی بہت پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا ہے تو وہ بھی اس کی نقالی اور مشابہت کے لیے یا تو قرض لے کر بے حد اخراجات برداشت کرے گا یا احساس کمتری میں مبتلا ہو کر وہ شادی کے پروگرام ہی کو مؤخر کر دے گا لہٰذا میری تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ خوشی کی ان تقریبات کو ہوٹلوں یا مہنگے شادی گھروں میں منعقد نہ کریں کیونکہ انہیں بہت زیادہ مہنگے شادی گھروں یا ہوٹلوں میں منعقد کرنے کی بجائے سستے ہوٹلوں' شادی گھروں یا اگر ممکن ہو تو اپنے گھروں یا اپنے رشتہ داروں کے گھروں میں منعقد کرنا زیادہ بہتر ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

مہر میں مبالغہ اور شادی کی تقریبات میں فضول خرچی

کبار علماء کی کونسل نے اپنے دسویں اجلاس میں (جو ریاض میں ۲۱/۳/۱۳۹۷ھ سے ۴/۴/۱۳۹۷ھ تک جاری رہا) اس تحقیقی بحث کا جائزہ لیا جو کبار علماء کی مستقل کمیٹی نے عورتوں کے حق مہر کی تحدید کے موضوع پر تیار کی تھی۔ کبار علماء کی کونسل میں غور کے لیے یہ ریفرنس مجلس وزراء کے نائب صدر نے بھیجا تھا کیونکہ بہت سے لوگوں کی طرف سے حکومت کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی تھی کہ لوگ مہر میں بے حد مبالغہ آرائی سے کام لینے لگے ہیں' شادی اور ولیمہ کی تقریبات میں بے پناہ خرچ کر کے تمام حدود سے تجاوز کر رہے ہیں' آرائش و زیبائش اور بجلی کے قمقموں سے بے پناہ روشنیوں کا اہتمام بھی حد اعتدال سے بڑھتا جا رہا ہے' لہو و لعب' گانے بجانے اور موسیقی کے (یہ ناجائز) پروگرام بسا اوقات ساری ساری رات جاری رہتے ہیں حتی کہ بسا اوقات ان کی آوازیں نماز فجر کے مؤذنین کی آوازوں سے بھی بلند ہوتی ہیں۔ شادی سے پہلے منگنی وغیرہ کی رسوم کی تقریبات اس پر مستزاد ہیں۔ حکومت کی توجہ ان بعض دلائل کی طرف بھی مبذول کروائی گئی جن میں مہر میں کمی' اخراجات میں اعتدال اور اسراف و فضول خرچی سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾﴾

(الإسراء١٧/ ٢٦-٢٧)

"اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (ناشکرا) ہے۔"

مسلم' ابو داود اور نسائی میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا:

«كَانَ صَدَاقُهُ لأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشًّا قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ» (صحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن ... الخ، ح:١٤٢٦ وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، ح:٢١٠٥)

"آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیے اور نش" تھا پھر انہوں نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں مجھے معلوم نہیں تو انہوں نے فرمایا کہ نش کے معنی نصف اوقیہ کے ہیں اور اس طرح یہ سارا مہر پانچ سو درہم ہوا۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاتون سے شادی پر یا اپنی کسی صاحبزادی کے نکاح پر بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر کیا ہو" امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ نیز صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی کے موقع پر یہ مہر مقرر کیا کہ اسے جس قدر قرآن مجید یاد ہے' وہ اسے بھی سکھا دے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا اور اس روایت کو صحیح بھی قرار دیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَلاَ لاَ تُغْلُوا صُدُقَ النِّسَاءِ قَالَ: فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ كَانَ أَوْلاَكُمْ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ مَا أَصْدَقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ وَلاَ أُصْدِقَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنَاتِهِ أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَي عَشْرَةَ أُوْقِيَّةً وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيُبْتَلٰى بِصَدُقَةِ امْرَأَتِهِ حَتّٰى تَكُونَ لَهَا عَدَاوَةٌ فِي نَفْسِهِ وَحَتّٰى يَقُولَ كُلِّفْتُ إِلَيْكَ عَلَقَ الْقِرْبَةِ»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في مهور النساء، ح:١١١٤ وسنن أبي داود، النكاح، باب الصداق، ح:٢١٠٦ ومسند أحمد:١/ ٤٠ واللفظ له)

"تم عورتوں کے مہر میں غلو (حد سے بڑھنے اور بے اعتدالی) سے کام نہ لو کیونکہ یہ بات اگر دنیا کے اعتبار سے باعث عزت یا اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کا سبب ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تم سے بھی زیادہ مستحق تھے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات یا اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا بھی مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بسا اوقات آدمی کی اپنی بیوی کے مہر کی وجہ سے آزمائش بھی ہوتی ہے' جس سے اس کے دل میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے' حتیٰ کہ وہ کہنے لگتا ہے کہ میں نے تیرے لیے (یعنی تجھے حاصل کرنے کے لیے) اتنی زحمت اور تکلیف اٹھائی جتنی مشک اٹھانے میں ہوتی ہے۔

وہ احادیث و آثار بہت زیادہ بھی ہیں اور مشہور و معروف بھی جن میں اخراجات میں اعتدال سے کام لینے کی ترغیب

دی گئی ہے اور حد ضرورت سے تجاوز کی ممانعت کی گئی ہے تو ان احادیث و آثار کی بنیاد پر اور مہر میں مبالغہ آرائی اور شادی و ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں حد اعتدال سے تجاوز کے باعث اور پھر شادی سے پہلے اور بعد میں بھی ان دعوتوں کی کثرت کے باعث جو خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور ایسے حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہے جو اخلاق خراب کرتے ہیں مثلاً گانا بجانا' مردوں اور عورتوں کا اختلاط' دعوتوں کے ہوٹلوں میں انعقاد کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی ہوٹلوں کے مرد ملازمین کا خدمت سر انجام دینا جو بجائے خود ایک بہت بڑی برائی ہے اور جب بہت سے لوگ شادی کی اس طرح کی دعوتوں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تو پھر وہ کسی ایسے معاشرے میں شادی کر لیتے ہیں جس کے اخلاق و روایات ہمارے معاشرہ سے ہم آہنگ نہیں ہوتے اور جن کی وجہ سے ہمارے ہاں بھی عقیدہ و اخلاق میں انحراف آ جاتا ہے۔ بلکہ یہ بے حد و حساب فضول خرچی بھی ہمارے بہت سے بچوں اور بچیوں کے اخلاقی انحراف کا سبب بنتی ہے' ان تمام امور کے پیش نظر مجلس کبار علماء شدت سے یہ محسوس کرتی ہے کہ اس صورت حال کا بہت مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر علاج ہونا چاہیے' اس سلسلہ میں کونسل کی سفارشات حسب ذیل ہیں:

1 کونسل کی رائے میں شادی کی محفلوں میں گانے' بجانے' موسیقی' گلوکار مردوں' عورتوں اور لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی لگا دی جائے کیونکہ یہ سب امور منکر اور حرام ہیں' ان سے منع کرنا اور باز نہ آنے والے کو سزا دینا واجب ہے۔

2 شادی اور دیگر محفلوں میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط پر پابندی لگائی جائے اور شوہر کو بھی منع کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس وقت نہ جائے جب اس کے پاس عورتیں پردہ کے بغیر بیٹھی ہوں اور اس سے باز نہ آنے والے شوہر کو اور بیوی کے وارثوں کو ایسی سزا دی جائے کہ وہ اس منکر سے باز آ جائیں۔

3 شادی اور ولیمہ کی دعوتوں میں اسراف' فضول خرچی اور حد اعتدال سے بڑھ کر خرچ کرنے سے منع کیا جائے' نکاح رجسٹرار اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ لوگوں کو سمجھایا جائے' مہر میں تخفیف (کمی کرنے) کی ترغیب دی جائے اور اسراف کی مذمت کی جائے۔ نیز اس موضوع پر مسجدوں کے منبروں پر' علمی مجلسوں میں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ نشر ہونے والے پروگراموں میں روشنی ڈالی جائے۔

4 کونسل میں کثرت رائے سے یہ بھی طے پایا کہ جو لوگ شادی اور ولیمہ کی دعوتوں میں بہت واضح طور پر اسراف اور فضول خرچی کا مظاہرہ کریں' انہیں سزا دی جائے اور محاسب پولیس کی وساطت سے ان کے معاملہ کو عدالتوں میں لے جایا جائے تاکہ جس کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے حد اعتدال سے تجاوز کیا ہے' اسے حاکم شرعی کوئی ایسی تعزیری سزا دے سکے جو دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت ہو کیونکہ کچھ لوگ سزا کے بغیر باز آہی نہیں سکتے۔ حاکم وقت کو بھی چاہیے۔ (اللہ تعالیٰ اسے توفیق عطا فرمائے) کہ وہ امت کی ان مشکلات کا علاج کرے' انحراف کے اسباب کو ختم کرے اور مخالفت کرنے والے کی سزا پر دستخط کر دے تاکہ لوگ ان فضول خرچیوں اور اسراف سے باز آ جائیں۔

5 کونسل کی رائے میں مسجدوں کے منبروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ مہر کی تخفیف و تقلیل کی تلقین و ترغیب دی جائے اور ایسی مثالیں بیان کی جائیں جو شادی کے کم اخراجات کے سلسلہ میں مشعل راہ ہوں مثلاً اگر کسی نے مہر کے کچھ حصہ کو واپس کر دیا ہو یا استطاعت کے باوجود دعوت کو اسراف و فضول خرچی سے پاک رکھا ہو تو ایسی مثالوں کو ضرور بیان کیا جائے کیونکہ لوگ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔

6 کونسل کی رائے میں اسراف و فضول خرچی سے بچنے کے لیے سب سے زیادہ کامیاب طریقہ یہ ہے کہ قائدین' امراء' علماء' معززین او دیگر صاحب حیثیت لوگ اسراف اور فضول خرچی سے بچنے کا آغاز کریں کیونکہ جب تک یہ لوگ باز نہیں آئیں گے عامۃ الناس بھی کبھی اس سے باز نہیں آئیں گے کیونکہ عوام تو اپنے قائدین و معززین کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا حکمرانوں پر بھی یہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اس کا آغاز کریں اور دوسروں سے پہلے اپنے حلقہ کے خواص سے اس کی پابندی کرائیں رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سختی سے اس کی پابندی کریں تاکہ معاشرہ میں کنوارے لڑکے اور لڑکیوں کی کثرت نہ ہو کیونکہ اس سے بھی جنسی انارکی اور اخلاقی بے راہ روی جنم لیتی ہے۔

یاد رہے حکمرانوں سے کل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس امت کے بارے میں پوچھا جائے گا لہٰذا ان کے لیے یہ واجب ہے کہ یہ امت کو برائی سے روکیں' برائی کے اسباب کا خاتمہ کریں اور ان امور کا سراغ لگائیں جو نوجوانوں کی شادی میں تاخیر کا سبب بنتے ہیں تاکہ وہ اس کا مناسب علاج بھی کر سکیں ---حکومت--- اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے اور اسے توفیق بخشے--- اللہ تعالیٰ نے اسے جو بے پناہ وسائل اور امت کی اصلاح کے لیے جذبہ فراواں عطا فرمایا ہے' اس کی وجہ سے اس بات پر قادر ہے کہ ہر اس چیز کا خاتمہ کر دے جو اس معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے یا جو اخلاقی بے راہ روی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دین کی نصرت' اپنے کلمہ کی سربلندی اور بندگان الٰہی کی اصلاح کی توفیق بخشے اور اسے دنیا و آخرت میں بے پایاں اجر و ثواب سے نوازے۔ وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— مجلس کبار علماء ———

شادی وغیرہ کے موقع پر گانے بجانے اور...

سوال گانوں کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ حرام ہیں؟ میں انہیں صرف تسکین کے لیے سنتا ہوں' سارنگی کے استعمال اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا شادی کے موقع پر ڈھولک بجانا حرام ہے جب کہ میں نے سنا ہے کہ یہ حلال ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں صحیح علم نہیں ہے؟

جواب گانوں کو سننا حرام اور منکر ہے' دل کی بیماری و سختی کا باعث اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا سبب ہے' اکثر اہل علم نے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ ٱلْحَدِيثِ﴾ (لقمان ٣١/ ٦)

''اور لوگوں میں ایسا (بدبخت بھی) ہے جو بے ہودہ حکایتیں (اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والے افسانے) خرید تا ہے۔''

''لھو الحدیث'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہے؟ چنانچہ جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ ''لھو الحدیث'' سے مراد گانا ہے' گانے کے ساتھ اگر موسیقی کا آلہ مثلاً سارنگی' عود' کمان' اور ڈھولک بھی استعمال ہو تو حرمت اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ آلات موسیقی کے ساتھ گانا اجماعاً حرام ہے لہٰذا اس سے اجتناب واجب ہے' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري،

الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح: ٥٥٩٠)

"میری امت میں ضرور کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بدکاری' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

میں آپ کو اور دیگر مردوں اور عورتوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر الٰہی کریں' میں آپ کو اور دیگر تمام لوگوں کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ وہ ریڈیو کے پروگرام "اذاعة القرآن" اور "نور علی الدرب" سنا کریں۔ یہ دونوں پروگرام سننے کے بہت عظیم فوائد ہیں اور پھر انسان ان پروگراموں کے سننے میں مشغول ہو کر گانے اور موسیقی سننے سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر ایسے عام گیتوں کے ساتھ صرف دف بجانا جائز ہے جن میں حرام کام کی نہ دعوت ہو اور نہ تعریف ہو اور اس کی اجازت بھی صرف خواتین کے لیے ہے کہ وہ رات کے کسی حصہ میں دف بجا سکتی ہیں تاکہ نکاح کا اعلان ہو سکے اور نکاح اور بدکاری میں فرق ہو سکے جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے۔

شادی کے موقع پر ڈھولک بجانا جائز نہیں بلکہ صرف دف ہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ شادی کے موقع پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ گائے جانے والے گانے بھی ناجائز ہیں کیونکہ اس میں بہت بڑا فتنہ ہے' اس کے بھیانک نتائج ہیں اور اس سے مسلمانوں کو بہت ایذاء اور تکلیف پہنچتی ہے' نیز ان محفلوں کو بہت زیادہ طول بھی نہیں دینا چاہیے بلکہ اس قدر تھوڑے وقت پر ہی اکتفا کرنا چاہیے جس میں نکاح کا اعلان ہو جائے کیونکہ رات کو زیادہ دیر تک بیدار رہنے کی وجہ سے نیند پوری نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نماز فجر باجماعت ادا نہیں کی جا سکتی اور نماز فجر باجماعت ادا نہ کرنا بہت بڑے منکر امور اور منافقوں کے اعمال میں سے ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شادیوں میں بعض منکر باتیں

سوال فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین آج کل موسم گرما کی تعطیلات کے آغاز کے ساتھ ہی شادیاں شروع ہو گئی ہیں اور ہوٹلوں 'گھروں یا شادی گھروں میں جو شادیاں ہو رہی ہیں ان میں بہت سی غلط باتیں بھی عام رواج پا گئی ہیں جن میں سے بدترین باتیں لاؤڈ سپیکر پر عورتوں کے گانے' ڈیڈیو کے ذریعہ تصویر کشی اور اس سے بھی بڑھ کر شادی کرنے والے مرد کا تمام عورتوں کے سامنے اپنی بیوی کو بوسہ دینا ہے' آہ! حیا اور اللہ کا خوف کہاں گیا؟ اور ان مواقع پر جب کچھ غیور مسلمان نصیحت کرتے ہیں تو وہ جواب یہ دیتے ہیں کہ فلاں شیخ نے طبلہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا طبلہ بجانے کے لیے کچھ ضوابط اور حدود نہیں ہیں جن کی یہ شوریدہ لوگ پابندی کریں؟ امید ہے آپ مسلمانوں کے لیے حق بات کو واضح فرما دیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے' آپکے علم کے ساتھ نفع پہنچائے اور اللہ تعالیٰ آپکو توفیق بخشے۔

جواب شادی کے دنوں میں دف بجانے کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ شریعت میں اس کی اجازت ہے لیکن اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں:

① اس مقصد کی خاطر دف ہی استعمال ہو' جسے بعض لوگ "طار" کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اور یہ ایک طرف

سے بند ہوتی ہے اور اگر یہ دونوں طرف سے بند ہو تو پھر اس کا نام ڈھولکی ہو گا اور ڈھولکی کا استعمال جائز نہیں کیونکہ وہ آلات موسیقی میں سے ہے اور تمام آلات موسیقی حرام ہیں سوائے اس کے' جس کی حلت کی کوئی دلیل موجود ہو اور وہ صرف دف ہی ہے جسے شادی کے دنوں میں بجانا جائز ہے۔

② دف کے ساتھ کوئی حرام چیز شامل نہ ہو مثلاً ایسے گانے نہ گائے جائیں جو فحش ہوں اور جنسی جذبات کو بھڑکانے والے ہوں کیونکہ اس طرح کے گانے ہر صورت میں حرام ہیں خواہ دف ہو یا نہ ہو اور خواہ شادی کے دن ہوں یا دوسرے دن۔

③ اس سے کوئی فتنہ رونما نہ ہو یعنی خوبصورت آوازیں سن کر مردوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ اگر اس سے فتنہ رونما ہوتا ہو تو پھر بھی اس کا استعمال ممنوع ہو گا۔

④ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے کیونکہ تکلیف کی صورت میں بھی یہ ممنوع ہو گا۔ مثلاً لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی صورت میں بلند آوازوں سے پڑوسیوں وغیرہ کو تکلیف بھی ہوتی ہے نیز یہ آوازیں فتنہ بھی ہوتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تو نمازیوں کو بلند آواز سے قراءت کرنے سے منع فرمایا تاکہ دیگر نمازیوں کی نماز میں خلل پیدا نہ ہو تو اس سے اندازہ لگائیے کہ دف اور گانے کی بلند آوازوں کو کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

تصویروں کی قباحت میں بھی کسی عقل مند کو کوئی شک نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عقل مند اسے برضا و رغبت تسلیم ہی کر سکتا ہے۔ کسی مرد مومن کے اسے قبول کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی ماؤں' بیٹیوں' بہنوں' بیویوں اور دیگر خواتین کی تصویریں بنائی جائیں اور ہر کسی کو دکھائی جائیں یا انہیں کھلونے بنا دیا جائے کہ ہر فاسق و فاجر انہیں دیکھ کر لطف حاصل کرے۔

اور اس سے بڑھ کر بد ترین بات یہ ہے کہ ویڈیو کے ذریعے تصویریں بنائی جائیں کیونکہ ان تصویروں میں اس طرح منظر نگاری کی گئی ہوتی ہے کہ تصویروں والے زندہ معلوم ہوتے ہیں کہ انہیں چلتے پھرتے ہوئے دیکھا اور باتیں کرتے ہوئے سنا جا سکتا ہے اور یہ ایک ایسا منکر امر ہے کہ اسے ہر عقل سلیم اور دین مستقیم والا انسان برا ہی محسوس کرے گا اور کوئی بھی باحیا اور ایمان دار انسان اسے جائز قرار نہیں دے سکتا۔

عورتوں کا رقص کرنا بھی انتہائی بد ترین بات ہے' کیونکہ اس کی وجہ سے عورتوں کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے ہیں' ان کے سبب اس کے جواز کا قطعاً کوئی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا اور اگر رقص مردوں کا ہو تو یہ اور بھی بد تر ہے کیونکہ اس میں مردوں کی عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور اس میں جو قباحت ہے' وہ مخفی نہیں اور اگر مردوں اور عورتوں کا مخلوط رقص ہو جیسا کہ بعض بے وقوف لوگ کرتے ہیں تو یہ تو بے حد و حساب قبیح (برا) ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط ایک بہت بڑا فتنہ ہے' خصوصاً جب کہ یہ اختلاط نکاح و شادی کی جذبات انگیز تقریب میں ہو۔

سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ شوہر عورتوں کے مجمع میں آ کر اپنی بیوی کو سب عورتوں کے سامنے بوسہ دیتا ہے تو یہ بات بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے شادی کی نعمت سے نوازا ہے' وہ یہ کام سب عورتوں کے سامنے کرے جو شریعت' عقل اور مروت کے اعتبار سے بے حد منکر ہے' اسے یہ بات زیب کیسے دیتی ہے کہ وہ تمام عورتوں کے سامنے شادی کی نشاط انگیز تقریب میں اس طرح کا کام کرے اور پھر تعجب یہ ہے کہ عورت کے وارث اسے اس بات کی کیسے اجازت دیتے ہیں؟ کیا وہ اس بات سے ڈرتے نہیں کہ یہ آدمی عورتوں کے اس جمگھٹے میں کسی ایسی عورت کو دیکھے جو اس

کی بیوی سے زیادہ حسین و جمیل ہو جس کی وجہ سے یہ نقد دل ہار بیٹھے' اس کی بیوی اس کی نظروں سے گر جائے اور اس کے دل میں اس حسین و جمیل عورت کا سودا سما جائے اور اس کی ازدواجی زندگی ناخوش گوار ہو کر رہ جائے؟

آخر میں میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کروں گا کہ وہ ان تمام برے اعمال سے باز رہیں' شادی کی نعمت اور دیگر تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں' سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سنت کو مشعل راہ بنائیں اور ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو خود بھی گمراہ ہیں' دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ان کاموں کی توفیق عطا فرمائے جنہیں وہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنے ذکر' شکر اور حسن عبادت پر ہماری مدد فرمائے۔ انه قریب مجیب' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آله وصحبه اجمعین۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ولیمہ کی دعوتوں کی کثرت اور شب بھر بیداری .....

سوال شادی کی محفلوں' مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں مبالغہ آرائی' ہوٹلوں یا شادی گھروں میں منعقد ہونے والی ان دعوتوں میں صبح تک جاگنے' گانے بجانے اور موسیقی کا اہتمام اور ان محفلوں میں شرکت خصوصاً خواتین کی شرکت کے حوالہ سے رہنمائی فرمائیں تاکہ نقصان دہ باتوں سے اجتناب کیا جا سکے؟ کیا یہ جائز ہے کہ مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں حد بندی کر کے انہیں آسان بنا دیا جائے؟

جواب شادی کی محفلوں' مہر اور ولیمے کی دعوتوں میں مبالغہ آرائی اور ان دعوتوں میں شب بھر بیداری قطعاً مستحسن نہیں ہے کیونکہ سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس پر خرچ سب سے کم ہو' نکاح پر اخراجات جس قدر کم ہوں گے وہ اسی قدر بابرکت ثابت ہو گا اور اس سے شوہر کے لیے بھی یہ آسان ہو جائے گا کہ وہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی بسر کر سکے۔ شادی کی بعض محفلوں میں جو گانے بجانے اور موسیقی کا اہتمام کیا جاتا اور مردوں اور عورتوں کو مخلوط کر کے شریک کیا جاتا ہے تو یہ حلال نہیں ہے۔ لوگوں پر واجب ہے کہ ان کے یہ اجتماعات شریعت کے مطابق ہوں تاکہ کفران نعمت لازم نہ آئے۔ مسلمان بھائیوں خصوصاً شرفاء اور بڑے لوگوں کو چاہیے کہ وہ مہر کم کرنے' اسراف و فضول خرچی نہ کرنے' آدھی رات یا اس سے بھی زیادہ دیر تک نہ جاگنے اور اس طرح کے دیگر امور کے سلسلہ میں نمونہ قائم کریں تاکہ عام لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دلہا اور دلہن کا عورتوں کے درمیان بیٹھنا

اس دور کے منکر امور میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ دلہن کو عورتوں کے جمگھٹے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور پھر ان عورتوں کے پاس جو بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور جنہوں نے خوب بناؤ سنگار بھی کر رکھا ہوتا ہے' دلہا اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے اور بسا اوقات دلہا کے ساتھ اس کے اپنے یا اس کی دلہن کے رشتہ داروں میں سے بھی کچھ لوگ ہوتے ہیں۔

فطرت سلیم اور دینی غیرت کے حامل کسی بھی شخص سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس کام میں کس قدر فتنہ و فساد مخفی ہے' اس رسم کی وجہ سے اجنبی مردوں کو ایسی عورتیں دیکھنے کا موقع ملتا ہے جو بے پردہ ہوتی ہیں اور جنہوں نے خوب بناؤ سنگھار بھی کر رکھا ہوتا ہے اور پھر اس رسم کا انجام بھی ناخوش گوار صورت میں برآمد ہو سکتا ہے لہٰذا واجب یہ ہے کہ اس رسم کو ختم کر دیا جائے تاکہ اسباب فتنہ کا خاتمہ ہو سکے۔ عورتوں کے اجتماع کو شریعت مطہرہ کی مخالفت سے بچایا جا سکے۔ میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں' ہر ہر چیز میں اس کی شریعت کی پابندی کریں' ہر اس چیز سے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' اجتناب کریں' شادی کی محفلوں اور دیگر تمام مجلسوں میں شر اور فتنہ و فساد کے تمام اسباب سے دور رہیں تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکیں اور اس کی ناراضگی اور عذاب سے بچ جائیں۔

——— شیخ ابن باز ———

دلہا کی دلہن کے ساتھ رونمائی

سوال کیا یہ جائز ہے کہ عورتوں کی محفل میں دلہا کی دلہن کے ساتھ رونمائی کی جائے؟

جواب یہ جائز نہیں کیونکہ یہ حیا کے خاتمہ اور بے حیا و شریر لوگوں کی تقلید کی دلیل ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ دلہن تو لوگوں کے سامنے آنے سے شرماتی ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہو گا کہ سب کے سامنے اس کی رونمائی کی جائے؟

——— شیخ ابن جبرین ———

خاندانی منصوبہ بندی

خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں حکم

سوال فتویٰ کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ کیا مسلمان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل کو اختیار کر کے خاندانی منصوبہ بندی کر سکے؟

جواب کبار علماء کی کونسل نے اس مسئلہ پر پہلے بھی غور کیا تھا اور اس کے بارے میں درج ذیل قرار داد منظور کی تھی:

"یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے نسل انسانی کے پھیلانے اور بڑھانے کی ترغیب دی ہے' نسل کو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم اور نعمت کبریٰ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے ان بے شمار نصوص سے یہ واضح ہے' جنہیں بحوث علمیہ و افتاء کی فتویٰ کمیٹی نے اپنے اس تحقیقی مقالہ میں ذکر کیا ہے جو کونسل کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔"

"یہ دیکھتے ہوئے کہ خاندانی منصوبہ بندی یا منع حمل اس انسانی فطرت سے متصادم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا ہے نیز یہ اسلامی شریعت سے بھی متصادم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے"۔

"یہ دیکھتے ہوئے کہ خاندانی منصوبہ بندی یا منع حمل کی علمبردار ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقصد اپنی اس دعوت سے مسلمانوں کے خلاف عموماً اور عرب مسلمانوں کے خلاف خصوصاً سازش ہے اور اس سازش کے ذریعے وہ مسلمانوں کی آبادی کو کم کر کے مسلمانوں اور ان کے ملکوں پر غاصبانہ تسلط جمانا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں

میں زمانہ جاہلیت کے اعمال کی جھلک ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ بدگمانی ہے اور اسلامی معاشرے کی عمارت کو جو کہ بہت سی انسانی اینٹوں سے مل کر وجود میں آئی ہے' تباہ کرنے کی سازش ہے لہٰذا کونسل کی رائے میں خاندانی منصوبہ بندی اور منع حمل قطعاً جائز نہیں ہے جب کہ یہ بھوک اور افلاس کے خدشہ کی وجہ سے ہو کیونکہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے جو کہ زور آور اور مضبوط ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾ (هود۱۱/٦)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

ہاں البتہ اگر منع حمل کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے ہو' مثلاً عورت حسب معمول بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ اس کے لیے وہ آپریشن کے لیے مجبور ہو یا میاں بیوی کسی مصلحت کی وجہ سے حمل میں تاخیر چاہتے ہوں تو پھر منع حمل یا حمل کو مؤخر کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے تاکہ احادیث صحیحہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے عزل کا جو جواز مروی ہے' اس پر عمل ہو سکے اور فقہاء کے اس فتویٰ پر عمل ہو سکے کہ چالیس دن سے پہلے پہلے نطفہ نکالنے کے لیے دواء استعمال کرنا جائز ہے۔ یاد رہے ناگزیر ضرورت وحاجت ثابت ہو جائے تو پھر منع حمل ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

فقر کی وجہ سے منصوبہ بندی

سوال میری آمدنی محدود اور اولاد زیادہ ہے تو کیا میرے لیے خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کو اپنانا جائز ہے؟

جواب اس کے لیے منصوبہ بندی جائز نہیں ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ نَّحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَإِيَّاكُمۡۚ﴾ (الإسراء۱۷/ ۳۱)

"ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔"

ہاں کئی طریقے ایسے ہیں جن کی وجہ سے حمل میں تاخیر ہو جاتی ہے مثلاً بچے کی رضاعت کے دنوں میں عموماً حمل قرار نہیں پاتا' طہارت کے ایک یا دو ہفتے بعد مباشرت کی جائے۔ تو اس سے بھی عموماً حمل قرار نہیں پاتا کیونکہ عموماً حمل اس صورت میں قرار پاتا ہے جب حیض سے عورت کے فارغ ہونے کے فوراً بعد مباشرت کی جائے' عزل کے طریقے کو استعمال کر کے بھی حمل کو مؤخر کیا جا سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انزال شرم گاہ سے باہر کر دیا جائے اور اگر میاں بیوی اس پر متفق ہوں تو یہ جائز ہے' اسی طرح چالیس دن سے پہلے کسی مباح دوا کے ساتھ صحیح مقصد کی خاطر نطفہ کا اسقاط بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مانع حمل گولیوں کے استعمال کے ضابطے

سوال عورت کے لیے مانع حمل گولیوں کا استعمال کب جائز اور کب حرام ہے؟ کیا خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں کوئی صریح نص یا فقہی رائے موجود ہے؟ کیا مسلمان کے لیے کسی سبب کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے؟

جواب مسلمانوں کو چاہیے کہ جس قدر بھی ممکن ہو وہ اپنی نسل بڑھائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس طرف ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨)

"زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔"

کثرت نسل' امت کی کثرت کا سبب بنے گی اور امت کی کثرت' باعث عزت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر احسان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝٦﴾ (الإسراء١٧/٦)

"اور تم کو جماعت کثیر بنا دیا۔"

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَٱذْكُرُوٓا۟ إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ﴾ (الأعراف٧/٨٦)

"اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے تھے تو اللہ نے تم کو جماعت کثیر (زیادہ) کر دیا۔"

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ امت کی کثرت باعث عزت و قوت ہے نہ کہ فقر اور بھوک کا سبب ہے جیسا کہ بعض بدگمانی کرنے والے لوگ تصور کرتے ہیں۔ امت کی تعداد جب کثیر ہو' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر اس کا اعتماد اور بھروسہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اس کا ایمان ہو:

﴿۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (هود١١/٦)

"اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا فرما کر اسے اپنے فضل و کرم کے ذریعے بے نیاز کر دے گا' امید ہے اس تفصیل سے سوال کا جواب معلوم ہو گیا ہو گا۔ عورت کو درج ذیل دو شرطوں کے بغیر مانع حمل گولیاں استعمال نہیں کرنی چاہئیں:

1. عورت کو اس کی واقعی ضرورت ہو' مثلاً وہ بیمار ہو اور ہر سال حمل کی متحمل نہ ہو سکتی ہو یا بے حد لاغر و کمزور ہو یا کچھ اور ایسے موانع ہوں جن کی وجہ سے ہر سال حمل ہونا اس کے لیے جان لیوا اور نقصان دہ ہو۔
2. شوہر نے اسے اس کی اجازت دے دی ہو کیونکہ شوہر کا یہ حق ہے کہ بیوی اس کے لیے اولاد پیدا کرے' علاوہ ازیں ان گولیوں کے استعمال کے لیے طبیب سے یہ مشورہ کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کا استعمال نقصان دہ تو نہیں لہٰذا جب یہ دونوں شرطیں پوری ہو جائیں تو پھر ان گولیوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن ایسی گولیاں استعمال نہ کی جائیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مانع حمل ہوں کیونکہ یہ قطع نسل کے مترادف ہو گا۔

سوال کے دوسرے فقرہ کا جواب یہ ہے کہ تحدید نسل ایک ایسا امر ہے جو حقیقت میں ممکن نہیں کیونکہ حمل کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور پھر انسان جب ایک عدد معین کی تحدید کر لے تو یہ عدد کسی آفت کی وجہ سے ایک سال کے

میں ہی ہلاک ہو سکتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اولاد اور نسل کے بغیر رہ جائے گا' اسلامی شریعت میں تحدید نسل کے بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہے ہاں البتہ بوقت ضرورت مانع حمل طریقوں کو اختیار کرنا جائز ہے جیسا کہ سوال کے پہلے فقرہ کے جواب میں بیان کیا گیا ہے۔

سوال کا تیسرا فقرہ عزل سے متعلق ہے جب کہ وہ کسی سبب کے بغیر ہو تو اس کے بارے میں اہل علم میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«كُنَّا نَعْزِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب العزل، ح:٥٢٠٩ وصحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٤٠)

"ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔"

یعنی ہم نبی اکرم ﷺ کے عہد میں بھی ایسا کیا کرتے تھے اور اگر یہ فعل حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع فرما دیتے' لیکن اہل علم کا قول ہے کہ آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کیا جائے کیونکہ اسے اولاد پیدا کرنے کا حق ہے' عزل کی صورت میں وہ مکمل طور پر لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتی کہ عورت کی لطف اندوزی کی تکمیل تو انزال کے بعد ہی ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ ہم نے عزل کے جواز کو عورت کی اجازت کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

منع حمل مخصوص حالات ہی میں جائز ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے اس کے پہلے شوہر کے انتقال کے بعد شادی کی جب کہ اس کی ایک شیر خوار بچی بھی ہے تو کیا اس عورت کے لیے دوسرے شوہر کی موافقت کے بغیر مکمل ایک سال تک گولیوں کا استعمال جائز ہے تاکہ اسے حمل قرار نہ پا سکے جب کہ اس کی صحت بھی اچھی ہے اور حمل میں کوئی امر مانع نہیں ہے؟

جواب تحدید نسل مطلقاً حرام ہے کیونکہ شریعت میں تبتل (ازدواجی زندگی سے فرار) سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور محبت کرنے والی اور زیادہ بچوں کو جنم دینے والی عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے لہٰذا مخصوص انفرادی حالات کے سوا عام حالات میں مانع حمل گولیوں کا استعمال حرام ہے' مثلاً اگر عورت عام معمول کے مطابق بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ ہر بچے کی پیدائش کے وقت وہ آپریشن کرانے کے لیے مجبور ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے عورت کے لیے حمل خطرناک ہو تو ایسی صورتوں میں مانع حمل گولیوں کا استعمال جائز ہے لیکن سوال میں مذکورہ حالت ایسی نہیں ہے لہٰذا اس عورت کے لیے گولیوں کا استعمال ناجائز ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بانجھ بنانا اور قطع نسل کرنا

سوال علماء اسلام و فقہاء دین' تحدید نسل' انسانوں کو بانجھ بنانے اور اس مقصد کی خاطر برضا و رغبت یا زبردستی ان کی تناسل ورجولیت کی رگوں کے کاٹ دینے کے مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں' کیا یہ اللہ تعالیٰ کے دین میں جائز ہے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں شافی جواب عطا فرمائیں' ہندوستان کے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض نے اسے حلال قرار دیا ہے اور بعض نے حرام اور بعض نے سکوت اختیار کیا ہے جب کہ ہم مسلمانان ہند اس مسئلہ میں حیران و پریشان ہیں اور نہیں جانتے کیا یہ دین میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیا تحدید نسل کے اس عمل کو مسلمانوں کے دین و ملت میں مداخلت قرار دیا جائے گا؟ کیا کسی بھی ایسی حکومت کے لیے جو مذہبی آزادی اور دینی امور میں عدم مداخلت کی دعوے دار ہو' یہ جائز ہے کہ وہ راہ چلتے ہوئے مسلمان مسافروں کی نس بندی کر دے خواہ وہ اس پر خوش ہوں یا ناخوش' اس مسئلہ کو واضح طور پر بیان فرمادیں' اللہ تعالیٰ آپ کو بے پایاں اجر و ثواب سے نوازے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ ـ أَمَّا بَعْدُ

دین اسلام سے بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ سوال میں مذکور یہ عمل منکر اور قوموں پر بلکہ ساری انسانیت پر ظلم کے مترادف ہے لہٰذا یہ کسی بھی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ مردوں اور عورتوں کو بانجھ بنانا ظلم عظیم ہے اور اس کے نتیجہ میں بے پناہ فساد برپا ہوتا اور انتہائی خطرناک نتائج ظاہر ہوتے ہیں' یہ عمل کتاب و سنت کے ادلہ شرعیہ کے بھی خلاف ہے اور اس فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے' اور انسانی حقوق (Human Rights) کے ان بلند و بالا دعوؤں کے بھی خلاف ہے جو انہی ممالک' تنظیموں اور ان کے دفاتر سے نشر کیے جاتے ہیں جو نسل انسانی کے قتل کے اس پروگرام کا پرچار اور بسااوقات جبراً اطلاق کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر اس عمل کا تعلق مسلمانوں سے ہو تو اس میں بہت سے نقصانات ہیں جن میں سے سرفہرست دشمن کے مقابلہ میں ان کی تعداد کو کم کرنے کی سازش ہے اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں آپ نے کثرت نسل کے اسباب کو اختیار کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی امت کی کثرت کی وجہ سے دیگر امتوں پر قیامت کے دن فخر فرمائیں گے' اس میں خرابی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس عمل کے ذریعے درحقیقت ان لوگوں کی تعداد کو کم کرنا مقصود ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے' اس کی شریعت کی دعوت دیتے اور زمین میں عدل و انصاف قائم کرنے میں تعاون کرتے ہیں مختصر یہ کہ نس بندی کا مذکورہ سلسلہ انتہائی بدترین قسم کا ظلم ہے اور سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۱۹)

"اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بہت بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: ۲۵۷۸)

"ظلم سے بچو کیونکہ ظلم روز قیامت بہت سی تاریکیوں کا سبب ہو گا۔"

کتاب و سنت کے ایسے بے شمار دلائل ہیں' جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نس بندی حرام اور انتہائی بدترین قسم کا ظلم ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جو شخص اس منکر کام کو کرے' اللہ تعالیٰ اسے حق و صواب کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائے اور ہر جگہ کے مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جس میں ان کی عزت' حق پر استقامت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی نصرت و اعانت ہو۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

——— شیخ ابن باز ———

خاندانی منصوبہ بندی پر خصوصی مقالہ

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لاَّ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

بعض مقامی اخبارات نے کچھ عرصہ پہلے یہ خبر شائع کی تھی کہ اردن کے مفتی اعظم نے تحدید نسل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور کہا ہے کہ حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا' لوگوں میں بھی یہ خبر مشہور ہو گئی' مجلسوں اور محفلوں میں بھی اس کا چرچا ہے اور مسلمان اسے تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں' یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے سوالات موصول ہوئے ہیں کہ یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ لہٰذا میرے جیسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کی روشنی میں بیان کریں!

قارئین کرام! آپ اس بات کو خوب جان لیں ---اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حق بات کی توفیق عطا فرمائے--- کہ میں نے اس فتویٰ کا جائزہ لیا اور اس کے مندرجات پر غور کیا ہے جسے اردن کے مفتی اعظم نے صادر کیا اور جس میں تحدید نسل کو جائز قرار دیا اور کہا کہ حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا۔ مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کی بنیاد حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر رکھی ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

نیز انہوں نے نبی ﷺ کے درج ذیل فرمان سے بھی استدلال کیا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے اس کی نظر نیچی اور شرم گاہ محفوظ رہے گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔"

مفتی صاحب نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو عزل کے جواز پر دلالت کناں ہیں' یہ ہیں وہ دلائل جن پر مفتی صاحب نے اس عظیم فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے' یہاں ایک اور بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے جسے مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ آج ہر جگہ آبادی میں اضافہ کی وجہ سے دنیا کے خطرات میں اضافہ ہو چکا ہے اور باخبر لوگ اس سے ڈراتے ہوئے اسے تباہی و بربادی اور ہلاکت کا سبب قرار دے رہے ہیں" اسی طرح انہوں نے اپنے اس فتویٰ کے آخر میں یہ بھی کہا ہے کہ "حکومت اگر اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ حکمران اگر ضعیف قول کو بھی لے لیں تو اس کے مطابق عمل لازم ہوتا ہے"۔

اہل علم و بصیرت میں سے جو شخص بھی اس فتویٰ میں مفتی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ بہت دور کی کوڑی لائے ہیں' راہ راست کی مخالفت کی ہے اور نشانہ وہاں لگایا ہے جو ہدف ہی نہیں ہے۔ انہوں نے جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ ان کے موقف کی قطعاً تائید نہیں کرتے بلکہ ان سے کچھ اور معلوم ہوتا ہے اور فتویٰ کچھ اور ہے جیسا کہ شاعر نے کہا۔ ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبِ

"وہ مشرق کی طرف رخ کر کے چل دی اور میں مغرب کی طرف منہ کر کے چل پڑا اور مشرق و مغرب کی طرف جانے والوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

مفتی صاحب نے جو آیت کریمہ ذکر فرمائی ہے' اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یوں ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَأَنكِحُوا۟ ٱلْأَيَـٰمَىٰ مِنكُمْ وَٱلصَّـٰلِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَآئِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا۟ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٢)

"اور اپنی (قوم کی) بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا اور اللہ تعالیٰ (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔"

پھر فرمایا ہے:

﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ ٱلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ۗ ﴾ (النور ٢٤/ ٣٣)

"اور جو لوگ نکاح (شادی) کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (یا) انہیں چاہیے کہ وہ پاک دامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔"

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم اور ترغیب دی ہے اور شادی کرنے والا اگر فقیر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے غنی کر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لیے فرمایا ہے تاکہ اسے نکاح کی ترغیب دے کر اس کے اس اقدام کی حوصلہ افزائی کی جائے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر بھروسہ اور اس کے فضل و کرم اور رحمت پر اس میں اعتماد پیدا کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ کے الفاظ پر ختم کیا ہے اور پھر یہ حکم دیا ہے کہ جن لوگوں کو نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو انہیں پاک دامنی کو اختیار کرنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے' تو سوال یہ ہے کہ یہ آیت قطع یا تحدید نسل کی دلیل کس طرح ہے؟ جناب مفتی صاحب کا مفروضہ یہ ہے کہ نکاح کی استطاعت نہ رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جو عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ قطع و تحدید نسل پر دلالت کرتی ہے کیونکہ عجز و درماندگی کی وجہ سے نکاح نہ کرنے کا نتیجہ بھی تو قطع و تاخیر نسل ہے لیکن یہ بہت عجیب و غریب اور نادر و نایاب استدلال ہے جس کا اس آیت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ فاللہ المستعان۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ان دونوں آیتوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم دیا ہے جس کی وجہ سے علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جسے مقدور ہو اس کے لیے نکاح ضروری ہے۔ انہوں نے نبی

علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد کے بظاہر الفاظ سے استدلال کیا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

”اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو نکاح کی استطاعت ہو تو وہ نکاح کر لے کہ اس سے نظر نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے بلاشبہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا۔“

سنن میں کئی سندوں سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ تَنَاسَلُوا فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (سنن أبي داود، النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، ح:٣٢٢٩ ومسند أحمد:٣/ ١٥٨، ٢٤٥ وصحيح ابن حبان [موارد الظمآن]، ح:١٢٢٩، ١٢٢٨ بالفاظ مختلفة)

”زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو اور نسل کو بڑھاؤ یقیناً روز قیامت میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا۔“

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«حَتَّى بِالسِّقْطِ»

”جو کچے بچے ساقط ہو جاتے ہیں وہ بھی شمار ہوں گے۔“

” ایامی “ أَيِّم کی جمع ہے اور یہ لفظ اس عورت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اس مرد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس کی بیوی نہ ہو خواہ وہ شادی کے بعد الگ ہو گئے ہوں یا ان میں سے کسی نے شادی ہی نہ کی ہو جیسا کہ علامہ جوہری نے اہل لغت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ” رجل ایم “ اور ” امراة أيِّم ۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ إِنْ يَكُوْنُوا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ کے بارے میں علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں شادی کی ترغیب دی ہے اور آزاد و غلام سب لوگوں کو شادی کا حکم دیا اور انہیں غنی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے:

﴿ إِن يَكُونُواْ فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (النور٢٤/ ٣٢)

”اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے خوش حال کر دے گا۔“

ابن ابی حاتم (نے اپنے والد گرامی' محمود بن خالد ازرق' عمر بن عبدالواحد اور سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ” حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکاح کرنے کا جو حکم دیا ہے تو اس کی اطاعت کرو' اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اسے پورا فرما دے گا۔ (ابن جریر) بغوی رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور لیث نے محمد بن عجلان سے' انہوں نے سعید مقبری سے اور انہوں

نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ عَوْنُهُمْ: اَلْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَالْمُكَاتَبُ الَّذِي يُرِيدُ الأَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِي يُرِيدُ الْعَفَافَ»(سنن النسائي، النكاح، باب معونة الله الناكح الذي يريد العفاف، ح: ٣٢٢٠ وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ما جاء في المجاهد ... الخ، ح:١٦٥٥ واللفظ له)

"تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (یعنی تین قسم کے آدمیوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ضروری قرار دیا ہے) (۱) وہ مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو۔ (۲) وہ مکاتب غلام جو اپنی طے شدہ قیمت کو ادا کرنا چاہتا ہو اور (۳) وہ شادی کرنے والا جس کا مقصد عفت و پاکدامنی کا حصول ہو۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس شخص کی شادی بھی کر دی تھی جس کے پاس اپنی چادر کے سوا اور کچھ نہ تھا اور جسے لوہے کی انگوٹھی بھی میسر نہ تھی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شادی کر دی اور اسے حکم دیا کہ مہر کے طور پر اپنی بیوی کو قرآن مجید کی وہ سورتیں سکھا دو جو تمہیں یاد ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے امید ہے کہ اس نے انہیں بقدر کفایت ضرور عطا فرمایا ہو گا۔

بہت سے لوگ جو یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ "فقیروں سے شادی کرو' اللہ تمہیں غنی کر دے گا" تو اس کا کوئی اصل نہیں' مجھے اب تک یہ کسی قوی یا ضعیف سند کے ساتھ نہیں ملی اور پھر قرآنی آیات کی موجودگی میں اس کی ضرورت بھی نہیں' نیز وہ احادیث اس موضوع میں کافی ہیں جو ہم نے بیان کی ہیں۔ وللہ الحمد والمنة۔

ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا... ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا ہے جو شادی کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں کہ وہ حرام سے بچیں اور عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کریں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس شخص کو شادی کرنے کی طاقت ہو تو وہ شادی کر لے کہ اس سے اس کی نظر نیچی رہے گی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو گی اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کی جنسی خواہش کو کچل دے گا۔"

ہم نے اوپر جو بیان کیا اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا مذکورہ دو آیتوں کی تفسیر میں جو قول نقل کیا اس سے قارئین کرام کے سامنے ان آیتوں کے معنی کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ نکاح کی مشروعیت اور ترغیب پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ اس کے فوائد و مصالح بہت ہیں' مثلاً اس سے جنسی ضرورت پوری ہوتی ہے' عفت و پاکدامنی حاصل ہوتی ہے' نگاہ نیچی رہتی ہے اور نسل انسانی کی افزائش ہوتی ہے لیکن ان آیات سے قطع حمل اور تحدید نسل کے جواز کا استدلال کرنا بے حد عجیب و غریب اور بعید از قیاس ہے اسی طرح مذکورہ حدیث بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے جس پر مذکورہ دونوں آیتیں دلالت کرتی

ہیں یعنی اس میں بھی نکاح کی ترغیب دی گئی ہے' نکاح کی بعض حکمتوں اور اسرار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ جو نکاح کرنے سے عاجز و قاصر ہوں وہ روزہ رکھیں کہ روزہ ان کی شہوت کو کمزور کر دے گا' شیطان کے راستہ کو بند کر دے گا۔ گویا روزہ رکھنا بھی عفت و غض بصر کے اسباب میں سے ہے' یہ حدیث بھی قطع حمل اور تحدید نسل کے جواز کی دلیل قطعی نہیں ہے بلکہ اس میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جسے نکاح کرنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ استطاعت کے حصول تک عفت و پاکدامنی کے لیے شرعی اسباب و وسائل کو اختیار کرے تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو۔

مفتی صاحب کا احادیث عزل سے تحدید نسل کے لیے استدلال بھی پہلے استدلال کی طرح بعید از قیاس اور مقاصد شریعت کے خلاف ہے کیونکہ عزل کے معنی تو اندام نہانی سے باہر انزال کر دینے کے ہیں تاکہ عورت حاملہ نہ ہو اور یہ کام انسان بوقت ضرورت کرتا ہے مثلاً یہ کہ عورت بیمار ہو یا بچے کو دودھ پلا رہی ہو اور حمل کی وجہ سے اسے یا اس کے بچے کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو لہٰذا اس غرض کے لیے یا دیگر شرعی اور معقول اغراض کے لیے ایک خاص وقت تک عزل کیا جاتا ہے اور پھر اسے ترک کر دیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو قطع حمل ہے اور نہ تحدید نسل ہے بلکہ یہ تو صرف ایسے سبب کو اختیار کرنا ہے جس کی وجہ سے ایک شرعی غرض کے لیے حمل کو کچھ وقت کے لیے مؤخر کر دیا جاتا ہے اور علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے جیسا کہ احادیث عزل سے معلوم ہوتا ہے اور پھر یہ بات بھی کوئی ضروری نہیں کہ عزل سے واقعی حمل قرار نہ پائے کیونکہ بسا اوقات منی اندر ہی خارج ہو جاتی ہے یا اس کے کچھ قطرے اندر گر جاتے ہیں جس کی وجہ سے عورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاملہ ہو جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جیسا کہ بعض احادیث عزل میں ہے:

«لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلاَّ اللهُ خَالِقُهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، ح:١٤٣٨)

"جو جان بھی پیدا ہونے والی ہے' اسے اللہ تعالیٰ ضرور پیدا فرمائے گا۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ»(مسند أحمد: ٣/ ٩٣)

"سارے پانی سے تو بچہ پیدا نہیں ہوتا۔"

جو شخص بھی اس مقام پر غور کرے گا اور دیگر عوامل سے خالی ہو کر خوب تدبر سے کام لے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ احادیث عزل میں قطعاً تحدید نسل کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں' اردن کے مفتی اعظم اور ہمارے دیگر بھائیوں کو حق بات کی توفیق عطا فرمائے اور فہم کی غلطیوں سے محفوظ رکھے۔ انه خير مسئول

جو شخص بھی اس پر غور کرے گا جو ہم نے ذکر کیا اور اہل علم سے نقل کیا ہے وہ جان لے گا کہ تحدید نسل کے جواز کا قول ہماری اس شریعت کاملہ کے مخالف ہے جس کا مقصد مصالح کی تحصیل و تکمیل اور مفاسد کی تعطیل و تقلیل ہے نیز یہ اس فطرت سلیم کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرما کر ان کے دلوں میں اولاد کی محبت پیدا کی اور انہیں کثرت نسل کے اسباب اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ نے نسل کو اپنے بندوں پر اپنا احسان اور دنیا کی زینت قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَٰجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُم مِّنَ

ٱلطَّيِّبَٰتِ﴾ (النحل١٦/ ٧٢)

"اور اللہ نے تم میں سے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں۔"

اور فرمایا:

﴿ٱلْمَالُ وَٱلْبَنُونَ زِينَةُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا﴾ (الکهف١٨/ ٤٦)

"مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔"

جو شخص بھی اس مقام پر غور کرے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ تحدید نسل کا قول مصالح امت کے خلاف ہے کیونکہ کثرت نسل تو امت کے لیے اسباب قوت و عزت اور عظمت و شوکت میں سے ہے اور تحدید نسل کا نتیجہ امت کی کمزوری و قلت بلکہ تباہی و بربادی ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ ایک ایسی واضح بات ہے کہ اس کے لیے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ مفتی صاحب نے جو اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ آبادی میں اضافہ تباہی و بربادی کا سبب ہے تو یہ بات کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ ایک عالم یہ بات کہے اور اسے اہمیت دے اور پھر اس کی خاطر ایسے احکام بیان کرے جو مخالف شریعت ہوں۔ غیب کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو ہے' اسی نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا' اسی نے ان کے رزق کا ذمہ اٹھایا ہے اور اسی نے اپنی کتاب کریم میں یہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ مَآ أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ﴿٥٧﴾ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ﴿٥٨﴾﴾ (الذاریات٥١/ ٥٦-٥٨)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ صرف میری ہی عبادت کریں' میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں' اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور (اور) مضبوط ہے۔"

اور فرمایا:

﴿۞ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود١١/ ٦)

"اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔"

اور فرمایا:

﴿وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ٱللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾﴾

(العنکبوت٢٩/ ٦٠)

"اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے' اللہ تعالیٰ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿فَٱبْتَغُوا۟ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزْقَ وَٱعْبُدُوهُ وَٱشْكُرُوا۟ لَهُۥٓ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٧﴾﴾ (العنکبوت٢٩/ ١٧)

"پس اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو' اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔"

اسی طرح بہت سی احادیث میں نبی اکرم ﷺ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جنین کو پیدا فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دے دیتا ہے کہ وہ اس کا رزق' عمر اور عمل لکھ دے لہٰذا ہر مخلوق کو وہ رزق مل کر رہتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس کے مقدر میں لکھ دیتا ہے' اس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے اسباب مہیا فرما دیتا ہے لہٰذا کسی عقل مند کو یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ وہ معیشت کی تنگی کے خوف سے تحدید نسل کو مستحسن یا مباح قرار دے؟ رزق کا ذمہ تو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر بھی ہے۔ اگر ہر جگہ آبادی میں اضافہ ہو گیا ہے تو پیداوار اور رزق کے اسباب و وسائل میں بھی تو اضافہ ہو گیا ہے' اب ہر جگہ ہر چیز پہلے سے زیادہ آسانی کے ساتھ' متنوع اور خوب صورت انداز میں دستیاب ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت' کمال قدرت اور اپنے بندوں کے مصالح کے ساتھ عظیم عنایت کی دلیل ہے تو پھر کسی مسلمان کو یہ بات کیوں کر زیب دے گی کہ وہ اپنے رب کے ساتھ بدگمانی رکھے اور امت کے لیے تحدید نسل کو جائز قرار دے اور اگر حکومت اس قانون کو نافذ کر دے تو اس کی پابندی کو لازم ٹھہرائے اور یہ سب کچھ معیشت کی تنگی اور عدم حصول رزق کے خوف کی بنیاد پر کرے تو سوال یہ ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ ایمان کہاں ہے؟ اس کی خیر و بھلائی پر اعتماد اور توکل کہاں ہے؟ پھر اس بدگمانی میں ان کفار کے ساتھ بھی مشابہت ہے جو فقر و افلاس کے ڈر کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عیب لگاتے ہوئے (یعنی ان کی خبر لیتے ہوئے) اور انہیں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُم مِّنْ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ﴾ (الأنعام ٦/ ١٥١)

"اور ناداری (فقری و مفلسی) کے اندیشے سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔"

اور سورۃ الاسراء میں فرمایا:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَـٰدَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَـٰقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا ﴿٣١﴾ ﴾ (الإسراء ١٧/ ٣١)

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں' کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بہت سخت گناہ ہے۔"

مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے آخر میں جو یہ فرمایا ہے کہ اگر حکومت اسے نافذ کر دے تو اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہو جائے گا کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ مسلمان حکمران اگر کسی ضعیف قول کو بھی لے لے تو اس پر بھی عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے"' تو مفتی صاحب کا یہ قول بھی حد درجہ ساقط بلکہ بالکل واضح طور پر باطل ہے کیونکہ حکومت کی اطاعت تو معروف میں کی جاتی ہے اس بات میں حکومت کی اطاعت نہیں کی جاتی جس میں امت کو نقصان ہو یا جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو اور تحدید نسل کی یہ بات شریعت اور مصلحت امت کے خلاف ہے لہٰذا اس میں حکومت کی اطاعت کیونکر لازم ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے حق میں فرمایا ہے:

﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١٢)

"اور وہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی۔"

حالانکہ آپ ﷺ تو معروف ہی کا حکم دیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے امت کی یہ راہنمائی فرمائی کہ حکمرانوں کی اطاعت صرف معروف ہی میں ہے اور نبی اکرم ﷺ نے خود بھی یہ فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، ح:٧١٤٥ وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية ... الخ، ح:١٨٤٠)

"اطاعت تو صرف معروف ہی میں ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (مسند أحمد: ٥/ ٦٦، ٦٧ وابن أبي شيبة، السير، باب في إمام السرية ... الخ، ح:٣٣٧٠٦ واللفظ له)

"خالق کی معصیت لازم آتی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ ان مختصر سی گزارشات سے ہمارا مقصود حق کا اظہار' حقیقت حال کی وضاحت اور اس مسئلہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت کی روشنی میں ہم جو جانتے ہیں مسلمانوں کی اس کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے' سب کو دین کی فقاہت اور دین میں ثابت قدمی عطا فرمائے اور سب کو گمراہ کن فتنوں اور شیطان کے وسوسوں سے بچائے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔

——— شیخ ابن باز ———

منع حمل اور تحدید نسل

اَلْحَمْدُ للهِ وَحْدَهُ وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۔ أَمَّا بَعْدُ

اسلامی فقہی کونسل نے تحدید نسل یا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے جسے خاندانی منصوبہ بندی کا نام دیا جاتا ہے' کے موضوع پر غور کیا اور مناقشہ اور تبادلۂ افکار و آراء کے بعد بالاتفاق یہ طے کیا کہ:

یہ دیکھتے ہوئے کہ اسلامی شریعت نے نسل انسانی کے پھیلانے اور بڑھانے کی ترغیب دی ہے' نسل کو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان عظیم اور نعمت کبریٰ قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے بے شمار نصوص سے یہ واضح ہے اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحدید نسل یا منع حمل کی بات اس انسانی فطرت سے متصادم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے' نیز یہ اس اسلامی شریعت سے بھی ٹکراتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے' نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ تحدید نسل یا منع حمل کی علمبردار ایک ایسی جماعت ہے جس کا مقصد اپنی اس دعوت سے مسلمانوں کے خلاف عموماً اور عرب مسلمانوں اور کمزور اقوام کے خلاف خصوصاً سازش ہے اور اس سازش کے ذریعے وہ مسلمانوں کی آبادی کو کم کر کے مسلمانوں' ان کے ملکوں اور ان کی دولت پر غاصبانہ قبضہ و تسلط حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ علاوہ ازیں خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں میں زمانہ جاہلیت کے اعمال کی جھلک ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ بدگمانی اور اسلامی معاشرے کی عمارت کو جو بہت سی انسانی اینٹوں سے مل کر وجود میں آتی ہے' تباہ کرنے کی سازش ہے لہٰذا اسلامی فقہی کونسل بالاتفاق یہ قرار دیتی ہے کہ تحدید نسل اور منع حمل مطلقاً جائز نہیں ہے جب کہ یہ بھوک اور افلاس کے خدشہ کی وجہ سے ہو کیونکہ رزاق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کہ زور آور اور بہت مضبوط ہے۔

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ ﴾ (ھود ۱۱/۶)

"اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

یا دیگر ایسے اسباب کی وجہ سے ہو جو شرعاً معتبر نہیں ہیں۔ ہاں البتہ اگر منع حمل کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے ہو' مثلاً عورت حسب معمول بچے کو جنم نہ دے سکتی ہو بلکہ اس کے لیے وہ آپریشن کے لیے مجبور ہو تو پھر منع حمل میں شرعاً کوئی امر مانع نہیں ہے یا اسی طرح کے دیگر شرعی یا طبی اسباب کی وجہ سے جنہیں ایک قابل اعتماد مسلم طبیب نے بھی تسلیم کیا ہو' حمل کو مؤخر کرنا مقصود ہو تو پھر بھی کوئی حرج نہیں بلکہ بعض حالات میں تو حمل کو مؤخر کرنا ضروری ہو جاتا ہے مثلاً جب کہ ثقہ مسلمان اطباء کی رائے کے مطابق اس سے بچے کی ماں کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو۔

ہاں البتہ تحدید نسل یا منع حمل کی مذکورہ اسباب کے پیش نظر شرعاً عام اجازت نہیں ہے اور جب اقوام پر اسے لازم قرار دیا جائے تو پھر اس کے گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ اقتصادی تعمیر و ترقی اور قوموں کی بہتری و بھلائی کے بجائے بین الاقوامی سطح پر مہلک ہتھیاروں کی تیاری میں بے پناہ مال و دولت کو خرچ کیا جا رہا ہے۔

دستخط وائس چیئرمین	دستخط چیئرمین اسلامی فقہی کونسل
محمد علی الحرکان رحمۃ اللہ علیہ	عبداللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ

متعدد شادیاں کرنے کے احکام

شادی میں اصل تعدد ہے


سوال شادی میں اصل تعدد ہے یا وحدت؟

جواب اس مسئلہ میں اصل تو تعدد ہی مشروع ہے بشرطیکہ استطاعت ہو اور ظلم کا خدشہ نہ ہو کیونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں مثلاً اپنے لیے بھی عفت و پاکدامنی کا حصول ہے اور ان خواتین کے لیے بھی جن سے اس نے شادی کی ہو نیز ان کی طرف احسان بھی ہے' نسل انسانی کی کثرت بھی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ بھی چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا۟ فِى ٱلْيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُوا۟ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا۟ فَوَٰحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُوا۟ ﴿٣﴾ ﴾ (النساء ۴/۳)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو اِنکے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔"

اور تعدد اس لیے بھی مشروع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ شادیاں کی تھیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٢١)

"(اے اہل ایمان!) یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی ذات میں بہترین (عمدہ) نمونہ موجود ہے۔"

جب ایک صحابی نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا' دوسرے نے کہا میں ساری ساری رات نماز پڑھتا رہوں گا اور نیند کے قریب بھی نہیں جاؤں گا' تیسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھتا رہوں گا اور کبھی بھی ناغہ نہیں کروں گا اور چوتھے نے کہا کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا لٰكِنِّي أُصَلِّي وَأَنَامُ وَأَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي» (صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، ح:٥٠٦٣ وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠١ واللفظ له)

"لوگوں کو کیا ہوا جو ایسی باتیں کرتے ہیں' جبکہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں' جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان عظیم عام ہے اور وحدت اور تعدد دونوں کو شامل ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

تعدد ازواج

سوال کیا اسلام میں تعدد ازواج مباح ہے یا مسنون؟

جواب استطاعت ہو تو تعدد ازواج مسنون ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي ٱلْيَتَٰمَىٰ فَٱنكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثْنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَٰحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو' اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔"

نبی ﷺ کے عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازواج سنت ہے' کیونکہ آپ کے حبالۂ عقد میں بیک وقت ۹ ازواج مطہرات تھیں اور ان سے اللہ تعالیٰ نے امت کو بہت نفع پہنچایا اور یہ تعداد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے۔ جب کہ آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔ تعدد ازواج میں مردوں' عورتوں اور ملت اسلامیہ سب کے لیے بہت فائدے ہیں' مثلاً غض بصر' شرم گاہ کی حفاظت اور کثرت نسل اور پھر اس طرح مرد بہت سی عورتوں کی اصلاح کر کے انہیں شر اور انحراف سے بچا سکتے ہیں ہاں البتہ جو شخص عدل و انصاف

کرنے سے عاجز و قاصر ہو اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (النساء٤/ ٣)

"اور اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)"

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس میں ان کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی نجات ہو!

——— شیخ ابن باز ———

دوسری بیوی سے شادی کے وقت پہلی کو کیا دے؟

سوال ایک شخص کے پاس ایک بیوی ہے اور اب جب کہ اس نے دوسری عورت سے شادی کی تو پہلی نے مطالبہ کیا کہ وہ اسے بھی اسی قدر زیور دے جس قدر اس نے دوسری بیوی کو دیا ہے تو کیا یہ اس کے لیے لازم ہے یا نہیں؟

جواب جو شخص کسی عورت سے شادی کرے تو اس کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو بھی اسی قدر مہر یا زیور' جو کہ عرفاً مہر ہی کے تابع ہوتا ہے' دے جس قدر کہ اس نے دوسری بیوی کو دیا ہے ہاں البتہ اگر وہ پہلی بیوی کی حوصلہ افزائی کے لیے اور اسے دل شکستگی سے بچانے کے لیے دے دے تو یہ بہت بہتر ہے' خصوصاً جب کہ مصلحت کا تقاضا بھی یہ ہو کہ اسے خوش کیا جائے تاکہ مستقبل میں اس کے ساتھ بھی بہتر انداز میں زندگی بسر ہو سکے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ وآلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

(دوسری شادی کے لیے) پہلی بیوی کی رضامندی شرط نہیں ہے

سوال میں نے کئی سال پہلے شادی کی تھی' میرے کئی بچے بھی ہیں اور میری عائلی زندگی خوش گوار ہے لیکن میں ایک دوسری بیوی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کیونکہ میں پاک صاف زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں اور ایک بیوی میرے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ مجھ میں مردمی طاقت ایک عورت کی برداشت سے زیادہ ہے' یہ تو اس بات کا ایک پہلو ہے اور دوسرے پہلو کے اعتبار سے میں ایک ایسی بیوی چاہتا ہوں جس میں کچھ ایسی صفات ہوں جو میری پہلی بیوی میں نہیں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ اس وجہ سے کسی حرام میں مبتلا ہوں لیکن دوسری شادی کرنے میں مجھے یہ دشواری ہے کہ میری پہلی بیوی اس پر قطعاً راضی نہیں ہو گی بلکہ وہ اسے مطلقاً مسترد کر دے گی لہٰذا آپ کی مجھے کیا نصیحت ہے اور میری بیوی کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے؟ کیا اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ میری دوسری شادی کو مسترد کر دے جب کہ میں اس کے بھی مکمل حقوق ادا کروں گا اور بحمد اللہ شادی کے لیے مجھے مالی استطاعت بھی حاصل ہے' امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ مسئلہ بہت سے لوگوں کو درپیش ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو شرعاً آپ کو اجازت ہے کہ آپ حسب قدرت واستطاعت دوسری' تیسری یا چوتھی بیوی سے شادی کریں جب کہ آپ کا مقصد عفت و پاکدامنی کا حصول ہو اور آپ عدل و انصاف بھی کر سکیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ﴾ (النساء٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے)"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ»(صحيح البخاري، النكاح، باب من لم يستطع الباءة فليصم، ح:٥٠٦٦، وصحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ... الخ، ح:١٤٠٠ واللفظ له)

"اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جس کو شادی کی استطاعت ہو تو وہ شادی کر لے کیونکہ یہ چیز (شادی) نظر کو انتہائی نیچا رکھنے والی اور شرمگاہ کی انتہائی حفاظت کرنے والی ہے اور جسے شادی کی استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے کہ یہ اس کی جنسی شہوت کو کچل دے گا"

اس حدیث کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ تعدد ازواج کثرت نسل کا سبب بنتا ہے اور شریعت نے کثرت نسل کو مستحسن قرار دیا اور اس کی دعوت دی ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، ح:٢٠٥٠ وسنن النسائي، النكاح، كراهية تزويج العقيم، ح:٣٢٢٩ وصحيح ابن حبان، النكاح، ذكر العلة التي من أجلها نهى عن التبتل، ح:٤٠٢٨ ومسند أحمد:٣/ ١٥٨، ٢٤٥ ولفظة "يَوْمَ الْقِيَامَةِ" عنده)

"زیادہ محبت کرنے والی زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے شادی کرو بلاشبہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے روز قیامت امتوں پر فخر کروں گا۔"

حکم شریعت یہ ہے کہ آپ کی بیوی آپ کو شادی سے منع نہ کرے بلکہ آپ کو شادی کی اجازت دے دے' آپ کو بھی چاہیے کہ دونوں کے ساتھ مکمل عدل و انصاف کریں اور ان کے حقوق پورے پورے ادا کریں کہ یہ سب کچھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے باب سے ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:٢٦٩٩)

"اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) اپنے بندوں کی مدد میں ہوتا ہے جب تک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔"

آپ اپنی بیوی کے دینی بھائی ہیں اور وہ آپ کی دینی بہن ہے لہٰذا تم دونوں کو نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور صحیح اور متفق علیہ حدیث میں ہے جو کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:٢٤٤٢ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:٢٥٨٠)

"جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے' اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرے گا۔"

لیکن یاد رہے جواز تعدد کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں ہے بلکہ اسے اعتماد میں لینا تو صرف اس وجہ سے ہے تاکہ تمہاری آئندہ زندگی خوش اسلوبی سے بسر ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے احوال کی اصلاح فرمائے اور آپ دونوں کو اس بات کی توفیق بخشے جس کا انجام بہتر ہو۔

—— شیخ ابن باز ——

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال بے شک اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا ہے لیکن کیا شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسری شادی سے پہلے وہ اپنی پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے؟

جواب شوہر کے لیے یہ فرض نہیں ہے کہ وہ دوسری شادی کے لیے اپنی پہلی بیوی کی رضامندی حاصل کرے لیکن مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان پہلی بیوی کو اعتماد میں لے کہ اس سے اس تکلیف میں کمی ہو جائے گی جو اس طرح کے معاملات میں عورتیں طبعی طور پر محسوس کرتی ہیں لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ بشاشت سے کام لے اس سے اچھے طریقے سے پیش آئے' احسن انداز میں بات کرے اور اگر پہلی بیوی کو خوش کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

تعدد کا غلط مفہوم

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنے کی صرف اسے اجازت ہے جس کے ماتحت یتیم لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے بارے میں عدم عدل سے ڈرتا ہو تو وہ ان لڑکیوں کی ماں یا اس کی بیٹیوں میں سے کسی ایک سے شادی کر لے' ان کا استدلال بھی آیت ﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي --- الخ ﴾ سے ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی حقیقت حال کو واضح فرمادیں گے؟

جواب یہ ایک باطل قول ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جب تم میں سے کسی کی گود میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور وہ ڈرتا ہو کہ وہ اسے مہر مثل نہیں دے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے شادی کر لے کیونکہ اس کے سوا عورتیں اور بھی بہت ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تنگی پیدا نہیں کی اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شرعاً یہ جائز ہے کہ دو دو یا تین تین یا چار چار عورتوں سے شادی کر لی جائے کیونکہ اس صورت میں مکمل غض بصر اور عفت و پاکدامنی

کے ساتھ' ان کی طرف احسان اور ان پر خرچ کرنے کا سبب بھی ہے۔ بلاشبہ وہ عورت جسے کسی مرد کا نصف یا ثلث یا ربع حصہ ملے وہ اس عورت سے بہتر ہے جس کا کوئی شوہر ہی نہ ہو لیکن تعدد کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی کو اس کی قدرت ہو اور وہ عدل و انصاف سے بھی کام لے اور جسے یہ خطرہ ہو کہ وہ عدل و انصاف نہیں کر سکے گا تو اسے ایک ہی پر اکتفاء کرنا چاہیے چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت آپ کے پاس نو ازواج مطہرات تھیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۲۱)

"یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین (عمدہ) نمونہ موجود ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ امت میں سے کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرے تو اس سے معلوم ہوا کہ امت کے لیے اسوہ یہ ہے کہ چار یا چار سے کم عورتوں سے شادی کی جائے اور چار عورتوں سے زیادہ سے شادی رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی

سوال بعض لوگ فخر و غرور کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرتے ہیں جب کہ انہیں اس کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی تو کیا یہ جائز ہے؟ اور ان مردوں اور عورتوں کے لیے آپ کی کیا نصیحت ہے جو بوقت ضرورت بھی تعدد سے منع کرتے ہیں؟

جواب ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا امر مطلوب ہے بشرطیکہ انسان کو مالی' بدنی اور عورتوں کے مابین عدل و انصاف کرنے کی قدرت ہو' تعدد ازواج کی صورت میں جو خیر و بھلائی حاصل ہوتی ہے' اس میں ان عورتوں کو عفت و پاکدامنی کی زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے جن سے مرد نے شادی کی ہو' لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات میں توسیع پیدا کرنا ہے' کثرت سے اولاد پیدا کرنا ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے' علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں اور اگر کوئی انسان محض فخر و غرور کے لیے ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرتا ہے تو یہ اس اسراف میں داخل ہو گا جو کہ ممنوع ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوٓاْ إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۱)

"اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

پہلی بیوی کے لیے نصیحت

سوال میری بیوی ایک جلدی مرض میں مبتلا ہو گئی ہے جس نے اس کے جسم کے اعضاء کو بدنما بنا دیا ہے اور اطباء کا اتفاق ہے کہ یہ مرض ناقابل علاج ہے جس کی وجہ سے مجھے شدید نفرت ہے' خصوصاً مباشرت کے وقت مجھے بہت نفرت محسوس ہوتی ہے اور ان حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے سے مایوس ہو گیا ہوں لہٰذا میں نے دوسری شادی کے لیے جب

اس بیوی سے مشورہ کیا تو وہ بے حد ناراض ہو گئی اور کہنے لگی کہ اگر دوسری شادی کرنی ہے تو مجھے طلاق دے دو تو سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں میرے اور میری بیوی کے لیے دین کا کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے حوالہ سے حکم شریعت یہ ہے کہ آپ کے لیے دوسری شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کے لیے چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے الا یہ کہ اسے خدشہ ہو کہ وہ انصاف نہیں کر سکے گا۔

آپ کی بیوی کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ آپ کے دوسری شادی کے پروگرام کی وجہ سے اسے ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لیے جائز قرار دیا ہے اور پھر اس حالت میں آپ معذور بھی ہیں' عورت کو جو یہ حالت درپیش ہے تو یہ ایک مصیبت ہے لہٰذا اسے اس پر صبر کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرتے رہنا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ یہ مرض گناہوں کے کفارہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات کی بلندی کا سبب ہو۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

(بیک وقت) چار سے زیادہ عورتوں سے شادی جائز نہیں

سوال کیا مرد کے لیے (بیک وقت) چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں' اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب مرد کے لیے چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ (النساء ٤/ ٣)

"اور اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو یا تین تین یا چار چار نکاح میں لے آؤ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک (عورت) کافی ہے یا (لونڈی) جس کے تم مالک ہو۔"

یہ جملہ اسی طرح ہے جیسا کہ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ سیروا مثنی وثلاث ورباع اور اس کے معنی یہ ہیں کہ صفیں بنا کر اس طرح چلو کہ ہر صف میں دو یا تین یا چار آدمی ہوں' اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چلتے وقت ہر صف میں نو آدمی ہوں' آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر یتیم لڑکیوں کے بجائے دیگر عورتوں سے شادی کر لو اور جو شخص تعدد کا طلبگار ہو تو وہ دو یا تین یا چار عورتوں سے شادی کر لے' اس مقام پر عورتوں کی تعداد کے اعتبار سے آخری حد جو بتائی وہ چار ہے لہٰذا بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے اور حدیث میں ہے کہ قیس بن حارث جب مسلمان ہوئے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی ان بیویوں میں سے چار کا انتخاب کر لو اور باقی چھوڑ دو۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

چوتھی بیوی کے مجنون (پاگل) ہونے کی صورت میں پانچویں سے شادی


جب کسی مسلمان کے حبالہ عقد میں چار بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک مرض جنون میں مبتلا ہو جائے تو کیا

اس کے لیے ایک اور عورت سے شادی کرنا جائز ہے جب کہ یہ مریض بیوی بھی زندہ ہو یا یہ حرام ہے کیونکہ یہ پانچویں بیوی ہوگی؟

جواب چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کرنا حلال نہیں ہے خواہ ان میں سے ایک جنون وغیرہ کے مرض میں مبتلا ہو یا تمام کی تمام مریض ہوں تو جب تک وہ اس کے حبالہ عقد میں ہوں کسی اور عورت سے شادی کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ چار عورتوں سے زیادہ سے شادی کی ممانعت کی نصوص کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

یہ نبی ﷺ کے خصائص ہیں

سوال جو شخص نبی اکرم ﷺ کی نو عورتوں کے ساتھ شادی کرنے سے چار سے زائد شادیوں کے لیے استدلال کرلے تو ہم اسے کیا جواب دیں؟

جواب نبی اکرم ﷺ کو نکاح کے بارے میں بعض ایسے خصائص سے نوازا گیا جو کسی اور کو حاصل نہیں ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے تئیں آپ ﷺ کو ہبہ کردے تو آپ اس سے شادی کرسکتے ہیں' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱمۡرَأَةً مُّؤۡمِنَةً إِن وَهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنۡ أَرَادَ ٱلنَّبِيُّ أَن يَسۡتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَۗ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥٠)

"اور کوئی مومنہ عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے لیے مفت پیش کردے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) بشرطیکہ پیغمبر بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں (وہ) بھی حلال ہے لیکن یہ (اجازت اے محمد ﷺ) خاص آپ ہی کے لیے ہے سب مسلمانوں کے لیے نہیں۔"

اسی طرح نبی اکرم ﷺ ولی کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرسکتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٦)

"پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔"

لیکن کسی دوسرے مسلمان کے لیے ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ نِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الولي ح: ٢٠٨٥)

"ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

ایک قول کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے لیے یہ بھی واجب نہیں کہ آپ ازواج مطہرات میں باری کی تقسیم کی پابندی فرمائیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ تُرۡجِي مَن تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـٔۡوِيٓ إِلَيۡكَ مَن تَشَآءُۖ وَمَنِ ٱبۡتَغَيۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكَۚ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٥١)

"(اور آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ) جس بیوی کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو اور جس کو تم

نے علیحدہ کر دیا ہو اگر اس کو اپنے پاس طلب کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔“

آپ ﷺ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی باریوں کو مقرر کریں اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا ان کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ» (سنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، ح: ٢١٣٣ وسنن النسائي، النكاح، ميل الرجل إلى بعض نسائه دون بعض، ح: ٣٣٩٤)

”جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو جائے تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ مفلوج ہو گا۔“

زیر بحث مسئلہ نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے چار سے بھی زیادہ عورتوں سے شادی کرنا حلال قرار دیا ہے اور اس میں بہت عظیم مصلحتیں ہیں جو بعض اہل علم کے بقول چالیس سے بھی زیادہ ہیں جو اس موضوع کی کتب میں مذکور ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نفقہ (خرچہ) میں دونوں بیویوں کے درمیان میں عدل

سوال امید ہے اس شخص کے بارے میں فتویٰ عطا فرمائیں گے جس کی دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک ریاض میں اور دوسری سوڈان میں مقیم ہے' ریاض میں مقیم بیوی کی اولاد اگرچہ کم ہے لیکن سوڈان والی بیوی کی نسبت اس کا نفقہ تین گنا زیادہ ہے۔ حالانکہ سوڈان والی بیوی کی اولاد زیادہ ہے اور اس کا سبب ہر ملک کی اقتصادی حالت اور کرنسی کا نظام ہے۔ ریاض میں مقیم بیوی کا خرچ پندرہ سو (۱۵۰۰) ریال اور سوڈان میں مقیم بیوی کا خرچ پانچ سو (۵۰۰) ریال ہے تو سوال یہ ہے کہ نفقہ کے اعتبار سے ان دونوں بیویوں میں عدل کس طرح ہو گا؟ جزاکم اللہ خیرًا

جواب شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ ہر بیوی کے مقام اقامت کے اعتبار سے اس قدر خرچ کرے جو کھانے' پینے' لباس اور دیگر ضروریات کے لیے عرف کے مطابق کافی ہو۔ ایک بیوی کی اگر اولاد زیادہ ہو تو عدل و انصاف کے پہلو کے تقاضے کے تحت اسے زیادہ خرچ دے کیونکہ ارشاد باری ہے:

﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۳)

”اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں شوہروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ»(صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، ح: ١٢١٨)

”ان کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق تمہارے ذمہ ہے۔“

——— شیخ ابن باز ———

پہلی بیوی بدخو ہے

سوال میری دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک تو میرا احترام کرتی' میری بات پر لبیک کہتی' میری اطاعت کرتی ہے اور دوسری بیوی سے اور میری اولاد' میرے والدین اور میرے رشتہ داروں سے بھی محبت کرتی ہے جب کہ دوسری بیوی کا معاملہ ان تمام امور میں اس کے برعکس ہے تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اسے چھوڑ دوں اور اس سے تعلقات منقطع کر لوں؟

جواب آپ کی یہ بیوی جو آپ کی اطاعت کرتی اور آپ کے رشتہ داروں اور آپ کی دوسری بیوی سے اولاد کی عزت کرتی ہے تو یہ ماجور و مشکور ہے اور دوسری بیوی کا طرز عمل اس کے خلاف ہے' وہ گناہ گار ہے بشرطیکہ اس کی اس بدخوئی کا کوئی سبب نہ ہو' اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور دستور کے مطابق آپ کے ساتھ زندگی بسر کرے اور اگر یہ ایسا نہ کرے گی تو یہ بدخلق ہو گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿ وَالَّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

''اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں) تو ان کو (ہلکا سا) مارو اور اگر فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو تکلیف دینے (ستانے) کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔''

اس بیوی کے ساتھ سونا چھوڑ دو حتی کہ یہ صحیح ہو جائے اور اپنے ان واجبات کو ادا کرنے لگے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر ضروری ٹھہرائے ہیں لیکن اس سے کلام کرنا ترک نہ کریں کیونکہ کسی مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی مومن سے تین دن سے زیادہ عرصہ کے لیے ترک کلام کرے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آپ تین دن تک کے لیے ترک کلام کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ سونے کو جب تک چاہیں ترک کر دیں حتی کہ وہ اپنے واجبات کو ادا کرنے لگے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

شوہر نے دو سال سے چھوڑ رکھا ہے

سوال اس بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے جسے اس کے شوہر نے دو سال سے چھوڑ رکھا ہے حالانکہ وہ ایک ہی گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے جب کہ اسی گھر میں اس کی دو اور بیویاں بھی رہتی ہیں؟

جواب شوہر کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ بیوی کی مرضی کے بغیر چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے اس کے ساتھ سونا ترک کرے' ارشاد باری ہے:

﴿ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ ﴾ (النساء٤/ ١٢٩)

''تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو گویا کہ وہ معلق ہے۔''

﴿ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٦)

"اور ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو۔"

شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی باری مقرر کرے اور شب باشی' نفقہ (خرچہ)' لباس اور دیگر امور میں انصاف کرے جو شخص ان کے درمیان انصاف نہ کرے تو وہ اپنی بیوی پر ظلم کرتا اور بری معاشرت کا مظاہرہ کرتا ہے الا یہ کہ بیوی بدخو ہو اور اگر وہ سرکش اور بدخو ہو تو پھر شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے بقدر ضرورت بستر الگ رکھے یا اس سے علیحدگی اختیار کرے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی اور پھر کسی دوسرے ملک کے سفر پر چلا گیا اور وہاں بھی اس نے ایک عورت سے شادی کر لی اور کئی مہینوں کے بعد پہلی بیوی کے پاس واپس آیا تو کیا اسی قدر مہینے اسے پہلی بیوی کے پاس بھی گزارنے ہوں گے یا وہ باری کی تقسیم از سر نو شروع کرے گا؟

جواب سنت یہ ہے کہ جب مرد ایک بیوی کے موجودگی میں دوسری بیوی سے شادی کرے تو وہ دوسری بیوی کے پاس تین دن رہے جب کہ وہ شوہر دیدہ ہو اور سات دن قیام کرے جب کہ وہ باکرہ (کنواری) ہو اور پھر اس کے بعد باری کی تقسیم شروع کرے اور دونوں کے مابین عدل کرے اور اگر ایک سے کچھ مدت کے لیے غائب رہے تو دوسری کے پاس بھی اتنی ہی مدت گزارے جب کہ یہ ممکن ہو الا یہ کہ صاحب حق اپنے سارے یا کچھ حق سے دستبردار ہو جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک بیوی سے زیادہ محبت کرنے میں کوئی حرج نہیں

سوال الحمدللہ میری دو بیویاں ہیں اور میں دونوں کے حوالہ سے اپنے تمام واجبات ادا کرتا ہوں لیکن ان میں سے ایک دوسری کی نسبت میری اطاعت بھی زیادہ کرتی ہے اور حسن سلوک سے پیش آتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طرف میرا میلان زیادہ ہے' تو کیا اس کی وجہ سے مجھے گناہ ہو گا؟

جواب شوہر کے لیے ضروری ہے کہ استطاعت کے مطابق اپنی بیویوں میں عدل کرے اور جس کی استطاعت ہی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٨٦)

"اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اگر سائل اس بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہے جو اپنے واجبات کو ادا کرتی ہے' اس کی نسبت جو اپنے واجبات کے ادا کرنے میں کوتاہی کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے حوالہ سے بھی عدل و انصاف میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نفقہ و عطیہ میں عدل

سوال میری ایک بیٹی ملازم ہے اور وہ اپنی تنخواہ سے ایک حصہ اپنی ماں کو دے دیتی ہے' میں اس کی تنخواہ سے بے نیاز ہوں پھر بھی مجھے یہ اپنی ماں سے زیادہ دیتی ہے' دوسری بیوی کا ایک بیٹا ہے جو میرے لیے مال کماتا ہے اور وہ بھی اپنی آمدنی سے اپنی ماں کو دیتا ہے تیسری بیوی کے بیٹے چھوٹے ہیں اور اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا یہ جب مجھ سے کسی رقم کا مطالبہ کرتی ہے تو میں اسے دے دیتا ہوں اور بے انصافی کے خوف کی وجہ سے اس کی سوکنوں کو بھی دے دیتا ہوں' مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ اگر اسے اس کی سوکنوں سے زیادہ دوں تو گناہ تو نہ ہو گا کیونکہ باقی بیویوں کو تو ان کے بیٹے بھی دیتے ہیں تو کیا حدیث ((أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ)) کے باعث میرے بیٹوں کا دیا ہوا میرا دیا ہوا ہی شمار ہو گا تاکہ اتنا مال ہی میں اپنی تیسری بیوی کو اپنے پاس سے دے دوں' امید ہے رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی بیٹی اپنی تنخواہ میں سے اپنی ماں کو دے دیتی ہے' اسی طرح آپ کا بیٹا نفع میں سے اپنے حصہ میں سے اپنی ماں کو دیتا ہے تو آپ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ آپ اپنی تیسری بیوی کو اپنی طرف سے اتنا مال دیں جتنا مال اس کی سوکنوں کو ان کی اولاد نے دیا ہے کیونکہ بیٹی اور بیٹے کا اپنی اپنی ماں کو مال دینا ان کی طرف سے اپنی ماں سے نیکی ہے اور آپ کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ آپ اپنی تیسری بیوی کو اسی قدر مال دیں' ہاں البتہ آپ پر یہ لازم ہے کہ اپنی بیویوں میں سے ہر ایک کو اس قدر دیں جو دستور کے مطابق ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے کافی ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عورتوں سے معاشرت

ازدواجی اختلافات کے خاتمہ کی صورت

سوال شوہروں اور بیویوں کو اپنے ازدواجی اختلافات ختم کر دینے کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے نیز عورتوں کے ان اولیاء (ورثاء) کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے جو ان کی آمدنی حاصل کرنے کے لیے انہیں شادی سے منع کرتے ہیں؟

جواب میں شوہروں اور بیویوں میں سے ہر ایک کو یہ نصیحت کرتا ہوں کو وہ اپنے ازدواجی اختلافات کو ہوا نہ دیں اور ہر ایک کو اپنے حق سے چشم پوشی کر لینی چاہیے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے بھی ہماری رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

«لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، ح: ١٤٦٧)

"کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے اگر وہ اس کی کسی ایک عادت سے ناراض ہو گیا تو کسی دوسری عادت سے خوش ہو جائے گا۔"

جو ولی اپنی خواتین کی آمدنی حاصل کرنے کی غرض سے ان کی شادی میں رکاوٹ بنتے ہیں تو یہ ان کی خیانت ہے اور یہ حرام ہے۔ اگر کوئی ولی ایسا کرے تو اس کی ولایت ساقط ہو جائے گی اور اس کے بعد والا شخص ولی بن جائے گا اور اگر وہ بھی رکاوٹ ڈالے تو ولایت اس کے بعد والے شخص کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر پہلے ولی کی قطع رحمی کے خوف کی وجہ سے تمام اولیاء اس کی شادی سے انکار کر دیں تو اس معاملہ کو عدالت میں لے جایا جائے گا اور قاضی اس کی شادی کرائے گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

ازدواجی راز افشاء (ظاہر) کرنا

سوال بعض عورتوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے گھر کی یا شوہروں کے ساتھ ازدواجی زندگی کی باتیں اپنی قریبی یا دوست خواتین کو بتا دیتی ہیں ان میں سے بعض باتیں ایسے گھریلو راز ہوتی ہیں کہ شوہر نہیں چاہتے کہ ان کے بارے میں کسی کو علم ہو تو ان عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو گھر کے راز گھر سے باہر افشاء (ظاہر) کر دیتی ہیں؟

جواب بعض عورتیں جو اپنے گھر یا ازدواجی زندگی کی باتیں اپنی قریبی یا دوست خواتین کو بتا دیتی ہیں تو یہ ایک حرام کام ہے کیونکہ کسی بھی عورت کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر کے راز یا شوہر کے ساتھ مخفی تعلقات کو کسی کے پاس بیان کرے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَالصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"جو نیک بیویاں ہیں وہ خاوندوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی پیٹھ کے پیچھے (عدم موجودگی میں) اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، ح:١٤٣٧)

"قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدترین درجہ اس شخص کا ہو گا جو کسی عورت کے ساتھ صحبت کرتا اور عورت اس سے صحبت کرتی ہے اور پھر یہ اس کے راز کو افشا (ظاہر) کرتا ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

عورت کے لیے شوہر کی اطاعت واجب ہے

سوال میرا ایک قریبی رشتہ دار ہے جو چند دائمی امراض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کام نہیں کر سکتا، اس کی اولاد بھی ہے، چار بیٹے کام کر کے معاشی مسائل میں اپنے والد کی مدد کرتے ہیں لیکن اس کی بیوی اس سے کہتی ہے کہ تمہیں اپنی اولاد سے کچھ لینے کا حق حاصل نہیں ہے اور یہ کہ اس کا نفقہ اس (خاوند) کے ذمے ہے، یہ اپنے خاوند سے اس کی اجازت

کے بغیر گھر سے باہر نکل جانے اور اپنی مرضی کا کام کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہے اور ایک بار اس نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اس کے لیے اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کی ماں اس کے لیے حرام ہے؟

جواب مذکورہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں اپنے شوہر کی سمع و اطاعت بجالائے' شوہر اگر اس کے لباس و پوشاک وغیرہ کے حقوق ادا کرے تو اسے اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہیں نکلنا چاہیے اور نہ جو یہ اپنے بیٹے سے لیتا ہے اس پر کوئی اعتراض کرنا چاہیے' اس نے اپنے آپ کو جو اپنے شوہر کے لیے حرام قرار دیا تو اس کا کفارہ' قسم کا کفارہ ہے نیز اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ بھی کرنی چاہیے یاد رہے قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو نصف صاع فی مسکین کے حساب سے کھجور' چاول یا وہ کھانا دے دیا جائے جو شہر میں کھانے کا رواج ہو یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز پڑھی جا سکتی ہو۔ عورت نے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا ہے تو اس کا سبب معلوم کیا جائے اور اس معاملہ کے لیے عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ عدالت کا فیصلہ ان شاء اللہ صحیح ہو گا۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی کی یادگار کی مناسبت سے تحفہ

سوال کیا شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ہر سال اپنی شادی کے دن پیار و محبت کی تجدید کے لیے اپنی بیوی کو کوئی تحفہ دے' یاد رہے یہ یادگار صرف تحفہ تک ہی محدود ہو گی اور اس مناسبت سے کسی اجتماع کا انعقاد نہیں ہو گا؟

جواب میری رائے میں تو یہ دروازہ بند ہونا چاہیے کیونکہ اس سال اگر تحفہ ہے تو اگلے سال یقیناً اجتماع کا انعقاد بھی ہو گا اور اگر اس مناسبت سے ہر سال محض تحفہ دینے کی عادت بھی بنالی جائے تو یہ عید شمار ہو گی کیونکہ عید اسے ہی تو کہتے ہیں جس میں اعادہ بار بار تکرار کے ساتھ ہو اور محبت کی تجدید ہر سال نہیں بلکہ ہروقت ہونی چاہیے۔ جب عورت اپنے شوہر کی کسی ایسی بات کو دیکھے گی جو اسے خوش کرے اور شوہر اپنی بیوی کی کسی ایسی بات کو دیکھے جو اس کے لیے خوش کن ہو تو اس سے یقیناً پیار اور محبت کی تجدید ہوتی رہے گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دستور کے مطابق معاشرت واجب ہے

سوال بعض نوجوان' اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے' دینی احکام کی پابندی کے باوجود اپنی بیویوں سے دستور کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے اور اپنا وقت ایسے بہت سے کاموں میں صرف کرتے ہیں جن کا پڑھائی یا کام سے تعلق ہوتا ہے جب کہ بیوی گھر میں تنہا یا بچوں کے ساتھ کئی کئی گھنٹے گزارتی ہے تو اس مسئلہ میں آپ کیا فرمائیں گے کیا علم و عمل کے لیے بیوی کا وقت خرچ کیا جا سکتا ہے؟

جواب بے شک شوہروں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا' جب کہ وہ اپنا سارا وقت رات کے قیام اور دن کے روزہ میں صرف کرتے تھے کہ روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' رات کو آرام بھی کرو اور قیام بھی کرو اور ہر ماہ تین روزے رکھ لیا کرو' نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے' تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے' تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے لہٰذا ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ [1]

علاوہ ازیں اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لہٰذا نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں' ان سے شفقت سے پیش آئیں اور مقدور بھر انس و محبت کا مظاہرہ کریں اور اگر مطالعہ اور بعض دیگر کام گھر میں سرانجام دینا ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس سے بیوی بچوں کے ساتھ انس کا موقع میسر آتا ہے۔

بہر حال مشروع یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے لیے بھی اوقات مخصوص کرے جس کی وجہ سے اسے انس و محبت اور حسن معاشرت میسر آئے خصوصاً جب کہ وہ گھر میں تنہا ہو یا اس کے پاس صرف بچے ہوں' نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح:٣٨٩٥ والبيهقي في السنن الكبرى، النفقات، باب فضل النفقة علي الأهل:٧/ ٤٦٨)

"تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جس کا اپنی بیوی سے سلوک اچھا ہو اور میں تمہاری نسبت اپنی بیویوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، ح:١١٦٢ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل علي زيادة الإيمان ونقصانه، ح: ٤٦٨٢ ومسند أحمد: ٢/ ٢٥٠)

"کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جن کے اپنی بیویوں سے تعلقات بہتر ہوں۔"

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الصوم' باب حق الجسم فی الصوم' حدیث: ١٩٧٥' ١٩٧٦ و صحیح مسلم' الصیام' باب النہی عن صوم الدهر لمن تضرربه --- حدیث: ١١٥٩۔

بیوی کے لیے بھی یہ امر مشروع ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تعلیم و ملازمت کی سرگرمیوں میں مدد کرے اور شوہر کی طرف سے مجبوراً پیش آنے والی کوتاہی پر صبر کرے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کرتے ہوئے دونوں میں تعاون کی فضا پیدا ہو سکے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲)

"اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ»(صحيح البخاري، المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ح:۲٤٤۲ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح:۲۵۸۰)

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرمادیتا ہے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ»(صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ح:۲٦۹۹)

"اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی مدد کرتا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

دستور کے مطابق معاشرت

سوال میری تقریباً پچیس سال پہلے شادی ہوئی تھی' میرے کئی بیٹے اور بیٹیاں ہیں لیکن مجھے اپنے شوہر کی طرف سے بہت سی مشکلات کا سامنا ہے' وہ میرے بچوں اور دور نزدیک کے رشتہ داروں کے سامنے بلاوجہ میری بے عزتی کرتا ہے اور کبھی بھی میری عزت افزائی نہیں کرتا اور میں صرف اس وقت سکون محسوس کرتی ہوں جب وہ گھر سے باہر نکل جاتا ہے حالانکہ یہ آدمی نماز روزے کا بھی پابند ہے۔ امید ہے آپ صحیح راہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ صبر کریں' اسے احسن انداز میں نصیحت کرتی رہیں اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت یاد دلاتی رہیں' شاید وہ بات قبول کر کے حق کی طرف رجوع کر لے اور اپنے برے اخلاق کو چھوڑ دے اور اگر وہ اسے نہ چھوڑے تو اسے گناہ ہوگا اور آپ کو صبر کرنے اور تکلیف برداشت کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ آپ نماز میں اور نماز کے علاوہ بھی اس کے لیے دعا کرتی رہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرمائے' آپ اپنا محاسبہ بھی کرتی رہیں' دین پر ثابت قدم رہیں اور آپ سے اللہ تعالیٰ کے حق میں یا اپنے شوہر کے حق میں یا کسی اور کے حق میں جو غلطی یا کوتاہی ہو اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی رہیں' شاید اس طرح کا شوہر اللہ تعالیٰ نے آپ کی کسی غلطی یا گناہ کی وجہ سے آپ کے سر مسلط کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَصَٰبَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الشوریٰ۴۲/ ۳۰)

"اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔"

اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ آپ اس کے باپ یا ماں یا بڑے بھائیوں یا ان رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے جن کی یہ عزت کرتا ہو' یہ مطالبہ کریں کہ وہ اسے سمجھائیں کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرۃ٢/ ٢٢٨)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ہے۔"

کے مطابق عمل کرتے ہوئے احسن انداز میں اپنی بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

میرا شوہر بلاوجہ مجھے ناپسند کرتا ہے

سوال میں اس امید سے آپ کی خدمت میں اپنی ایک مشکل پیش کر رہی ہوں کہ آپ مجھے اس کا حل بتائیں گے' میری مشکل کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا شوہر--- اللہ اسے معاف فرمائے ---- اخلاق فاضلہ اور خشیت الٰہی کے باوجود گھر میں قطعاً میری طرف توجہ نہیں دیتا بلکہ اس کے چہرے پر ہمیشہ غصہ اور اس کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کا سبب بھی خود میں ہوں حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس کے حقوق ادا کرتی ہوں' اسے راحت و آرام پہنچاتی ہوں' ہر اس چیز کو اس سے دور کرتی ہوں' جو اسے بری لگتی ہو' میرے ساتھ اس کی جو زیادتیاں ہیں' ان پر صبر کرتی ہوں لیکن میں اس سے جب بھی کسی چیز کے بارے میں پوچھتی یا بات کرتی ہوں تو وہ غصے کے مارے بھڑک اٹھتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ تمہاری گفتگو بے ہودہ ہے اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ وہ ہنس مکھ اور ملنسار ہے لیکن مجھے ہمیشہ ڈانٹ ڈپٹ اور بدسلوکی ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف ہے' بلکہ میری زندگی عذاب بن چکی ہے۔

میں نے کئی دفعہ سوچا ہے کہ اس گھر ہی کو خیرباد کہہ دوں۔ میری تعلیم بھی متوسط درجے کی ہے اور الحمدللہ میں اپنے واجبات بھی ادا کرتی ہوں' سماحۃ الشیخ! مجھے بتائیں کہ اگر میں گھر چھوڑ دوں' اپنے بچوں کی خود تربیت کروں اور تنہا زندگی کی مشکلات کو برداشت کروں تو کیا میں گناہ گار ہوں گی یا انہی حالات میں اپنے شوہر کے ساتھ گزارہ کروں اور اس کے ساتھ کلام سے اور مشکلات میں شرکت اور ان کے احساسات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھوں؟

جواب بے شک میاں بیوی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دستور کے مطابق' محبت' اخلاق فاضلہ' حسن خلق اور بشاشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زندگی بسر کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے ہاں البتہ مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ہے۔''

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والاثم، ح:۲۵۵۳)

''نیکی حسن خلق کا نام ہے۔''

اور نبی کریم نے فرمایا:

«لاَ تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلْقٍ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، ٢٦٢٦)

''کسی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو خواہ یہ نیکی اپنے بھائی سے ہشاش بشاش چہرے سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔''

یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم میں ہیں نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَاءِهِمْ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، ح:١١٦٢ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح:٤٦٨٢ ومسند أحمد: ٢/ ٢٥٠)

''مومنوں میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح:٣٨٩٥)

''اور میں تمہارے مقابلے میں اپنے اہل (بیویوں) سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عام مسلمانوں کو بھی حسن خلق' بشاشت اور حسن معاشرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے تو اس سے اندازہ فرمائیں کہ میاں بیوی اور رشتہ داروں کو ان امور کا کس قدر لحاظ رکھنا چاہیے؟

آپ نے صبر کر کے بہت اچھا کیا اور اپنے شوہر کی جفا اور بد خلقی کو برداشت کیا' میں بھی آپ کو یہی وصیت کرتا ہوں کہ آپ مزید صبر کریں اور اپنے گھر کو نہ چھوڑیں' ان شاء اللہ اسی میں بہت بہتری بھی ہے اور اسکا انجام بھی بہت اچھا ہو گا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱصْبِرُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ٤٦)

''اور صبر کرو' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اور ارشاد ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۹۰)

"جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا صبر ضائع نہیں کرتا۔"

مزید فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّـٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ ﴾ (الزمر۳۹/ ۱۰)

"جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب دیا جائے گا۔"

نیز فرمایا!

﴿ فَٱصْبِرْ ۖ إِنَّ ٱلْعَـٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ ﴾ (ھود۱۱/ ۴۹)

"آپ صبر کریں کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔"

اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ آپ اس سے دل لگی کی باتیں کریں اور ایسے الفاظ سے اس سے گفتگو کریں جو اس کے دل کو نرم کر دیں' اس میں انبساط و انشراح قلب پیدا کریں اور اس میں اپنے حقوق کا شعور اجاگر کر دیں' جب تک وہ اہم اور واجب امور کو ادا کرتا رہے اس سے دنیوی حاجتوں (ضرورتوں) کا مطالبہ ترک کر دیں تاکہ اس میں انبساط قلب اور انشراح صدر پیدا ہو جائے اور ان شاء اللہ آپ کا انجام بھی قابل ستائش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہر نیک کام کے لیے آپ کو مزید توفیق سے نوازے' آپ کے شوہر کی اصلاح فرمائے' اسے رشد و بھلائی کی توفیق بخشے اور اسے حسن خلق' بشاشت اور حقوق ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ بے شک وہی بہترین مسئول اور سیدھے راستے کی ہدایت فرمانے والا ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

میرے شوہر اور اس کی اولاد کا مجھ سے معاملہ اچھا نہیں ہے

سوال میں نے ایک ایسے مرد سے شادی کی جس کی بیوی نو بچے چھوڑ کر فوت ہو گئی تھی میں نے اس کے بچوں سے ماں کی طرح سلوک کیا مگر مجھے ان کی طرف سے بد بختی اور دکھ کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ اس کی بڑی شادی شدہ بیٹی اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر ہی آجاتی ہے تاکہ ہمارے درمیان اختلافات کو ہوا دے اور یہ سب کچھ ان کے باپ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا جو ازراہ ظلم انہی کا ساتھ دیتا تھا حتی کہ گھر کے لوازمات میں اپنے خاص مال سے خریدتی اور اس کے لیے میں نے اپنے زیورات تک فروخت کر دیے مگر اس کے باوجود میرے ساتھ اچھا سلوک نہ ہوا اور جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو میں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا مگر اس نے اسے مسترد کر دیا' اب سوال یہ ہے کہ میں اس آدمی کے بارے میں کیا کروں جو نہ تو مجھے اچھے طریقے سے بساتا ہے اور نہ ہی مجھے اچھے طریقے سے فارغ کرتا ہے؟ اس شوہر اور اس کی اولاد کو آپ کیا نصیحت کریں گے؟

جواب ہم اس شوہر اور اس کی اولاد کو یہ نصیحت کریں گے کہ اگر اس عورت کی بات صحیح ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ ﴾ (النساء۴/ ۱۹)

"اور ان سے اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي»(جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ح: ٣٨٩٥ وسنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح: ٤٦٨٢)

"تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا ہے اور میں بھی اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔"

اس شخص کا اس عورت کے ساتھ اس طرح زندگی بسر کرنا جس طرح اس عورت نے بتایا ہے' ایک منکر امر ہے جس کی وجہ سے وہ عنداللہ گناہ گار ہو گا اور روز قیامت اس کی نیکیاں اس عورت کو دے دی جائیں گی جب کہ خود اسے بھی اس دن نیکیوں کی شدید ضرورت ہو گی۔

اس صورت حال میں عورت کے حوالہ سے جہاں تک بات کا تعلق ہے تو میں اسے یہی حکم دوں گا کہ وہ صبر کرے اور اپنے شوہر کو وعظ و نصیحت کرتی رہے جس سے اس کا دل نرم ہو جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے اور اگر اس طرح کی کوشش بے سود ہو تو پھر فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ (النساء٤/ ١٢٨)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔"

لہٰذا اسے چاہیے کہ اہل خیر میں سے کچھ ایسے لوگوں کو جمع کرے جو اس مسئلہ میں مداخلت کریں اور صورت حال کا خوب جائزہ لے کر دونوں میں صلح کرا دیں یا معاوضہ کے ساتھ یا معاوضہ کے بغیر دونوں میں تفریق کرا دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا بیوی پر لعنت کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہے

سوال اگر کوئی شخص قصد و ارادہ سے اپنی بیوی پر لعنت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لعنت کرنے کی وجہ سے بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا یہ لعنت طلاق کے حکم میں ہو گی؟ اس کا کفارہ کیا ہو گا؟

جواب شوہر کا اپنی بیوی پر لعنت کرنا ایک ایسا منکر امر ہے جو جائز نہیں ہے بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح: ٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح: ١١٠)

"مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق . . . الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ تو گواہ ہوں گے اور نہ شفاعت کریں گے۔"

اس شخص پر واجب ہے کہ توبہ کرے اور اپنی بیوی کو جو اس نے گالیاں دی ہیں' وہ اس سے معاف کروالے' جو شخص سچی پکی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے' اس کی بیوی اسی کی عصمت میں باقی رہے گی اور لعنت کرنے کی وجہ سے اس پر حرام نہیں ہو گی لہٰذا اس پر واجب ہے کہ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنی زبان کو ہر اس بات سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو' بیوی کو بھی چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ دستور کے مطابق زندگی بسر کرے اور اپنی زبان کو اس بات سے محفوظ رکھے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والی ہو اور اس کے شوہر کو بھی ناراض کرنے والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان سے اچھی طرح سے رہو سہو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

"اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔"

———— شیخ ابن باز ————

میرا شوہر سگریٹ نوش ہے

سوال میرا شوہر ہمیشہ سگریٹ نوشی کرتا رہتا ہے' سودی لین دین بھی کرتا ہے سگریٹ نوشی کی وجہ سے ہمارے مابین بہت سے اختلافات بھی رونما ہو چکے ہیں' پانچ ماہ پہلے میرے شوہر نے دو رکعت نماز پڑھی اور حلف اٹھایا کہ آئندہ وہ سگریٹ نوشی نہیں کرے گا لیکن حلف کے ایک ہفتہ بعد ہی اس نے دوبارہ سگریٹ نوشی شروع کر دی جس کی وجہ سے ہمارے درمیان دوبارہ اختلاف پیدا ہو گئے اور میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کر دیا لیکن اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی سگریٹ نوشی نہیں کرے گا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا لیکن مجھے اس پر بالکل اعتماد نہیں ہے'

اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کے حلف کا کفارہ کیا ہو گا؟ آپ مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب سگریٹ نوشی خبیث اور حرام کاموں میں سے ہے اور اس کے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کریم کی سورۃ المائدہ میں فرماتا ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"تم سے پوچھتے ہیں کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

اور سورۃ الاعراف میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"اور وہ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ سگریٹ نوشی خبیث کام ہے لہٰذا آپ کے شوہر کے لیے ضروری ہے کہ اسے ترک کر دے' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے پیش نظر اس سے اجتناب کرے' اللہ تعالیٰ کے غضب کے اسباب سے بچے' اپنے دین اور صحت و سلامتی کی حفاظت کرے اور آپ کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی بسر کرے۔

قسم کے سلسلہ میں اس پر کفارہ واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کہ آئندہ وہ سگریٹ نوشی نہیں کرے گا۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے' یا انہیں کپڑے پہنائے یا ایک مومن گردن (غلام) آزاد کرے' کھانے کے بارے میں اسی قدر کافی ہے کہ مسکینوں کو شام کا یا دوپہر کا کھانا کھلا دے یا شہر میں جس خوراک کے کھانے کا معمول ہو وہ نصف صاع کے حساب سے ہر مسکین کو دے دے۔ نصف صاع کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو بنتا ہے۔

ہم آپ کو یہ نصیحت بھی کریں گے کہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ نہ کریں جب تک کہ وہ نماز پڑھتا ہے' اس کی سیرت اچھی ہے اور وہ سگریٹ نوشی ترک کرتا ہے اور اگر وہ اس گناہ پر اصرار کرے تو پھر طلاق طلب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ہدایت اور (صاف دل سے) خالص توبہ کی توفیق بخشے۔

——— شیخ ابن باز ———

سگریٹ نوش بیوی

سوال میری بیوی اپنے نماز روزہ کے تمام واجبات اور اپنے شوہر کے حقوق بھی ادا کرتی ہے مگر یہ اپنے شوہر سے چھپ کر سگریٹ بھی پیتی ہے جب مجھے اس کا علم ہوا تو میں نے اسے ڈانٹ ڈپٹ کی اور سگریٹ نوشی ترک کر دینے کی تلقین بھی کی مگر اس نے میری نصیحت کو قبول نہیں کیا اور سگریٹ نوشی جاری رکھی' خلاصہ کلام یہ کہ مجھے اس بیوی کے سلسلہ میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے:

(الف) کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کے فعل پر صبر کروں لیکن کسی کام پر راضی ہونے والا تو اس فعل کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے؟

(ب) اگر یہ سگریٹ نوشی کرتی رہے اور میرے گھر میں رہے تو کیا اس سے مجھے گناہ ہو گا؟

(ج) کیا میرے لیے اسے طلاق دینا جائز ہے تاکہ میں گناہ سے بچ جاؤں؟

امید ہے میری اس مشکل کا مفصل حل بتائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لیے آپ کو زندہ سلامت رکھے؟

جواب واجب یہ ہے کہ آپ اسے نصیحت کرتے رہیں اور مسلسل سگریٹ نوشی کے نقصانات بیان کرتے رہیں اور مقدور بھر کوشش کر کے اسے سگریٹ نوشی سے باز رکھیں' اس سے آپ کو اجر و ثواب ملے گا اور اگر وہ باز نہ آئے تو آپ کو کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ آپ اس کے اس فعل پر راضی نہیں ہیں بلکہ آپ نے اسے منع کیا اور سمجھایا ہے اور واجب یہ ہے کہ آپ اسے مسلسل سمجھاتے رہیں اور مناسب تادیبی کارروائی بھی کریں جس سے وہ سگریٹ نوشی سے باز آجائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

میری بیوی بد خلق ہے' کیا اسے طلاق دے دوں؟

سوال میری بیوی کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے بچوں پر لعنت بھیجتی اور انہیں گالیاں دیتی اور کبھی ہر چھوٹی بڑی بات کی وجہ سے انہیں مارنے بھی لگتی ہے' میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے کہ اس بری عادت کو ترک کر دو تو وہ جواب دیتی ہے کہ تو نے ہی انہیں بگاڑا ہے جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب بچے اپنی ماں کو ناپسند کرنے لگے ہیں بلکہ اس کی بات کو اب کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے اور اب انہیں صرف سب و شتم اور مار پیٹ ہی کا علم ہے' سوال یہ ہے کہ براہ کرم تفصیل سے بتائیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مجھے اس بیوی کے بارے میں کیا موقف اختیار کرنا چاہیے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو' کیا میں طلاق دے کر اس سے دور ہو جاؤں اور بچوں کو اس کے ساتھ ہی رہنے دوں یا کیا کروں؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب بچوں یا دوسرے لوگوں کو لعنت کرنا جو لعنت کے مستحق نہ ہوں کبیرہ گناہ ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح:٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الايمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح:١١٠)

"مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفُعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن شہداء اور شفاعت کنندہ نہ بن سکیں گے۔"

لہٰذا اس عورت کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے' بچوں کو گالیاں دینے سے اپنی زبان کو محفوظ رکھے اور ان کے لیے کثرت سے ہدایت اور اصلاح کی دعا کرے' آپ کے لیے بھی حکم شریعت یہ ہے کہ اسے ہمیشہ سمجھاتے رہیں' اولاد کو گالیاں دینے سے منع کرتے رہیں اور اگر نصیحت اس کے لیے کارگر ثابت نہ ہو تو اس انداز سے اس سے تعلقات ترک کر لیں جس کے بارے میں آپ کا یہ خیال ہو کہ یہ طریقہ مفید رہے گا' اس کے ساتھ ساتھ صبر بھی کریں اور اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی امید بھی رکھیں اور طلاق دینے میں جلدی نہ کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں' آپ کو اور آپ کی بیوی کو ہدایت عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بے راہ روی کے اسباب سے بچائے

سوال میں نے چھپ کر اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ ٹیلی ویژن کی سکرین پر ایک فنکار کی تصویر کو بوسہ دے رہی ہے' اس منظر نے مجھے غضبناک کر دیا اور میں نے اس وقت سے اسے چھوڑ رکھا ہے امید ہے مجھے اس کی اس حرکت اور میں نے اسے جو چھوڑ رکھا ہے' اس کے بارے میں حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں گے' نیز رہنمائی فرمائیں گے کہ اس صورت حال میں اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے جب کہ مجھے بدگمانی یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی وقت میری خیانت کرے؟

جواب بے شک اسباب فتنہ کے سامنے عورت میں برداشت اور صبر بہت کم ہوتا ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مردوں کی تصویروں کو دیکھنا اور گلوکاروں اور فن کاروں کی آوازوں کو سننا مردوں اور عورتوں کے لیے فتنہ کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ لہٰذا ہم آپ کو نصیحت کریں گے کہ اپنی بیوی کے معاملہ میں غیرت کا ثبوت دیں' اسے فتنہ و فساد کے اسباب سے بچائیں اور گھر میں فحش رسالوں میں شائع ہونے والی فتنہ انگیز تصویریں اور شرارتوں سے بھری ہوئی فلمیں نہ لائیں اسے ایسے مردوں کی تصویریں دیکھنے سے بھی منع کریں کہ جن کی صورت یا آواز کی خوبصورتی کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ مذکورہ حالات میں عورت سے ترک تعلق غیرت کی علامت ہے لیکن آپ اسے ترک تعلق کا سبب بھی بتا دیں اور یہ یقین حاصل کر لیں کہ آئندہ وہ مردوں کی طرف دیکھ کر لطف اندوز نہیں ہو گی بلکہ اپنی نظر کو وہ اپنے شوہر پر ہی مرکوز رکھے گی اور آپ بھی اپنی نظر کو اپنی بیوی تک ہی محدود رکھیں گے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سفر سے پہلے بیوی کی طرف نہ دیکھنا

سوال میں نے سنا ہے کہ بہت سے شادی شدہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ جب اپنی بیوی سے غائب ہوں یا سفر کا ارادہ کریں تو وہ سفر کرتے یا سفر سے واپس آتے وقت اپنی بیوی کی طرف نہیں دیکھتے' کیا اس کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

جواب آپ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ بہت سے شوہر سفر پر جاتے یا سفر سے واپس آتے وقت اپنی بیوی کی طرف نہیں

دیکھتے تو یہ بات بے اصل ہے' شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا اس عادت کی پابندی کرنا اور اسے دینی حکم سمجھنا ان بدعات میں سے ہے جنہیں ترک کر دینا چاہیے۔ ہاں البتہ انسان اگر لمبے سفر سے واپس آئے تو اسے اپنے اہل خانہ کے پاس رات کو اچانک نہیں آنا چاہیے تاکہ وہ کوئی ایسی بات نہ دیکھے جو اسے ناپسند ہو اور جس سے وہ نفرت کرتا ہو بلکہ اسے مہلت دے کر آنا چاہیے تاکہ عورت کو اس کی آمد کا علم ہو اور وہ اس کے لیے تیار ہو جائے' اس کا تعلق حسن معاشرت اور ازدواجی زندگی کے ان آداب میں سے ہے جنہیں باقی رکھنا اور جن کی حفاظت کرنا چاہیے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ مرد اپنے اہل خانہ کے پاس رات کو اچانک آئے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلاَ يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلاً»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا يطرق أهله ليلاً ... الخ، ح:٥٢٤٤ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق ... الخ، ح:٧١٥ بعد ح:١٩٢٨)

"جب تم میں سے کوئی شخص طویل عرصہ تک غائب رہے تو وہ اپنے اہل (بیوی) کے پاس رات کو اچانک نہ آئے۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَخَلْتَ لَيْلاً فَلاَ تَدْخُلْ عَلَى أَهْلِكَ حَتَّى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ»(صحيح البخاري، النكاح، باب طلب الولد، ح:٥٢٤٦ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق ... الخ، ح:١٩٢٨/ ١٨٢)

"جب تم رات کو آؤ تو اپنے اہل (بیوی) کے پاس نہ آؤ حتی کہ وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو وہ زیر ناف بال صاف کر لے اور بکھرے بالوں والی عورت کنگھی کر لے۔"

تو اس حدیث میں گویا آنحضرت ﷺ نے واضح فرمایا ہے کہ طویل سفر سے واپس آنے والا اپنی بیوی کے پاس اچانک نہ آئے تاکہ اسے تیاری اور آرائش و زیبائش کا وقت دیا جائے اور شوہر کوئی ایسی بات محسوس نہ کرے جو اسے ناپسند اور اس کے نزدیک قابل نفرت ہو لہٰذا گھر واپس آنے سے پہلے اگر وہ خط لکھ کر یا فون کے ذریعے سفر سے واپسی کے وقت کے بارے میں مطلع کر دے تو پھر جس لمحے (وقت) وہ چاہے واپس آسکتا ہے' اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ اچانک بغیر اطلاع کے آیا ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بچے کا نام رکھنا باپ کا حق ہے اور.....

سوال اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھے بیٹی عطا فرمائی تو میں نے اس کا کچھ اور میری بیوی نے کچھ اور نام رکھنا چاہا تو ہم نے ان دونوں ناموں کا قرعہ نکالا اور قرعہ کے نتیجہ کے مطابق نام رکھ لیا تو کیا یہ طرز عمل تیروں سے قسمت آزمائی ہے اور اگر یہ اسی طرح ہے تو پھر اس طرح کے اختلاف کے حل کی کیا صورت ہو گی؟ کیا بچے کا نام رکھنا صرف والد کا حق ہے؟ رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اس طرح کے امور میں قرعہ اندازی امر مشروع ہے کیونکہ اس طرح جھگڑا حل ہو جاتا اور دلوں کو اطمینان ہو جاتا

ہے' نبی اکرم ﷺ نے بھی بہت سے امور میں قرعہ استعمال فرمایا تھا' چنانچہ آپ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے' جس کے نام کا قرعہ نکل آتا اسے سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اور جب ایک آدمی نے اپنے چھ غلاموں کو آزاد کرنے کی وصیت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان میں قرعہ ڈالا اور قرعہ کے ذریعے ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رہنے دیا۔

بچے کا نام رکھنا باپ کا حق ہے لیکن مستحب ہے کہ اس سلسلہ میں طیب نفس اور تالیف قلب کے لیے بچے کی ماں سے بھی مشورہ کر لیا جائے اور دونوں کے لیے مشروع یہ ہے کہ اچھے ناموں کا انتخاب کریں اور برے ناموں کو ترک کر دیں۔ ایسے نام رکھنے جائز نہیں ہیں جن میں غیراللہ کی بندگی کا اظہار ہو مثلاً عبدالنبی' عبدالکعبہ' اور عبدالحسن وغیرہ کیونکہ سب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بندے ہیں لہٰذا غیراللہ کی طرف بندگی کی نسبت جائز نہیں ہے۔

مشہور عالم ابو محمد بن حزم نے اس مسئلہ پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے کہ غیراللہ کی طرف بندگی کی نسبت کرنا حرام ہے۔ سوائے عبدالمطلب' کے کیونکہ نبی ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس نام کو برقرار رکھا تھا۔ وباللّٰہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیوی کی تنخواہ استعمال کرنا

سوال اگر میں کسی استانی سے شادی کروں تو کیا کسی ضرورت اور دونوں کی مصلحت مثلاً مکان وغیرہ بنانے کے لیے اس کی رضامندی سے اس کی تنخواہ کو میرے لیے استعمال کرنا جائز ہے جبکہ میں اسے اس کی کوئی رسید بھی نہ دوں اور وہ اس کا مجھ سے مطالبہ بھی نہ کرے۔ یاد رہے میں خود بھی ملازم ہوں اور ماہانہ تنخواہ وصول کرتا ہوں؟

جواب اپنی بیوی کی رضامندی سے اس کی تنخواہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ رشیدہ (باشعور) ہو۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو وہ آپ کو دے اسے لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تو تعاون ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنی خوشی سے دے اور وہ خود سمجھ دار ہو کیونکہ سورۃ النساء کے آغاز میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيٓـًٔا مَّرِيٓـًٔا ﴿٤﴾ ﴾ (النساء ٤/ ٤)

"اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے ذوق شوق سے کھالو۔"

خواہ اس کی رسید نہ بھی دی جائے اور اگر وہ آپ کو اس کی تحریر دے دے تو اس میں اور بھی زیادہ احتیاط ہے' خصوصاً جبکہ آپ کو اس کے اہل خانہ اور قریبی رشتہ داروں کی طرف سے کوئی خدشہ ہو یا اس عورت ہی کی طرف سے کوئی ڈر ہو کہ وہ مال دے کر واپس نہ مانگ لے۔

——— شیخ ابن باز ———

عورت کی طرف سے بدخوئی

سوال اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِنِ ٱمْرَأَةٌ خَافَتْ مِنۢ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَٱلصُّلْحُ

خَيْرٌ﴾ (النساء٤/ ١٢٨)

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرار داد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔"

تو سوال یہ ہے: کیا بدخوئی عورت ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور اگر عورت بھی انہی اسباب کی وجہ سے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرے جن اسباب کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم شریعت ہے؟

جواب عورت کی طرف سے بدخوئی کا اظہار کئی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے حکم اور حل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں سورۃ النساء میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَٱلَّـٰتِى تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهْجُرُوهُنَّ فِى ٱلْمَضَاجِعِ وَٱضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا۟ عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو کہ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زد و کوب کرو اور اگر وہ فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذاء دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بے شک اللہ سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب عورت بدخوئی اور اپنے شوہر کی نافرمانی کرے

سوال جب بیوی الکحل اور اسپرٹ سے بنے ہوئے مختلف عطریات استعمال کر کے گھر سے نکلے اور اپنی شادی شدہ بیٹیوں کی بھی ان عطریات کے استعمال کے بعد گھر سے نکلنے کی حوصلہ افزائی کرے' حالانکہ یہ خاوند کے منع کرنے' اس سے باز رہنے پر حلف لینے' وعظ و نصیحت کرنے اور بعض اوقات ڈانٹ ڈپٹ ہی نہیں بلکہ زدوکوب کرنے کے علی الرغم ہے لہٰذا اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے اور اپنی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بیٹیوں کی بھی شوہر یا باپ کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنے کی حوصلہ افزائی کرے اور گھر سے باہر نکلنے کا مقصد محض سیر و سیاحت یا غیر ضروری اشیاء کی خریداری ہو اور اگر شوہر کے ساتھ بستر پر لیٹنے اور اس کی خدمت کرنے سے بھی انکار کرے اور بہت کم اپنے شوہر کی خدمت کرے اور اسے بیٹیوں ہی کے سپرد کر دے تو کیا اس عورت کے اس طرز عمل کو نشوز قرار دیا جائے گا؟

جواب اگر وعظ و نصیحت' ڈانٹ ڈپٹ اور زدوکوب کے باوجود عورت کا حال یہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو بلاشبہ ایسی عورت بدخو اور سرکش ہے کیونکہ اس نے اپنے شوہر کی اطاعت کی لاٹھی توڑ کر بغاوت و سرکشی کی روش کو اختیار کر رکھا ہے اور پھر یہ اس کی ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتی اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرتی لہٰذا اس صورت میں ایک منصف' مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے بلا لیا جائے تاکہ وہ اس صورت حال کا جائزہ لیں' اس کے اسباب معلوم کریں اور دونوں میں صلح کی کوشش کریں اور اگر دونوں میں صلح اور اتفاق ہو جائے اور وہ ایک

دوسرے کے حقوق ادا کرنے لگیں تو الحمدللہ! اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی عورت کا طرز عمل برا ہے اور وہ بدستور اپنی نافرمانی اور حقوق ادا نہ کرنے پر مصر ہے تو اس علاقے کا قاضی دونوں میں تفریق کرا دے اور وہ مہر واپس لوٹا دے جو اس نے لیا ہے۔ اس کے لیے نفقہ بھی نہیں ہو گا اور اگر دونوں حاکموں کے سامنے یہ بات ثابت ہو جائے کہ شوہر جھوٹا ہے اور یہ اس پر زیادتی کرتا ہے تو دونوں اسے سمجھائیں اور اسے حکم دیں کہ یہ حسن معاشرت کا مظاہرہ کرے اور اپنے ان واجبات کو ادا کرے جو شوہر پر بیوی کے حوالے سے عائد ہیں۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

میری بیوی مجھے نہیں چاہتی

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور میں نے ایک قریبی رشتہ دار خاتون سے شادی کی ہے۔ ہماری شادی کو ابھی دو سال سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ بیوی کے خاندان کی طرف سے خاندانی جھگڑے شروع ہو گئے۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیٹا بھی دیا جب کہ میں گھر سے باہر تھا اور اس کے والد اور دیگر رشتہ داروں کے کہنے کی وجہ سے جب میں واپس لوٹا تو میں نے اپنی بیوی کو (اپنے خلاف) مکمل طور پر بدلا ہوا پایا۔ شاید یہ اس کے گھر والوں اور میرے گھر سے ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک باہر رہنے کی وجہ سے تھا۔ بہرحال اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی گئی مگر اس کا کوئی مثبت نتیجہ نہ نکلا جس کی وجہ سے بالآخر میں بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ اس عورت کو چھوڑ دوں اور جب میں نے اسے طلاق نامہ ارسال کرنے کا پروگرام بنایا تو مجھ سے نکاح نامہ طلب کیا گیا اور نکاح نامہ رجسٹرڈ نہیں ہوا تھا۔ تب پتہ چلا کہ وہ تو دو سالوں سے گم ہے لہٰذا اب میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ بیوی سے صلح صفائی کے لیے بار بار کوشش کریں اور اس مقصد کے لیے اپنے خاندان کے لوگوں کو بھی درمیان میں ڈال لیں لیکن اگر آپ صلح سے مایوس ہو جائیں اور یہ محسوس کریں کہ علیحدگی کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تو پھر علیحدگی کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے اور اس کے لیے آپ کو نکاح نامہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ اس خاتون کے والدین کو یہ بتا دیں کہ میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دے دی ہے لہٰذا اس کی جہاں چاہو شادی کر دو اور بہتر یہ ہے کہ آپ شرعی عدالت میں طلاق لکھوائیں اور طلاق نامہ انہیں ارسال کر دیں۔ نکاح نامہ اگر گم ہو گیا ہے اور آپ کو اس کی ضرورت ہے تو قریبی عدالت میں جا کر زوجیت کو ثابت کریں اور گواہ پیش کریں تاکہ اس طرح آپ کو نکاح کے ثبوت کی دستاویز عدالت سے مل جائے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عورت کا اپنے الگ کمرہ میں سونا

سوال کیا عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے الگ اور مخصوص کمرہ میں سوئے یعنی شوہر کے شرعی حقوق ادا کرنے سے تو اسے انکار نہیں ہے صرف سونے کے لیے وہ الگ کمرہ استعمال کرتی ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شوہر راضی ہو اور کمرہ محفوظ ہو اور اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو پھر عورت کو

الگ سونے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ یہ عرف کے خلاف ہے الا یہ کہ بوقت نکاح ایسی شرط لگائی جائے جب کہ کسی سبب کی وجہ سے وہ اس بات کو پسند نہ کرتی ہو کہ کوئی اس کے پاس سوئے تو مسلمانوں کو اپنی شرطوں کو پورا کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

میری بیوی بدبودار تیل استعمال کرتی ہے

سوال میری بیوی کچھ عرصہ سے ایک ایسے تیل کے استعمال کرنے کی عادی ہو گئی ہے جس کے بارے میں اس کا خیال یہ ہے کہ یہ بالوں کو گرنے سے روکتا ہے لیکن اس تیل کی بو بہت ناگوار ہے لہٰذا میں نے اسے کہا کہ اس تیل کو استعمال نہ کیا کرو اور اگر بالوں کے گرنے کی وجہ سے کوئی چیز استعمال کرنا ضروری ہے تو کوئی اور شیمپو یا تیل استعمال کر لو جس کی بو خوش گوار ہو تو وہ ناراض ہو گئی' اس نے اسے تنقید سمجھا اور بستر بھی الگ کر لیا اور دوسرے کمرے میں الگ سونا شروع کر دیا۔ امید ہے کہ آپ اس صورت حال میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب بیوی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت کرے جس میں اس کی مصلحت ہو اور اسے کوئی نقصان بھی نہ ہو' اسی طرح اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اس شوہر کے لیے ایسی آرائش و زیبائش کا اہتمام کرے جس سے میاں بیوی میں پیار و محبت پیدا ہو نیز اسے ہر اس چیز سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے اس کے خاوند کو نفرت ہو خواہ وہ ناگوار بو ہو یا گندا لباس۔ اس طرح بیوی کے لیے حرام ہے کہ وہ اس کے بستر کو چھوڑے اور جب وہ مطالبہ کرے تو اس کی خواہش کو پورا نہ کرے الا یہ کہ اسے اس سے کوئی ضرر پہنچتا ہو۔ اس عورت کے لیے بہت شدید وعید آئی ہے جس کا شوہر اسے اپنے بستر کی طرف بلائے مگر وہ انکار کر دے اور وہ ساری رات ناراض رہے۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خیر و بھلائی اور محبت و پیار کے لیے کوشش کریں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

میاں بیوی میں سے کسی ایک کا دوسرے کو شرعی حق سے محروم کرنا

سوال کیا میاں بیوی میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ معقول شرعی عذر کے بغیر دوسرے کو طویل مدت تک شرعی ملاقات سے محروم رکھے؟

جواب اس میں کچھ شک نہیں کہ میاں بیوی کا اتصال (جنسی ملاپ) نفسانی ضرورتوں میں سے ہے لیکن مرد یا عورت کی شہوت کی قوت یا کمزوری کے اعتبار سے مباشرت میں رغبت مختلف ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اکثر و بیشتر مردوں میں یہ پہلو غالب ہے اور وہی کثرت مباشرت کے خواہش مند ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی خواتین اپنے شوہروں سے شاکی بھی ہوتی ہیں کیونکہ کثرت مباشرت سے انہیں نقصان پہنچتا ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ بیوی کو چاہیے کہ اس کا شوہر جس وقت بھی اس سے جنسی فعل کا مطالبہ کرے تو وہ اس کے مطالبہ کو پورا کرے خواہ وہ تنور ہی پر کیوں نہ ہو۔ [1]

---

[1] یہ صرف فقہاء کا قول نہیں بلکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

بشرطیکہ اس سے اسے نقصان نہ ہو یا کسی فرض و واجب کے ادا کرنے میں کوتاہی نہ آئے لیکن طویل عرصہ تک جنسی ملاپ کو ترک کر دینا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت کا بھی یہ حق ہے کہ اس کی جنسی ضرورت پوری ہو اور اس سلسلہ میں عورت زیادہ سے زیادہ چار ماہ تک صبر کر سکتی ہے لہٰذا فقہاء نے فرمایا ہے کہ شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ چار ماہ بعد مباشرت کرے بشرطیکہ اسے اس کی طاقت ہو۔ بہرحال اس معاملہ میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کی رغبت اور خواہش کا خیال رکھنا چاہیے اور اگر شوہر کی طرف سے رغبت کا اظہار ہو تو بیوی کو اس کا احترام کرنا چاہیے بشرطیکہ مشقت یا ضرر کا کوئی پہلو درپیش نہ ہو۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

عورت کے لیے صرف نفقہ کی شرط

سوال ایک عورت کی عادت یہ بن گئی ہے کہ وہ اپنے گھر کی باتیں اپنے اہل خانہ یا پڑوسیوں کو بتاتی رہتی ہے اور اپنے گھر اور شوہر کے راز افشاء (ظاہر) کرتی رہتی ہے لہٰذا اس کے شوہر نے اسے اختیار دے دیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کے گھر میں رہے اور اسے صرف نفقہ ملے گا اور اگر چاہے تو وہ اس کے گھر سے چلی جائے' تو اس عورت نے اس کے گھر میں رہنے ہی کو پسند کیا ہے تو کیا اس شرط کے بعد شوہر پر اس عورت کے لیے نفقہ کے علاوہ کچھ اور بھی واجب ہو گا؟

جواب اس عورت کا یہ عمل حرام ہے کیونکہ کسی بھی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے گھر کے راز اپنے اہل خانہ یا دیگر لوگوں کو بتائے کیونکہ یہ راز امانت ہوتے ہیں اور ان کی حفاظت واجب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَالصَّٰلِحَٰتُ قَٰنِتَٰتٌ حَٰفِظَٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ ٱللَّهُ ﴾ (النساء٤/ ٣٤)

"تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ اپنے خاوندوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کی پیٹھ کے پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں۔"

اگر شوہر اس عورت کو یہ پیشکش کرے کہ وہ اس کے پاس اس شرط پر رہ سکتی ہے کہ وہ اسے صرف نفقہ دے گا اور عورت اس شرط کو مان لے تو وہ صرف نفقہ ہی کی مستحق ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلاَّ شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا» (جامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح:١٣٥٢ وسنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤)

"مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی شرطوں کو پورا کریں سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ» (صحيح البخاري، البيوع، باب إذا اشترط في البيع شروطًا لَا تحل، ح:٢١٦٨ وصحيح مسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن اعتق، ح:١٥٠٤)

ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے خواہ وہ سو شرط ہی کیوں نہ ہو۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

میاں بیوی کا ایک دوسرے کے جسم کو دیکھنا

سوال کیا حلال طریقے سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے میاں بیوی کا ایک دوسرے کے تمام جسم کو دیکھنا شرعاً جائز ہے؟

جواب بیوی کے لیے اپنے شوہر کے تمام جسم کو دیکھنا اور شوہر کے لیے بیوی کے تمام جسم کو دیکھنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۞ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۞ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۞﴾ (المؤمنون۲۳/ ۵۔۷)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ ان سے (مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (حدود شریعت سے) نکل جانے والے ہیں۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

مباشرت کے وقت عریاں ہونا

سوال کیا میاں بیوی کے لیے عریاں ہو کر مباشرت کرنا جائز ہے یا ان کے لیے اس حالت میں پردہ واجب ہے؟

جواب ہر مرد و عورت پر یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے۔ ہاں البتہ مرد کے لیے اپنی بیوی اور لونڈی سے اور بیوی و لونڈی کے لیے اپنے خاوند و مالک سے حفاظت نہیں ہے کیونکہ احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بہز بن حکیم رحمہ اللہ سے' انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم اپنی شرم گاہوں کی کس قدر حفاظت کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلاَّ مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ؟ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لاَ يَرَاهَا أَحَدٌ فَلاَ تُرِيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا؟ قَالَ: فَاللهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنْهُ»(سنن أبي داود، الحمام، باب في التعري، ح:٤٠١٧ وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في حفظ العورة، ح:٢٧٩٤ واللفظ له)

"اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا (ہر ایک سے) اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ جب بعض لوگ آپس میں بیٹھے ہوں تو؟ فرمایا: کوشش کرو کہ تمہاری شرم گاہ کو کوئی نہ دیکھ سکے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے جب کوئی خلوت میں ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کیا جائے۔"

تو اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ عموماً حالت خلوت میں بھی ستر پوشی ہی چاہیے۔

فتویٰ کمیٹی

طویل مدت تک عورت سے علیحدگی

سوال جو شخص اپنے اہل و عیال کی گزر بسر کے لیے کمائی کرنے کی خاطر ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ اپنی بیوی سے دور رہتا ہے' شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے کچھ لوگوں کا مقصد اس طرح کی کمائی سے عالی شان کوٹھیاں اور بنگلے بنانا یا گاڑیاں اور دنیوی آرائش و زیبائش کا دیگر سامان خریدنا ہوتا ہے لیکن اس طویل علیحدگی کا نتیجہ مرد یا عورت کی طرف سے زنا کی صورت میں بھی برآمد ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت اور توفیق عطا فرمائے؟

جواب جب میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے یہ دوری ہو' خواہ طویل مدت کے لیے ہو یا مختصر مدت کے لیے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ دونوں پاکدامنی کا ثبوت دیں اور اس علیحدگی کی وجہ سے اگر دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے بارے میں خدشہ ہو ---خواہ کسب معاش کے لیے اسے جانے کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو--- تو وہ اپنے ساتھی سے اپنے حق کے لیے مطالبہ کرے کہ جس سے دونوں کے لیے اکٹھا رہنا ممکن ہو تاکہ عزت کی حفاظت ہو' عفت و پاکدامنی حاصل ہو اور شرم گاہ کی بھی حفاظت ہو۔ اور اگر وہ حق کے ادا کرنے سے انکار کرے تو ضرورت مند اپنے معاملہ کو قاضی کے پاس لے جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے لیکن یاد رہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ شخص جس کے پاس بیوی نہیں یا ہر وہ بیوی جس کا شوہر اس کے پاس نہیں ضرور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے خواہ مدت کتنی طویل ہی کیوں نہ ہو۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

چھ ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیوی کی اجازت کے بغیر غائب نہ رہو

سوال سفر کی وجہ سے مرد کے لیے اپنی بیوی سے کتنی مدت کے لیے غائب رہنا شرعاً جائز ہے؟

جواب اگر شوہر اپنی بیوی سے طویل مدت کے لیے غائب رہے اور وہ اس کی اجازت نہ دے تو اسے ہر چھ ماہ بعد واپس لوٹ آنا چاہیے بشرطیکہ وہ مرض وغیرہ کی وجہ سے معذور نہ ہو اور اگر بیوی نے طویل مدت کی اجازت دے دی ہو تو اس مدت تک غائب رہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس حالت میں بھی اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ نفقہ وغیرہ ادا کرتا رہے۔

شیخ ابن عثیمین

بیوی سے غائب رہنے کی مدت

سوال میں ایک غریب نوجوان ہوں لیکن بحمد اللہ شادی شدہ ہوں جس ملک میں کام کرتا ہوں وہاں کا قانون چند ملازمتوں کے سوا دیگر لوگوں کو بیوی ساتھ لانے کی اجازت نہیں دیتا' میری تنخواہ بھی اچھی ہے' مجھے کرایہ مکان بھی ملتا ہے' میرے پاس ڈگریاں اور ڈپلومے بھی ہیں لیکن مجھے بیوی کو اپنے پاس بلانے کی اجازت نہیں ہے تو اس سلسلہ میں دین حنیف کا کیا حکم ہے جب کہ مجھے رخصت ایک سال بعد بلکہ چودہ ماہ بعد ملتی ہے؟

جواب شوہر کے غائب رہنے کی مدت کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے چار ماہ اور بعض نے چھ ماہ بتایا ہے لیکن یہ مدت بیوی کے شوہر سے واپس آنے کے مطالبہ کے بعد ہے یعنی جب چھ ماہ کی مدت گزر جائے' بیوی شوہر سے مطالبہ کرے کہ وہ آجائے اور اس کے لیے آنا ممکن بھی ہو تو اس کے لیے واپس آنا لازم ہے اور اگر نہ آئے تو وہ فسخ نکاح کے لیے معاملہ قاضی کے پاس لے جا سکتی ہے اور اگر بیوی شوہر کو باہر رہنے کی اجازت دے دے خواہ مدت کتنی ہی طویل ہو اور ایک سال یا دو سالوں سے بھی زیادہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شوہر کو واپس بلانا بیوی کا حق ہے اور اگر وہ اپنے حق کو ساقط کر دے تو پھر اسے فسخ نکاح کا حق نہیں ہے بشرطیکہ وہ شوہر کی عدم موجودگی پر راضی ہو اور وہ اسے کھانے' پینے' پہننے اور دیگر ضروریات کے لیے خرچہ بھیجتا رہے۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

طلب رزق کی وجہ سے بیوی سے دو سال سے زیادہ عرصہ غائب رہنا

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے دو سال سے بھی زیادہ عرصہ تک جدا رہے جب کہ طلب رزق کے سلسلہ میں اسے باہر جانا پڑا ہو۔ آپ کی رائے میں وہ شرعی مدت کیا ہے جس کے اندر شوہر کو واپس آنا چاہیے' نیز اس حالت میں اس کے لیے کیا واجب ہے؟

جواب شوہر کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے دستور کے مطابق زندگی بسر کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِۚ﴾ (النساء٤/ ١٩)

"اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو"

شوہر کے لیے بیوی پر اور بیوی کے لیے شوہر پر حق معاشرت واجب ہے اور دستور کے مطابق معاشرت میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی بیوی سے طویل مدت کے لیے جدا نہ رہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ معاشرت سے لطف اندوز ہو جیسا کہ بیوی کے ساتھ معاشرت سے لطف اندوز ہونا شوہر کا حق ہے۔ ہاں البتہ شوہر کی جدائی پر اگر عورت راضی ہو جائے خواہ یہ طویل مدت ہی کے لیے ہو تو بیوی کو اس کا حق ہے اور اسی کی رضامندی کی وجہ سے شوہر کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہو گا بشرطیکہ وہ اسے ایسے پر امن گھر میں چھوڑ کر جائے جس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر انسان طلب رزق کے لیے گھر سے باہر جائے اور بیوی اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں خواہ شوہر دو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ باہر رہے لیکن اگر وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتے ہوئے شوہر کو واپس بلائے تو یہ معاملہ شرعی عدالت میں لے جایا جائے اور عدالت جو فیصلہ کرے اس پر عمل کیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شوہر کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کو نماز کی خاطر جگائے

سوال اگر شوہر نماز فجر ادا کرنے کے لیے بیوی کو بیدار نہ کرے تو کیا اس کے دیر سے نماز ادا کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہو گا؟

جواب اس سوال کا جواب حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے معلوم ہوتا ہے:

﴿ ٱلرِّجَالُ قَوَّٰمُونَ عَلَى ٱلنِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ ٱللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَآ أَنفَقُواْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ ﴾

(النساء٤/ ٣٤)

"مرد عورتوں پر مسلط و حاکم ہیں' اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

نیز نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی کہ "مرد اپنے گھر کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا" لہٰذا شوہر کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز کے لیے بیدار کرے' خواہ اس کے لیے کوئی بھی وسیلہ اختیار کرے' الا یہ کہ وہ وسیلہ حرام ہو۔ شوہر سے بیوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں سوال ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ ﴾ (التحریم٦٦/ ٦)

"مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

جیسے گھر میں اگر کوئی ضروری کام ہو تو وہ ہر وسیلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے بیوی کو بیدار کرتا ہے۔ اسی طرح اسے نماز کے لیے بھی بیدار کرنا چاہیے' بلکہ نماز کے لیے بیدار کرنا تو زیادہ ضروری ہے کیونکہ صحیح طریقے سے نماز ادا کرنا تو دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کا سبب ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نکاح کی فاسد' حرام اور مختلف فیہ صورتیں

مسلمان عورت کا عیسائی مرد سے نکاح

سوال مسلمان عورت کے کسی عیسائی مرد سے شادی کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس شادی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے اس شادی کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا؟ اگر بیوی کو علم ہو کہ یہ شادی باطل ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس پر شرعی حد قائم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر شوہر بعد میں مسلمان ہو جائے تو پھر اس شادی کے بارے میں کیا حکم ہو گا؟ نیا نکاح کس طرح ہو گا؟

جواب مسلمان عورت کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ عیسائی یا کسی دوسرے کافر سے شادی کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُواْ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُواْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔"

نیز فرمایا:

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"نہ یہ (مسلمان عورتیں) ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافر مرد (مسلمان عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔"

اور جب کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے شادی کرے تو ضروری ہے کہ فوری طور پر ایسے نکاح کو فسخ کر دیا جائے۔ اگر عورت کو اس شرعی مسئلہ کا علم ہو تو کافر سے شادی کرنے کی صورت میں وہ مستحق تعزیر ہوگی۔ اسی طرح ولی' شادی کے گواہ اور پایہ' تکمیل تک پہنچانے والے بھی مستحق تعزیر ہوں گے جب کہ انہیں حکم شریعت کا علم ہو۔ اگر اس شادی کے نتیجے میں اولاد پیدا ہو تو وہ اسلام میں اپنی ماں کے تابع ہوگی۔ اگر شوہر شادی کے بعد مسلمان ہو جائے تو نکاح کی تجدید ہوگی بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ وہ صحیح طور پر مسلمان ہو گیا ہے' اس نے اسلام کو حیلہ کے طور پر قبول نہیں کیا۔ مسلمان ہونے کے بعد اگر وہ مرتد ہو تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی کیونکہ حدیث میں ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله، ح:٣٠١٧)

"جو شخص اپنے دین کو بدل دے تو اسے قتل کر دو۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

مسلمان عورت کی کافر سے شادی

سوال ایک مرد نے مسلمان عورت سے شادی کی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مرد کافر ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ ثابت ہو کہ نکاح کے وقت مذکورہ مرد کافر اور عورت مسلمان تھی تو یہ نکاح باطل ہو گا کیونکہ اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کافر کا کسی مسلمان عورت سے نکاح جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢١)

"اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔"

نیز فرمایا:

﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ ﴾ (الممتحنة٦٠/ ١٠)

"اگر تم کو معلوم ہو کہ (وہ عورتیں) مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کیونکہ نہ یہ ان کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لیے۔"

——— شیخ ابن باز ———

عرفی نکاح

سوال عرفی نکاح کیا ہوتا ہے' کیا اس میں اور عام معروف نکاح میں کوئی فرق ہے؟

جواب عرفی نکاح جسے بعض لوگ وقتی نکاح بھی کہتے ہیں' اس سے مراد نکاح متعہ ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ بوقت عقد جب مدت کا تعین کر دیا جائے اور کہا جائے کہ ہم اس عورت سے آپ کی ایک سال یا چھ ماہ کی مدت کے لیے شادی کرتے ہیں اور اس مدت کے بعد اس عورت کو آپ سے واپس لے لیں گے تو یہ نکاح متعہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ قدیم اور منسوخ احادیث پر اعتماد کرتے ہوئے رافضی اس نکاح کے قائل ہیں حالانکہ یہ حرام' منسوخ اور ناجائز ہے۔ عام معروف نکاح وہ ہے جو رغبت سے کیا جاتا ہے' جس کے لیے مکمل مہر ادا کیا جاتا ہے' دستور کے مطابق کئے ہوئے اس نکاح کے بعد

اگر شوہر بیوی کو چھوڑ دے یا طلاق دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح عرفی کے بارے میں حکم

سوال میں تیئیس برس کا ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنی گزشتہ زندگی میں بہت سے گناہ کیے ہیں لیکن اب توبہ کر کے گناہ چھوڑ دیے ہیں لیکن اس وقت مجھے کچھ مشکلات کا سامنا ہے جن میں سے ایک تو اپنے ہی نفس کے ساتھ کشمکش ہے اور دوسری بات بعض برے دوستوں کا پھر سے گناہ کی زندگی کی طرف لے جانے کی کوشش ہے لیکن توبہ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں علم مجھے پھر سے گناہ آلود زندگی کی طرف واپس جانے سے مانع ہے۔ میں چونکہ نوجوان ہوں' شادی کی فکر بھی دامن گیر ہے' اس کے لیے کئی بار کوشش بھی کی لیکن تاحال کامیابی نہیں ہو سکی اور اس کی وجہ سے میری نماز اور دیگر اعمال پر کافی اثر ہے' اس بات کا بھی شدید خدشہ ہے کہ کہیں میں پھر سے گناہوں کا ارتکاب نہ کرنے لگ جاؤں لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ اس بات کی وضاحت فرمائیں کیا میرے لیے عرفی نکاح جائز ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ الحمدللہ میری مالی حالت اچھی ہے' جسمانی حالت بھی اچھی ہے اور ملازمت بھی بہت بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے!

جواب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ احسان عظیم فرمایا ہے کہ آپ کو گناہوں سے توبہ کرنے کی توفیق بخشی' اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں اور توبہ پر قائم رہیں شیطان اور اس کے انسانی چیلوں کے وسوسوں سے بچیں' اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد طلب کریں اور ہر اس چیز سے بچنے کی دعا کریں جو اسے ناراض کرنے والی ہو' برے دوستوں سے بھی بچیں اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، ح:٤٨٣٣ وجامع الترمذي، الزهد، باب الرجل علي دين خليله، ح:٢٣٧٨)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تم دیکھو کہ کس شخص سے تمہاری دوستی ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ فوراً شرعی نکاح کر لو اور اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو' عرفی نکاح شریعت کے مطابق نہیں لہٰذا یہ ناجائز ہے' ہم یہاں آپ کی توجہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف مبذول کرائیں گے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے (رنج و محن) سے نجات کی صورت پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم (وگمان) بھی نہ ہو۔"

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مِنْ أَمْرِهِۦ يُسْرًا ۝ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اس کے کام میں سہولت پیدا کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس بات کی توفیق بخشے جو اسے پسند ہو اور ہمیں اور آپ کو حق پر ثابت قدم رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

نکاح متعہ قیامت تک حرام ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو کیوں حرام قرار دیا ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے نکاح متعہ کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ نکاح سے مقصود الفت' استقرار' گھر اور خاندان کی تشکیل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (الروم۳۰/ ۲۱)

"اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔"

نکاح متعہ کی صورت میں وہ اولاد ضائع ہو جاتی ہے جو اس نکاح سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس سے امت میں فساد اور بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّهُ حَرَامٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (صحیح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة ... الخ، ح:١٤٠٦، ٢٨ بلفظ إن الله قد حرم ذلك إلى يوم القيامة، أنها حرام من يومكم هذا إلى يوم القيامة)

"یہ روز قیامت تک حرام ہے۔"

اس حرمت کو منسوخ کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اگر اسے منسوخ کرنا ممکن ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سچ نہیں ہے اور یہ امر محال ہے کہ حضور کا فرمان سچ نہ ہو!

شیخ ابن عثیمین

نکاح متعہ کے بارے میں ایک شبہ

سوال میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ متعہ حلال ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

﴿ فَمَا ٱسْتَمْتَعْتُم بِهِۦ مِنْهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو۔"

اور یہ کہ متعہ کو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حرام قرار دیا گیا اور ظن غالب یہ ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام قرار دیا اور خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعہ کو حرام قرار نہ دیتے تو پھر کوئی بدبخت ہی زنا کرتا' اس روایت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اسلام کے ابتدائی دور میں متعہ حلال تھا کیونکہ لوگ کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آرہے تھے تو کچھ وقت کے لیے ان کی تالیف قلب کے طور پر اسے حلال رکھا گیا اور پھر نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے زمانہ میں اسے روز قیامت تک حرام قرار دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حرام قرار نہیں دیا تھا بلکہ انہوں نے تو متعۂ حج سے منع کیا تھا جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے غلطی سے آپ کی طرف متعۂ نکاح کی ممانعت کو منسوب کر دیا' اس سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو قول منقول ہے تو یہ رافضیوں نے ازراہ کذب و جھوٹ مشہور کر رکھا ہے۔ جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جسے سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو یہ

آیت متعہ نہیں بلکہ نکاح کے بارے میں ہے اور اجرتوں سے مراد مہر ہیں جیسا کہ آیت ہے:

﴿ وَءَاتُوا۟ ٱلنِّسَآءَ صَدُقَـٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ ﴾ (النساء ٤/ ٤)

"اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

طلاق کی نیت سے شادی

سوال میں تعلیم کی غرض سے بیرون ملک کے سفر کا ارادہ رکھتا ہوں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اس نیت سے وہاں جا کر شادی کروں کہ واپسی کے وقت طلاق دے دوں گا اور اپنی اس نیت کے بارے میں عورت کے وارثوں کو نہ بتاؤں؟

جواب جمہور اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ جب آدمی محل سفر میں شادی کرے اور نیت یہ ہو کہ واپسی کے وقت وہ بیوی کو طلاق دے دے گا۔ بعض علماء نے اس میں توقف کیا ہے اور اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ یہ نکاح متعہ ہی کی صورت نہ ہو لیکن یہ نکاح متعہ نہیں ہے۔ کیونکہ متعہ میں تو معلوم مدت کی شرط ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ ایک یا دو ماہ بعد طلاق دے دے گا اور ایک یا دو ماہ کی اس مدت کے بعد دونوں کا یہ نکاح باقی نہیں رہے گا، تو یہ ہے نکاح متعہ۔ لیکن نکاح کی مذکورہ صورت میں یہ شرط نہیں لیکن اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اس ملک سے واپسی کے وقت طلاق دے دے گا تو اس نیت سے یہ نکاح متعہ نہیں بن جائے گا۔ کیونکہ وہ اسے طلاق دے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں رغبت رکھے اور اسے طلاق نہ بھی دے تو جمہور اہل علم کے صحیح قول کے مطابق یہ نکاح متعہ نہیں ہے اور پھر لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہوتی ہے کیونکہ انسان کو بسا اوقات اپنے بارے میں فتنہ کا ڈر ہوتا ہے۔ فتنہ سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسے مناسب بیوی مہیا کر دیتا اور وہ اس سے شادی کر لیتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وطن واپسی کے وقت وہ اسے طلاق دے دے گا کیونکہ یہ بیوی اس کے اپنے ملک کے حالات میں مناسب نہیں ہوتی یا طلاق کے کچھ دیگر اسباب بھی ہو سکتے ہیں تو نیت طلاق صحت نکاح سے مانع نہیں ہے۔ پھر یہ نیت بدل بھی سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شادی کرنے والا اس میں رغبت کے باعث اسے اپنے ملک میں بھی لے جائے۔ اس صورت میں بھی اس کی نیت اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کی نیت سے شادی کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے

سوال کیا طلاق کی نیت سے شادی جائز ہے؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ نیت بندے اور رب کے درمیان ہو اور عورت یا اس کے وارثوں نے ایسی کوئی شرط عائد نہ کی ہو لیکن اس صورت میں نکاح نہ کرنا افضل ہے کیونکہ رغبت کے لیے کامل ترین صورت یہی ہے۔ جمہور اہل علم کا یہی قول ہے جیسا کہ ابو محمد بن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کی نیت سے شادی کے مسئلہ کی وضاحت

سوال ایک بھائی نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے آپ کا یہ فتویٰ پڑھا ہے کہ طلاق کی نیت سے شادی کرنا جائز ہے جب کہ وقت طلاق کا تعین نہ کیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ مغربی ممالک میں جانے والے نوجوانوں کو آپ یہ وصیت کرتے ہیں کہ وہ اس طرح کی شادی کر لیں' ہو سکتا ہے کہ میاں بیوی میں محبت پیدا ہو جائے یا اللہ تعالیٰ انہیں اولاد عطا فرما دے جس کی وجہ سے یہ شادی برقرار رہے' تو کیا یہ صحیح ہے۔ امید ہے آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے؟

جواب یہ فتویٰ بحوث علیہ و افتاء سعودی عرب کی مستقل کمیٹی کی طرف سے میری سربراہی اور اشتراک میں صادر ہوا تھا' جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ موفق الدین بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر فرمایا ہے بشرطیکہ یہ نیت صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو' یاد رہے یہ صورت نکاح متعہ کی نہیں ہے۔

شادی کرنے والا اگر عورت کے وارثوں کے ساتھ اس بات پر اتفاق کر لے یا وہ نکاح ہی مدت معلوم کی شرط پر کرے تو یہ نکاح منکر اور ناجائز ہو گا اسے نکاح متعہ سمجھا جائے گا جو کہ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے روز قیامت تک حرام قرار دے دیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

اس میں اور نکاح متعہ میں فرق

سوال میں نے کیسٹ پر آپ کا ایک فتویٰ سنا ہے کہ بیرونی ملکوں میں اس طرح شادی بھی جائز ہے جب کہ مدت معین کے بعد طلاق کی نیت ہو۔ سوال یہ ہے کہ اس میں اور نکاح متعہ میں کیا فرق ہے؟

جواب ہاں' مستقل کمیٹی کی طرف سے' جس کا میں سربراہ ہوں' یہ فتویٰ صادر ہوا ہے کہ طلاق کی نیت سے نکاح جائز ہے جب کہ نیت بندے اور اللہ کے درمیان ہو' یعنی جب کوئی بیرون ملک شادی کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ جب وہ اپنی تعلیم کو مکمل کرے گا یا اپنی ملازمت وغیرہ کی مدت مکمل کرے گا تو اسے طلاق دے دے گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ نیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اور اسے بوقت نکاح شرط قرار نہ دیا گیا ہو۔

اس میں اور متعہ میں فرق یہ ہے کہ نکاح متعہ میں مدت معلوم مثلاً ایک ماہ یا دو ماہ یا ایک سال یا دو سال وغیرہ کی شرط ہوتی ہے اور جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو یہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے' یہ نکاح متعہ ہے جو کہ باطل ہے' لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نکاح کرے اور اس کے دل میں یہ ہو کہ وہ جب اس ملک سے واپس جائے گا تو اسے طلاق دے دے گا تو یہ صورت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں نیت میں تبدیلی بھی آ سکتی ہے اور پھر اس میں مدت بھی معلوم نہیں ہے' شرط بھی نہیں ہے' ہاں البتہ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ نکاح کرنے والا زنا اور فواحش و منکرات سے بچ جائے گا۔ چنانچہ جمہور اہل علم کے بقول نکاح کی یہ صورت صحیح ہے جیسا کہ موفق الدین بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

"طلاق کی نیت سے نکاح" کے مسئلے میں فضیلۃ الشیخ محمد بن عثیمین کی رائے

سوال ایک شخص نے بیرون ملک سفر کا ارادہ کیا کیونکہ وہ مبعوث ہے تو اس نے عفت و پاکدامنی کے حصول کے لیے یہ ارادہ کیا کہ ایک معین مدت تک کے لیے نکاح کر لے اور بیوی کو نہ بتائے کہ وہ اسے طلاق دے دے گا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طلاق کی نیت سے یہ نکاح دو حالتوں سے خالی نہیں ہے (۱) بوقت عقد یہ شرط ہو کہ وہ ایک ماہ یا ایک سال یا اپنی تعلیمی مدت کی تکمیل تک شادی کر رہا ہے تو یہ نکاح متعہ اور حرام (۲) یا یہ کہ اس کی نیت ہو کہ اسے طلاق دے دے گا البتہ یہ شرط نہ ہو تو حنابلہ کے مشہور مذہب کے مطابق یہ حرام اور عقد فاسد ہے کیونکہ فقہائے حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ معنوی بات بھی مشروط ہی کی طرح ہوتی ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الاعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو اس نے نیت کی۔"

اگر آدمی کسی ایسی عورت سے شادی کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دی ہوں اور اس کی نیت یہ ہو کہ یہ اسے اس کے لیے حلال کرنا چاہتا ہے' لہٰذا شادی کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا تو یہ نکاح فاسد ہو گا' خواہ اس میں طلاق کی شرط نہ بھی ہو کیونکہ منوی بات مشروط ہی کی طرح ہوتی ہے۔ اگر نیت تحلیل سے عقد فاسد ہو جاتا ہے تو نیت متعہ سے بھی عقد فاسد ہو جائے گا حنابلہ کا یہی قول ہے۔

اس مسئلہ میں اہل علم کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ آدمی کسی عورت سے شادی کرے جب کہ اس کی نیت یہ ہو کہ وہ جب اس ملک سے واپس جائے گا تو اسے طلاق دے دے گا' جس طرح لوگ بیرون ملک حصول تعلیم وغیرہ کے لیے جاتے ہیں کیونکہ اس میں طلاق کی شرط نہیں ہے اور اس میں اور متعہ میں یہی فرق ہے کہ متعہ کی صورت میں جب مدت مکمل ہو جائے تو میاں بیوی میں علیحدگی ہو جاتی ہے' خواہ شوہر چاہے یا نہ چاہے لیکن یہ صورت اس سے مختلف ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ طلاق نہ دے اور یہ شادی برقرار رہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

میرے نزدیک بھی صحیح بات یہی ہے کہ یہ نکاح متعہ نہیں ہے کیونکہ اس پر متعہ کی تعریف صادق نہیں آتی لیکن میرے نزدیک نکاح کی یہ صورت بھی حرام ہے کیونکہ اس میں عورت اور اس کے وارثوں سے دھوکا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے دھوکا اور فریب کو حرام قرار دیا ہے' اگر اس عورت کو معلوم ہو کہ یہ مرد اس سے صرف اس مخصوص مدت کے لیے شادی کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سے کبھی شادی نہ کرے' اس طرح اس کے وارث بھی اس پر کبھی راضی نہ ہوں۔ کوئی انسان خود بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی ایسے انسان سے کرے' جس کی نیت یہ ہو کہ کچھ مدت کے بعد وہ اسے طلاق دے دے گا' جب انسان اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتا تو دوسروں کے لیے اسے کیوں پسند کرتا ہے؟ یہ بات ایمان کے بھی خلاف ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على ان من خصال الإيمان، أن يحب لأخيه المسلم . . . الخ، ح:٤٥)

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہ پسند نہ کرے جسے اپنے لیے پسند کرتا ہو۔''

میں نے سنا ہے کہ بعض لوگوں نے اس قول کو ایک ایسے کام کے لیے ذریعہ بنا لیا ہے کہ جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور وہ یہ کہ وہ ان ملکوں میں جاتے ہی صرف شادی کے لیے ہیں' جب تک چاہتے ہیں اس بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور پھر جب اپنے ملک واپس لوٹتے ہیں تو اسے طلاق دے دیتے ہیں' لہٰذا اس مسئلہ میں یہ بہت خطرناک صورت حال ہے' اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس کا دروازہ بند کر دیا جائے کیونکہ اس میں دھوکا اور فریب بھی ہے اور پھر اس سے بے حیائی اور بدکاری کا دروازہ بھی کھلتا ہے' لوگ جاہل ہیں اور اکثر لوگوں کی خواہش نفس انہیں حدود الٰہی پامال کرنے سے نہیں روکتی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نکاح وٹہ سٹہ کا حکم

سوال ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی بیٹی کا رشتہ اس شرط پر دیا کہ وہ بھی اس کے مقابل اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اسے دے گا اور دونوں میں سے ایک نے مہر بھی ادا نہیں کیا' کیا یہ نکاح جائز ہے یا ضروری ہے کہ ان دونوں خواتین کے لیے مہر بھی مقرر کیا جائے؟

جواب کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا دیگر وارث عورتوں میں سے کسی کا رشتہ کسی دوسرے انسان سے یا اس کے بیٹے سے اس شرط پر کر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا دیگر وارث عورتوں میں سے کسی کا رشتہ اسے دے گا' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور اس کا نام شغار (وٹہ سٹہ) رکھا ہے' بعض لوگ اس کا نام نکاح بدل بھی رکھتے ہیں' مہر اس میں خواہ مقرر کیا جائے یا مقرر نہ کیا جائے یہ منع ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے اس کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی سے اس شرط پر کر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ اس سے کر دے گا' آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں مہر کا ذکر نہیں فرمایا' اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت عام ہے اور دونوں صورتیں ہی ممنوع ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے۔ مسند (احمد) اور سنن ابی داؤد میں جید سند کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امیر مدینہ نے ان کی طرف لکھا کہ دو آدمیوں نے نکاح شغار کیا ہے اور مہر بھی مقرر کیا ہے' تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ کو جواب میں لکھا کہ ان میں تفریق کر دو کیونکہ یہ وہی نکاح شغار ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یہ نکاح اس لیے منع ہے کہ اس میں وارثوں کی طرف سے عورتوں پر ظلم ہے' انہیں مجبور کرنا ہے کہ وہ ان سے شادی کریں' جنہیں وہ ناپسند کرتی ہوں' نیز انہیں محض ایک سودا سلف کی حیثیت دینا ہے کہ ان کے وارث جس طرح چاہیں اپنی رغبت و مصلحت کے مطابق ان میں تصرف کریں جس طرح کہ اس کے نکاح کرنے والوں کے حالات و واقعات سے ثابت ہوتا ہے الا ماشاء اللہ' حدیث ابن عمر میں شغار کی جو یہ تفسیر بیان کی گئی ہے

کہ آدمی اپنی بیٹی کا کسی دوسرے شخص سے اس شرط پر رشتہ کر دے کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ اس سے کر دے گا اور "دونوں کے لیے حق مہر بھی نہ ہو" تو یہ الفاظ نافع کے ہیں' یہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شغار کی تفسیر میں جو الفاظ ہیں' وہ الفاظ نافع کے الفاظ سے مقدم ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ شغار ہے اور حرام ہے

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ میرے رشتہ داروں میں سے ایک شخص کی شادی ہوئی ہے جس کی صورت مشکوک ہے اور وہ یہ کہ اس شخص نے دوسرے کے ساتھ یہ طے کیا کہ یہ اپنی بیٹی کی اس کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے گا کہ وہ اپنی بہن کا اس کے بیٹے کو رشتہ دے اور ہر ایک نے یہ شرط لگائی کہ وہ عورت کو طے شدہ لباس اور زیورات بھی دے گا تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا یہ شغار ہے جو کہ حرام ہے؟ اگر یہ شغار ہے تو وہ اب کیا کریں اور اگر یہ نکاح شغار نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ شغار کیا ہوتا ہے؟

جواب یہ صورت جو آپ نے ذکر کی ہے' بلاشک و شبہ شغار ہی ہے کیونکہ اس میں مہر کے بجائے صرف کپڑوں اور زیورات کا ذکر ہے جبکہ ہمارے آج کل کے وقت میں کپڑوں اور زیورات کو مہر نہیں سمجھا جاتا بلکہ مہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ نقدی کی صورت میں ہو اور پھر ان میں سے ہر ایک نے مہر مثل سے کم پر شادی کی ہے اور بلاشک یہ شغار ہے' اس صورت میں مہر میں دو چیزیں رکھی گئی ہیں: ایک مال اور دوسری شرمگاہیں' یعنی ان میں سے ہر ایک نے جو مال خرچ کیا ہے وہ اور دوسری شرم گاہ مہر ہے اور یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَٰفِحِينَ ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ کہ شہوت رانی۔"

اللہ تعالیٰ نے صرف مال کو مہر قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ أَن تَبْتَغُوا۟ بِأَمْوَٰلِكُم ﴾ (النساء٤/ ٢٤)

"مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔"

لیکن ان دونوں آدمیوں نے جو مہر مقرر کیا ہے وہ مال بھی ہے اور شرمگاہ بھی' لہٰذا یہ حرام ہے اور شغار میں داخل ہے' اگر ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی کو مہر مثل دیتا' وہ بیوی کا کفو بھی ہوتا' میاں بیوی دونوں اس شادی پر خوش بھی ہوتے تو اس صورت میں بعض اہل علم کے نزدیک یہ نکاح حلال ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک شغار نہیں ہے جبکہ بعض دیگر اہل علم نے اسے بھی شغار ہی قرار دیا ہے' لہٰذا بے شک اس سے بچ جانا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس دور میں لوگوں میں امانت بہت کم ہو گئی ہے' وہ اپنی وارث عورتوں کی مصلحت کو اہمیت نہیں دیتے بلکہ اپنی ذاتی مصلحت کو اہمیت دیتے ہیں' لہٰذا سد ذریعہ اور ازالۂ فساد کے لیے ضروری ہے کہ اس سے مطلقاً منع کر دیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

مشروط شادی شغار ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ یہ اپنی بہن کا رشتہ اس عورت کے بھائی کو دے گا' اب یہ دونوں شادی شدہ ہیں' ان کے بچے بھی ہیں' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں کا مہر بھی الگ الگ تھا' شادی بھی الگ الگ وقت میں ہوئی تھی' سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ کیا دونوں کے عقد نکاح کی تجدید کی جائے اگر یہ شغار ہے تو اب صورت کیا ہوگی؟

جواب اگر انہوں نے مشروط شادی کی تھی تو یہ شغار ہے' یعنی اگر ان میں سے ایک نے یہ کہا تھا کہ وہ اسے رشتہ دے اور اس کے بالمقابل وہ اپنی بہن کا اسے رشتہ دے دے گا تو یہ وہ شغار ہے' جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے' لہٰذا انہیں چاہیے کہ تجدید نکاح کر لیں ہاں البتہ اس صورت میں طلاق کی ضرورت نہیں ہے' جب کہ ان میں سے ہر ایک اپنی بیوی میں اور بیوی اس میں رغبت رکھتی ہو' لہٰذا یہ دوسری عورت کی شرط کے بغیر تجدید نکاح کر لیں' اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد' عورت کے ولی یا عصبہ میں سے اس کے قریب ترین شخص کو طلب کرے اور اس کی موجودگی میں مہر جدید اور عقد جدید کے ساتھ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں از سر نو نکاح کر لے' دوسری عورت بھی اسی طرح کرے خواہ اس کے لیے کم مہر مقرر کیا جائے اور اس کے لیے محکمہ میں جانے کی بھی ضرورت نہیں یہ از سر نو شادی گھر میں بھی سرانجام دی جا سکتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شرط کے بغیر نکاح شغار (کی سی صورت)

سوال نکاح شغار سے متعلق ایک سوال کے بارے میں میں نے آپ کا جواب پڑھا ہے' میری صورت حال یہ ہے کہ میں نے دس سال پہلے ایک لڑکی سے شادی کی تھی' اس کا بھائی ولی تھا اور سونے چاندی کی دیگر شرائط کے ساتھ مبلغ چار ہزار پانچ سو ریال مہر مقرر کیا گیا تھا اور پھر میں نے اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا اور اس میں سونے چاندی کی دیگر شرائط کے ساتھ مبلغ چار ہزار ریال مہر تھا' میری نیت ادلے بدلے کی شادی کی نہ تھی' اس کی نیت کے بارے میں مجھے معلوم نہیں' اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شادی کے نتیجہ میں بیٹے اور بیٹیاں عطا فرمائی ہیں' اسی طرح وہ بھی صاحب اولاد ہے' نکاح شغار سے متعلق سوال کے بارے میں آپ کا جواب پڑھ کر میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں' لہٰذا امید ہے کہ میری اس صورت حال کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے اور آپ کی بیوی کے بھائی کے درمیان یہ شرط نہیں تھی کہ آپ اسے رشتہ دیں گے تو وہ آپ کو رشتہ دے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ نکاح شغار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ شغار نہیں ہے

سوال پانچ سال پہلے میرے چچا میرے والد کے پاس گئے تاکہ وہ میری بہن "حصہ" کا اپنے بیٹے "علی" کے لیے رشتہ طلب کریں تو میری بہن سمیت سب نے اس رشتہ کو قبول کر لیا' مہر بھی طے ہو گیا' دیگر شرطیں بھی طے ہو گئیں لیکن میرے چچا نے اس مجلس سے رخصت ہوتے وقت میرے والد سے کہا: "ابو احمد! اگر آپ کا بیٹا ہماری بیٹی عائشہ سے شادی

کرنا چاہے تو ہمیں بھی یہ رشتہ منظور ہو گا'' ان کا مقصد یہی تھا کہ ان کی بیٹی عائشہ سمیت سارے خاندان کو یہ رشتہ منظور ہو گا اور کہا کہ ہمیں اپنی بیٹی کے لیے احمد سے بہتر اور کون مل سکتا ہے؟ یاد رہے کہ ہم نے ان سے یہ رشتہ طلب نہیں کیا تھا یعنی ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم آپ کو اپنی بیٹی کا رشتہ اس شرط پر دیں گے کہ آپ اپنی بیٹی کا رشتہ ہمارے بیٹے احمد کو دیں' میرے چچا نے اپنی خوشی سے از خود ہی اس مسئلہ کو شروع کیا تھا میرے والد نے اس سلسلہ میں میری رائے پوچھی کہ کیا میں عائشہ سے شادی کے لیے تیار ہوں تو میں نے بھی اس پر آمادگی کا اظہار کر دیا اور اس طرح الحمدللہ ایک ماہ کے اندر ہم سب کی شادیاں ہو گئیں' میں اور میری بیوی خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین بچے بھی دیئے ہیں' اسی طرح میری بہن اور بہنوئی بھی خوشی و مسرت سے زندگی بسر کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دو بچے دیئے ہیں' میرا سوال یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے' یہ شغار تو نہیں ہے؟ یاد رہے میری بہن کا مہر اور دیگر شروط میری بیوی کے مہر اور شروط کے قریب قریب ہیں صرف چند معمولی اشیاء میں فرق ہے' اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے' جس طرح سوال میں مذکور ہے' تو یہ نکاح شغار نہیں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں والحمدللہ کیونکہ شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دے دو' میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہیں دے دیتا ہوں یا یہ کہے کہ اپنی بہن تم میرے نکاح میں دے دو' میں اپنی بہن تمہارے نکاح میں دے دیتا ہوں یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہے جائیں لیکن نکاح کی جو صورت آپ نے سوال میں ذکر کی ہے اس میں چونکہ کوئی ایسی شرط نہیں ہے لہٰذا یہ شغار نہیں ہے' وباللہ التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

کیا یہ شغار ہے؟

سوال میں اپنے ایک رشتہ دار کی بیٹی سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق شادی کرنا چاہتا ہوں' اس کا ایک بیٹا بھی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ اور اس رسول ﷺ کے حکم کے مطابق اپنی بہن کا رشتہ اسے دے دوں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے دونوں کا مہر ایک جیسا نہیں ہو گا' دونوں لڑکیوں کا حق خاص بھی ایک جیسا نہیں ہو گا' دونوں ان رشتوں پر راضی بھی ہیں اور ان میں سے کسی کو مجبور بھی نہیں کیا گیا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے کہ یہ دونوں لڑکیاں راضی ہیں' بغیر کسی حیلہ سازی کے دونوں کو باقاعدہ مہر بھی ادا کیا جائے گا' آپ دونوں کے درمیان اس نکاح کے سلسلہ میں کوئی قولی یا عرفی شرط بھی نہیں ہے' جس کا تقاضا یہ ہو کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو اس شرط پر دے گا کہ آپ اس کے بیٹے کو اپنی بہن کا رشتہ دیں' تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں کوئی شرعی امر مانع نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

ایک عورت کو دوسری کا مہر دینا

سوال ایک شخص نے میری بہن کے لیے منگنی کا پیغام دیا اور ساتھ ہی اس نے مجھے یہ بات بھی پہنچائی کہ اس کے گھر

والے اس شادی کو اس وقت تک قبول نہیں کریں گے' جب تک میں اس کی بہن سے شادی نہ کروں' ہاں البتہ میں نے اپنی بیوی کو پیشگی مہرادا نہیں کیا بلکہ ہم تقدیم و تاخیر پر متفق ہو گئے' میں نے اپنے گھر والوں اور بہن کو تیار کیا اور اس شخص نے اپنے گھر والوں اور بہن کو تیار کیا تو اس عقد کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ نکاح شغار شمار ہو گا؟

جواب یہ عقد نکاح شغار کے خلاف ہے کیونکہ نکاح شغار تو یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی یہ کہے کہ میں تمہیں اپنی بیٹی کا اس وقت تک رشتہ نہیں دوں گا جب تک تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے نہ دو' جبکہ سائل نے جو سوال پوچھا ہے وہ اس کے برعکس ہے لیکن اس کے باوجود میں یہ کہوں گا کہ اگر یہ نکاح تبادلہ کی صورت میں ہے' یعنی ان میں سے اگر ہر عورت دوسری کے لیے مہر ہے تو پھر یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کی حلت کے لیے مال خرچ کرنے کو شرط قرار دیا ہے اور تم دونوں نے بیویوں پر مال کو خرچ نہیں کیا بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسری کا مہر بنا دیا ہے اور یہ حرام ہے اور صحیح نہیں ہے اور اگر تم دونوں نے مہر مقرر کر بھی لیا ہے تو پھر بھی بعض اہل علم نے نکاح شغار کے بارے میں کہا ہے کہ اگر دونوں کامل مہرادا کریں اور ہر عورت اپنے شوہر سے شادی کرنے پر راضی ہو تو پھر نکاح صحیح ہو گا لیکن میرا فتویٰ یہ ہے کہ آپ اس مسئلہ میں اپنے ہاں شرعی عدالت کی طرف رجوع کریں' اگر عدالت پہلے نکاح کو برقرار رکھے تو بہتر اور اگر حاکم شرعی کی رائے اعادۂ نکاح کی ہو تو نکاح دوبارہ کر لیا جائے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اس (شخص) کے نکاح کا حکم جو پہلے نماز نہیں پڑھتا تھا.....

سوال میں پہلی عمر میں نماز نہیں پڑھتا تھا اور اسی حالت میں شادی کر لی' الحمدللہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی ہے' سوال یہ ہے کیا میرا عقد نکاح صحیح ہے؟

جواب اگر بوقت عقد تمہاری بیوی بھی تمہاری طرح نماز نہیں پڑھتی تھی تو عقد نکاح صحیح ہے اور اگر وہ نماز پڑھتی تھی تو پھر تجدید نکاح واجب ہے کیونکہ مسلمان عورت کے لیے کافر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُنكِحُوا۟ ٱلْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا۟ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۱)

''مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا۔''

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مشرکوں کی مسلمان عورتوں سے شادی نہ کرو حتی کہ مسلمان ہو جائیں' نیز سورۃ الممتحنۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾ (الممتحنة ٦٠/ ١٠)

''اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز۔''

اور معلوم ہے کہ ترک نماز کفر اکبر ہے خواہ تارک اس کے وجوب کا انکار نہ بھی کرے' چنانچہ اس مسئلے میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن النسائي، الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤)

"ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز کا ہے جو اسے ترک کردے وہ کافر ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن اربعہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكَ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الايمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح:٨٢)

"آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق نماز سے ہے۔"

تابعی جلیل حضرت عبداللہ بن شقیق عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

عرصہ ہوا اس سے شادی کی تھی اور وہ نماز نہیں پڑھتی تھی.....

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے اس کے چار بچے ہیں اور اب وہ پانچویں بار حاملہ ہے لیکن جب سے اس سے شادی کی ہے یہ عورت نماز نہیں پڑھتی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب یہ ایک عظیم منکر بات ہے کیونکہ نماز تو اسلام کا ستون ہے اور یہ شہادتین کے بعد عظیم ترین اور اہم فریضہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾﴾ (النور٢٤/ ٥٦)

"اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور (اللہ کے) رسول کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾﴾ (البقرة٢/ ٤٣)

"اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿حَٰفِظُوا عَلَى الصَّلَوَٰتِ وَالصَّلَوٰةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَٰنِتِينَ ﴿٢٣٨﴾﴾ (البقرة٢/ ٢٣٨)

"(مسلمانو) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔"

اور فرمایا:

﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا الزَّكَوٰةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (التوبة٩/ ٥)

"اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔"

﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا الزَّكَوٰةَ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (التوبة٩/ ١١)

"اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔"

یہ آیات مبارکہ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اسے قتل کر دیا جائے' لہٰذا واجب ہے کہ اس

عورت سے توبہ کروائی جائے اور تادیبی کارروائی کی جائے حتی کہ وہ نماز پڑھنے لگ جائے' جو شخص توبہ کر لے' اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے' اگر یہ عورت توبہ کرنے سے انکار کرے تو اس کا معاملہ عدالت میں پیش کر دیا جائے تاکہ عدالت اس سے توبہ کروائے' اگر یہ توبہ کر لے تو صحیح' ورنہ اسے اسلام سے مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے' اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح:٢٦٢١ وسنن النسائي، الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح:٤٦٤)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اسے مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا لیکن ہر حال میں واجب یہ ہے کہ پہلے اس سے توبہ کروائی جائے' اگر توبہ کر لے تو صحیح' ورنہ حاکم وقت اور اس کے نائب قاضی پر واجب ہے کہ اگر توبہ نہ کرے تو اس کے قتل کا حکم دے دیں اور اس کے شوہر پر واجب ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ یہ عورت کافر ہے اور مسلمان کافر عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ترک نماز کفر دون کفر ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ کفر اکبر ہے لہٰذا شوہر کو چاہیے کہ وہ کسی ایسی عورت کو اپنے حبالۂ عقد میں نہ رکھے' جو نماز نہ پڑھتی ہو بلکہ اسے چاہیے کہ سخت تادیبی کارروائی کرے' شاید وہ توبہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسے چھوڑ دے' اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بیوی عطا فرما دے گا۔ واجب ہے کہ ایسی عورت کو اس کا شوہر' باپ اور اس کے دیگر اہل خانہ ادب سکھائیں تاکہ وہ نماز پڑھنے لگ جائے' اگر ضرورت ہو تو معاملہ عدالت میں لے جایا جائے تاکہ عدالت اس سے توبہ کروائے' اگر توبہ کرے تو صحیح ورنہ اہل علم کی ایک کثیر جماعت کے بقول کافر و مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس میں اس کے شوہر کی بھی کوتاہی ہے اور اس بات پر اس کی خاموشی ایک عظیم منکر بات ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان ... الخ، ح:٤٩)

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اسے زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"' شوہر کو تینوں طرح یعنی دل سے' زبان سے اور ہاتھ سے یہ برائی مٹانے کی قدرت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت عطا فرمائے۔

———— شیخ عبداللہ بن باز ————

جب مرتد توبہ کرے تو اس کی بیوی اور اس کی اولاد کا حکم

سوال جب مرتد توبہ کر کے اخلاص نیت کے ساتھ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو کیا وہ اپنی بیوی کو اپنے گھر واپس لا سکتا ہے جب کہ وہ اخلاص' ایمان' صدق اور توحید کے ساتھ تمام ارکان اسلام کی پابندی کر رہا ہو؟ توبہ کے بعد وہ کیا کفارہ ادا کرے؟ کیا توبہ سے پہلے کی اولاد شرعی اولاد شمار ہو گی؟

جواب اگر ارتداد دخول اور موجب عدت خلوت سے پہلے ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور بیوی عقد جدید کے بغیر حلال نہ ہو گی اور اگر ارتداد دخول اور موجب عدت خلوت کے بعد ہوا ہو تو معاملہ عدت کے ختم ہونے پر موقوف ہے اگر عدت ختم ہونے سے پہلے وہ توبہ کر لے تو یہ اس کی بیوی ہے اور اگر وہ عدت پوری ہونے پر یا اس کے بھی بعد توبہ کرے تو اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ عقد جدید کے بغیر حلال نہ ہو گی۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ رجوع ہی سے حلال ہو جائے گی' عدت پوری ہونے سے اس کا قبضہ و تسلط ساقط ہو جائے گا لیکن اگر یہ اسلام کی طرف رجوع کر لے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو گی ان دونوں حالتوں کی بنیاد پر اس مرد کا اپنی بیوی کی طرف رجوع کا حکم واضح ہو گیا۔

ماضی کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ خالص توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ إِن يَنتَهُواْ يُغۡفَرۡ لَهُم مَّا قَدۡ سَلَفَ﴾ (الأنفال۸/ ۳۸)

"(اے پیغمبر) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آجائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«إِنَّ الإِسْلاَمَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الاسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:۱۲۱)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

اولاد کے حوالہ سے بات یہ ہے کہ اگر اس کا اعتقاد یہ ہو کہ نکاح باقی ہے اور وہ ان لوگوں کا مقلد ہو جو ترک نماز کو کفر نہیں سمجھتے یا اسے یہ بات معلوم ہی نہ ہو کہ تارک نماز کافر ہو جاتا ہے تو اولاد اسی کی ہو گی اور اسی کی طرف منسوب ہو گی اور اگر اسے معلوم ہو کہ ترک نماز کفر ہے تو نماز ترک کرنے کی وجہ سے اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہ ہو گی' اس سے مباشرت کرنا حرام ہو گا اور اس حال میں اس کی اولاد بھی اس کی طرف منسوب نہیں ہو گی یہ مسئلہ ان عظیم اور بڑے مسائل میں سے ہے' جن میں آج کل بعض لوگ مبتلا ہیں۔

———— شیخ ابن عثیمین ————

پانچویں بیوی سے شادی کی اور.........

سوال جب آدمی کے پاس چار بیویاں موجود ہوں اور وہ پانچویں سے بھی شادی کر لے اور اس سے ایک یا ایک سے



زیادہ بچے بھی ہوں تو کیا یہ بچے اس کی طرف منسوب ہوں گے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ پانچویں عورت سے نکاح کرنا باطل ہے اور اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شیعہ کے سوا دیگر تمام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانچویں عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، پانچویں عورت سے نکاح کرنے والے پر حد قائم کرنے کے بارے میں مشہور اختلاف ہے، جسے قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور دیگر اہل علم نے بھی ذکر کیا ہے۔

بچے کے اس کی طرف الحاق کے بارے میں تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر یہ شخص جہالت یا شبہ یا تقلید کی وجہ سے اس نکاح کو حلال سمجھتا ہو تو بچے کا اس کے ساتھ الحاق کیا جائے گا ورنہ الحاق نہیں کیا جائے گا صاحب "المغنی" وغیرہ نے اس مفہوم کو اس شخص کے بارے میں بات کرتے ہوئے بیان کیا ہے جو کسی عورت سے اس کی عدت ہی میں شادی کر لے اور یہ معلوم ہے کہ اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ عورت سے اس کی عدت میں نکاح کرنا باطل ہے لیکن اس کے باوجود نسب کا الحاق نکاح کرنے والے سے ہو گا جب کہ اس نے نکاح شبہ کی بنیاد پر کیا ہو، یعنی اسے معلوم نہ ہو کہ یہ عورت عدت میں ہے یا یہ معلوم نہ ہو کہ عدت والی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے۔ جب اس صورت میں نسب کا الحاق نکاح کرنے والے سے ہو گا تو پانچویں بیوی کی اولاد کا اس سے بالاولیٰ الحاق ہو گا کیونکہ عدت والی عورت سے نکاح کے باطل ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں جب کہ پانچویں بیوی سے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے، جیسا کہ شیعہ حضرات کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، ان جیسے لوگوں کا اختلاف تو اگرچہ ناقابل التفات ہے مگر اس میں بعض ظاہریہ کا بھی اختلاف ہے جیسا کہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور پھر ادلۂ شرعیہ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ شارع کی رغبت یہ ہے کہ انساب کی حفاظت کی جائے اور انہیں ضائع ہونے سے بچایا جائے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ حفاظت انساب کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے اور کسی بھی نسب کو ضائع نہ کیا جائے جب تک اس کے لیے کوئی شرعی سبیل موجود ہو۔ بلاشک شبہ حدود کو ساقط کر دیتا اور الحاق نسب کا تقاضا کرتا ہے۔ شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کر دیا جاتا ہے لیکن یہ امر اس بات سے مانع نہیں ہوتا کہ اسے حد سے کم یعنی سزائے تعزیر دی جائے اور اس کے باوجود نسب کا الحاق اسی کی طرف ہوتا ہے تاکہ تمام مصالح شرعیہ کو جمع کیا جا سکے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

زانی مرد یا عورت سے شادی باطل ہے

سوال اس آیت کریمہ کے معنی کیا ہیں:

﴿ ٱلزَّانِى لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ کے کسی سے شادی نہیں کر سکتا اور زانیہ سے بھی سوائے زانی یا مشرک مرد کے اور کوئی شخص نکاح نہیں کر سکتا، اور یہ (بدکاروں سے نکاح) اہل ایمان (تمام مسلمانوں) کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے۔"

کیا اس جرم کے ارتکاب کی وجہ سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور انسان مشرک ہو جاتا ہے؟

جواب جب ہم اس آیت کریمہ کو پڑھتے ہیں' جس کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو ذکر فرمایا ہے:

﴿ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝٣ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔"

تو ان الفاظ سے ہم زانی مرد اور عورت کے نکاح کی حرمت کا حکم اخذ کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی زانیہ عورت سے شادی کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ کسی زانی مرد کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے اور جب ہم نے یہ جان لیا کہ ﴿ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ تو جو شخص اس جرم کا ارتکاب کرے اگر وہ اس کی حرمت کو جانتا ہے اور اس حکم کو جانتے ہوئے محض اپنی خواہش نفس اور شہوت سے بدکار عورت سے شادی کرتا ہے تو وہ بھی زانی ہو گا کیونکہ اس نے ایک ایسا حرام عقد کیا ہے جس کے بارے میں وہ یہ جانتا بھی ہے کہ یہ حرام ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقد حرام شرم گاہ کو اس سے لطف اندوز ہونے کو جائز قرار نہیں دیتا' لہٰذا اس آدمی کے اس بدکار عورت کی شرمگاہ کو حلال سمجھنے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے' نکاح کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا یہ فعل زنا ہے' یا اس کی صورت یہ ہو گی کہ وہ اس حکم کو نہیں مانتا ہو گا اور کہتا ہو گا کہ اس عورت سے شادی بالکل حرام نہیں بلکہ حلال ہے تو اس صورت میں وہ مشرک ہو گا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شارع بنا وہ اللہ تعالیٰ کا شریک بن بیٹھا' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ أَمْ لَهُمْ شُرَكَـٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ ۚ ﴾ (الشوریٰ ٤٢/ ٢١)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو اس کے بندوں کے لیے دین کی ایسی باتیں ایجاد کرتے ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا' شریک قرار دیا ہے تو یہ آدمی جس نے اپنے لیے زانیہ کو حلال قرار دے لیا ہے اور اس سلسلے میں حکم شرعی کی پابندی نہیں کی تو یہ مشرک ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنے والا اگر اسے حرام جانتا اور مانتا ہے تو وہ زانی ہو گا اور اگر وہ اسے حرام نہیں سمجھتا بلکہ اس کی حرمت کا منکر ہے تو وہ مشرک ہو گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کام کو حلال قرار دے لیا ہے' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"بدکار عورت کو بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا۔"

اگر یہ شخص بدکار عورت سے نکاح کی حرمت کو جانتے بوجھتے ہوئے نکاح کرتا ہے تو یہ زانی ہے اور اگر یہ حرمت کو نہیں مانتا تو یہ مشرک ہے' یہی بات ہم اس شخص کے بارے میں کہیں گے جو کسی زانی مرد سے اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہے ہاں' البتہ توبہ کرنے سے یہ حکم ختم ہو جائے گا' یعنی اگر بدکار مرد اور عورت بدکاری سے توبہ کر لیں تو ان سے زانی کا وصف زائل ہو جائے گا جس طرح توبہ کرنے اور فسق ترک کرنے سے فسق کا وصف زائل ہو جاتا ہے' لہٰذا اگر زانی مرد و عورت توبہ کر لیں تو پھر نکاح حلال ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ایک عورت سے زنا کیا اور پھر اس سے .....

سوال ایک مرد نے ایک کنواری عورت سے زنا کیا اور اب وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے تو سب سے پہلے تو ان میں سے ہر ایک پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور اس گناہ کو ترک کر دیں، فحاشی کا جو ارتکاب کیا اس پر ندامت کا اظہار کریں، آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کریں اور اعمال صالحہ کثرت سے بجالائیں، اس سے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾﴾ (الفرقان ۲۵/ ۶۸-۷۱)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا، قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ مرد اگر اس عورت سے شادی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ نکاح سے پہلے ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم کر لے، اگر معلوم ہو کہ حمل ہے تو وضع حمل سے پہلے نکاح جائز نہیں ہو گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے: انسان دوسرے کی کھیتی کو پانی پلائے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ایک عورت نے شوہر کو بتائے بغیر.....

سوال ایک عورت نے اپنے باپ کی وراثت سے حصہ لینے کے لیے ایک وکیل مقرر کیا، وکیل نے اس سے اتنی فیس مانگی جو اس کی دسترس میں نہ تھی تو وکیل نے کہا کہ فیس ادا کرنے کے عوض مجھ سے شادی کر لو، یہ عورت پہلے سے شادی شدہ تھی لیکن اس کا شوہر اس وقت موجود نہ تھا کیونکہ وہ بیرون ملک کام کرتا ہے تو اس عورت نے فسخ نکاح کے لیے اسی وکیل کو مقرر کر لیا تو اس نے اس کے پہلے شوہر سے رابطہ قائم کیے بغیر ایسا ہی کیا، جب کہ عورت کے پاس اپنے شوہر کا پتہ بھی موجود ہے اور وہ اسے اور اپنی گیارہ سالہ بیٹی اور آٹھ سالہ کے بیٹے کو خرچہ بھی بھیجتا ہے تو اس شادی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اب اس کے بیٹے اور بیٹی کی سرپرستی کا حق کسے حاصل ہے؟

جواب بے شک یہ ایک حرام فعل، گھناؤنا جرم اور باطل حیلہ ہے کیونکہ یہ عورت اپنے شوہر کے عقد میں ہے اور شوہر اسے اور اس کے بطن سے اپنی اولاد کے لیے باقاعدہ خرچہ بھی بھیجتا ہے، اس وکیل نے پہلے شوہر سے فسخ نکاح کے لیے

کوشش کی ہے تاکہ اس سے خود نکاح کر لے حالانکہ پہلے شوہر سے رابطہ ممکن تھا اور اسے معتبر مدت تک مہلت دینا بھی ممکن تھا' اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ فسخ نکاح حاکم شرعی کی وساطت سے اور معقول اسباب کی وجہ سے ہوا ہے تو پہلے شوہر سے فسخ نکاح ہو جائے گا ورنہ نکاح فسخ نہیں ہو گا اور وکیل کا اس سے شادی کرنا حرام ہو گا۔ بچے اپنی ماں کے ساتھ ہوں گے' اگر دوسرا شوہر انہیں لینے سے انکار کر دے تو ان کی سرپرستی و پرورش اس عورت یا مرد کے رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اگر ان بچوں کا باپ جلد واپس لوٹ آئے تو اسے ہر طرح کے مطالبہ کا حق حاصل ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نکاح حلالہ

سوال آپ کے خیال میں نکاح حلالہ کے بارے میں شریعت کی کیا رائے ہے؟

جواب پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ نکاح حلالہ کیا ہے' نکاح حلالہ یہ ہے کہ مرد کسی ایسی عورت سے نکاح کا قصد کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں' یعنی پہلے ایک طلاق دی اور رجوع کر لیا' پھر دوسری طلاق دی اور رجوع کر لیا اور پھر تیسری طلاق دی' اب یہ عورت اس شوہر کے لیے حلال نہیں ہے جس نے اسے تین طلاقیں دے دیں ہیں الا یہ کہ یہ کسی دوسرے مرد سے برضا و رغبت شادی کرے اور وہ اس سے صحبت بھی کرے اور پھر وہ اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے یا نکاح فسخ کر دے تو پھر پہلے شوہر کے لیے اس سے نکاح کرنا حلال ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ . . . . فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥۗ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ ٱللَّهِۗ وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٖ يَعۡلَمُونَ ٢٣٠ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۲۹۔۲۳۰)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا..... پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہو گی ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔"

تو اگر کوئی مرد ایسی عورت کی طرف قصد کرے جسے اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہوں اور وہ اس سے اس نیت سے شادی کرے کہ جب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی تو یہ اسے طلاق دے دے گا' یعنی اس سے مباشرت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا اور پھر عدت گزارنے کے بعد یہ نئے نکاح کے ساتھ اپنے پہلے شوہر کے پاس چلی جائے گی تو یہ نکاح فاسد ہے نبی ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت فرمائی اور حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈ قرار دیا' کیونکہ یہ اس سانڈ بکرے کی طرح ہے جسے بکریوں کا مالک ایک معین مدت کے لیے کسی سے ادھار لیتا ہے پھر اسے اس کے مالک کو واپس کر دیتا ہے' یہ مرد بھی سانڈ کی طرح ہے کہ اسے بھی کہا جاتا ہے کہ اس عورت سے شادی کر لو اور پھر اس سے مباشرت

کر کے اسے طلاق دے دینا۔ یہ ہے نکاح حلالہ! اور اس کی حسب ذیل دو صورتیں ہوتی ہیں:

① بوقت عقد ہی یہ شرط لگائی جائے' مثلاً شوہر سے کہا جائے کہ ہم آپ کی شادی اس عورت سے اس شرط پر کرتے ہیں کہ اس سے مباشرت کر کے اسے طلاق دے دو۔

② ایسی شرط تو عائد نہ کی جائے لیکن نیت یہی ہو' نیت شوہر کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور بیوی اور اس کے وارثوں کی طرف سے بھی' اگر نیت شوہر کی طرف سے ہے تو چونکہ اسے تو علیحدگی کا اختیار حاصل ہے لہٰذا اس طرح کے عقد کی صورت میں اس کے لیے یہ بیوی حلال نہ ہو گی کیونکہ اس نے وہ نیت نہیں کی جو مقصود نکاح ہوتی ہے کیونکہ نکاح سے مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ الفت و محبت سے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے' عفت و پاکدامنی اختیار کی جائے اور اولاد حاصل کی جائے تو چونکہ یہ نیت نکاح کے بنیادی مقصد ہی کے خلاف ہے' لہٰذا یہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔

عورت اور اس کے وارثوں کی نیت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور اب تک میرے نزدیک یہ واضح نہیں ہو سکا کہ ان میں سے کون سا قول زیادہ صحیح ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نکاح حلالہ حرام ہے' اس سے بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

اس کی دونوں بیویاں رضاعی بہنیں ہیں

سوال جب کوئی مرد دو عورتوں سے شادی کرے اور دونوں سے بچے بھی ہوں اور پھر کچھ مدت بعد قریبی رشتہ داروں کی شہادت سے یہ انکشاف ہو کہ یہ دونوں عورتیں رضاعی بہنیں ہیں' اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس صورت میں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں بیویاں رضاعی بہنیں ہیں تو ان میں سے دوسری' یعنی جس سے بعد میں نکاح کیا ہے' اس کا نکاح باطل ہو جائے گا اور اس سے علیحدگی اختیار کرنا واجب ہے' علیحدگی اختیار کرنے کے معنی طلاق یا فسخ نہیں ہیں بلکہ واجب ہے کہ اس سے فوراً علیحدگی اختیار کر لے کیونکہ واضح ہو گیا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے بلکہ باطل ہے' ہاں البتہ اس مدت میں پیدا ہونے والے بچے شرعی ہوں گے یعنی یہ اس کی جائز اولاد ہو گی اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ اس مدت میں اس نے شبہ کی بنیاد پر مباشرت کی ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

رضاعی بہن سے شادی

سوال بیوی کے ساتھ مباشرت کے بعد یہ معلوم ہوا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے کیونکہ میں نے اس کی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا تو کیا اس صورت میں یہ میرے لیے حرام ہو جائے گی؟

جواب ہاں' اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ نے بیوی کی بہن کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا ہے یعنی آپ نے بیوی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو اس حالت میں آپ اس کے بھائی ہیں' لہٰذا یہ عقد باطل ہو گا لیکن واجب ہے کہ آپ یہ بھی جان لیں کہ رضاعت اگر پانچ رضعات سے کم ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا' نیز یہ بھی ضروری ہے کہ رضاعت دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کے اندر ہو' اگر پانچ رضعات سے کم پیے

ہوں تو ان کا کوئی اثر نہیں اور نہ ان سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

جب آپ کو یقین ہو جائے کہ آپ نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہیں اور دو سال کے اندر پیے ہیں تو تم دونوں کے درمیان علیحدگی ضروری ہے کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے' علم سے پہلے جو بچے پیدا ہوئے وہ صحیح ہوں گے اور شرعی طور پر آپ ہی کی طرف منسوب ہوں گے کیونکہ یہ بچے شبہ سے مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں اور شبہ سے مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کے نسب کا الحاق کیا جاتا ہے جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچہ دوسرے شوہر کے لیے اور اختیار پہلے کے لیے

سوال ایک شخص عرصۂ دراز تک اپنی بیوی سے غائب ہو گیا حتی کہ اس کے بارے میں گمان یہ ہوا کہ وہ گم ہو گیا ہے لہٰذا اس کی بیوی نے ایک اور شخص سے شادی کر لی اور اس سے ایک بچے کو بھی جنم دیا۔ کئی سالوں کے بعد پہلا شوہر بھی واپس آگیا تو کیا اس صورت میں دوسرے شوہر کے ساتھ یہ شادی برقرار رہے گی یا فسخ ہو جائے گی؟ کیا پہلے شوہر کو بیوی واپس لینے کا حق حاصل ہے؟ اور اگر حق حاصل ہے تو کیا نکاح دوبارہ ہو گا؟

جواب یہ مسئلہ مفقود الخبر کی بیوی سے شادی کے نام سے معروف ہے' اگر شوہر گم ہو جائے' اس کی تلاش کی مدت ختم ہو گئی ہو اور اب اس کی مدت کا حکم لگا دیا گیا ہو اور عورت نے عدت پوری کرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کر لی ہو اور پھر (پہلا شوہر) وہ بھی (واپس) آجائے تو اسے اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس شادی کو برقرار رہنے دے اور اگر چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لے لے' اگر وہ اس شادی کو برقرار رہنے دے تو معاملہ واضح ہے اور عقد صحیح ہے اور اگر وہ اپنی بیوی کو واپس لینا چاہے تو بیوی اس کے پاس لوٹ جائے گی لیکن وہ اس وقت تک اس سے مباشرت نہیں کر سکے گا جب تک دوسرے شوہر کی طرف سے عدت پوری نہ ہو جائے' ہاں البتہ اسے عقد جدید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس سے اس کا نکاح باطل ہو گیا ہو کہ جس کی وجہ سے تجدید نکاح کی ضرورت ہو' بچہ دوسرے شوہر کا ہو گا کیونکہ وہ شرعی بچہ ہے' لہٰذا وہ اپنے باپ ہی کی طرف منسوب ہو گا کیونکہ وہ شرعی نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

والد کا بیٹی کو شادی پر مجبور کرنا حرام ہے

سوال باپ کی طرف سے میری ایک بہن ہے' میرے باپ نے اس کی مرضی اور رائے کے بغیر اس کی شادی کر دی جب کہ اس کی عمر اکیس سال ہے' عقد نکاح کے وقت گواہوں نے بھی یہ جھوٹی گواہی دے دی کہ یہ لڑکی راضی ہے' نکاح فارم پر بھی اس کے بجائے اس کی والدہ کے دستخط کروا لیے گئے اور اس طرح یہ شادی ہوئی جب کہ یہ اسے مسلسل مسترد کر رہی ہے' سوال یہ ہے کہ اس عقد اور ان گواہوں کی گواہی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ بہن اگر باکرہ تھی' اور اس کے باپ نے اس مرد سے شادی پر اسے مجبور کیا ہے' تو بعض اہل علم کے مطابق یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ ان کی رائے میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیٹی کو اس شخص سے شادی پر مجبور کر سکتا ہے جس کو یہ پسند نہ کرتی ہو' بشرطیکہ وہ کفو (ہم پلہ) ہو لیکن اس مسئلہ میں قول راجح یہ ہے کہ باپ یا کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لڑکی کو اس

شخص سے شادی پر مجبور کرے جس کو وہ پسند نہ کرتی ہو خواہ وہ کفو ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق ... الخ، ح:١٤١٩)

"کنواری لڑکی کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

یہ حکم عام ہے' وارثوں میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

«اَلْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤٢١)

"کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت طلب کرے۔"

یہ حدیث گویا کنواری لڑکی اور باپ کے بارے میں نص ہے' نیز محل نزاع میں نص ہے' لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا اپنی بیٹی کو ایسے شخص کے ساتھ شادی پر مجبور کرنا' جسے وہ پسند نہ کرتی ہو حرام ہے اور جو چیز حرام ہو وہ صحیح اور نافذ نہیں ہوتی کیونکہ اسے نافذ کرنا اور صحیح ماننا حدیث میں وارد ممانعت کے منافی ہے' شارع جس سے منع کر دے اس کے بارے میں شارع کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ امت اس کام کو نہ کرے اور اگر ہم اس شادی کو صحیح قرار دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کام کو کر لیا شارع نے جس سے ہمیں منع کیا تھا اور ہم نے اسے گویا ان معاملات میں سے قرار دے لیا' شارع نے جن کو مباح قرار دیا ہے' لہٰذا اس مسئلہ میں قول راجح یہ ہے کہ آپ کے والد نے آپ کی بہن کی شادی جو ایک ایسے شخص سے کی ہے' جسے یہ پسند نہیں کرتی' تو یہ شادی فاسد ہے اور عقد فاسد کے بارے میں ضروری ہے کہ عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔

جھوٹے گواہوں نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟» (جامع الترمذي، الشهادات، باب ما جا في شهادة الزور، ح:٢٣٠١)

"کیا میں تمہیں یہ نہ بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

آپ ﷺ نے جب یہ ذکر فرمایا تو آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا:

«أَلاَ وَقَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزور، ح:٢٦٥٤ وصحيح مسلم، باب الكبائر وأكبرها، ح:٨٧)

خبردار! جھوٹی بات۔ آپ ان کلمات کو اس قدر کثرت سے بار بار دہراتے رہے' حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاہنے لگے کہ کاش! اب آپ سکوت فرمالیں۔"

(کیونکہ ان کلمات کی اس قدر کثرت کے ساتھ تکرار سے آپ کو زحمت ہو رہی تھی۔) ان جھوٹے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کریں' حق بات کہیں' حاکم شرعی کے سامنے حقیقت حال واضح کر دیں کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے اور وہ اب اپنی اس گواہی سے رجوع کر رہے ہیں اسی طرح اس لڑکی کی ماں کو بھی توبہ کرنی چاہیے کہ اس نے اپنی بیٹی کی جگہ جھوٹے دستخط کیے' یہ بھی گناہ گار ہے' اسے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نکاح میں خلافِ شریعت امور

یہ کام عقیدہ کے خلاف ہے

سوال ایک بھائی سونے کی انگوٹھی پہنتا ہے اور کہتا ہے کہ اس انگوٹھی پر اس کی بیوی کا نام لکھا ہوا ہے اور اگر وہ اس انگوٹھی کو اتار دے تو اس کی بیوی نہایت مضطرب اور شدید تنگ دل ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ اس اضطراب اور تنگ دلی کا نتیجہ علیحدگی کی صورت میں نکلے تو اس شخص کو کیا کرنا چاہیے کہ اس کی بیوی مطمئن ہو جائے؟

جواب اس شخص پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور سونے کی انگوٹھی کو اتار دے کیونکہ سونا اس امت کے مردوں کے لیے حرام ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا تھا اور فرمایا:

«يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ»(صحيح مسلم، اللباس، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ... الخ، ح:٢٠٩٠)

''کیا تم میں سے ایک جہنم کی آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے۔''

یعنی اسے پہن لیتا ہے' جب نبی اکرم ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو اس آدمی سے کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی اٹھالو اور اس سے نفع اٹھاؤ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو نہیں اٹھاؤں گا' جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے'' یہ حکم تو ہے سونا پہننے کے اعتبار سے' اور اگر اس کے ساتھ فاسد عقیدہ بھی شامل ہو جائے اور وہ یہ کہ بعض عورتیں بلکہ بعض مرد بھی ان انگوٹھیوں پر اپنی بیویوں کے نام لکھوا لیتے ہیں اور بیویاں اپنے شوہروں کے نام لکھوا لیتی ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس نام والی انگوٹھی کا انگلی میں رہنا میاں بیوی کی بقا کا سبب ہے تو بات عقیدہ کے خلاف ہے بلکہ یہ ایک فاسد عقیدہ ہے' جس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور امر واقع بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ کتنے ہی ایسے انسان ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے نام والی انگوٹھی پہنی تھی مگر اس کے باوجود اپنی بیوی سے جلدی کے ساتھ علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ دونوں میں بہت شدید اختلاف رونما ہو گیا تھا اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اس رسم کو جانتے ہی نہیں مگر ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان ایسی الفت و محبت ہے جو بہت مثالی ہے' لہٰذا ہم اس شخص سے یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اور اپنی بیوی کی خواہش کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے مقدم نہ جانو اور اس انگوٹھی کو فوراً اتار دو اور جان لو کہ اگر آپ اسے اتاریں گے تو آپ کی بیوی ناراض نہیں ہو گی کیونکہ آپ نے لوگوں کی ناراضی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کیا ہے اور جو شخص لوگوں کی ناراضی کے بجائے اللہ کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے' لہٰذا میں دوبارہ یہ گزارش کروں گا کہ سونے کی اس انگوٹھی کو اتار دو اور اسے نہ پہنو بلکہ چاندی کی ایسی انگوٹھی بھی نہ پہنو کہ جس پر بیوی کا نام لکھا ہو' اسی طرح اگر آپ کی بیوی کے پاس سونے کی ایسی انگوٹھی ہو جس پر آپ کا نام لکھا ہوا ہو تو اس سے نام مٹا دو' اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ کو آسان بنا دے گا' آپ کے لیے کشائش اور پریشانیوں سے

نجات کے لیے راستہ بنا دے گا اور آپ کی بیوی بھی خوش ہو جائے گی اور اس ناراضی کا اظہار نہیں کرے گی جس کا آپ کو وہم ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

دلہن کا بکری کے خون میں قدم رکھنا

سوال ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ شادی کی رات لڑکی کے گھر والے اس کے پاؤں ذبح کی ہوئی بکری کے خون میں رکھتے ہیں' اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب اس رواج کے لیے کوئی شرعی اصل (دلیل) نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت بری عادت ہے اس لیے کہ:

اولاً: یہ ایک فاسد عقیدہ ہے جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے۔

ثانیاً: ناپاک خون کے ساتھ لڑکی کے پاؤں کو آلودہ کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ نجاست کے بارے میں تو ہمیں حکم یہ ہے کہ اسے زائل کیا جائے اور اس سے دوری اختیار کی جائے۔

اس مناسبت سے میں مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ حکم شریعت یہ ہے کہ جب نجاست لگ جائے تو اسے فوراً زائل کر کے طہارت حاصل کی جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ چنانچہ جب ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا تو نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دیا جائے' اس طرح جب ایک ننھے بچے نے نبی اکرم ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تھا تو آپ نے پانی منگوایا اور اس سے پیشاب کو دھو دیا۔ نجاست کے ازالہ میں تاخیر کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ انسان بھول جائے اور وہ اسی نجاست میں نماز پڑھ لے' اگرچہ راجح قول کے مطابق بھول جانے کی وجہ سے وہ معذور ہو گا اور اس کی نماز صحیح ہو گی لیکن ہو سکتا ہے کہ اسے نماز کے دوران ہی یاد آجائے اور اگر نماز کو جاری رکھنے کے ساتھ ازالۂ نجاست ممکن نہ ہو تو اسے نماز توڑ کر اور نجاست کو دور کر کے' نماز از سر نو پڑھنا ہو گی۔

بہرحال یہ ایک بہت ہی بری عادت ہے جس کے بارے میں سوال پوچھا گیا ہے کہ اس میں عورت کو نجاست سے آلودہ کرنا بھی ہے جو کہ بے وقوفی ہے کیونکہ شریعت نے تو نجاست کے ازالہ اور تطہیر کا حکم دیا ہے اور پھر مجھے یہ بھی خدشہ ہے کہ اس عادت کی بنیاد ایک اور عقیدہ پر نہ ہو اور وہ یہ کہ وہ جانور کو جن یا شیاطین وغیرہ کے نام پر ذبح کرتے ہوں گے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے اور یہ معلوم ہے کہ شرک کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں فرماتا۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

یہ ایک منکر کام ہے

سوال مراکش میں بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ ماں اپنی بیٹی کے گھٹنے کے بالائی حصے پر استرے سے قریب قریب تین لکیریں لگا دیتی ہے' ان لکیروں سے نکلنے والے خون پر چینی رکھ دیتی ہے اور پھر اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ اسے کھالو اور ساتھ ہی اس سے کچھ کلمات بھی زبان سے کہلواتی ہے اور اس طرح ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ عمل ان کی بیٹی کی

بکارت کو محفوظ رکھتا ہے اور ہر زیادتی کرنے والے کو اس سے روکتا ہے' اس کام کے لیے ان کے ہاں ایک اور طریقہ بھی مروج ہے' سوال یہ ہے کہ اس عمل کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل منکر بلکہ خرافات پر مبنی ہے' اس کی کوئی اصل نہیں' لہٰذا یہ عمل کرنا جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ اسے ترک کیا جائے اور اس سے اجتناب کیا جائے اور یہ کہنا کہ یہ عمل ان کی بیٹی کی بکارت کی حفاظت کرے گا' یہ بھی ایک امر باطل اور شیطانی وحی ہے' شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں' لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ اسے ترک کرنے کی وصیت کریں اور اس سے اجتناب کی تلقین کریں کیونکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مبلغ ہیں۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن باز ———

کنواری یا ثیبہ سے شادی کرنے والے کے لیے نماز باجماعت سے پیچھے رہنا جائز نہیں

سوال دولہا کنواری بیوی کے ساتھ ایک ہفتہ اور ثیبہ کے ساتھ تین دن گزارتا ہے اور گھر سے باہر نہیں نکلتا حتی کہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بھی نہیں جاتا کیا یہ سنت سے ثابت ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے بھی گھر سے نہ نکلے؟

جواب جب کوئی شخص کنواری لڑکی سے شادی کرے تو اس کے پاس سات دن قیام کرے اور پھرباری تقسیم کر دے اور اگر شوہر دیدہ سے شادی کرے تو اس کے ہاں تین دن گزارے اور اگر وہ پسند کرے تو اس کے ہاں سات دن گزارے اور پھرباقی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات دن گزارے' اس مسئلہ میں دلیل وہ روایت ہے جو ابو قلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

«مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى الْبِكْرِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر، ح:٥٢١٤ وصحيح مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب من اقامة ... الخ، ح:١٤٦١)

"سنت یہ ہے کہ اگر کوئی مرد شوہر دیدہ کے ہوتے ہوئے کسی کنواری لڑکی سے شادی کرے تو اس کے ساتھ سات دن گزارے اور پھرباری تقسیم کر دے اور اگر ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے ساتھ تین دن گزارے اور پھرباری تقسیم کر دے۔"

ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمَّا تَزَوَّجَهَا أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، وَقَالَ: إِنَّهُ لَيْسَ بِكِ عَلَى أَهْلِكِ هَوَانٌ إِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ لَكِ وَإِنْ سَبَّعْتُ لَكِ سَبَّعْتُ لِنِسَائِي»(صحيح مسلم، النكاح، باب قدر ما يستحقه البكر والثب ... الخ، ح:١٤٦٠)

نبی اکرم ﷺ نے جب ان سے شادی کی تو ان کے ساتھ تین دن گزارے اور "فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میں تمہارے ساتھ سات دن گزارتا ہوں اور پھرباقی بیویوں میں سے بھی ہر ایک کے پاس سات سات دن گزاروں گا۔"

لیکن یاد رہے کہ جو شخص کنواری لڑکی سے شادی کرے یا ثیبہ سے اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس وجہ سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے نہ جائے کہ اس نے شادی کی ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں' مذکورہ دونوں حدیثوں میں بھی اس طرف کوئی اشارہ نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بیوی کی دبر میں مباشرت کرنا

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی دبر میں وطی (جماع) کرنا چاہتا ہے تو کیا شرعی طور پر یہ بات درست ہے؟

جواب یہ انتہائی برا کام ہے۔ ابو داؤد' نسائی ؒ اور کئی دیگر محدثین نے جید سند کے ساتھ روایت بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةَ فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي هريرة في ذلك، ح:٩٠١٥)

"وہ شخص ملعون (لعنتی) ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں وطی (جماع) کرے۔"

——— شیخ ابن باز ———

عورت کی دبر میں یا حالت حیض و نفاس میں صحبت کرنا

سوال عورت کی دبر میں یا حالت حیض و نفاس میں صحبت کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عورت کی دبر میں جماع کرنا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ حالت حیض و نفاس میں جماع کیا جائے بلکہ یہ تو کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا۟ حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٢_٢٢٣)

"اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' کہہ دیجیے وہ تو نجاست ہے سو' ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ہاں' جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے' ان کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک

صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے' تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی ضروری ہے اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے ساتھ مقاربت (جماع کرنے) سے منع کر دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں جماع کرنا حرام ہے' نفاس کا بھی یہی حکم ہے اور جب وہ غسل کر کے پاک ہو جائیں تو پھر شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس جائے جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ کہ قبل میں جماع کرے کیونکہ کھیتی کا مقام یہی ہے جب کہ دبر تو نجاست اور غلاظت کا مقام ہے' یہ کھیتی کی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا بیوی کی دبر میں جماع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ شریعت مطہرہ میں یہ کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ امام ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر أبي هريرة في ذلك، ح:٩٠١٥)

"وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں جماع کرے۔"

امام ترمذی و نسائی رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ»(جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية اتيان النساء في ادبارهن، ح:١١٦٥ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس ... الخ، ح:٩٠٠١)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد سے یا اپنی بیوی کی دبر میں جنسی عمل کرے۔"

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دبر میں جنسی عمل لواطت ہے جو مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے تذکرہ میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾﴾ (العنكبوت٢٩/ ٢٨)

"بلاشبہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو' تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا۔"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ» (مسند أحمد:١/ ٣١٧)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو قوم لوط جیسا عمل کرے۔"

آپ نے یہ تین بار فرمایا' اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کام سے پرہیز کریں نیز ہر اس کام سے اجتناب کریں' جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو' مردوں کو چاہیے کہ وہ اس برے کام سے اجتناب کریں نیز عورتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اس سے اجتناب کریں اور اپنے شوہروں کو یہ بہت ہی برا کام یعنی حالت حیض و نفاس یا دبر میں صحبت نہ کرنے دیں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا

کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہر اس کام سے عافیت و سلامتی عطا فرمائے جو اس کی شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ انه خیر مسئول۔

——— شیخ ابن باز ———

دبر میں وطی کا کفارہ



عورت کی دبر میں جماع کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جو شخص ایسا کرے اس کے لیے کوئی کفارہ ہے؟

عورت کی دبر میں وطی کرنا کبیرہ گناہ اور قبیح ترین معصیت ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَلْعُونٌ مَّنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا»(سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح، ح:٢١٦٢ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر اختلاف الفاظ . . . الخ، ح:٩٠١٥)

”وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرے۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْظُرُ اللهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلاً أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ»(جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية اتيان النساء في ادبارهن، ح:١١٦٥ والنسائي في السنن الكبرى، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس . . . الخ، ح:٩٠٠١)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت کی دبر میں وطی کرے۔“

جو شخص ایسا کرے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور خالص توبہ کرے‘ خالص توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس گناہ سے رک جائے‘ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کے خوف سے اسے چھوڑ دے‘ جو کچھ پہلے ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے‘ آئندہ ایسا نہ کرنے کا سچا عزم کرے اور اعمال صالحہ کثرت سے بجا لائے‘ جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز دیتا ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ۝٨٢ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

”اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے یقیناً اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔“

اور سورۃ الفرقان میں فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِي حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝٦٨ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ۝٦٩ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝٧٠ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨_٧٠)

”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے

اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا' قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الإِسْلاَمَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»(صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الاسلام يهدم ما قبله ... الخ، ح:١٢١ ومسند أحمد:٤/١٩٩)

"اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے؟"

اس مضمون کی آیات و احادیث (اور بھی) بہت ہیں۔

علماء کے صحیح قول کے مطابق دبر میں وطی کرنے والے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور نہ اس سے اس کی بیوی ہی اس پر حرام ہوتی ہے بلکہ وہ اس کی عصمت میں باقی رہتی ہے' ہاں البتہ بیوی کو بھی چاہیے کہ اس بہت برے کام کے سلسلہ میں وہ اپنے شوہر کی بات نہ مانے اس سے رک جائے اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔ ہم اس برے کام سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

شادی میں دف بجانا

سوال شادی کے ساتویں دن کے بعد دف بجانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس موقع پر دف کے علاوہ دیگر آلات کو استعمال کرنا بھی جائز ہے؟

جواب شادی کی مناسبت سے دف کو صرف شب زفاف میں بجایا جا سکتا ہے اور اس وقت کو کسی دوسرے وقت تک طول نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جس بات کو کسی مناسبت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہو تو وہ اسی کے مطابق مقید ہوتی ہے' شادی کے دنوں میں دف بجانے سے مقصود ایک طرف تو فرحت و مسرت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اس سے نکاح کا اعلان مقصود ہوتا ہے اور اعلان نکاح ایک شرعی امر ہے۔ اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ شادی کے بعد بھی دف کو تسلسل کے ساتھ بجایا جاتا رہے' دف کے علاوہ دیگر آلات کا استعمال شادی کے موقع پر بھی حرام ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ» (صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه، ح:٥٥٩٠)

"میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور آلات موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔"

اس حدیث میں "حر" سے مراد شرم گاہ یعنی زنا ہے' اس سے اللہ کی پناہ۔ ریشم اور شراب دونوں مشہور چیزیں ہیں اور "معازف" سے مراد لہو و لعب کے تمام آلات ہیں اور ان میں سے صرف وہی مستثنیٰ ہے جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے اور

وہ شادی کی مناسبت سے دف بجانا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بچیوں کا ناپسند کرنا امر جاہلیت ہے

سوال اس زمانے میں ہم بعض لوگوں سے عجیب و غریب باتیں سنتے ہیں مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری بیویاں بچیوں کو جنم دیں اور بعض تو بیوی سے یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اگر تو نے بچی پیدا کی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا لہٰذا اس وجہ سے بعض عورتیں بہت پریشان ہیں اور وہ نہیں جانتیں کہ اپنے شوہروں کی ان باتوں کے جواب میں وہ کیا کریں' امید ہے آپ اس مسئلے میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب میرے خیال میں اس بھائی نے جو بات کی ہے وہ بہت ہی شاذ و نادر ہے کیونکہ میرے خیال میں کوئی شخص جہالت کی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر تو نے بچی کو جنم دیا تو تجھے طلاق دے دوں گا' ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے تنگ ہو یا اکتا چکا ہو اور وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہو اور اس بات کو اس نے طلاق کے لیے بہانہ بنا لیا ہو' اگر صورت حال واقعی ایسی ہے اور وہ اس کے ساتھ صبر نہیں کر سکتا تو وہ اس بہانے کو بروئے کار لائے بغیر ہی اسے طلاق دے دے کیونکہ بوقت ضرورت طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے باوجود ہم ہر اس شخص کو یہ نصیحت کریں گے جو اپنی بیوی کی طرف سے کسی ناپسندیدہ بات کو دیکھے تو وہ صبر کرے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًۭٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًۭا كَثِيرًۭا ﴿١٩﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٩)

"اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔"

جہاں تک بچیوں کے ناپسند کرنے کی بات ہے تو بلاشبہ یہ امر جاہلیت میں سے ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ناراضی کا اظہار ہے' انسان کو کیا معلوم شاید ایک بیٹی بہت سے بیٹوں سے بھی بہتر ثابت ہو' کتنی ہی بیٹیاں ہیں جو اپنے باپ کے لیے حیات و ممات میں بابرکت ثابت ہوئیں اور کتنے ہی بیٹے ہیں جو اپنے باپ کی زندگی میں اس کے لیے مصیبت و پریشانی کا باعث بنے اور بعد از موت بھی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

شادی بیاہ کے مسائل میں شریعت کی مخالفت پر تنبیہ

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے ان تمام مسلمانوں کے نام جو اس تحریر سے مطلع ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور ان سب کو حق کی معرفت و اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اس خط کے لکھنے کا مقصد شادی بیاہ کے ان مسائل کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے جو شریعت کے مخالف ہیں اور جن میں آج بہت سے لوگ مبتلا ہو چکے ہیں' ان میں سے ایک تو نکاح شغار (وٹہ سٹہ) ہے اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی یا بہن یا کسی اور عزیزہ کا رشتہ کسی انسان کو اس شرط پر دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن یا بھتیجی وغیرہ کا اسے یا

اس کے بیٹے یا بھتیجے وغیرہ کو رشتہ دے گا' اس صورت میں یہ عقد فاسد ہے' خواہ اس میں مہر مقرر ہو یا نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (النساء۵۹/ ۷)

"جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ» (صحيح البخاري، النكاح، باب الشغار، ح:٥١١٢ وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، ح:١٤١٥)

"نبی ﷺ نے شغار (وٹہ سٹہ کے نکاح) سے منع فرمایا ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ وَالشِّغَارُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ زَوِّجْنِي ابْنَتَكَ وَأُزَوِّجُكَ ابْنَتِي أَوْ زَوِّجْنِي أُخْتَكَ وَأُزَوِّجُكَ أُخْتِي»(مسلم النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، ح:١٤١٦)

"رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے' ابن نمیر فرماتے ہیں: شغار یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا رشتہ مجھے دے دو' میں اپنی بیٹی کا رشتہ تجھے دے دوں گا یا یہ کہے کہ اپنی بہن کا رشتہ تم مجھے دو' میں اپنی بہن کا رشتہ تجھے دے دیتا ہوں۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«لاَ شِغَارَ فِي الإِسْلاَمِ»(صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه:١٤١٥ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في النهي عن نكاح الشغار، ح:١١٢٣

"اسلام میں شغار نہیں ہے۔"

یہ احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح شغار حرام' فاسد اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہے' نبی ﷺ نے اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں فرمایا کہ مہر مقرر کیا گیا ہو یا مقرر نہ کیا گیا ہو۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں نکاح شغار کی جو یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا رشتہ کسی کو اس شرط پر دے کہ وہ (دوسرا شخص) اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دے اور دونوں عورتوں کے لیے مہر بھی نہ ہو تو اس تفسیر کے بارے میں اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ یہ نافع کا کلام ہے' جو کہ ابن عمر سے راویت کرتے ہیں یعنی یہ نبی اکرم ﷺ کا کلام نہیں ہے' نبی ﷺ کا کلام اور شغار کی تفسیر وہی ہے جو حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے قبل ازیں بیان کی گئی ہے جس میں مہر کا کوئی ذکر نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شغار میں مہر کے مقرر کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ فساد کی اصل جڑ مبادلہ کی شرط یعنی وٹہ سٹہ ہے۔

نکاح کی اس صورت میں اکثر بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح عورت کو ایسے مرد سے شادی پر مجبور کیا جاتا ہے جسے وہ پسند نہیں کرتی او اس طرح وارث عورت کی مصلحت کی بجائے اپنی مصلحت کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی خرابی

اور عورتوں پر ظلم ہے' نکاح کی اس صورت میں عورتیں مہر مثل سے بھی محروم رہتی ہیں' جیسا کہ اس عقد فاسد کو اختیار کرنے والے بہت سے لوگوں میں یہی معمول ہے' پھر اس عقد فاسد کی صورت میں اکثر لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں جو در حقیقت شریعت کی مخالفت کی دنیوی سزا ہے' چنانچہ امام احمد اور ابو داود رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن ھرمز سے روایت کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن حکم رحمہ اللہ کو اپنی بیٹی کا رشتہ دیا اور عبدالرحمٰن بن حاکم نے اس کو اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا اور دونوں نے مہر بھی مقرر کیا لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ مروان بن حکم رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ ان دونوں نکاحوں کو ختم کر دو' چنانچہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔ یہ واقعہ' جو کہ امیر المومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا' شغار کے اس معنی کو واضح کر رہا ہے' جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر مقرر کرنے سے یہ نکاح صحیح نہیں ہو جاتا اور نہ اسے شغار سے خارج کرتا ہے کیونکہ عباس بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن حکم رحمہما اللہ دونوں نے مہر مقرر کیا تھا اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور دونوں میں تفریق کا حکم دے دیا اور فرمایا کہ یہ ہے وہ شغار جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ' حضرت نافع رحمہ اللہ کی نسبت عربی لغت اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معانی کو زیادہ جانتے تھے۔

نکاح کی منکر صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے' جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا بھتیجی وغیرہ کو اس شخص کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتی حالانکہ یہ بھی ایک بہت بڑی خرابی اور عورتوں پر ظلم ہے لہٰذا باپ یا کسی بھی دوسرے وارث کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اس میں عورتوں پر ظلم بھی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی مخالفت بھی کیونکہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ عورتوں کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کیا جائے' چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا يَارَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: أَنْ تَسْكُتَ»(صحيح البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، ح:٥١٣٦ وصحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤١٩)

''شوہر دیدہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے مشورہ کر لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے حتی کہ اس سے اجازت لے لی جائے' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کی طرف سے اجازت کس طرح ہو گی؟ آپ نے فرمایا یہ کہ وہ خاموش رہے۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، ح:١٤٢١)

''کنواری لڑکی سے اس کا باپ اجازت طلب کرے جبکہ اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں' ہاں البتہ اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ آدمی اپنی اس بچی کی اجازت

کے بغیر کفو (ہم پلہ) سے شادی کر سکتا ہے جو کہ ابھی تک نو سال کی عمر کو نہ پہنچی ہو اور مصلحت اس شادی میں ہو کیونکہ اس عمر میں بچی اپنے مصالح نہیں جانتی' اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کر دی تھی اور آپ سے اجازت نہ لی تھی کیونکہ آپ کی عمر ابھی نو سال سے بھی کم تھی' لہٰذا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور نکاح وغیرہ میں ان تمام امور سے اجتناب کرے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرما دیا ہے کیونکہ اتباع شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کی پیروی ہی میں دنیا و آخرت کی بھلائی اور ابدی سعادت و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ تمام حضرات کو ان لوگوں میں سے بنا دے جو بات کو سنتے اور پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ عورتوں کو ان کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کرنے کی وجہ سے کتنے ہی فتنے' مشکلات' عداوتیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور یہ درحقیقت شریعت مطہرہ کی مخالفت اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنے والے کے لیے کچھ دنیوی سزا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے عافیت کا سوال کرتے ہیں جو اس کی رضا کے خلاف ہو۔

اس طرح کے منکر امور میں سے ایک یہ بھی ہے' جس کا بہت سے دیہاتی اور شہری لوگوں میں رواج ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنی چچا زاد کو روک رکھتے ہیں اور اسے کسی دوسرے شخص سے شادی کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ بھی ایک بری بات' جاہلیت کا طریقہ اور عورتوں پر ظلم ہے جس کی وجہ سے بہت سے فتنے' بے شمار خرابیاں' عداوت' قطع رحمی اور خون ریزیاں ہوئی ہیں' لہٰذا ہر اس شخص پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو کہ وہ اس کام سے بچ جائے اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی اس (غیر شرعی) کام سے بچائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ عورتوں سے اجازت لی جائے اور ان کی رضامندی کے بغیر ان کی شادی نہ کی جائے' لہٰذا عورتوں کے وارثوں پر یہ واجب ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ عورتوں کی بہتری کس بات میں ہے' وہ ان سے اجازت لے کر ایسے لوگوں سے ان کی شادی کریں جو دین و اخلاق کے اعتبار سے ان کے کفو (ہم پلہ) ہوں' اسی سے ذمہ داری پوری ہوگی اور وارث اپنے فرض سے عہدہ برا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرما دے' ان پر احسان فرماتے ہوئے انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وصیت کرنے کی توفیق بخشے' اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا ہے کہ وہ مسلمان حکمرانوں کی بھی اصلاح فرمائے اور انہیں نیک مشیر عطا فرمائے' بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔

——— شیخ ابن باز ———




۱۵
کتاب
الطلاق

طلاق کے مسائل و احکام

عورت کو کب مطلقہ سمجھا جائے گا؟

سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رئیس عام ادارات بحوث علمیہ و افتاء سے سوال پوچھا گیا کہ عورت مطلقہ کب شمار ہو گی؟ اور طلاق کے جواز میں کیا حکمت ہے؟

جواب آپ نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ عورت کو اس وقت مطلقہ سمجھا جائے گا جب اس کا شوہر مکلف و مختار ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور طلاق کے وقوع سے جنون یا نشہ وغیرہ کا کوئی امرمانع بھی نہ ہو' نیز عورت طاہر ہو کہ اس طہر میں شوہر نے اس سے مجامعت بھی نہ کی ہو یا وہ حاملہ ہو اور اگر شوہر مجنون ہو یا اسے مجبور کیا گیا ہو یا وہ نشہ کی حالت میں ہو یا وہ اس قدر شدید غصے کی حالت میں ہو کہ طلاق کے نقصان کو سمجھنے سے عاجز ہو' واضح اسباب بھی اس بات کی تائید کرتے ہوں کہ اس نے شدید غصے کی حالت میں طلاق دی ہے' مطلقہ بھی اس بات کی تصدیق کرے یا معتبر گواہی سے اس کی تصدیق ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ»(سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، ح:٤٤٠٣ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء فيمن لا يجب عليه الحد، ح:١٤٢٣)

"تین شخص مرفوع القلم ہیں ① سویا ہوا حتی کہ بیدار ہو جائے ② اور بچہ حتی کہ بالغ ہو جائے ③ اور مجنون حتی کہ سمجھنے لگے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُۥ مُطْمَئِنٌّۢ بِٱلْإِيمَٰنِ ﴾ (النحل١٦/ ١٠٦)

"جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے' وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔"

جب اس شخص کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا' جسے کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو تو اس شخص کی طلاق تو بالاولیٰ واقع نہ ہو گی جس نے محض جبر (زبردستی) کی وجہ سے طلاق دی ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ طَلاَقَ وَلاَ عَتَاقَ فِي إِغْلاَقٍ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب في الطلاق على غلط، ح:٢١٩٣ وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح:٢٠٤٦)

"جبر کی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت نے' جس میں امام احمد رحمہ اللہ بھی ہیں' اس حدیث میں وارد لفظ "اغلاق" کے معنی جبر اور شدید

غصے کے کیے ہیں' خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نشہ میں مبتلا اس شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی کہ نشہ نے جس کی عقل کو ماؤف کر دیا ہو' اگرچہ نشہ کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔

طلاق کے جواز میں جو حکمت تو بے حد واضح ہے کہ کبھی بیوی شوہر کے مناسب نہیں ہوتی اور کبھی شوہر بہت سے اسباب مثلاً ضعف عقل' ضعف دین یا بے ادبی کی وجہ سے بیوی سے نفرت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کشادگی کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ اسے طلاق دے کر اپنی عصمت (زوجیت) سے خارج کر دے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ ٱللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِۦ ﴾ (النساء٤/ ١٣٠)

"اور اگر میاں بیوی (میں موافقت نہ ہو سکے اور) ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے (ایک دوسرے سے) بے نیاز کر دے گا۔"

—————— شیخ ابن باز ——————

طلاق شوہر کا حق ہے

سوال اسلامی شریعت سے یہ بات ثابت ہے کہ طلاق شوہر کا حق ہے لیکن جمہور علماء کا جو یہ مذہب ہے کہ طلاق کا حق بیوی کو بھی سونپا جا سکتا ہے کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا یہ حق کسی وکیل کے سپرد بھی کیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ شوہر کسی کو یہ حق تفویض کر دے کہ وہ اس کی طرف سے اس کی بیوی کو طلاق دے' میرا سوال اس سلسلہ میں یہ ہے کہ کیا یہ حکم نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آدمی طلاق کا حق اپنی بیوی یا کسی اور شخص کے سپرد کر سکتا ہے؟

جواب عورت یا کسی اور شخص کو طلاق کے لیے وکیل بنانے کے بارے میں مجھے نبی اکرم ﷺ کی کوئی حدیث معلوم نہیں ہے لیکن علماء نے یہ مسئلہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے اخذ کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مالی حقوق وغیرہ میں کسی سمجھدار آدمی کو وکیل بنانا جائز ہے۔

طلاق دینا شوہر کا حق ہے لیکن اگر وہ طلاق کا یہ حق اپنی بیوی یا کسی ایسے شخص کو سونپ دے' جس کی طرف وکالت (سپردگی) کی نسبت صحیح ہو تو اس میں شرعی قاعدہ پر عمل کے پیش نظر کوئی حرج نہیں لیکن شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ وکیل کو یہ حق دے کہ وہ اکٹھی تینوں طلاقیں دے دے کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا خود شوہر کے لیے بھی جائز نہیں ہے لہٰذا وکیل کیلئے یہ بالاولیٰ جائز نہیں ہو گا' چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ نے جید سند کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں جب یہ عرض کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو آپ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَـابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ» (سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ح: ٣٤٣٠)

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا (مذاق کیا) جا رہا ہے حالانکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔"

اور صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب طلاق کے متعلق ان سے پوچھا تو فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّـكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ»(صحيح مسلم،

الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض ... الخ، ح:١٤٧١)

"آپ نے جو اسے تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں تو نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کا کثرت استعمال

سوال لوگوں میں معمولی بات پر طلاق کا جو کثرت سے استعمال ہو رہا ہے تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنی اہلیہ یا دیگر لوگوں کے ساتھ نزاع کی صورت میں طلاق سے اجتناب کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ الطَّلَاقُ» (سنن أبي داود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، ح:٢١٧٨ وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب حدثنا سويد بن سعيد، ح:٢٠١٨)

"اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

اور پھر اس کے نتائج بھی چونکہ بہت سنگین ہوتے ہیں اس لیے بھی اس سے اجتناب ضروری ہے۔

طلاق صرف بوقت ضرورت جائز ہے اور اگر طلاق دینے میں مصالح ہوں یا عورت کو اپنے پاس رکھنے میں بہت زیادہ دینی نقصان ہو تو پھر طلاق مستحب ہے اور سنت یہ ہے کہ جب بوقت ضرورت طلاق دینا ہو تو ایک طلاق دی جائے تاکہ بوقت ارادہ عدت میں رجوع ممکن ہو اور عدت ختم ہونے کے بعد نکاح جدید ممکن ہو' اسی طرح یہ بھی مشروع ہے کہ عورت کو حمل کی حالت میں طلاق دی جائے یا اس حالت طہارت میں جس میں اس سے مقاربت نہ کی ہو کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تھی تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ رجوع کر لیں' بیوی کو اپنے پاس رکھیں حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اس کے ایام شروع ہوں اور پھر وہ پاک ہو جائے تو اگر چاہیں تو مقاربت کیے بغیر اسے طلاق دے دیں اور فرمایا کہ یہ ہے وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔[1]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَالَ لِعُمَرَ: «مُرْهُ - يَعْنِي ابْنَهُ عَبْدَاللهِ - فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا»(صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض ... الخ، ح:١٤٧١)

"نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انہیں یعنی اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دو کہ "وہ رجوع کر لیں اور پھر اسے حالت طہر یا حالت حمل میں طلاق دیں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض و نفاس یا ایسی حالت طہارت میں جس میں مباشرت کی ہو' عورت کو طلاق دینا جائز نہیں ہے اور یہ تفسیر ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کی:

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الطلاق' باب و قول اللہ عزوجل ﴿ یایھا النبی اذا طلقتم ..... ﴾ حدیث:۵۲۵۱۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں ان کو طلاق دو۔"

اس طرح یہ بھی جائز نہیں کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ یا ایک ہی مجلس میں تینوں طلاقیں اکٹھی دے دی جائیں کیونکہ امام نسائی رحمہ اللہ نے بسند حسن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ ناراضی کے عالم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«أَيُلْعَبُ بِكِتَـابِ اللهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ»(سنن النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، ح: ٣٤٣٠/ ٣)

"کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا (مذاق کیا) جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔"

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے جب اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں اکٹھی دے دیں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّـكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ طَلاَقِ امْرَأَتِكَ»(صحيح مسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض . . . الخ، ح: ١٤٧١)

"تجھے بیوی کو طلاق دینے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے تم نے اس کی نافرمانی کی ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

طلاق کے اسباب

سوال آپ جناب کے نزدیک طلاق کے کیا اسباب ہیں؟

جواب طلاق کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً میاں بیوی میں ہم آہنگی کا نہ ہونا اور اس وجہ سے دونوں میں سے کسی ایک کو یا دونوں ہی کو ایک دوسرے سے محبت کا نہ ہونا یا عورت کا بدخلق ہونا اور دستور کے مطابق اپنے شوہر کی فرمانبرداری نہ کرنا یا مرد کا بدخلق ہونا' عورت پر ظلم کرنا اور اس سے انصاف نہ کرنا یا مرد و زن کا ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا یا دونوں ہی کا گناہوں میں مبتلا ہونا اور اس کی وجہ سے دونوں کے تعلقات کا خراب ہو جانا اور اس کا نتیجہ طلاق تک پہنچ جانا ہے' اسی طرح طلاق کے اسباب میں سے میاں یا بیوی کا منشیات یا تمباکو کا استعمال کرنا بھی ہے۔ بیوی کے شوہر کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلقات کا خوش گوار نہ ہونا بھی طلاق کا ایک سبب ہے اور یہ تعلقات اس وقت ناخوش گوار ہوتے ہیں' جب ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے معاملہ میں حکیمانہ سیاست استعمال نہ کی جائے' نیز طلاق کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ عورت صفائی ستھرائی کا اہتمام نہ کرے' شوہر کے لیے اچھے کپڑوں اور اچھی خوشبو کا استعمال نہ کرے' اس سے اچھے انداز سے گفتگو نہ کرے اور ملاقات اور میل جول کے وقت خوشی اور مسرت کا اظہار نہ کرے۔

—— شیخ ابن باز ——


سوال سماحۃ الشیخ! طلاق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شوہر نے شادی سے پہلے اپنی بیوی کو دیکھا نہیں ہوتا حالانکہ دین

اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب بے شک نکاح سے پہلے شوہر کا بیوی کو نہ دیکھنا بھی طلاق کا ایک سبب ہو سکتا ہے' خصوصاً جب کہ عورت کی صورت حال اس کے خلاف ہو' جو اس سے بیان کی گئی ہو' اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے شوہر کے لیے شادی سے پہلے بیوی کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّنْظُرَ مِنْهَا إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، ح:٢٠٨٢ ومسند أحمد: ٣/ ٣٣٤ واللفظ له)

"جب تم میں سے کوئی عورت کو منگنی کا پیغام دے اور اگر وہ اسے اس طرح دیکھ سکتا ہے کہ جس سے اس کے ساتھ نکاح کی ترغیب ہو تو اسے دیکھ لے۔" اور فرمایا:

«أُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا»(جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في النظر إلي المخطوبة، ح:١٠٨٧)

"اس کی طرف دیکھ لے' اس طرح تمہارے درمیان الفت و محبت کی زیادہ توقع ہے۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' ایک شخص نے جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ اس نے ایک عورت سے منگنی کر لی ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

«أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا»(صحيح مسلم، النكاح، باب ندب النظر إلى وجه المرأة ... الخ، ح:١٤٢٤)

"کیا تو نے اس عورت کو دیکھ لیا ہے؟" یہ اور ان کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نکاح سے پہلے منگیتر کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ہم آہنگی پیدا کرنے کا سبب ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہوتا ہے۔

یہ بات ہماری اس شریعت کے محاسن میں سے ہے' جس میں ہر وہ بات موجود ہے؟ جو بندگان الٰہی کے لیے بہتری کا سبب ہے اور جس میں معاشرے کی دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس شریعت کو بھیجا' اسے کامل و اکمل بنایا اور اسے کشتیٔ نوح کے مانند بنا دیا کہ جو اس پر ثابت رہا نجات پا گیا اور جو اس سے نکل گیا' تباہ و برباد ہو گیا۔

—— شیخ ابن باز ——

رجعی طلاق والی عورت کے لیے شوہر کے گھر سے نکلنا

سوال یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے' تو وہ فوراً اپنے شوہر کے گھر سے نکل جاتی ہے اور اپنے وارثوں کے گھر میں عدت گزارتی ہے لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے' حکم شریعت یہ ہے کہ عورت عدت اپنے شوہر کے گھر گزارے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ رجوع کر لے' اسی سے خاندان کی حفاظت اور طلاق کا عدم وقوع ہو گا' اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہو' یعنی جسے ایک یا دو طلاقیں دی گئی ہوں تو اس کے لیے واجب یہ ہے کہ وہ

اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے' شائد وہ رجوع کر لے اور رجوع میں ترغیب کے لیے یہ بھی مستحب ہے کہ وہ عورت تزئین و آرائش (اپنی زیب و زینت اور بناؤ سنگھار) کا اہتمام کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا۟ ٱلْعِدَّةَ ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ﴿١﴾ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہہ دو کہ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو (نہ تو تم ہی) ان کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں' ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' جو کوئی اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرے گا' وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کے لیے طلاق کے بعد فوراً (خاوند کے گھر سے) باہر نکلنا جائز نہیں ہے بلکہ اسے اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہنا چاہیے اور اس سے نہیں نکلنا چاہیے' شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد مراجعت کی کوئی صورت پیدا فرماوے۔

———— شیخ ابن باز ————

طلاق سنت

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ اختلاف ہو جانے کی وجہ سے اسے پے در پے دو طلاقیں دے دیں لیکن دوسرے ہی دن بیوی کے بھائی اور بعض رشتہ داروں کی موجودگی میں صلح ہو گئی کیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے؟ یاد رہے کہ اس شخص نے جس وقت طلاق دی تھی' غصے اور اعصابی تناؤ کی حالت میں تھا۔

جواب طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی بوقت ضرورت اپنی بیوی کو حالت طہارت میں طلاق دے جب کہ اس طہارت میں اس نے بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو اور طلاق بھی ایک ہی دے' اس طلاق کی عدت کے دور میں بیوی اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٦)

"(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو۔"

اگر عدت گزر جائے اور شوہر نے رجوع نہ کیا ہو تو اس عورت کو اس سے پردہ کرنا چاہیے' اس کے گھر سے نکل جانا چاہیے' یہ عورت اس کے لیے حرام ہو جائے گی' الا یہ کہ اس کی رضامندی سے وہ اس سے نیا نکاح کر لے۔ تینوں طلاقیں اکٹھی دے دینا بدعت ہے لیکن جمہور کے نزدیک وہ واقع ہو جاتی ہیں اور عورت نئے شوہر سے نکاح کے بغیر حلال نہیں ہوتی۔ دو طلاقوں کے بعد بھی عدت کے دوران مراجعت حلال ہے' جس طرح ایک طلاق کے بعد حلال ہے' ناراضی (اور غصے) کے عالم دی گئی طلاق جمہور کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ بے ہوش نہ ہو' بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر

بہت شدید غصے کی حالت ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی' چنانچہ اس مسئلہ کی تفصیل مشہور ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کیا حائضہ کو دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال دو بچوں کی ماں کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی لیکن اس وقت وہ حالت طہارت میں نہ تھی اور نہ اس نے اپنے شوہر کو یہ بتایا تھا' حتی کہ جب قاضی کے پاس گئے تو اس نے قاضی کو بھی اس بارے میں نہیں بتایا' صرف اپنی ماں کو بتایا اور ماں نے ہی اسے کہا کہ قاضی کو نہ بتانا ورنہ تجھے طلاق نہیں ہو گی' پھر عورت اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور پھر شوہر کی طرف رجوع کا ارادہ کر لیا تاکہ بچے ضائع نہ ہوں' سوال یہ ہے کہ حالت حیض میں دی گئی اس طلاق کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حالت حیض میں دی گئی طلاق کے بارے میں اہل علم میں بہت اختلاف ہے یہ طلاق مؤثر ہو گی یا لغو قرار پائے گی؟ جمہور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ یہ طلاق مؤثر ہو گی اور ایک طلاق شمار ہو گی لیکن شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بیوی کو اپنے پاس واپس لائے اور اسے اپنے پاس رکھے حتی کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے اور اب اگر چاہے تو شوہر اسے اپنے پاس رکھے چاہے تو طلاق دے دے' جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے' جن میں ائمہ اربعہ امام احمد' شافعی' مالک اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہم بھی شامل ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں راجح وہ بات ہے جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے اور وہ یہ کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق واقع ہوتی ہے نہ مؤثر' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨)

"جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ عمل مردود ہے۔"

اور اس خاص مسئلہ سے متعلق دلیل حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے شدید ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا:

«مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيَتْرُكْهَا حَتَّى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ يُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ»(صحيح البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى: ياايها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن ... الخ، ح:٥٢٥١ وصحيح مسلم، باب تحريم طلاق الحائض ... الخ، ح:١٤٧١ واللفظ له)

"انہیں حکم دو کہ وہ رجوع کریں اور پھر اسے چھوڑ دیں حتی کہ وہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر وہ پاک ہو جائے اور پھر اس کے بعد اگر چاہے تو اسے اپنے پاس رکھے اور چاہے تو اسے طلاق دے دے مجامعت کرنے سے پہلے۔ یہ ہے وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔"

یعنی وہ عدت جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے' وہ حالت طہارت ہے جس میں شوہر نے بیوی

کے ساتھ مقاربت نہ کی ہو' لہٰذا جو شخص حالت حیض میں طلاق دے' اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق طلاق نہیں دی اس لیے ایسی طلاق مردود ہو گی چنانچہ مذکورہ بالا عورت کو دی گئی طلاق مؤثر نہیں ہے اور عورت ابھی تک اپنے شوہر کی عصمت میں ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ طلاق کے وقت مرد کو یہ علم تھا کہ عورت طاہرہ ہے یا نہیں' ہاں البتہ اگر اسے یہ علم ہو کہ عورت طاہرہ نہیں ہے تو وہ گناہ گار ہو گا اور اگر علم نہ ہو تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا اور حالت حیض میں دی جانے کی وجہ سے طلاق بھی واقع نہیں ہو گی۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حاملہ کی طلاق کا حکم

سوال میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور دوسری عورت سے شادی کے پانچ ماہ بعد معلوم ہوا کہ پہلی بیوی نے میری بیٹی کو جنم دیا ہے' کیا یہ طلاق جائز تھی یا نہیں؟ طلاق دیتے وقت مجھے علم نہیں تھا کہ میری بیوی حاملہ ہے' کیا اسے واپس لانا جائز ہے؟ میں جب اپنی بیٹی کو دیکھنے گیا تو اس مطلقہ بیوی کے باپ نے اس مقررہ رقم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو میں ہر ماہ اپنی بیٹی کو دینا چاہتا تھا' لہٰذا اب میں جب بھی بیٹی سے ملنے جاتا ہوں تو صرف کپڑے ہی لے کر جاتا ہوں' کیا میری کوئی اور بھی ذمہ داری ہے یا نفقہ نہ دینے کی وجہ سے مجھے گناہ تو نہ ہو گا؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے!

جواب حاملہ عورت کو طلاق دینا صحیح ہے اور حالت حمل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے' یہ طلاق سنت ہی کی ایک قسم ہے جب کہ حائضہ کو طلاق دینا بدعت ہے' اسی طرح غیر حاملہ کو بھی اس طہر میں طلاق دینا بدعت ہے جس میں اس کے شوہر نے اس سے مقاربت کی ہو اور حمل واضح نہ ہو سکا ہو' بہر حال مذکورہ طلاق واقع ہو گئی ہے اور صحیح ہے اور اگر طلاق ایک یا دو ہیں تو عورت کی رضامندی سے نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ رجوع جائز ہے اور اگر طلاقیں تین ہیں تو پھر وہ عورت تمہارے لیے حلال نہیں الا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے (اور وہ کسی خفیہ منصوبہ بندی کے بغیر' برضا ورغبت از خود طلاق دے یا فوت ہو جائے)

حمل کی مدت کے دوران بیوی کا خرچہ آپ کے ذمہ تھا اور اگر آپ نے نفقہ نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے بچے کو جنم دے دیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا' آپ کی بچی کا نفقہ تو آپ پر واجب ہے اور اگر بچی کا نانا اس نفقہ کو ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ آپ سے ساقط ہو جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے خرچہ کا مسئلہ حل ہو جائے تو ٹھیک' ورنہ اختلاف کی صورت میں اس مسئلہ کو شہر کے قاضی کی عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ اس ماہوار نفقہ کا تعین کر دے' جس کی یہ بچی مستحق ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

حاملہ کی طلاق

سوال کیا حاملہ بیوی کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب حاملہ عورت کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ رجوع کر لو پھر اسے روکے رکھو حتی کہ پاک ہو جائے' پھر اسے حیض آئے اور پھر پاک ہو جائے تو اب اگر چاہو تو مقاربت سے پہلے اسے حالت طہارت میں یا حالت حمل میں طلاق دے دو۔ [1]

——— شیخ ابن باز ———

ضرورت کے بغیر طلاق مکروہ ہے

سوال میں ایک شادی شدہ مسلمان نوجوان ہوں' میرے دو بچے ہیں' میں نے ۱۹۸۱ء میں شادی کی تھی' میں اپنی بیوی سے کامل (بھرپور) محبت و احترام سے پیش آتا ہوں لیکن وہ مجھے ناپسند کرتی اور میرے والدین کو گالیاں دیتی ہے' میں نے اسے ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے کے بجائے مجھے جاہل اور غیر مہذب کہتی ہے حتی کہ اب اس نے نماز بھی چھوڑ دی ہے' لہٰذا میں اپنی اس بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کے اور دونوں بچوں کے حقوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے صحیح طریقہ سے طلاق دوں' لہٰذا اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرمائیں؟

جواب ضرورت کے بغیر طلاق دینا مکروہ ہے' اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسے سوال میں مذکور ہے تو پھر اس عورت کو اپنے پاس رکھنا' خصوصاً جب کہ اس نے نماز بھی چھوڑ دی ہے' جائز نہیں ہے' لہٰذا اسے طلاق دے دیں جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اسے اس کی ایسی حالت طہارت میں ایک طلاق دیں جس میں اس سے مقاربت نہ کی ہو' اس طلاق کے بعد اسے گھر میں رہنے دیں حتی کہ یہ عدت گزار لے' اس دوران اسے سامان یعنی لباس اور خرچ وغیرہ بھی دیں بچوں کو اسی کے پاس رہنے دیں حتی کہ یہ شادی کر لے' پھر آپ کو حق حاصل ہو گا کہ بچے اس سے واپس لے لیں' جب تک بچے اس کے پاس رہیں آپ پر تنگ دستی و خوش حالی کے مابین عام عادت کے بقدر ان کا خرچہ بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ سَيَجۡعَلُ ٱللَّهُ بَعۡدَ عُسۡرٖ يُسۡرٗا ۝٧ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٧)

"اللہ تعالیٰ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔"

——— شیخ ابن جبرین ———

ایک باطل شرط

سوال شریعت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جس نے ایک دوسرے شخص کے ساتھ مل کر یہ طے کیا کہ دونوں ایک معین مدت کے اندر اندر شادی کریں گے اور جو شخص شادی نہ کر سکے اسے اپنی پہلی بیوی کو بھی طلاق دینا ہو گی' دونوں نے باہمی اتفاق سے اس شرط کو منظور کیا تھا؟

---

[1] دیکھیے: صحیح مسلم' الطلاق' تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ..... الخ' حدیث: ۱۴۷۱۔

جواب یہ ایک باطل شرط ہے' جو اسے پورا نہ کر سکے اس کے لیے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ کفارہ قسم ادا کر دے' چنانچہ اسلاف میں سے ایک جماعت کا یہی قول ہے' انہوں نے اس طرح کے کلام کو قسم کے حکم میں قرار دیا ہے جب کہ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں کوئی بھی کفارہ لازم نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

کن الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے

ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقوں کے بارے میں حکم

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی مرد اپنی بیوی کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے دے مثلاً اس طرح کہے کہ: "انت طالق بالثلاث او مطلقة بالثلاث" (میں تجھے تین طلاقیں دیتا ہوں) جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس سے عورت پر تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور صرف ایک ہی صورت میں حلال ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی اور شخص سے برضا و رغبت شادی کرے' حلالہ کی صورت میں نہیں' اور پھر وہ شخص اس سے مقاربت بھی کرے اور پھر موت یا طلاق کی صورت میں اس سے علیحدگی اختیار کر لے' ان اہل علم کا استدلال حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے ہے کہ آپ نے تینوں طلاقوں کو لوگوں پر نافذ کر دیا تھا' بعض دیگر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ ایک طلاق شمار ہو گی اور شوہر کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر عدت ختم ہو جائے تو پھر وہ نئے نکاح کے ساتھ حلال ہو گی' ان حضرات کا استدلال صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے ہے:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»(صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، ح: ١٤٧٢)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا جاتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں انہیں مہلت دی گئی تھی لہٰذا اسے ہم نافذ کر دیں گے چنانچہ' انہوں نے اسے نافذ کر دیا۔"

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ابو الصہباء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم ﷺ کے عہد میں' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کے (پہلے) تین سالوں میں تین طلاقوں کو ایک قرار نہیں دیا جاتا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ نیز ان کا استدلال اس حدیث سے بھی ہے جسے امام احمد نے مسند میں جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں جس کی وجہ سے

انہیں بہت غم ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی بیوی کو واپس لوٹا دیا تھا اور فرمایا تھا "یہ ایک طلاق ہے"۔ انہوں نے اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں ایک طلاق ہے تاکہ ان دو حدیثوں اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُۥ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

"پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) کے لیے حلال نہ ہو گی۔"

کے درمیان تطبیق دی جا سکے۔

صحیح روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ایک قول یہی ہے جب کہ دوسری روایت کے مطابق ان کا دوسرا قول اکثر لوگوں کے قول کے مطابق ہے' ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا قول حضرت علی عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے' تابعین کی ایک جماعت' محمد بن اسحاق صاحب "السیرۃ" اور متقدمین و متاخرین اہل علم کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس قول کو پسند فرمایا ہے' میں بھی اسی قول کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں' کیونکہ اس سے تمام نصوص کے مطابق عمل بھی ہو جاتا ہے اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ رحمت اور نرمی بھی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے برادر مکرم جناب م ح ص کے نام' اللہ تعالیٰ ان کے علم و ایمان میں اضافہ فرمائے اور وہ جہاں بھی ہوں انہیں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اما بعد:

مجھے آپ کا گرامی نامہ مورخہ یکم محرم ۱۳۹۵ھ موصول ہوا' اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت سے سرفراز فرمائے' آپ کے خط سے آپ کی صحت کے بارے میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ الحمدللہ علی ذلک۔

دعوت کے بارے میں استفادہ سے متعلق آپ نے رغبت کا جو اظہار فرمایا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی اچھی بات نہیں ہو سکتی جو اللہ تعالیٰ نے مبلغین کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے اور وہ یہ ہے:

﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ ﴾

(فصلت۴۱/ ۳۳)

"اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۰۸)

"کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (ازروئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیروکار بھی۔"

نیز فرمایا:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾ (النحل۱۶/ ۱۲۵)

"اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

تو ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں صبر اور تحمل کے ساتھ' سختی اور شدت سے پرہیز کرتے ہوئے میدان دعوت میں کام کریں' کیونکہ سختی اور شدت کی وجہ سے انسان حق قبول کرنے سے دور ہو جاتا ہے' جیسا کہ یہ بات آپ سے مخفی نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد فرمائے' آپ کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو ہدایت کے داعیوں اور حق کے مددگاروں میں سے بنا دے' انه خير مسئول۔

متعدد الفاظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع کرنے کے حکم کے بارے میں تفصیل ہے' جیسا کہ میرے سامنے دلائل سے واضح ہوا ہے۔ اہل علم نے اسے "باب ما يختلف به عدد الطلاق" میں ذکر کیا ہے۔ جمہور اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جب کہ عدت میں ہوں خواہ شوہر انہیں ایک کلمہ کے ساتھ واقع کرے' یا متعدد کلمات کے ساتھ' الا یہ کہ وہ ایسے کلمات استعمال کرے جن میں اس بات کا احتمال ہو کہ اس نے دوسرے اور اس کے بعد کے کلمات کو تاکید کے طور پر استعمال کیا ہے' مثلاً یوں کہے کہ: "انت طالق' طالق طالق' " یا " انت مطلقة' مطلقة' مطلقة " یا اس طرح کے دیگر کلمات' ان سے بیوی پر ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے' اس صورت میں دوسرے اور بعد والے لفظ کو پہلے لفظ کی تاکید سمجھا جائے گا جب کہ شوہر کا ارادہ تین طلاقیں واقع کرنے کا نہ ہو' بلکہ اس کا ارادہ تاکید ہو یا عورت کو سمجھانا یا اس کا کچھ بھی ارادہ نہ ہو' بلکہ اس نے اس لفظ کی تکرار محض غصے کی وجہ سے کی ہو' یا تین طلاقیں واقع کرنے کے علاوہ اس کا اس سے کچھ اور مقصود ہو۔

اور اگر وہ ایسے الفاظ استعمال کرے' جن میں تاکید کا احتمال نہ ہو' مثلاً یوں کہے کہ: " طالق' ثم طالق' ثم طالق " (تجھے طلاق ہے' پھر طلاق ہے' پھر طلاق ہے) یا " انت طالق' وطالق' وطالق " یا " انت مطلقة' انت مطلقة' انت مطلقة " تو اس سے بھی پہلے الفاظ کی طرح اکثر علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی' الا یہ کہ تاکید کا' یا عورت کو سمجھانے کا ارادہ ہو' لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ قول پسند کیا ہے کہ ان مختلف الفاظ سے بھی ایک ہی طلاق واقع ہو گی' جس طرح کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے' آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ

فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»(صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، ح: ۱٤٧٢)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد میں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں میں (ایک مجلس کی) تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے اس مسئلہ میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی' لہٰذا اسے ہم نافذ کر دیں گے' چنانچہ آپ نے اسے ان پر نافذ کر دیا۔"

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں اس سے مختلف الفاظ کے ساتھ بھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی مولفات میں اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی سب سے زیادہ تفصیل آپ کے مجموعہ فتاوی میں ہے' جسے شیخ عبدالرحمٰن بن قاسم نے مرتب کیا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے نزدیک دوسری اور تیسری طلاق نکاح یا رجعت کے بعد واقع ہو گی' لیکن مجھے اس بارے میں کوئی واضح دلیل معلوم نہیں سوائے مذکورہ حدیث ابن عباس کے اطلاق کے' یا ایک دوسری حدیث کے' جو قصہ ابورکانہ کے سلسلہ میں مروی ہے' لیکن یہ دونوں حدیثیں اس موضوع کے بارے میں صریح نہیں ہیں۔ میں تیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ سے یہ فتویٰ دے رہا ہوں کہ جب شوہر ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دے تو اس سے صرف ایک طلاق واقع ہو گی۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا جو مفہوم اخذ کیا ہے یہ بہت تنگ مفہوم ہے' جس پر انہیں محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق تمام کنایات سے بھی ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے جب کہ شوہر کا کنایہ سے ارادہ طلاق کا ہو' کیونکہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقیں واقع کرنے کی نسبت کنایہ سے طلاق واقع کرنا زیادہ ضعیف ہے' لہٰذا جب اسے ایک طلاق شمار کرنا جائز ہے تو معتبر کنایہ کو ایک طلاق شمار کرنا بالاولیٰ جائز ہو گا۔

اس مسئلہ پر علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی "اعلام الموقعین" "زاد المعاد" اور "اغاثة اللهفان" میں بڑی شرح و بسط سے گفتگو فرمائی ہے۔ اور اس ساری بحث میں ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ طلاق دیتے وقت شوہر عاقل اور مختار ہو اور جو شخص مجبور کیا ہوا' زائل العقل اور ایسا شدید الغضب ہو کہ غضب نے اس کے شعور کو ختم کر دیا ہو تو ایسے لوگوں کی طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ معلوم ہے۔

غصہ اگر شدید ہو' مگر اس سے عقل میں خلل نہ پڑا ہو تو اس صورت میں طلاق واقع ہونے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف مشہور ہے۔

غصہ اگر قلیل ہو تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غصے کی تین حالتیں ہیں (۱) ایسا غصہ جس کی وجہ سے عقل اور شعور زائل ہو جائے تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس پر اجماع ہے جیسا کہ: مجنون' پاگل اور زائل العقل کی طلاق' نیز نشہ میں مبتلا انسان کی طلاق واقع نہیں ہوتی' گو نشہ کی وجہ سے وہ گناہ گار ضرور ہے' جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس نے طلاق اس وقت دی جب کہ وہ نشہ کی حالت میں تھا اور نشہ کی وجہ سے اس کی عقل ختم ہو گئی تھی (۲) شدید ترین غصہ ہو کہ اس (غصے) نے اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا ہو لیکن اس کے ساتھ اس کے شعور میں فرق نہ آیا ہو' یہ صورت محل اختلاف ہے' زیادہ ظاہر یہ بات ہے کہ اس صورت میں بھی

طلاق واقع نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد رشید ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کو پسند کیا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر ایک چھوٹا سا رسالہ بھی ہے جسے انہوں نے "اغاثة اللهفان في حكم طلاق الغضبان" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس میں بہت عمدہ طریقے سے بحث کی ہے۔ (۳) غصہ خفیف ہو تو یہ بالاجماع طلاق واقع ہونے سے مانع نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

—— شیخ ابن باز ——

میں نے بیوی سے کہا کہ اب تو میرے لیے حلال نہیں........

سوال میں ایک شادی شدہ نوجوان ہوں' میری والدہ اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا' میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! یہ اب میرے لیے حلال نہیں ہے' میں نے یہ الفاظ طلاق کے ارادہ سے کہے تھے اور جب میں نے اس بارے میں ایک عالم سے فتویٰ لیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کی یہ قسم ظہار کے قائم مقام ہے' لہٰذا آپ پر دو ماہ کے روزے واجب ہیں اور اگر روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ میری بیوی میرے ساتھ گھر میں ہی رہتی ہے' میں دو ماہ تک صبر نہیں کر سکوں گا' میں نے ایک رات ایک نانبائی سے ساٹھ روٹیاں لیں اور انہیں ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کر دیا' اس واقعہ کو ایک سال ہو گیا ہے کیا اس سے میری قسم کا کفارہ ادا ہو گیا؟

جواب اگر مذکورہ الفاظ آپ نے طلاق کے قصد سے کہے تو اس سے ایک طلاق واقع ہو گئی تھی اور یہ ظہار کی صورت نہیں تھی' لہٰذا آپ پر ظہار کا کفارہ بھی واجب نہیں ہے بلکہ وہ ایک طلاق ہے' کیونکہ آپ کی نیت طلاق کی تھی اور اس مسئلہ میں علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ...الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔"

—— شیخ ابن باز ——

بیوی سے کہا کہ تو اب میرے ذمہ میں نہیں ہے

سوال ایک رات میں اپنی بیوی کے کمرہ میں گیا تو میں نے اس کا دروازہ بند پایا' میں نے دروازہ پر دستک دی' لیکن اس نے نہ کھولا تو میں واپس لوٹ کر مردانے خانہ میں آکر سو گیا' صبح کے وقت میں اس کے پاس گیا تو میں نے پوچھا کہ دروازہ کیوں بند کیا تھا؟ اس نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا' میں اس وقت غصہ کی حالت میں تھا لہٰذا میں نے اس سے یہ کہہ دیا کہ "رات سے تو میرے ذمہ میں نہیں ہے" یہ کہہ کر میں واپس آگیا لیکن پانچ منٹ بعد ہی میں نے رجوع کر لیا اور مسلسل تین بار کہا "استغفر اللہ العظیم" اے اللہ! مجھے معاف فرما دے اور مجھ سے درگزر فرما" امید ہے رہنمائی فرمائیں گے کہ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے' اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے؟

جواب اے بھائی! ہم آپ کو یہ نصیحت کریں گے کہ تحمل اور صبر کریں اور بیویوں کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے' لہٰذا آپ اس سے ٹیڑھے پن میں فائدہ اٹھائیں اور اگر سیدھا کرنا چاہیں گے تو اسے توڑ بیٹھیں گے' توڑنے سے مراد طلاق دینا ہے' لہٰذا حوصلے سے کام لیں اور طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیں اور معمولی بات پر ناراض نہ ہوں اور اگر ناراض ہوں تو اپنے آپ کو قابو میں رکھیں تاکہ کسی ایسی چیز کا اظہار نہ ہو جس پر افسوس کرنا پڑے۔ حدیث میں ہے:

«إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٤، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح٢٦٠٩)

"بہادر وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔"

آپ نے جو الفاظ استعمال کیے' یہ صریحاً طلاق ہیں' کنایہ نہیں ہیں لیکن ان کا تعلق نیت سے ہے' اگر آپ کی نیت تین طلاقوں کی تھی تو جمہور کے نزدیک تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر آپ کی نیت ایک طلاق کی تھی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت کے اندر آپ کو رجوع کا حق حاصل ہو گا اور اگر آپ اس مسئلہ کی مزید وضاحت چاہیں تو بحوث علمیہ وافتاء ودعوۃ وارشاد کی مستقل کمیٹی برائے افتاء کی طرف رجوع کریں۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بیوی پر لعنت بھیجنا طلاق نہیں ہے

سوال اگر شوہر اپنی بیوی پر قصد و ارادہ سے لعنت بھیجے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لعنت بھیجنے کے سبب بیوی اس پر حرام ہو جائے گی' یا لعنت طلاق کے حکم میں ہو گی' اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب شوہر کا بیوی پر لعنت بھیجنا ایک امر منکر ہے جو کہ جائز نہیں بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح:٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح:١١٠)

"مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح:٢٥٩٨)

''لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفاعت کنندہ نہیں بن سکیں گے۔''

لہٰذا ضروری ہے کہ توبہ کریں اور بیوی سے اسے معاف کروائیں' جو شخص سچی پکی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ لعنت کرنے کی وجہ سے بیوی عصمت ہی میں رہتی ہے' حرام نہیں ہوتی' لہٰذا واجب ہے کہ دستور کے مطابق زندگی بسر کریں اور زبان کو ہر ایسی بات سے محفوظ رکھیں' جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنتی ہو' بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ احسن طریقے سے زندگی بسر کرے اور زبان کی حفاظت کرے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنے اور جو اس کے شوہر کو ناراض کرے' الا یہ کہ بات حق ہو' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء٤/ ١٩)

''اور ان سے اچھے طریقے سے رہو سہو۔'' اور فرمایا:

﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (البقرة٢/ ٢٢٨)

''اور مردوں کو ان پر ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے۔''

——— شیخ ابن باز ———

وسوسہ میں مبتلا شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال ایک شخص اپنی بیوی کے طلاق کے معاملہ میں وسوسہ میں بہت زیادہ مبتلا ہے' چنانچہ جب کسی مسئلہ میں اس سے گفتگو کرتا ہے تو پھر اپنے جی میں کہتا ہے کہ تجھے طلاق ہے' مگر زبان سے ان الفاظ کو وہ ادا نہیں کرتا لیکن وہ اپنے دل میں شک بہت زیادہ کرتا ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اپنے اس سوال کرنے والے بھائی اور دیگر بھائیوں کے سامنے یہ بات بیان کرنا پسند کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلشَّيْطَـٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا۟ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا۟ مِنْ أَصْحَـٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝٦ ﴾ (الفاطر٣٥/ ٦)

''شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے' تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں۔''

شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے' جس سے انسان قلق و اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی مکدر ہو کر رہ جاتی ہے' چنانچہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سنیے:

﴿ إِنَّمَا ٱلنَّجْوَىٰ مِنَ ٱلشَّيْطَـٰنِ لِيَحْزُنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ۝١٠ ﴾ (المجادلة٥٨/ ١٠)

''(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لیے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک

ہوں، مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔"

اس سے واضح ہوا کہ شیطان کی کوشش ہے کہ وہ انسان کو ایسی باتوں میں مبتلا کرے جن سے وہ غم ناک ہو' نیز شیطان کی یہ بھی کوشش ہے کہ وہ اس کے دین کو خراب کرے' شیطان سے خلاصی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صدق اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرتا رہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ نَزۡغٞ فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِۖ ﴾ (فصلت ۴۱/ ۳۶)

"اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔"

انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائے تاکہ اللہ تعالیٰ اس دشمن سے اسے محفوظ رکھے' جب بندہ اپنے رب کی پناہ طلب کر لے' صدق دل سے اس کی طرف رجوع کر لے اور شیطان سے اس طرح اعراض کر لے گویا ان وسوسوں کا کوئی وجود ہی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے وسوسوں کو دور فرما دیتا ہے۔

اس بھائی کو جو اپنی بیوی کی طلاق کے سلسلہ میں وسوسوں میں مبتلا ہے' میری یہ بھی نصیحت ہے کہ وہ ان وسوسوں کی طرف دھیان نہ دے ان سے کلی طور پر اعراض کر لے اور جب دل میں کوئی وسوسہ آئے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے' اس طرح اللہ تعالیٰ اس سے وسوسہ دور فرما دے گا۔

حکم کے اعتبار سے بات یہ ہے کہ اس طرح کے وسوسوں سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ»(صحيح البخاري، العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ... الخ، ح:۲۵۲۸ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس ... الخ، ح:۱۲۷ واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس چیز سے درگزر فرمایا ہے جو دل میں پیدا ہو جب تک اس کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے' یا اسے زبان سے ادا نہ کیا جائے۔"

جو چیز انسان کے دل میں آئے' اسے کچھ شمار نہیں کیا جاتا' حتی کہ دل میں اگر طلاق کے بارے میں بھی وسوسہ پیدا ہو تو اسے طلاق شمار نہیں کیا جائے گا' حتی کہ اگر کوئی دل میں طلاق دینے کا ارادہ بھی کرے تو جب تک وہ اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے طلاق نہیں ہو گی' مثلاً: وہ کہے کہ تجھے طلاق ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ وسوسوں میں مبتلا انسان کی طلاق واقع نہیں ہوتی' خواہ وہ زبان سے بھی الفاظ ادا کر دے' الا یہ کہ اس نے قصد و ارادہ کے ساتھ الفاظ ادا کیے ہوں اور چونکہ وسوسہ میں مبتلا انسان کی زبان سے الفاظ بلا قصد و ارادہ نکلے ہیں بلکہ وہ مغلق اور مکرہ (مجبور الحال) (جس پر جبر کیا گیا ہو) ہے' وسوسے کی قوت اور اس کو منع کرنے کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ طَلاَقَ فِي إِغْلاَقٍ»(تلخيص الحبير:۳/ ۲۱۰)

"جبر (زبردستی) کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔"

لہٰذا جب تک وہ طمانیت کے ساتھ حقیقی ارادہ نہیں کرتا' اس کی طرف سے طلاق واقع نہ ہو گی اور قصد و اختیار کے بغیر اس کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں' ان سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

اس طرح کے وسوسوں کے شکار ایک شخص نے ایک بار مجھ سے یہ ذکر کیا کہ میں ان وسوسوں کی وجہ سے اس قدر قلق

و اضطراب میں مبتلا ہو گیا کہ میں نے چاہا کہ واقعی طلاق دے دوں' چنانچہ اس نے ان وسوسوں سے نجات پانے کے لیے واقعی حقیقی ارادے کے ساتھ طلاق دے دی' حالانکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے' کیونکہ شیطان یہی تو چاہتا ہے کہ آدمی اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دے' خصوصاً جب کہ ان کی اولاد بھی ہو۔

بہر حال جو شکوک و شبہات بھی پیدا ہوں' انسان پر واجب ہے کہ وہ انہیں جھٹک دے' ان کا اعتبار نہ کرے' اور ان سے اعراض کرے حتی کہ یہ اللہ کے حکم سے ختم ہو جائیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تحریری طلاق

سوال ایک شخص اپنی بہن اور بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اس نے اپنی بہن سے کہا کہ وہ قلم لائے' چنانچہ اس نے کسی کی طرف منسوب کیے بغیر لکھ دیا: طلاق' طلاق۔ چنانچہ اس بہن نے قلم چھین لیا اور تین بار لکھا: طلاق' طلاق' طلاق' پھر اس شخص نے یہ کاغذ بیوی کی طرف پھینک دیا اور کہا دیکھو جو میں نے لکھا ہے صحیح ہے؟ حالانکہ اس نے یہ الفاظ بیوی کو طلاق کے ارادہ سے نہیں لکھے تھے۔

جواب اگر اس شخص کا ارادہ طلاق کا نہیں تھا تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ اس کا ارادہ تو محض الفاظ لکھنے کا تھا یا طلاق دینے کے علاوہ اس کا کوئی اور ارادہ تھا اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري بدء، الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور بعض کے بقول جمہور' کا یہ قول ہے کہ کتابت' کنایہ کے معنی میں ہے اور کنایہ سے نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی' علماء کا صحیح ترین قول یہی ہے' ہاں البتہ کتابت کے ساتھ اگر کوئی ایسی چیز بھی شامل ہو' جو طلاق کے ارادہ پر دلالت کرتی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی' لیکن مذکورہ واقعہ میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جو طلاق واقع کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتی ہو لہٰذا اصل یہی ہے کہ اس صورت میں نکاح باقی رہے گا اور نیت کے مطابق عمل ہو گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔ انه جواد کریم۔

——— شیخ ابن باز ———

محض نیت سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال میرا اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو جھگڑے کے بعد میں نے زبان سے الفاظ ادا کیے بغیر اپنے جی میں یہ کہا: کیوں نہ اسے یہ کہہ دوں کہ تجھے طلاق ہے! تو کیا اس کی وجہ سے مجھے کوئی چیز لاحق ہو گی؟ جب کہ میں نے زبان سے کوئی الفاظ ادا نہیں کیے' فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق محض نیت سے

واقع نہیں ہوتی بلکہ زبان سے الفاظ ادا کرنے سے یا لکھ کر دینے سے واقع ہوتی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ تَجَاوَزَ لأُمَّتِي عَمَّا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَالَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ بِهِ»(صحيح البخاري، العتق، باب الخطأ والنسيان في العتاقة والطلاق ... الخ، ح:٢٥٢٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس ... الخ، ح:١٢٧ واللفظ له)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس بات سے درگزر فرمایا ہے‘ جو دلوں میں خیال آئے جب تک اس کے مطابق عمل نہ کر لیا جائے‘ یا جب تک زبان سے الفاظ ادا نہ کر دیئے جائیں۔“

——— شیخ ابن باز ———

زنا کرنے سے بیوی کو طلاق نہیں ہوتی

سوال ہم اکثر سنتے رہتے ہیں کہ بعض نوجوان جو بیرون ملک جاتے ہیں اور شادی شدہ ہونے کے باوجود وہاں جا کر جرم زنا کا ارتکاب کرتے ہیں‘ والعیاذ باللہ‘ کیا اس وجہ سے ان کی بیویوں کو طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب انسان کے زنا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی کو طلاق تو نہیں ہوئی لیکن اس پر یہ ضرور واجب ہے کہ وہ ایسے سفروں اور اختلاط سے پرہیز کرے جو بدکاری کا سبب بنتے ہوں‘ انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے‘ اس کے احکام کی نگہداشت کرے اور اپنی شرمگاہ کی حرام کام سے حفاظت کرے‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الأسراء١٧/ ٣٢)

”اور زنا کے قریب تک بھی نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا ﴾ (الفرقان٢٥/ ٦٨_٧٠)

”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے‘ مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس (عذاب) میں رہے گا‘ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے ....“

یہ دونوں عظیم آیتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زنا اور اس تک پہنچانے والے اسباب کے قریب بھی جانا حرام ہے‘ دوسری آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے‘ یا کسی انسان کو ناحق قتل کرے‘ یا زنا کرے تو اسے دوگنا عذاب ہو گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا‘ یہ عظیم وعید اس بات پر دلالت کناں ہے کہ زنا بھی ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو جہنم اور اس میں ہمیشہ رہنے کا موجب ہیں لیکن زانی اور قاتل کا جہنم میں خلود (ہمیشگی) مشرک کے خلود (دوام) کی طرح نہیں ہو گا‘ جو کبھی ختم ہی نہ ہو‘ کیونکہ مشرک کا عذاب تو ابد الآباد تک (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) جاری و ساری رہے گا۔

زانی اور قاتل اگر زنا و قتل کو حلال نہ سمجھیں تو اہل سنت کے نزدیک ان کے خلود کی انتہا ہے' جب کہ مشرک کے خلود کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

«لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ» (صحيح البخاري، المظالم، باب النهبي بغير اذن صاحبه، ح:٢٤٧٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي ... الخ، ح:٥٧ واللفظ له)

"زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' چور جب چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا' اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔"

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ زانی' چور اور شرابی جب ان گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں تو ان کا ایمان زائل ہو جاتا ہے' یعنی وہ ایمان واجب کے کمال سے محروم ہو جاتے ہیں' یا یوں کہہ لیجیے کہ ایمان کامل اور اللہ تعالیٰ کے خوف کامل کے نہ ہونے اور ان فواحش و منکرات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خوفناک نتائج کے عدم استحضار ہی نے ان لوگوں کو ان خطرناک جرائم میں مبتلا کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

معلق یا مشروط طلاق

بیوی سے کہا کہ اگر تو اس دروازے سے نکلی ....

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو اس دروازے سے باہر نکلی تو تجھے طلاق بھی ہو گی اور تو میری ماں' بہن کی طرح مجھ پر حرام بھی ہو گی' لیکن افسوس! کہ وہ دروازے سے باہر نکل گئی لیکن اس دروازے سے نہیں' جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا' اس بیوی کے بطن سے چونکہ میرے تین بچے بھی ہیں' لہٰذا سوال یہ ہے کہ میں نے جو کہا ہے' اس کے بارے میں (شریعت کا) کیا حکم ہے اور مجھ پر کیا واجب ہے تاکہ میں رجوع کر لوں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں سوال کرنے والے بھائی اور دیگر لوگوں کی خدمت میں یہ نصیحت کروں گا کہ وہ الفاظ کے ساتھ اس طرح کا کھیل تماشا نہ کریں' کیونکہ اس طرح کے امور میں تلاعب (کھیل) انہیں مشکلات میں مبتلا کر دیتا ہے بلکہ فتویٰ دینے والوں کو بھی مشکلات میں ڈال دیتا ہے' ایسی مشکلات میں جن کی کوئی حد نہیں ہوتی' لہٰذا جو شخص قسم کھانا چاہے' اسے چاہیے کہ وہ اللہ عز و جل کے نام کی قسم کھائے اور پھر عقل مند شوہر کو تو اس طرح کی باتوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی' وہ تو منع کرنے کے کسی بھی کلمہ سے اپنی بیوی کو منع کر سکتا ہے' ہاں البتہ وہ مرد جو اپنی بیوی کے سامنے کمزور ہو اور وہ اس کی خواہشات ہی کے پیچھے لگا رہے' خواہ وہ حق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو' تو وہ مرد عقل اور مردانگی کے اعتبار سے ناقص ہے۔ لیکن انسان کو چاہیے کہ وہ سختی کے بغیر قوی اور کمزوری کے بغیر نرم ہو اور اہل خانہ کے

سامنے ایسے الفاظ استعمال کرے جن کا وزن اور قیمت ہو تاکہ وہ خوش گوار زندگی بسر کر سکیں' میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کے سامنے سختی اور درشت روئی کا مظاہرہ کرے اور ان سے ہشاش بشاش چہرے سے پیش ہی نہ آئے' بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہشاش بشاش' خوش و خرم اور نرم خو ہونے کے ساتھ ساتھ عقل مند' مضبوط' مستحکم اور غیر مغلوب ہو۔

مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اگر تو اس دروازے سے نکلی تو تجھے طلاق اور تو میری ماں بہن کی طرح مجھ پر حرام ہے' تو یہ بات دو حالتوں سے خالی نہیں:

ایک تو یہ کہ وہ اسے محض منع کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد اسے طلاق دینا یا اپنے اوپر حرام کرنا نہیں ہے' لیکن شدت سے منع کرنے کے لیے اس نے گفتگو کی یہ صورت اختیار کی' تو اس حالت میں ان الفاظ کا حکم قسم کا ہو گا' جیسا کہ اہل علم کا راجح قول یہی ہے' لہٰذا اگر وہ دروازے سے نکل جائے تو اس سے اسے طلاق نہیں ہو گی' ہاں البتہ اس پر کفارہ قسم واجب ہو جائے گا اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وہ اسی مخصوص دروازے سے نکلے یا گھر کے کسی اور دروازہ سے' کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد گھر سے نکلنے سے منع کرنا تھا' کسی معین دروازے سے نکلنے سے منع کرنا نہ تھا' الا یہ کہ اس معین دروازے میں کوئی ایسی خاص بات ہو جو اس کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہو تو پھر حکم اسی دروازے ہی کے ساتھ خاص ہو گا۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ان الفاظ سے اس کا ارادہ طلاق اور تحریم ہی کا ہے تو اس حالت میں اگر وہ اس دروازے سے یا گھر کے کسی بھی دروازے سے نکل جائے تو اسے طلاق ہو جائے گی اور اس کا شوہر مظاہر (ظہار کرنے والا) ہو گا' لہٰذا جب اسے طلاق ہو جائے اور اس سے پہلے شوہر نے اسے دو طلاقیں نہ دی ہوں تو اسے رجوع کا حق ہے' لیکن اس وقت تک وہ بیوی کے قریب نہیں جا سکتا جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کر دے' اور وہ یہ کہ ایک (مومن غلام) گردن کو آزاد کرے' اگر وہ موجود نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

یاد رہے اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہو گا کہ وہ عورت اسی معین دروازے سے نکلی ہے یا گھر کے کسی اور دروازے سے کیونکہ الفاظ سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے' حتیٰ کہ اگر وہ دیوار پھلانگ کر نکل جائے تو پھر بھی یہی حکم ہو گا' الا یہ کہ اس معین دروازے میں کوئی ایسی خاص بات ہو جو تخصیص کا درجہ رکھتی ہو تو اس صورت میں کسی دوسرے دروازے سے باہر نکلنے کی صورت میں نہ عورت کو طلاق ہو گی اور نہ مرد کے لیے ظہار ثابت ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

طلاق میں مشروط' شرط کا تابع ہے

سوال ایک شخص نے غصے کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم آج یا کل سے اپنے آپ کو مطلقہ سمجھو اور اس سے اس کا ارادہ اس دن سے تھا جس دن وہ عدالت میں اپنے طلاق کے کیس کو پیش کرے گا' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب غصے کی حالت انسان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب کوئی چیز اسے بھڑکانے اور اس کے اعصاب کو انگیخت

کرنے (ابھارنے) والی ہو اور ایک شخص نے جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمایئے' آپ نے فرمایا:

«لاَ تَغْضَبْ»(صحیح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٦)

"غصے نہ ہوا کرو۔"

آپ نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی کہ "غصے نہ ہوا کرو۔" نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ غصہ آگ کا ایک ایسا انگارہ ہے' جسے شیطان انسان کے دل پر پھینکتا ہے' غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پانے والے شخص کی تعریف کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ» (صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح:٢٦٠٩)

"بہادر وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے' بلکہ بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"

ان احادیث کے پیش نظر انسان کو چاہیے کہ جب وہ غصے کو محسوس کرے تو اس چیز کو استعمال کرے جو اس کے غصے کو ختم کر دے' مثلاً: اس حالت میں وہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے' چنانچہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ دو آدمیوں نے نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک دوسرے کو گالیاں دیں ان میں سے ایک بے حد غضب ناک تھا' غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ اور اس کی رگیں پھولی ہوئی تھیں' نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو فرمایا:

«إِنِّي لأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ ذَا عَنْهُ، أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح:٦١١٥ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب ... الخ، ح:٢٦١٠ واللفظ له)

"میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ یہ اگر اسے کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے' وہ کلمہ ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔"

نبی ﷺ کے اس ارشاد کو سننے والا ایک شخص اس کے پاس آ کر کہنے لگا: کیا تجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ابھی کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا نہیں' مجھے معلوم نہیں' اس نے اسے بتایا کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اگر اسے کہہ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے' وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" ہے' لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور جلد بازی سے کوئی ایسا کام نہ کرے' جس کا انجام اچھا نہ ہو' اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ غصے کی حسب ذیل تین حالتیں ہوتی ہیں:

① غصہ اس قدر شدید ہو کہ آدمی کو کچھ معلوم نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' اس حالت میں اس کی باتوں کے لیے کوئی حکم نہیں ہے خواہ ان باتوں کا تعلق طلاق سے ہو یا' ظہار سے یا' ایلاء وغیرہ سے کیونکہ اس حالت میں وہ عقل و شعور کے فقدان میں مبتلا ہوتا ہے۔

② غصہ معمولی ہو' انسان کا اپنے آپ پر قابو ہو' وہ حسب ارادہ تصرف کا مالک ہو تو اس حالت میں وہ طلاق وغیرہ کے

جو الفاظ بھی استعمال کرے گا وہ نافذ ہوں گے۔

③ ان دونوں کے درمیان کی حالت' جس میں انسان کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' لیکن غصے کی شدت کی وجہ سے اسے اپنے آپ پر قابو نہیں ہوتا' لہٰذا وہ طلاق' ظہار' یا ایلاء وغیرہ کے الفاظ زبان سے ادا کر دیتا ہے' اہل علم کی رائے ہے کہ اس حالت میں اس کی بات معتبر ہے لہٰذا اس حالت میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق نافذ ہو جائے گی' بعض اہل علم کے بقول اس حالت میں اس کی بات ناقابل اعتبار ہے' لہٰذا اس کی طلاق نافذ اور واقع نہ ہو گی' یہی قول اقرب الی الصواب ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ طَلاَقَ فِي إِغْلاَقٍ»(تلخيص الحبير: ٣/ ٢١٠)

''جبر کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سائل نے اگر حالت غضب میں ایسے الفاظ کہے ہیں' جو طلاق کا تقاضا کرتے ہیں' تو اگر اس حالت میں اسے اپنے آپ پر قابو نہیں تھا تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔

سائل نے اپنی بیوی سے جو یہ کہا کہ تو اپنے آپ کو آج یا کل سے مطلقہ سمجھ اور اس سے اس کا مقصود وہ دن تھا جس میں وہ آئندہ عدالت میں طلاق کے کیس کو پیش کرے گا تو جب وہ صورت رونما ہو جائے' جس کے ساتھ اس نے طلاق کو مشروط قرار دیا' تو طلاق واقع ہو جائے گی' کیونکہ مشروط' شرط کے تابع ہوتا ہے اور جب شرط پائی جائے تو مشروط بھی موجود ہوتا ہے۔

اور اگر اس کی نیت شرط کی نہیں تھی' بلکہ نیت یہ تھی کہ مستقبل میں اس دن وہ طلاق دے دے گا تو اسے چاہیے کہ طلاق کو چھوڑ دے' طلاق نہ بھی دے تو کوئی حرج نہیں' اس سے اس کی بیوی کو طلاق نہ ہو گی کیونکہ طلاق کی نیت کرنے والے اور طلاق کو شرط کے ساتھ معلق قرار دینے والے میں فرق ہے' نیت کرنے والے کی بیوی کو طلاق اس وقت ہو گی جب وہ طلاق کے الفاظ زبان سے ادا کرے گا یا' کوئی ایسی صورت اختیار کرے' جو الفاظ کے حکم میں ہو' اور اگر وہ اسے شرط کے ساتھ معلق قرار دے تو جب شرط پائی جائے طلاق واقع ہو جائے گی' الا یہ کہ طلاق قسم کے حکم میں ہو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی' بلکہ قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور وہ ہے: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا' یا انہیں کپڑے پہنانا' یا گردن آزاد کرنا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو' یا مساکین و غلام موجود نہ ہوں تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھنا واجب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

''اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا' لیکن پختہ قسموں پر(جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے' جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھالو(اور اسے توڑ دو۔)''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روزوں کے سلسلہ میں تسلسل کی بھی شرط لگائی ہے کیونکہ ان کی قراءت میں ہے:

«فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَةٍ» (المائدة٥/٨٩)

"مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ہے۔"

طلاق قسم کے حکم میں اس وقت ہوتی ہے جب شرط سے مقصود کسی کام کے لیے زور دینا یا منع کرنا' یا تصدیق' یا تکذیب کرنا ہو۔ ہم مسلمان بھائیوں کو یہ بھی نصیحت کریں گے کہ وہ طلاق سے قسم کا کام لینے سے اجتناب کریں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

"جو شخص قسم کھانا چاہے وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

اور پھر اس لیے بھی اس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ بہت سے یا اکثر اہل علم طلاق معلق کو کسی حال میں بھی قسم کے حکم میں نہیں مانتے' بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب بھی وہ شرط پائی جائے گی جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو تو طلاق ہو جائے گی خواہ شرط سے مقصود قسم ہو یا محض شرط۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جس نے شرط پر طلاق کو معلق کیا پھر رجوع کر لیا

سوال اس شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے جو اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ جب تجھے حیض آئے اور پھر تو پاک ہو جائے تو تجھے طلاق ہے اور اس سے اس کا مقصود طلاق ہی ہو' لیکن بعد میں حیض آنے سے پہلے اس نے طلاق نہ دینے کا ارادہ کر لیا' تو کیا اگر اب وہ اسے روک لے تو یہ طلاق ہو گی یا نہیں؟ اور اگر وہ معلق طہر کے بعد اسے نہ روکے تو کیا یہ طلاق ہو گی یا نہیں؟

جواب یہ محض شرط پر معلق طلاق ہے' اس سے مقصود برانگیختہ کرنا یا منع کرنا نہیں ہے' لہذا وجود شرط سے طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ ہے حیض کے بعد کی حالت طہارت اور اس شرط کے حصول کے بعد رجوع صحیح نہیں ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا طلاق معلق غیر اللہ کی قسم ہے؟

سوال طلاق معلق کے بارے میں اگرچہ کئی فتوے موجود ہیں لیکن افسوس پھر بھی کئی لوگ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے کے عادی ہو گئے ہیں' مثلاً: ایک دوسرے سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تو میرے گھر نہ آئے یا میرے پاس کھانا نہ کھائے تو میری بیوی کو طلاق۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی' اسے قسم سمجھا جائے گا' لہذا اس کا کفارہ دینا ہو گا' تو سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ قسم ہے؟ لیکن قسم تو غیر اللہ کی جائز نہیں' بلکہ شرک ہے تو غیر اللہ کے نام کی اور گناہ میں مبتلا کر دینے والی اس قسم کا کفارہ کیسے؟

جواب جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ شرط کے ساتھ معلق طلاق' جب کہ اس سے مقصود منع کرنا' یا روکنا' یا پابند کرنا ہو تو یہ قسم ہے' انہوں نے در حقیقت یہ کہا ہے کہ یہ قسم کے حکم میں ہے' قسم نہیں ہے اور غیراللہ کے نام کی جس قسم سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ قسم ہے جو صیغہ قسم 'واؤ' یا 'با' یا 'تا' کے ساتھ ہو مثلاً جس طرح 'واللہ' 'باللہ' اور 'تاللہ' کہہ کر قسم کھائی جاتی ہے' اس طرح غیراللہ کے نام کی قسم کھانا منع ہے جبکہ تحریم و تعلیق طلاق قسم کے حکم میں ہے' یہ اپنے صیغہ کے اعتبار سے قسم نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَۖ تَبۡتَغِي مَرۡضَاتَ أَزۡوَٰجِكَۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ۝١ قَدۡ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ أَيۡمَٰنِكُمۡۚ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال قرار دی ہے آپ اسے حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ کیا آپ اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تحریم کا نام قسم رکھا ہے' لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ اس طرح کی طلاق قسم ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ قسم کے حکم میں ہے' اس سے مراد وہ قسم نہیں ہے جس کے بارے میں منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی نہ کھائی جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

یہ طلاق واقع نہیں ہوئی

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے میرے مال میں سے میرے بیٹے کو پیسے دیے تو تجھے طلاق' میرا ان الفاظ سے مقصد یہ تھا کہ وہ میرے بیٹے کو پیسے نہ دے' کیونکہ وہ ان پیسوں کے ساتھ اپنی شادی کے موقع پر گانے بجانے والیوں کو لانا چاہتا تھا اور میں نے اپنے مالی حالات کی وجہ سے اس کی اس بات کو مسترد کر دیا تھا' میں نے اپنے وسائل کے مطابق اس کی شادی میں مقدور بھر تعاون کیا' لیکن جو چیزیں اصل شادی سے زائد ہیں یا تکملات شادی میں شامل ہیں میں ان پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا' الغرض مذکورہ بالا الفاظ کہنے سے میرا مقصود اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں تھا' امید ہے اس صورت حال میں اپنے فتویٰ سے نوازیں گے؟

جواب اگر آپ کا مقصد بیوی کو منع کرنا تھا کہ وہ آپ کے مال میں سے بیٹے کو کچھ بھی نہ دے اور آپ کا مقصود طلاق دینا نہ تھا تو بیٹے کو پیسے دے دینے کی صورت میں علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور بیوی پر توبہ کرنا واجب ہے' کیونکہ اس طرح کے امور میں اسے آپ کے حکم کی مخالفت اور نافرمانی کرنے کا کوئی حق حاصل نہ تھا بلکہ اس پر نیکی کے کام میں سمع و اطاعت (فرمانبرداری) واجب تھی۔ ہم آپ کو یہ وصیت بھی کریں گے کہ آئندہ اس طرح کی طلاق کے الفاظ استعمال نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

طلاق کے ساتھ قسم کھانا

طلاق کے لفظ کے استعمال میں تساہل روا نہیں ہے

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میرے گھر سے نکل کر اپنے والد کے گھر گئی اور وہاں سوئی تو مجھ پر طلاق دینا لازم ہو گا' یہ میں نے اس لیے کہا کہ ہمارے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا لیکن یہ کہنے کے باوجود میری بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی' لیکن پڑوسی اسے اسی دن لے کر میرے گھر آگئے اور وہ اپنے والد کے گھر نہ سوئی' بلکہ اس رات میرے گھر میں ہی سوئی تو سوال یہ ہے کیا اس صورت میں یہ قسم ہو گی اور مجھے کیا کرنا چاہیے تاکہ مجھے قسم کی وجہ سے گناہ نہ ہو؟

جواب آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے میں قارئین بلکہ تمام مسلمان بھائیوں سے یہ امید کروں گا کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کریں اور طلاق کے لفظ کے استعمال میں تساہل سے کام نہ لیں' کیونکہ اس کا معاملہ بہت عظیم اور خطرناک ہے' لہٰذا جب وہ قسم کھانا چاہیں تو اللہ کے نام کی قسم کھائیں یا خاموش رہیں' طلاق کے ساتھ قسم کے حکم کے بارے میں خواہ وہ بیوی پر ہو یا کسی اور چیز پر' اہل علم کا اختلاف ہے' اکثر کے نزدیک یہ طلاق ہے اور قسم نہیں ہے' لہٰذا قسم ٹوٹنے کی صورت میں بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

کچھ دیگر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ طلاق کے ساتھ قسم سے اگر مقصود قسم ہو تو یہ قسم ہو گی اور اگر اس سے مقصود طلاق ہو تو طلاق ہو گی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔"

یہ سائل جس نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے والد کے گھر جا کر سوئی تو تجھے طلاق ہے' اگر اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ تاکید کے ساتھ اپنی بیوی کو گھر سے نکلنے سے منع کرنا چاہتا تھا تو اس سے طلاق واقع نہ ہو گی خواہ وہ گھر سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اگر وہ گھر سے نکل جائے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا جو کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک گردن کا آزاد کرنا ہے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

اگر سائل کا مقصد ان الفاظ سے طلاق تھا تو عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر گھر سے باہر نہ نکلے تو طلاق نہیں ہو گی یا گھر سے نکلے اور پھر واپس لوٹ آئے اور گھر میں نہ سوئے تو پھر بھی طلاق نہیں ہو گی اور اگر یہ آخری طلاق ہو تو پھر یہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہ ہو گی حتی کہ یہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

طلاق کے ساتھ قسم کھائی لیکن مقصد طلاق نہ تھا

سوال میں نے چھوٹے بھائی کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں طلاق کے ساتھ قسم کھائی' لیکن وہ میری اس قسم کے باوجود گھر سے نکل گیا' طلاق کے ساتھ قسم کھاتے وقت میرا مقصود طلاق نہ تھا بلکہ محض اسے ڈرانا تھا اور اس وقت میں بہت غصے کی حالت میں بھی تھا لیکن جب غصہ ختم ہوا تو میں نے بھائی کو معاف کر دیا' امید ہے کہ آپ فتویٰ عطا فرمائیں گے کہ طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو سلامت رکھے!

جواب اے سائل! اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ بھائی کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں آپ کا قصد طلاق کا نہ تھا بلکہ آپ اسے منع کرنا اور ڈرانا چاہتے تھے تو علماء کے زیادہ صحیح قول کے مطابق آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے' اس سے آپ کی بیوی کو طلاق نہیں ہو گی۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک گردن کا آزاد کرنا ہے اور عدم استطاعت کی صورت میں تین دن کے روزے رکھنا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہوئی یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اپنے آپ کو کسی چیز سے روکنے کے لیے طلاق کے ساتھ قسم کھانا

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میری ایک لڑکی سے منگنی ہو چکی ہے' مگر ابھی تک شادی نہیں ہوئی' میں بعض گناہوں میں مبتلا تھا اور اپنے نفس کو ان گناہوں سے باز رکھنے کے لیے قسم طلاق کھا لیتا تھا تاکہ میں ان گناہوں کا ارتکاب نہ کروں اور اپنے آپ کو ان سے باز رکھنے پر آمادہ کروں' یعنی اس قسم سے میرا مقصد اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں تھا لیکن میں نے اس طرح کی قسم طلاق کئی بار کھائی' مگر شہوت کی شدت اور ارادہ کی کمی کی وجہ سے میں پھر ان گناہوں میں مبتلا ہو جاتا تھا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی اور مجھے توبہ کی توفیق بخشی' سوال یہ ہے کہ اس صورت حال میں کیا حکم ہے؟ کیا اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ نے جو ذکر کیا ہے یہ طلاق کی وہ قسم ہے جو کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ معلق ہوتی ہے اور اس سے مقصود اپنے آپ کو کسی چیز سے روکنا ہوتا ہے' طلاق دینا مقصود نہیں ہوتا' لہٰذا اس صورت میں (قسم کے برعکس) کچھ کرنے یا نہ کرنے پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے' مثلاً: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس نے سگریٹ پیا تو اس پر طلاق ہے' یا اگر اس نے فلاں شخص سے بات کی تو اس پر طلاق ہے اور اس سے مقصود سگریٹ نوشی اور فلاں شخص سے گفتگو سے اپنے

آپ کو روکنا ہو اور طلاق دینا مقصود نہ ہو تو یہ طلاق نہیں بلکہ قسم ہو گی۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال نہ کرے' کیونکہ بہت سے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی خواہ طلاق دینا مقصود نہ بھی ہو اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْحَلاَلَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لاَ يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح: ٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح: ١٥٩٩ واللفظ له)

"حلال واضح ہے' اور حرام بھی واضح ہے' اور ان کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں' جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے لیکن جو شخص ان مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔"

—— شیخ ابن باز ——

عورت پر اپنے شوہر کی اطاعت واجب ہے

سوال آٹھ سال قبل میں نے اپنی بیوی کے میری بھابھی کے ساتھ ملاقات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافات کو ختم کرنے کے لیے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر تو آئندہ میرے بھائی کے گھر گئی تو تجھے طلاق اور میرا اس سے مقصود زجر و توبیخ اور اسے ڈرانا ہی تھا' اسے واقعی طلاق دینا نہیں تھا' بہرحال میری بیوی نے اس کی پابندی کی اور وہ میرے بھائی کے گھر نہیں گئی حتی کہ ایک ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جس نے میری بیوی کو بھائی کے گھر جانے پر مجبور کر دیا اور وہ یہ کہ میں بیرون ملک تھا کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور عورتوں کے لیے تعزیت کی جگہ میرے بھائی کا گھر تھا' لہٰذا میری بیوی کسی دوسرے مسئلہ سے قطع نظر تعزیت کے لیے میرے بھائی کے گھر چلی گئی اور جب میں وطن واپس آیا تو اس نے مجھے یہ صورت بتا کر کہا کہ اس کے بارے میں علماء کرام سے فتویٰ طلب کرو' لہٰذا امید ہے کہ حسب ذیل سوالات کے جوابات عطا فرمائیں گے:

1. کیا اس صورت میں میری بیوی کو بھائی کے گھر جانے کے وجہ سے گناہ ہو گا؟
2. میں نے جب طلاق کے ساتھ قسم کھائی تھی تو اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟
3. اس صورت میں میری بیوی کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو اس سے آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہو گی' کیونکہ آپ کا مقصد بیوی کو اپنے بھائی کے گھر جانے سے منع کرنا تھا اسے طلاق دینا مقصود نہ تھا' لہٰذا علماء کے صحیح قول کے مطابق یہ طلاق نہیں' بلکہ یہ قسم ہے اور آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور اگر آپ کا مقصد اس سے طلاق ہی تھا تو اس سے ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور آپ کو عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہو گا بشرطیکہ آپ نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو دو طلاقیں نہ دی ہوں اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو تو پھر نئے نکاح اور اس کی معتبر شرطوں کے بغیر یہ آپ کو حلال نہ ہو گی بشرطیکہ آپ نے اس سے پہلے اسے دو طلاقیں نہ دی ہوں' جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ آپ کی بیوی آپ کی اجازت کے بغیر جو آپ کے بھائی کے گھر گئی تو اسے توبہ کرنی چاہیے نیز ہم آپ کو یہ بھی وصیت کریں گے کہ طلاق خواہ معلق ہو یا مؤجل اس کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لیں' طلاق صرف اس وقت دیں جب یہ ناگزیر اور شرعی مصلحت کا تقاضا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے حالات کی اصلاح فرمائے۔

شیخ ابن باز

طلاق کے ساتھ قسم سے طلاق واقع نہیں ہوتی..........

سوال آنجناب کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے' جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو طلاق کے ساتھ تین بار قسم دی تاکہ وہ کوئی کام کرے' لیکن اس نے یہ کام نہیں کیا تو کیا اس کی یہ قسم اس کی بیوی پر نافذ ہو گی اور اگر وہ اس قسم کو پورا نہ کرے تو اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب جب کوئی انسان طلاق کے ساتھ تین بار قسم کھائے کہ فلاں شخص کو یہ کام کرنا چاہیے مثلاً: یوں کہے کہ اگر فلاں نے بات کی تو مجھ پر تین طلاقیں واجب ہوں گی یا یوں کہے کہ تو فلاں قسم کا ولیمہ کر ورنہ مجھ پر تین طلاقیں ہوں گی یا یوں کہے کہ تو فلاں عورت سے شادی کر ورنہ مجھ پر تین طلاقیں ہوں گی وغیرہ' تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس انسان کا ان الفاظ سے کیا مقصد ہے اگر اس کا مقصد تاکید ہے اور طلاق نہیں ہے تو یہ قسم کے حکم میں ہو گا اور اس قسم کا کفارہ واجب ہو گا جو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا انہیں کپڑے دینا ہے یا پھر تین دن کے روزے رکھنا ہے اور اگر اس کا اس سے مقصود طلاق ہی ہو تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق ایک طلاق واقع ہو جائے گی' اور اگر اس نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو دو طلاقیں نہ دی ہوں تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔

شیخ ابن باز

نکاح ختم کرنا

سوال میرا تعلق ایک غیر اسلامی ملک سے ہے' میری ایک بہن ہے جسے اس کے شوہر نے ایک طویل عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے اور وہ دیگر امور اور حکومت کو فیس ادا کرنے کے خوف سے اسے طلاق بھی نہیں دیتا' اسی طرح ہم بھی اس مسئلہ کو عدالت میں نہیں لے جانا چاہتے' کیونکہ عدالت غیر اسلامی ہے اور اس میں عورت کے احترام کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا' سوال یہ ہے کہ اگر وہ طلاق نہ دے تو کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ نکاح فسخ کر کے کسی اور آدمی سے اس کی شادی کر دیں؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ شوہر کے لیے یہ حرام ہے کہ وہ اپنی بیوی کو معلق رکھے کہ وہ نہ منکوحہ ہو اور نہ مطلقہ' لہٰذا اس پر واجب ہے کہ وہ طلاق دے دے جب کہ شوہر کے گھر والے اس معاملہ کو عدالت میں نہ لے جانا چاہتے ہوں اور اس میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں اور بالفرض اگر وہ معاملہ عدالت میں لے جائیں اور عدالت کچھ مال ادا کرنے کے لیے مجبور کرے تو اس عورت سے عقد نکاح کی وجہ سے اسے ہر اس چیز کی پابندی کرنی پڑے گی جو عدالت اس پر عائد کرے' خواہ وہ مظلوم ہی کیوں نہ ہو اور اگر وہ اپنے واجب کو ادا کرے' اس عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اسے اپنے اختیار سے طلاق دے دے تو یہ امر مطلوب ہے' ورنہ اس کی بیوی کو نکاح ختم کرنے کے مطالبہ کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

شیخ ابن عثیمین

یہ فسخ ہے طلاق نہیں

سوال میں ایک شادی شدہ عورت تھی' تین سالوں میں میرے ہاں دو بچے پیدا ہوئے' پھر ہمارے ہاں غلط فہمی پیدا ہو گئی جس وجہ سے شوہر نے مجھے چھوڑ دیا اور ہمارے ہاں جدائی پیدا ہو گئی' مگر اس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اس طرح چھ سال کا عرصہ گزر گیا' پھر میں نے عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا مگر وہ عدالت میں حاضر نہیں ہوا' البتہ اس کا والد حاضر ہوا اور عدالت نے ہمارے درمیان تفریق کرا دی' لہٰذا میرا سوال یہ ہے کہ:

① کیا یہ شرعی طلاق شمار ہو گی اور عدالت کی طرف سے حکم صادر ہونے کی تاریخ سے عدت شمار ہو گی یا کیا صورت ہو گی؟

② کیا میرے شوہر پر مذکورہ معلقہ مدت چھ سال کا نفقہ واجب ہو گا؟

جواب عدالت نے یہ جو فیصلہ کیا ہے یہ طلاق شمار نہیں ہو گا بلکہ یہ فسخ نکاح ہو گا' الا یہ کہ قاضی کی طرف سے طلاق کا لفظ صادر ہو تو یہ طلاق ہو گا اور عدت کا فیصلہ صدور حکم سے ہو گا' اس وقت سے نہیں جب اسے تفریق کا علم ہوا۔ نفقہ کے بارے میں یہ ہے کہ جب آپ عدالت سے نفقہ کا مطالبہ کریں تو عدالت آپ دونوں میں نفقہ کا فیصلہ کر دے گی' اگر سبب بیوی ہو تو پھر اس مدت میں اسے چھوڑ دینے کی وجہ سے شوہر کو کوئی گناہ نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

طلاق سے رجوع کے احکام

رجعت اور اس کی شرائط کا حکم

سوال ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق سنت دی' پھر اسے طلاق نامہ بھی دے دیا اور اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے کیا عورت کی رضامندی کے بغیر جبر سے بھی رجوع ہو سکتا ہے یا رجوع عورت کی رضامندی پر موقوف ہے' کیا رجوع کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں؟ فتویٰ عطا فرمائیں۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو شوہر کو رجع کا حق حاصل ہے بشرطیکہ وہ عورت عدت میں ہو اور دو عادل گواہ موجود ہوں خواہ بیوی راضی ہو یا نہ' اور اگر عدت ختم ہو گئی ہو یا بیماری میں ہو اور یہ تیسری طلاق نہ ہو تو اسے عورت کی رضامندی سے نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ رجوع کا حق حاصل ہے' اور دونوں صورتوں میں یہ ایک طلاق شمار ہو گی اور اگر یہ تیسری طلاق ہو تو پھر یہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہو گی جب تک یہ کسی دوسرے شوہر سے شرعی نکاح نہ کرے' اور وہ اس سے مقاربت بھی کر لے اور جب یہ دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو پھر یہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی' وہ عدت ختم ہونے کے بعد نئے عقد اور نئے مہر کے ساتھ عورت کی رضامندی سے اس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے خواہ عورت مطلقہ ہو یا اس کا شوہر فوت شدہ ہو' اس غیر حاملہ کی عدت جس کا شوہر فوت شدہ ہو چار ماہ دس دن ہے اور اگر مطلقہ ہو اور حیض آتا ہو تو عدت تین حیض ہے اور اگر بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا حیض کی عمر سے چھوٹی ہو تو عدت تین ماہ ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

رجوع کی کیفیت

سوال ادارات بحوث علمیہ وافتاء کے رئیس عام سے یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ریاض کی سپریم کورٹ کے قاضی کے سامنے ایک طلاق دی اور پھر دو گواہوں کی موجودگی میں رجوع کر لیا تو کیا اس کا یہ رجوع صحیح ہے؟

جواب اگر مذکورہ رجوع اس وقت ہوا جب عورت ابھی تک عدت میں تھی اور اس طلاق سے پہلے یا بعد میں دو طلاقیں اور نہیں دی گئیں تو وہ اپنے اس شوہر کی عصمت میں ہے اور اگر رجوع کی تاریخ سے پہلے عدت ختم ہو گئی تھی یا اس طلاق سے پہلے یا بعد میں اس نے اسے اگر دو طلاقیں اور دی ہیں تو پھر وہ اس شوہر کی عصمت سے خارج ہو گئی ہے اور دوسرے شوہر سے شادی کیے بغیر وہ اس شوہر کے لیے حلال نہیں۔ وباللّٰه التوفیق' وصلی اللّٰه علی محمد وآله وصحبه۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

سنت یہ ہے کہ گواہوں کے ساتھ رجوع کیا جائے

سوال میں ایک معمولی کام کی وجہ سے اپنی بیوی سے بہت سخت غصے ہوا اور جب غصہ دور ہوا تو میری بیوی نے مجھے بتایا کہ میں نے اسے غصے کی حالت میں ایک طلاق دے دی ہے' میں نے بیٹھ کر یاد کرنا شروع کر دیا کہ کیا میں نے اسے طلاق دی ہے یا نہیں' لیکن اس کے بارے میں مجھے مکمل طور پر یاد نہیں اور بیوی کو طلاق دینے کی میری کوئی نیت بھی نہ تھی' مگر زبان لغزش کھا گئی' قصد و ارادہ کے بغیر غصہ غالب آ گیا اور چونکہ مجھے یہ بھی اعتماد تھا کہ میری بیوی نے جھوٹ نہیں بولا' لہٰذا میں نے اسی وقت رجوع کر لیا' لیکن رجوع کے لیے کسی کو گواہ نہیں بنایا بلکہ اس سے میں نے یہ کہہ دیا کہ اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے اور پھر بعد میں حسب معمول زندگی بسر کرنا شروع کر دی اور اب جب کہ اس بات پر ایک وقت گزر چکا ہے' طرح طرح کے وسوسے دامن گیر ہیں' لہٰذا امید ہے کہ آپ فتویٰ سے سرفراز فرمائیں گے کہ کیا مذکورہ حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ اور اگر طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا مذکورہ طریقہ سے میرا رجوع کرنا صحیح ہے' نیز اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟ یاد رہے کہ یہ ایک رجعی طلاق تھی اور عدت کی مدت ختم ہو چکی ہے؟

جواب مراجعت صحیح ہے بشرطیکہ عدت کے اندر واقع ہوئی ہو اور سنت یہ تھی کہ آپ دو گواہوں کو بھی اس پر شاہد ٹھہرا لیتے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَٰدَةَ لِلَّهِ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۲)

"پھر جب وہ اپنی معیاد (یعنی انقضائے عدت) کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو اچھی طرح سے زوجیت میں رہنے دو یا اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور (گواہو) اللہ کے لیے درست گواہی دینا۔"

اہل علم نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ طلاق و رجعت کے لیے گواہی مشروع ہے۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اسی

میں ہے کہ آپ اسے طلاق شمار کریں اور اس کے واقع ہونے کا اعتبار کریں' کیونکہ آپ نے سوال میں کہا ہے کہ آپ کی بیوی نے آپ کو یہ یاد دلایا' اور آپ کو اس کی بات پر اعتماد ہے اور پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح: ٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح: ١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچالیا۔"

نیز آپ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها، ح: ٢٥١٨ والنسائي، في السنن الكبرى، الأشربة، الحث على ترك الشبهات، ح: ٥٢٢٠)

"جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔"

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کے بعد گواہی یا عدالت سے رابطہ کے بغیر رجوع'

سوال میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی بار طلاق دے دی تھی' اس نے گھر نہ چھوڑا اور پھر اس کے بعد بھی ہم اکٹھے رہے اور اس سلسلہ میں ہم نے کسی عالم دین یا عدالت کی طرف رجوع بھی نہیں کیا' ہمارے اس رجوع پر کوئی گواہ بھی نہیں تھا' کیا ہمارا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب ہاں مرد جب اپنی بیوی سے جماع کے ساتھ رجوع کرلے' یا اس سے یہ کہے کہ "میں نے رجوع کرلیا ہے" یا یہ کہے کہ "میں نے تجھے روک لیا ہے" تو رجوع صحیح ہے۔ رجوع کی نیت سے اگر آدمی جماع کرلے یا بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجوع کرلیا ہے تو اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ طلاق صرف ایک یا دو ہوں اور اگر یہ آخری (تیسری) طلاق ہو تو پھر عورت حرام ہے تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔

——— شیخ ابن باز ———

گواہی کے بغیر بھی رجوع صحیح ہے

سوال ایک مرد نے ایک عورت سے شادی کی' پھر کچھ مدت بعد اسے طلاق دے دی اور پھر گواہوں کے بغیر رجوع کرلیا تو بیوی نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا کہ کہیں حرام ہی نہ ہو لیکن شوہر نے بتایا کہ اس نے اس پر اللہ کو گواہ بنالیا ہے اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے تو کیا اس طرح رجوع کرنا جائز ہے؟

جواب مرد جب اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلے تو رجوع صحیح ہے اور اس طرح بیوی دوبارہ اس کی عصمت میں آجائے گی۔ رجوع پر گواہی کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے' بعض نے اسے واجب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے سنت کہا ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے' لہٰذا شوہر جب عدت کے اندر رجوع کرلے تو بیوی دوبارہ اس کی عصمت میں آجائے گی خواہ وہ اس پر گواہ بنائے یا نہ بنائے لیکن مراجعت گواہی سے ہی مکمل ہوگی۔ عورت نے اپنے شوہر کو جو اس سے ڈرایا کہ کہیں یہ حرام ہی نہ ہو تو میں اسے یقین

دلاتا ہوں کہ یہ ان شاء اللہ حرام نہیں ہے' اور آدمی نے جو یہ کہا کہ میں نے اس پر اللہ کو گواہ بنالیا ہے تو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ بنائیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مراجعت کے لیے معیار عدت ہے' زمانہ نہیں

سوال میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر تین ماہ بیس دن بعد رجوع کر لیا' میرے رجوع کے بعد اسے حمل قرار پایا اور اس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ کیا اس صورت میں مجھ پر کوئی کفارہ ہے؟

جواب اس عمل میں کوئی کفارہ تو نہیں ہے' ہاں البتہ یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ اگر مراجعت عدت ختم ہونے سے پہلے ہے تو صحیح ہے کیونکہ عورت بسا اوقات تین ماہ بیس دن یا اس سے بھی زیادہ دن گزارنے کے باوجود ابھی تک عدت ہی میں ہوتی ہے کیونکہ جس عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت تین حیض ہے اور بعض عورتوں کو دو ماہ بعد حیض آتا ہے' اس صورت میں اس کی عدت چھ ماہ میں مکمل ہو گی۔

اگر مراجعت عدت مکمل ہونے کے بعد یعنی تین حیضوں کے بعد ہوئی ہے تو پھر صحیح نہیں ہے' کیونکہ عدت مکمل کرنے کے بعد عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبی بن جاتی ہے اور عقد جدید کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہوتی اور اگر امر واقع اسی طرح ہے تو پھر آپ کو اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر آپ کی تین ماہ بیس دن کے بعد کی مراجعت عورت کو تین بار حیض آنے سے پہلے ہوئی ہے تو یہ عورت آپ کی بیوی اور اس سے مراجعت صحیح ہے اور اگر مراجعت عدت مکمل ہونے کے بعد ہوئی ہے تو پھر یہ مراجعت صحیح نہیں اور یہ عورت آپ کی بیوی نہیں ہے' لہٰذا گواہوں کی موجودگی میں' نئے مہر کے ساتھ' ولی کی اجازت سے دوبارہ نکاح کرنا ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نئے نکاح سے رجوع کرے

سوال میرے والد نے اپنی بیوی سے اختلاف ہونے کی صورت میں غصے کی حالت میں ایک طلاق دے دی تھی جسے اب دو سال گزر چکے ہیں' اب اگر وہ رجوع کرنا چاہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر یہ پہلی طلاق تھی اور اس سے پہلے اور کوئی طلاق نہیں دی تھی تو نئے نکاح کے ساتھ رجوع کیا جا سکتا ہے' نئی منگنی کرنی ہو گی' نیا نکاح کرنا ہو گا' دونوں کی رضامندی سے نیا مہر مقرر کرنا ہو گا اور یہ ایک طلاق شمار ہو گی اور اس کے بعد اس کے لیے صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ جائے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

تیسری طلاق سے عورت اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی ہے

سوال ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی' پھر اپنے ملک سے باہر چلا گیا اور پردیس میں قریباً ایک سال بسر کرنے کے بعد وہ جب واپس آیا تو اس عورت نے ابھی تک نکاح نہیں کیا تھا' لہٰذا اس نے اس سے دوبارہ نکاح کر لیا اور وہی

عورت اس کے پاس آگئی حالانکہ اس نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تھا؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے بشرطیکہ ولی کی اجازت سے' دو عادل گواہوں کی موجودگی میں اور عورت کی رضامندی سے ہوا ہو' کیونکہ ایک طلاق سے عورت اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوتی' اسی طرح وہ دو طلاقوں سے بھی حرام نہیں ہوتی بلکہ تین طلاقوں سے حرام ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی صورت میں وہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ کسی اور سے شرعی نکاح نہ کرے اور وہ اس سے مقاربت بھی کرے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلطَّلَٰقُ مَرَّتَانِۖ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٖۗ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹)

"طلاق (جس کے بعد رجوع ہو سکتا ہے صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔"

اور فرمایا:

﴿ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥۗ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۰)

"پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔"

تمام اہل علم کے نزدیک آخری طلاق سے مراد تیسری طلاق ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

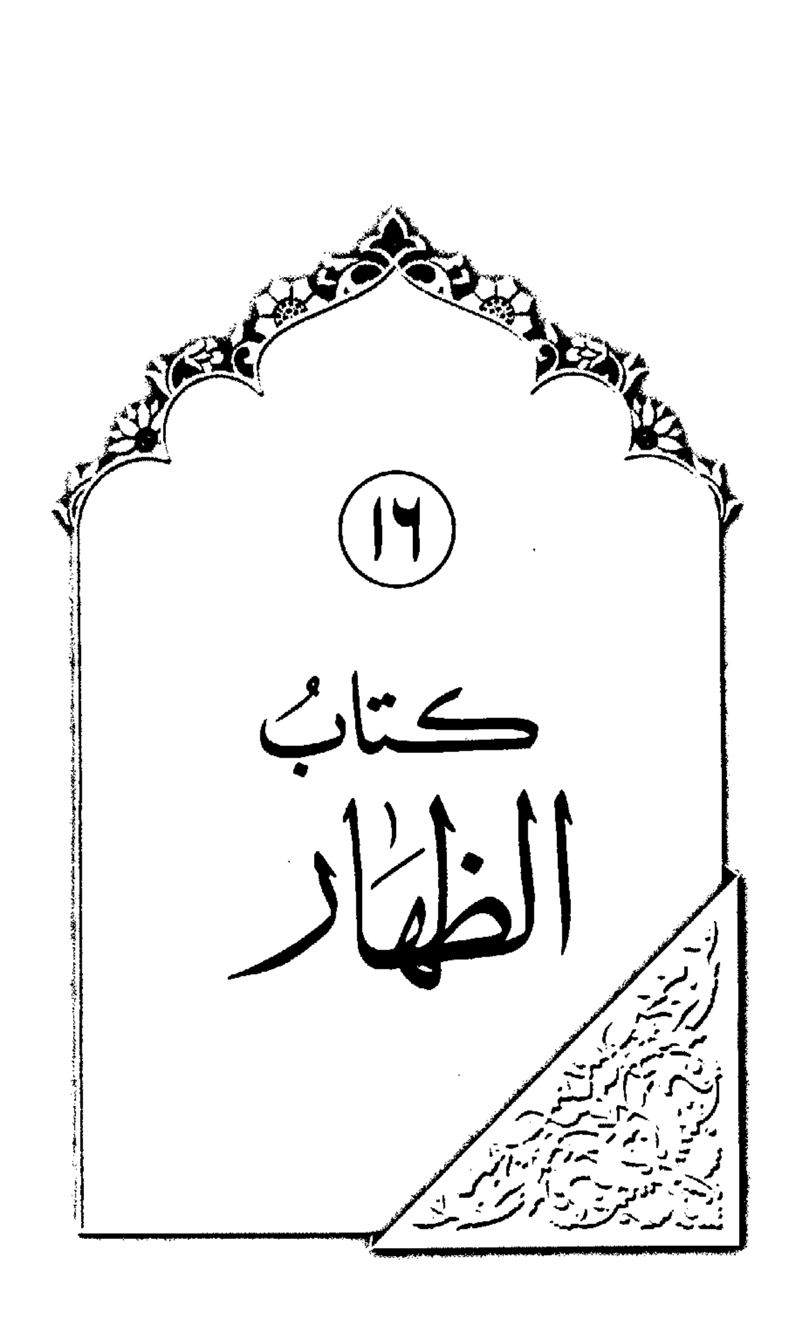
دوسرے شخص سے نکاح کے بغیر رجوع جائز نہیں

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی کو آخری طلاق دی اور اس پر چار سال گزر گئے' اور اب وہ عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ مگر محلل کے بغیر رجوع کرنا چاہتا ہے' تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو وہ اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اس وقت تک حلال نہیں' جب تک وہ کسی اور شخص سے (شرعی) نکاح نہ کر لے' اس سے مدت کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' یعنی خواہ وہ ایک گھنٹہ بعد یا کئی سالوں بعد رجوع کے لیے آمادہ ہو' یہ اس کے لیے حرام ہے کیونکہ یہ جتنی طلاقوں کا مالک تھا اس نے وہ استعمال کر لی ہیں' لہٰذا ضروری ہے کہ اب وہ کسی دوسرے شخص سے حلالہ کی صورت میں نہیں بلکہ شرعی نکاح کی صورت میں برضا و رغبت نکاح کرے اور پھر دوسرا شخص بھی کسی خفیہ منصوبہ بندی کے تحت نہیں بلکہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے تو پھر کوئی گناہ نہیں کہ یہ عقد جدید اور مہر جدید کے ساتھ رجوع کر لیں اور اگر طلاق رجعی یعنی ایک یا دو ہوں تو عدت کے اندر اندر بغیر عقد کے رجوع حلال ہے اور عدت گزرنے کے بعد نئے عقد و مہر اور عورت کی رضامندی حلال ہو گی۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

v.KitaboSunnat.com


١٦
كتابُ
الظهار

ظہار کے مسائل

عقد سے پہلے ظہار اثر انداز نہیں ہوتا

سوال ایک آدمی نے ایک عورت کو منگنی کا پیغام بھیجا مگر ابھی تک عقد نہیں کیا تھا اور پھر اس کے والد سے ناراضی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ "یہ عورت میری ماں اور میری بہن کی طرح حرام ہے"" پھر اس آدمی اور اس عورت کے والد کے درمیان صلح ہو گئی اور اس کی رضامندی سے مہر معین کے ساتھ عقد نکاح کر لیا' تو کیا شادی سے پہلے جو اس عورت کو حرام قرار دیا تھا اس کی وجہ سے اس پر کوئی چیز لازم ہوگی؟ اور اگر اس صورت میں کوئی کفارہ وغیرہ ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

جواب اس تحریم کا عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ یہ نکاح سے پہلے واقع ہوئی ہے' اس سے ظہار کا کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا کیونکہ یہ واقعہ اس عورت کے بیوی بننے سے پہلے کا ہے جسے اس نے اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے' ہاں البتہ اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَـٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَـٰنَكُمْ ﴿٨٩﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۷-۸۹)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو' یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

نیز ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم ۶۶/ ۱-۲)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے آپ اس کو حرام ٹھہراتے ہیں؟ (کیا آپ اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

لہٰذا جس شخص نے اس طرح حرام قرار دیا ہے اسے چاہیے کہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلائے جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ آدمی ہر مسکین کو نصف صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ دے یا دس مسکینوں کو کپڑے دے یا ایک (مسلمان) غلام آزاد کر دے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اپنی بیوی کو ماں بہن کی طرح حرام قرار دے لیا

سوال میرے شوہر نے مجھے قسمیہ طلاق دی اور کہا کہ تو مجھ پر میری ماں بہن کی طرح حرام ہے' لیکن بعد میں خوبیٔ قسمت سے ہم نے رجوع کر لیا' میں اس وقت سات ماہ کی حاملہ تھی' میرے گھر والوں نے میرے شوہر سے کہا کہ وہ وضع حمل سے پہلے تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے' اب میں نے دو ماہ ہوئے بچے کو جنم دے دیا ہے' میرے شوہر کے مالی حالات سازگار نہیں ہیں لیکن اس کی نیت ضرور ہے کہ وہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلائے گا مگر تاحال اس نے نہیں کھلایا' میں ایک مسلمان اور دین دار عورت ہوں' اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتی ہوں اور اس بات سے بھی بہت ڈرتی ہوں کہ کہیں میں اپنے شوہر کے ساتھ حرام زندگی تو بسر نہیں کر رہی' امید ہے ان مذکورہ حالات میں میری رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب آپ کے شوہر نے آپ کے لیے یہ جو الفاظ استعمال کیے ہیں یہ طلاق نہیں بلکہ ظہار ہے' کیونکہ اس نے یہ کہا ہے کہ تو میرے لیے میری ماں بہن کی طرح حرام ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے' ظہار ایک انتہائی نامعقول اور بے حد جھوٹی بات ہے' لہٰذا آپ کے شوہر کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیے نیز اس کے لیے آپ سے اس وقت تک جنسی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ یہ کام نہ کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ ظہار کے کفارہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُظَـٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ﴾ (المجادلة٥٨/ ٣۔٤)

''اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے' (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جو شخص اس کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔''

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کے بغیر اس کا آپ کے قریب آنا اور آپ سے مقاربت کرنا حلال نہیں' اور نہ آپ کے لیے حلال ہے کہ اس حکم الٰہی کی تعمیل سے قبل اسے اپنے قریب آنے دیں' اس کے گھر والوں کا یہ کہنا کہ وہ تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے' غلط ہے' کیونکہ جیسا کہ آپ نے سنا ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں ایک غلام آزاد کیا جائے' غلام نہ ملے تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جائیں' جس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو مہینوں میں ایک دن کے روزے کا بھی ناغہ نہ کیا جائے' الا یہ کہ بیماری یا سفر وغیرہ کی وجہ سے کوئی شرعی عذر ہو اور جب یہ عذر ختم ہو جائے تو باقی روزے رکھنا شروع کر دے اور اگر روزں کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ ساٹھ آدمیوں کا کھانا تیار کر

کے انہیں دعوت دے اور کھلا دے' یا دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں چاول یا کوئی جنس جسے لوگ کھاتے ہوں تقسیم کردے' گندم ایک مدفی کس اور اگر کوئی اور جنس ہو تو نصف صاع فی کس کے حساب سے تقسیم کر دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

صرف ایک ماہ کے لیے ظہار

سوال ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو ایک ماہ کے لیے میری ماں کی طرح ہے' جب مہینہ گزر گیا تو اس نے بیوی سے پھر سے تعلق استوار کر لیا' کیا اس صورت میں اس کے لیے ظہار کا کفارہ لازم ہو گا یا نہیں؟

جواب علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق اس طرح کی صورت میں ظہار کا کفارہ نہیں ہے جب کہ اس نے مذکورہ ماہ میں مقاربت نہ کی ہو' اس صورت کو ظہار موقت کہا جاتا ہے۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ ظہار کی تین قسمیں ہیں: (ا) منجز (۲) معلق اور (۳) مؤقت۔ ان میں سے پہلے کی مثال جس طرح یہ کہے کہ: "تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے" دوسرے کی مثال جس طرح یہ کہے کہ "جب رمضان یا شعبان شروع ہو گا یا فلاں شخص آئے گا تو' تو میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے" اور تیسرے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ: "تو ماہ رمضان میں میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہے" اس صورت میں اگر ماہ ختم ہو جائے اور وہ مقاربت نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ لازم نہ ہو گا کیونکہ اس میں اس نے اپنی بات کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ظہار کی ان قسموں کو ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المغنی" میں ذکر کر کے ان کے بارے میں اہل علم کا کلام ذکر فرمایا ہے' علاوہ ازیں دیگر اہل علم نے بھی ان قسموں کو بیان کیا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنی بیوی سے کہا کہ تو ایک سال کے لیے میرے لیے حرام ہے

سوال بحوث علمیہ و افتاء کی مستقل کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش ہوا ہے کہ ایک شخص کی بیوی اور اس کی بہو کا جھگڑا ہوا' جس کی وجہ سے غصہ کی حالت میں اس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ تو پورے ایک سال کے لیے میرے لیے حرام ہے' یہ سن کر اس کے بچے رونے لگ گئے' اس صورت میں اس کے لیے کیا لازم ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

"اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے تو یہ ظہار ہے' جس کی حرمت کو ایک سال کے لیے موقت کیا گیا ہے' لیکن یہ ایک انتہائی نامعقول اور جھوٹی (غلط) بات ہے' اسے اس منکرات کے ارتکاب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنی چاہیے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَآئِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَٰتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَٰتُهُمْ إِلَّا ٱلَّٰٓـِٔى وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ ٱلْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٢﴾ ﴾ (المجادلة۵۸/ ۲)

"جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں' وہ ان کی مائیں نہیں (بن جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

اگر سال مکمل ہو جائے اور یہ شخص مقاربت نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں اور اگر یہ دوران سال مقاربت کر لے تو پھر اس کے لیے ظہار کا کفارہ لازم ہو گا اور وہ یہ ہے کہ ایک مومن غلام آزاد کرے' اگر غلام نہ ملے تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں میں تیس صاع' یعنی نصف صاع فی مسکین کے حساب سے شہر میں جو خوراک کھجور یا چاول وغیرہ کھائے جاتے ہوں' تقسیم کرے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ذَٰلِكَ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٣۔٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں (یا بہن) کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضرور) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے۔ یہ (حکم) اس لیے ہے کہ تم اللہ اور رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

کفارہ کے بارے میں چند سوالات

سوال اگر ساٹھ مسکین موجود نہ ہوں تو: ﴿۱﴾ کیا سارا کفارہ ایک مسکین کو بھی دینا جائز ہے؟

﴿۲﴾ کیا اس ایک مسکین کو یہ سارا کفارہ ایک ہی دن میں دے دینا جائز ہے یا ساٹھ دن تک ایک مسکین فی دن کے حساب سے اسے دیا جائے؟

﴿۳﴾ نقدی یا کھانے کی صورت میں ایک مسکین کو دیے جانے والے کفارے کی مقدار کیا ہو گی؟

﴿۴﴾ کیا کفارے کی ادائیگی کے لیے قرض لینا اور وہ مسکینوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب ظہار کا یا رمضان میں دن کے وقت مباشرت کا کفارہ اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے بیان ہوا ہے' اس میں کسی قسم کا اختیار نہیں ہے' لہٰذا پہلے گردن آزاد کی جائے گی' اگر یہ نہ ملے تو پھر روزے رکھنا ہوں گے اور جو شخص روزے رکھنے سے بھی عاجز و قاصر ہو تو اسے مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا۔

﴿۲﴾ اگر ساٹھ مسکین موجود ہوں تو ضروری ہے کہ انہیں کھانا کھلایا جائے اور اگر ساٹھ موجود نہ ہوں تو جس قدر موجود ہوں انہیں کھانا کھلانا جائز ہے' مثلاً: اگر ساٹھ کے بجائے تیس مسکین ہوں تو انہیں دو دن کھانا کھلا دیا جائے' یا اگر ایک ہی مسکین ہو تو اسے ساٹھ دن کھانا کھلا دیا جائے اور اگر ساٹھ دن کھلانے میں دشواری ہو تو اسے سارا کفارہ ایک ہی دفعہ بھی دیا جا سکتا ہے۔

﴿۳﴾ انہیں دوپہر کا کھانا یا شام کا کھانا ایک ہی بار کھلا دے' یا انہیں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے معمول کے کھانے کے مطابق جو ایک رات کی خوراک کے لیے کافی ہو' اور اس کا اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع جنس دی

جائے' نیز ساتھ ہی سالن وغیرہ کے اخراجات بھی دیے جائیں۔

(۴) کفارہ ادا کرنے کے لیے قرض لینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ (لینے والا) فقیر ہو اور اسے اعتماد ہو کہ وہ اس قرض کو ادا کر دے گا اور اگر وہ عاجز ہو اور اسے قرض دینے والا بھی کوئی نہ ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کفارہ سے پہلے عورت کو چھونا جائز نہیں

سوال مصر میں قیام کے دوران میرے اور میری بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور سعودیہ کی طرف سفر سے پہلے میں نے ظہار کی قسم کھالی اور سعودیہ واپس آکر تھوڑی ہی مدت بعد مجھے پروگرام "نور علی الدرب" سننے کا اتفاق ہوا' جس سے معلوم ہوا کہ ظہار کا کفارہ متواتر ساٹھ دن کے روزے ہے اور اب جب کہ رمضان کی آمد ہے اور رمضان کے بعد مجھے پھر مصر جاکر اپنی بیوی کے ساتھ ڈیڑھ ماہ بسر کرنا ہے' کیونکہ وہ میرے ساتھ سعودیہ میں مقیم نہیں ہے' لہٰذا مصر میں اس کے ساتھ قیام کے دوران میرے لیے دو ماہ کے روزے رکھنا مشکل ہے' کیا میرے لیے روزے رکھنے سے قبل بیوی سے مباشرت جائز ہے جب کہ روزے میں سعودیہ میں واپس آکر رکھ لوں گا یا مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب جو شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے یا اسے حرام قرار دے لے' اس پر واجب ہے کہ بیوی کو چھونے سے پہلے ایک مومن غلام آزاد کرے' اگر اس سے عاجز ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اسے اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے' اپنے شہر میں کھجور یا چاول وغیرہ جو خوراک کھانے کا معمول ہو' وہ مسکین کو نصف صاع' یعنی تقریباً ڈیڑھ کیلو کے حساب سے دے دے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا۟ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَآسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ﴾ (المجادلة٥٨/ ٣۔٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے۔)"

اس مذکور ترتیب کے مطابق کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کے قریب جانا آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور آپ کے لیے آسانی پیدا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

عورت کا اپنے شوہر کو حرام قرار دینا ظہار نہیں

 جب کوئی عورت اپنے شوہر سے یہ کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو' تو مجھ پر میرے باپ کی طرح حرام ہے' یا عورت

اپنے شوہر پر لعنت بھیجے' یا شوہر اس عورت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے' یا صورت حال اس کے برعکس ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عورت اگر اپنے شوہر کو حرام قرار دے لے' یا اسے اپنے کسی محرم کے ساتھ تشبیہ دے تو یہ قسم کے حکم میں ہے' ظہار کے حکم میں نہیں ہے' کیونکہ قرآن کی نص سے یہ ثابت ہے کہ ظہار مردوں کی طرف سے عورتوں سے ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں عورت کو قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے جو یہ ہے کہ شہر میں معمول کی خوراک سے نصف صاع' جس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے' فی کس کے حساب سے دس مسکینوں کو دیا جائے' یا انہیں صبح یا شام کا کھانا کھلایا جائے' یا انہیں ایسے کپڑے دے دیے جائیں جن میں نماز ادا کی جا سکتی ہو تو یہ قسم کا کفارہ ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا' تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے' جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو' یا ان کو کپڑے دینا' یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

عورت کا کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال قرار دی ہو' قسم کے حکم میں ہے' اسی طرح بیوی کے سوا مرد کا بھی کسی ایسی چیز کو حرام قرار دینا' جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال قرار دی ہو' قسم کے حکم میں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

مرد اگر بیوی کو حرام قرار دے لے' تو علماء کے صحیح ترین' قول کے مطابق اس کا حکم ظہار کا ہے' جب کہ تحریم کسی ایسی شرط کے ساتھ مشروط یا معلق ہو جس سے مقصود برانگیختہ کرنا' یا منع کرنا' یا تصدیق کرنا' یا تکذیب کرنا نہ ہو' مثلاً: یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" یا "میری بیوی مجھ پر حرام ہے" یا یہ کہنا کہ "جب رمضان آئے گا تو میری بیوی مجھ پر حرام ہو گی" تو اس طرح کی باتوں کا حکم ایسے ہی ہے' جیسے اس بات کا حکم کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے"' یہ ایک حرام' نامعقول اور جھوٹی بات ہے' یہ بات کہنے والے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے۔ ظہار کا کفارہ بیوی کو چھونے سے پہلے ادا کیا جائے' جیسا کہ سورہ مجادلہ کی حسب ذیل آیات میں مذکور ہے:

﴿ الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ

مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٢﴾ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٢)

"جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے' بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔"

اور پھر فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۚ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ۖ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ۚ ﴾ (المجادلة٥٨/ ٣-٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں' پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو ان کو ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے' (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے' جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا (چاہیے۔)"

جو شخص غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے سے عاجز ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ شہر میں معمول کی خوراک میں سے نصف صاع (ڈیڑھ کلو) کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

عورت کا اپنے شوہر پر لعنت بھیجنا یا اس سے پناہ مانگنا حرام ہے اسے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی اور اپنے شوہر سے معافی مانگنی چاہیے' لیکن اس سے اس کا شوہر اس پر حرام نہیں ہو گا اور نہ اس کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ ہی لازم ہو گا' اسی طرح اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر لعنت بھیجے یا اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے تو اس سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہو گی ہاں البتہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے اور اپنی بیوی سے یہ بات معاف کروا لینی چاہیے کیونکہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان مرد یا عورت پر لعنت بھیجے خواہ وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے' کسی عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر یا کسی اور مسلمان پر لعنت بھیجے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب من حلف بملة سوى ملة الإسلام، ح: ٦٦٥٢ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه ... الخ، ح: ١١٠)

"مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنَّ اللَّعَّانِينَ لاَ يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلاَ شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ح: ٢٥٩٨)

"لعنت کرنے والے قیامت کے دن گواہ اور شفاعت کنندہ نہیں بن سکیں گے۔"

نیز رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط

عمله وهو لا يشعر، ح:٤٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ سباب المسلم فسوق ... الخ، ح:٦٤)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر اس چیز سے عافیت اور سلامتی عطا فرمائے جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

ظہار کے لیے قسم

سوال میرا ایک دوست سعودیہ میں کام کرتا ہے' وہ ایک بہت بری عادت میں مبتلا تھا' جب بھی اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا تو اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اور اس کا دوبارہ ارتکاب کر لیتا' ایک دن اس نے اپنے دل میں یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے آئندہ اس کا ارتکاب کیا تو اس کی بیوی اس پر اس کی ماں بہن کی طرح حرام ہو گی' اس کی بیوی کو اس کی اس قسم کا علم بھی نہیں' کیونکہ وہ اس وقت اپنے ملک میں تھی' اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ آئندہ اس عادت کا ارتکاب کرے تو کیا اس کی بیوی مطلقہ اور حرام ہو جائے گی یا اس کی یہ قسم واقع نہیں ہو گی' کیونکہ اس کی بیوی کو تو اس کا علم ہی نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کے ساتھ کوئی جھگڑا تھا' اس دوست نے وطن واپس جا کر اپنی بیوی سے مجامعت بھی کی ہے' اسے اب کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس سوال کا جواب دو طرح سے ہے ایک تو یہ کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ایک حرام عادت کا مرتکب تھا جو کسی مومن کے شایان شان نہیں' لہٰذا اس طرح کے حرام امور سے بچنے کے لیے مومن کو چاہیے کہ وہ قسموں کے بجائے دین کے ذریعہ کو استعمال کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف انسان کو حرام امور کے ارتکاب سے روکتا ہے۔ اگر انسان کی نیت سچی اور عزم راسخ (پختہ) ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے مدد بھی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً آسانی کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیوی کو ماں بہن کی طرح حرام قرار دینے سے اگر ارادہ قسم کا تھا اور اس معصیت سے باز رہنے کے لیے اس طرح قسم کھائی تو اس سے بیوی حرام نہ ہو گی اور نہ یہ صورت طلاق اور ظہار کی ہو گی لہٰذا قسم کا کفارہ ادا کر دیجیے کیونکہ یہ مکمل طور پر قسم کے معنی میں ہے' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"لیکن پختہ قسموں پر (جن کا خلاف کرو گے) وہ (اللہ) تم سے مؤاخذہ کرے گا۔"

اس میں مدار نیت پر قرار دیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اہم بات یہ ہے کہ اس سے اگر آپ کی نیت اس عادت سے باز رہنا یا اس سے باز رہنے کے لیے تاکید تھی تو اس سے بیوی حرام نہیں ہو گی' لہٰذا آپ قسم کا کفارہ ادا کر دیں جو یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں' یا انہیں کپڑے دے دیں' یا ایک غلام آزاد کر دیں اور اگر یہ آپ کو میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں جگہ گئی تو ....

سوال میں نے اپنی بیوی کو ایک جگہ جانے سے منع کیا' مگر جب اس نے وہاں جانے پر اصرار کیا تو مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے کہا کہ اگر تو وہاں گئی تو' تو میری ماں بہن کی پشت کی طرح ہو گی' اس کے بعد میں سفر پر چلا گیا اور جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس نے میرے حکم کی مخالفت کی ہے اور وہاں چلی گئی ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا میں اپنی قسم کا کفارہ دوں؟ یا اس سے میری بیوی کو طلاق ہو گئی ہے؟ کیا کفارہ ادا کرنے کے لیے وقت معین ہے؟

جواب میں سائل اور دیگر تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس طرح کا احمقانہ قدم نہ اٹھایا کریں' اللہ تعالیٰ نے ظہار کو ایک بہت نامعقول اور جھوٹی بات قرار دیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سائل کا اگر مقصد "بیوی کو ماں کی پشت کی طرح قرار دینے سے" اسے حرام قرار دینا تھا تو یہ ظہار ہے اور ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس کے لیے بیوی کے قریب جانا جائز نہیں۔ ظہار کا کفارہ حسب ذیل آیات میں مذکور ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُظَٰهِرُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُواْ فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ مِّن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۚ ذَٰلِكُمۡ تُوعَظُونَ بِهِۦۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ۝٣ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ مِن قَبۡلِ أَن يَتَمَآسَّاۖ فَمَن لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ فَإِطۡعَامُ سِتِّينَ مِسۡكِينٗاۚ ذَٰلِكَ لِتُؤۡمِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦۚ ﴾ (المجادلۃ٥٨/ ٣۔٤)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنی بات سے رجوع کرنا چاہیں تو (ان کو) ہم بستری کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جو شخص اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے' یہ (حکم) اس لیے (ہے) کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرماں بردار ہو جاؤ۔"

لہٰذا اس پر واجب ہے کہ بیوی سے مجامعت کرنے سے پہلے اس کفارہ کو ادا کرے' جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ذکر فرمایا ہے اور اگر ان الفاظ سے اس کا مقصد بیوی کو منع کرنا تھا' اسے حرام قرار دینا مقصد نہیں تھا تو پھر یہ الفاظ قسم کے حکم میں ہوں گے اور ان کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہو گا' ظہار کی صورت میں بیوی اپنے شوہر سے خاص حقوق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور اگر وہ حقوق ادا نہ کرنے پر اصرار کرے تو پھر دونوں کو عدالت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

❀ ❀ ❀



١٧
كتابُ
العِدّة

عدت کے احکام اور عدت گزارنے والی عورتوں کی مختلف انواع

نکاح کے بعد اور دخول سے قبل جس کا شوہر.....

سوال ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا مگر اس کے ساتھ مقاربت سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو کیا اس صورت میں بھی عورت کے لیے عدت ہے؟

جواب وہ عورت جس کا شوہر نکاح کے بعد مگر مقاربت سے پہلے فوت ہو گیا ہو' اس کے لیے بھی عدت اور سوگ ہے' کیونکہ یہ عورت محض نکاح ہی سے اس کی بیوی بن گئی اور اس کے لیے بھی یہی حکم باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٤)

"اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رہیں۔"

اور امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لاَ تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلاَثٍ إِلاَّ عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا»(صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة ... الخ، ح:٦٦/٩٣٨)

"کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے' ہاں البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ اور دس دن تک سوگ کرے۔"

امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کے لیے عدت بھی ہے اور میراث بھی' اس خاتون کا شوہر بھی نکاح کے بعد' مگر مجامعت سے قبل فوت ہو گیا تھا۔ [1]

——— فتویٰ کمیٹی ———

مدخول بہا مطلقہ عورت کے لیے ہر حال میں عدت ہے

سوال جب عورت کو طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دی جائیں تو کیا اس کے لیے عدت ہے؟ کیا یہ عورت عدت کا عرصہ طلاق دینے والے شوہر کے گھر گزارے گی کہ اس سے اس کے دو بچے بھی ہیں؟ کیا دوسرے شخص سے شادی عدت پوری ہونے پر موقوف ہے؟

---

[1] سنن أبی داود' النکاح' باب فیمن تزوج ولم یسم صدقًا حتی مات' حدیث: ٢١١٤ و جامع الترمذی' النکاح' باب ماجاء فی الرجل یتزوج ..... الخ حدیث: ١١٤٥۔

جواب جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اس کے لیے عدت ضروری ہے خواہ طلاق بائنہ ہو یا رجعی' کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ وَٱلْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں"

ہاں البتہ اگر دخول اور خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو تو پھر عدت نہیں ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نَكَحْتُمُ ٱلْمُؤْمِنَٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۴۹)

"اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں کو نکاح میں لاؤ اور پھر ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے' جس کے پورا ہونے کا تم مطالبہ کر سکو۔"

جہاں تک گھر میں باقی رہنے کا مسئلہ ہے' تو اگر طلاق رجعی ہو تو یہ حسب دستور گھر میں رہے' شوہر کے سامنے اظہار زینت بھی کرے اور اپنے چہرے کو بھی کھلا رکھے' ہاں البتہ جماع اور اس کے مقدمات جائز نہیں کیونکہ یہ امور رجوع کے بعد ہی جائز ہیں' اور اگر طلاق بائنہ ہو اور گھر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی ہو تو پھر اس عورت کے گھر میں باقی رہنے میں کوئی حرج نہیں' لیکن یہ اپنے اس شوہر سے پردہ کرے گی کیونکہ یہ اب اس کے لیے اجنبی بن گیا ہے' اور اگر گھر میں کوئی اور نہ ہو تو پھر اس گھر میں اس کے لیے رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح ایک اجنبی شخص کے ساتھ خلوت لازم آئے گی اور نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت محرم کے بغیر کسی مرد کے ساتھ خلوت اختیار کرے۔

مطلقہ عورت کا کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا عدت کے خاتمہ پر موقوف ہے' عدت ختم ہونے سے پہلے کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا جائز نہیں خواہ طلاق بائنہ ہی کیوں نہ ہو۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

معمر عورت کے لیے بھی سوگ لازم ہے

سوال ستر سال سے زائد عمر کی ایک ایسی عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہے جو کم عقل تھی اور بیوی ہونے کے باوجود اس کا عرصہ سے خاوند کے ساتھ کوئی میاں بیوی والا تعلق نہ تھا' کیا اس کے لیے بھی دیگر عورتوں کی طرح سوگ لازم ہے؟ اگر سوگ کی مشروعیت سے صرف یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں تو حاملہ کی عدت صرف وضع حمل ہی کیوں ہے' جب کہ یہ معمر عورت تو اب حمل سے رک چکی ہے؟

جواب سوال میں مذکور بوڑھی عورت عدت بھی گزارے گی اور چار ماہ دس دن تک سوگ بھی' کیونکہ یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک

اپنے آپ کو روکے رہیں۔"

اگر عورت معمر اور حمل سے رک چکی ہو تو عدت اور سوگ کی مشروعیت میں حکمت یہ ہے کہ اس سے نکاح کی عظمت' اس کی قدر و منزلت کی رفعت' اس کی شرط کے اظہار' شوہر کے حق کی ادائیگی اور آرائش و زیبائش کو ترک کر کے شوہر سے محرومی کی کیفیت کا اظہار کرنا ہے' یہی وجہ ہے کہ باپ اور بیٹے کی نسبت شوہر کی وفات پر زیادہ سوگ کا حکم دیا گیا ہے اور حاملہ کی عدت صرف وضع حمل ہے' کیونکہ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

اور اس آیت نے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ --- ﴾ (البقرہ: ۲/۲۳۴) کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔

وضع حمل سے عدت ختم ہو جانے میں یہ حکمت بھی ہے کہ یہ حمل پہلے شوہر کا حق ہے' لہٰذا اگر وفات یا کسی اور سبب سے جدائی کی وجہ سے حالت حمل میں یہ کسی دوسرے شوہر سے شادی کرے تو وہ کسی غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے گا' اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کی وجہ سے جائز نہیں ہے:

«لَاَ يَحِلُّ لِامْرِیءٍ مُسْلِمٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ»(سنن أبي داود، النكاح، باب في وطء السبايا، ح:٢١٥٨ وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يشتري الجارية... الخ، ح:١١٣١)

"کسی بھی مسلمان آدمی کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔"

ہر مسلمان شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق عمل کرے خواہ وہ ان کی حکمت کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو اور اس بات پر بھی ایمان رکھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو بھی احکام مقرر فرمائے ہیں وہ حکمت پر مبنی ہیں اور اگر کسی کو یہ حکمت بھی معلوم ہو جائے تو یہ نور علی نور اور سراپا خیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بڑھیا اور نابالغ بچی کے لیے بھی عدت لازم ہے

سوال کیا شوہر کے فوت ہونے پر ایسی بڑھیا کے لیے جسے اب مرد کی ضرورت نہ ہو' یا ایسی چھوٹی لڑکی کے لیے جو ابھی تک بالغ نہ ہو' عدت لازم ہے؟

جواب ہاں ایسی بڑھیا جسے اب مرد کی حاجت نہ ہو اور ایسی چھوٹی لڑکی جو ابھی تک بالغ نہ ہو ان پر بھی شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت لازم ہے۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر وہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٤)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ

کو (نکاح کرنے سے) روکے رہیں"

نیز فرمایا:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

ان آیات کے عموم کا تقاضا ہے کہ بڑھیا اور نابالغہ بھی انہی ارشادات کے مطابق عدت گزاریں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

حاملہ کی عدت

سوال ایک سائل نے یہ پوچھا ہے کہ اس کی خالہ (اس کے باپ کی بیوی) حاملہ ہے تو کیا وہ اس کے باپ کی وفات کی وجہ سے چار ماہ دس دن عدت گزارے یا اس کی عدت وضع حمل تک ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا جائزہ لینے کے بعد یہ جواب دیا کہ اس عورت کی عدت وضع حمل تک ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مطلقہ کی عدت اور مطلقہ رجعیہ کا گھر سے نکلنا

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ مطلقہ کی عدت کیا ہے' نیز وہ مطلقہ جس کی طلاق رجعی ہو کیا وہ اپنے شوہر ہی کے گھر رہے تاکہ اس کا شوہر رجوع کر سکے یا وہ اپنے والد کے گھر چلی جائے؟

جواب جس مطلقہ کی طلاق رجعی ہو اس کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے اور شوہر کے لیے اسے گھر سے نکالنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تُخۡرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ إِلَّآ أَن يَأۡتِينَ بِفَٰحِشَةٖ مُّبَيِّنَةٖۚ وَتِلۡكَ حُدُودُ ٱللَّهِۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"نہ تو تم (ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی) نکلیں' ہاں اگر وہ صریح بے حیائی (بدکاری) کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

آج کل لوگوں میں جو یہ رواج ہے کہ جونہی کسی عورت کو رجعی طلاق ہوئی وہ فوراً اپنے والدین کے گھر چلی جاتی ہے' یہ غلط اور حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تُخۡرِجُوهُنَّ مِنۢ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ ﴾ (الطلاق٦٥/ ١)

"نہ تو تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں۔"

اور استثناء کی صرف یہ ایک صورت بیان کی ہے کہ اگر وہ صریح بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کریں تو پھر انہیں گھروں سے نکال

دینا چاہیے اور پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَتِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا' وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔"

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شوہر کے گھر ہی میں رہنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ لَا تَدْرِى لَعَلَّ ٱللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝١ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ١)

"(اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا فرما دے۔"

مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کریں' اللہ تعالیٰ نے انہیں جو حکم دیا ہے اس کی اطاعت بجا لائیں اور محض عادات کو شرعی امور کی مخالفت کا ذریعہ نہ بنائیں' لہٰذا رجعی طلاق والی عورت کے لیے واجب ہے کہ وہ عدت پوری ہونے تک اپنے شوہر ہی کے گھر میں رہے اور اس دوران وہ شوہر سے پردہ بھی نہیں کرے گی' بلکہ اس کے سامنے اظہار زیب و زینت اور اہتمام آرائش و زیبائش بھی کر سکتی ہے' دونوں باہم دیگر گفتگو بھی کر سکتے ہیں' اور اکٹھے بیٹھ بھی سکتے ہیں اور مباشرت کے سوا ہر کام کر سکتے ہیں' مباشرت صرف رجوع کے وقت ہی کر سکتے ہیں اور رجوع کی صورت یہ ہے کہ شوہر زبان سے کہے کہ میں اپنی بیوی سے رجوع کرتا ہوں' نیز وہ مراجعت کی نیت سے مباشرت کر کے عملاً بھی رجوع کر سکتا ہے۔

مطلقہ کی عدت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو دخول و خلوت یعنی جماع و مباشرت سے قبل طلاق دے دی گئی ہو تو اس کے لیے مطلقاً کوئی عدت نہیں ہے' وہ محض طلاق ہی سے بائنہ ہو جائے گی اور کسی دوسرے مرد سے شادی کرنا اس کے لیے حلال ہو جائے گا اور اگر دخول و خلوت اور مجامعت کے بعد طلاق دی ہو تو پھر عدت کی حسب ذیل صورتیں ہوں گی:

① اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے' خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ' ممکن ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو صبح کے وقت طلاق دی ہو اور وہ ظہر سے پہلے بچے کو جنم دے دے تو اس کی عدت اسی سے پوری ہو جائے گی اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک شخص نے ماہ محرم میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو اور اس کے ہاں بچے کی ولادت ذوالحجہ کے مہینے میں ہو تو ایسی عورت کو بارہ ماہ کی عدت گزارنی ہوگی' کیونکہ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُو۟لَٰتُ ٱلْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے"

② اگر مطلقہ عورت حاملہ نہیں اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت طلاق کے بعد مکمل تین حیض ہے' یعنی اسے حیض آئے اور پاک ہو جائے' پھر آئے اور پاک ہو جائے اور پھر آئے اور پاک ہو جائے یعنی اس طرح اسے مکمل تین حیض آئیں خواہ ان کے درمیان کی مدت کم ہو یا زیادہ' مثلاً: اگر کوئی شخص مرضعہ (بچے کو دودھ پلانے والی) کو طلاق دے دے اور اسے دو سال تک بھی حیض نہ آئے تو وہ عدت میں ہی رہے گی حتی کہ اسے تین بار حیض آ جائے اور اس طرح اسے دو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک عدت میں رہنا پڑ سکتا ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں"

③ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو خواہ اس کا سبب عدم بلوغت ہو یا کبر سنی (بڑھاپا) کی وجہ سے حیض سے مایوسی ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ ﴾
(الطلاق۶۵/ ۴)

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے' اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے۔)"

④ اگر کسی کا حیض کسی سبب کی وجہ سے ختم ہو گیا ہو' اور معلوم ہو کہ اب حیض کبھی نہیں آئے گا۔ مثلاً: یہ کہ آپریشن وغیرہ کے ذریعے اس کا رحم ہی نکال دیا گیا ہو تو یہ بھی حیض سے مایوس عورت کی طرح تین ماہ عدت گزارے گی۔

⑤ اگر حیض ختم ہو گیا ہو اور اسے اس کے سبب کا بھی علم ہو تو اسے انتظار کرنا ہو گا حتی کہ یہ سبب دور ہو جائے' حیض آجائے اور یہ اس کے مطابق عدت گزارے۔

⑥ حیض ختم ہو جائے مگر عورت کو اس کے سبب کا علم نہ ہو تو علماء فرماتے ہیں کہ اسے مکمل ایک سال تک عدت گزارنی چاہیے اس میں نو ماہ حمل کے اور تین ماہ عدت کے ہوں گے۔ یہ ہیں مطلقہ عورتوں کی عدت کی اقسام۔

جس عورت کا نکاح خلع وغیرہ کی وجہ سے فسخ ہو گیا ہو اس کی عدت ایک حیض ہے' یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی سے خلع کرے کہ اس عورت نے یا اس کے ولی نے کچھ مال دے دیا ہو کہ اس کے عوض وہ نکاح فسخ کر دے اور شوہر نے مال وغیرہ لے کر عورت کو الگ کر دیا ہو تو اسے عدت کے لیے ایک حیض ہی کافی ہے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

مختلعة (خلع کرنے والی) اور مطلقہ کی عدت

سوال جب عورت کو اس صورت میں طلاق دی گئی ہو کہ وہ شوہر سے کشیدہ حالات کی وجہ سے ایک سال یا دو سال یا اس سے کم مدت تک الگ تھلگ رہی ہو اور طلاق سے پہلے استبراء رحم کی مدت گزر گئی ہو تو کیا اس کے لیے بھی عدت لازم ہے یا نہیں؟ یا عدت گزارے بغیر ہی اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے جب کہ اس کے شوہر نے معاوضہ لے کر اسے طلاق دے دی ہو اور رجوع کرنے میں اسے کوئی رغبت نہ ہو؟

جواب جب کسی عورت کو طلاق دی جائے تو طلاق کے بعد اس کے لیے عدت لازم ہے خواہ شوہر سے ملے ہوئے اسے زیادہ مدت ہوئی ہو یا تھوڑی کیونکہ' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۸)

"اور طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک انتظار کریں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کو حکم دیا تھا کہ وہ خلع کے بعد ایک حیض کی عدت گزارے' اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ خلع کی طلاق کے بعد عدت ایک حیض ہے' اس حدیث نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کے عموم کی تخصیص کر دی ہے' اور اگر وہ عورت جس نے مال دے کر شوہر سے طلاق خلع حاصل کی ہو وہ اگر تین حیض تک عدت گزار لے تو یہ اکمل اور احوط صورت ہے اور مذکورہ آیت کے پیش نظر بعض اہل علم نے جو یہ کہا ہے کہ اسے بھی تین حیض تک عدت گزارنی چاہیے تو اس طرح یہ اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

شرعی عذر کے بغیر عدت اور سوگ مؤخر کرنا

سوال میری عمر چالیس سال ہے' میں شادی شدہ ہوں' میرے پانچ بچے ہیں' ۱۲-۵-۱۹۸۵ء کو میرے شوہر کا انتقال ہو گیا لیکن اپنے شوہر اور بچوں سے متعلق بعض ضروری کاموں کی وجہ سے میں عدت نہ گزار سکی' وفات کے چار ماہ بعد' یعنی ۱۲-۹-۱۹۸۵ء سے میں نے عدت شروع کی اور ایک ماہ کے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میں گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ ایک ماہ عدت میں شمار ہو گا اور کیا شوہر کی وفات کے چار ماہ بعد عدت گزارنا صحیح ہے یا نہیں؟ یاد رہے مجھے بعض کاموں کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے کیونکہ کوئی اور شخص نہیں ہے جس پر میں گھر کے کاموں کے بارے میں اعتماد کر سکوں؟

جواب آپ کا یہ کام حرام ہے' کیونکہ عورت پر اسی وقت سے عدت اور سوگ ضروری ہے جب اسے شوہر کی وفات کا علم ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں (بیویاں) چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو روکے رہیں۔"

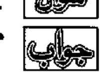
آپ کا چار ماہ کے بعد عدت کو شروع کرنا گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے' اس میں سے صرف دس دن عدت شمار ہوں گے اور ان کے بعد والے دن عدت کے دن نہیں ہیں' آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ اور کثرت سے اعمال صالحہ کرنے چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اس گناہ کو معاف فرما دے۔ یاد رہے وقت ختم ہونے کے بعد عدت کی قضا نہیں ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سوگ کرنے والی عورت کے احکام

مصائب کے وقت کالے کپڑے پہننا باطل شعار ہے

سوال کیا فوت شدہ شخص کے لیے خصوصاً جب کہ وہ شوہر ہو' کالے کپڑے پہننا جائز ہے؟


مصیبتوں کے وقت کالا لباس پہننا ایک باطل شعار ہے جس کی کوئی اصل نہیں' انسان کو چاہیے کہ مصیبت کے

وقت وہ کام کرے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے' اور وہ یہ کہے:

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا» (صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، ح:٩١٨)

''ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر عطا فرما اور مجھے اس کا نعم البدل عطا فرما۔''

اگر کوئی شخص ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے یہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اسے یقیناً اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا اور اس کا نعم البدل بھی عطا فرمائے گا' جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا' جو ان کے عم زاد (چچازاد) بھی تھے' اور ان سے انہیں محبت بھی بہت تھی تو انہوں نے یہ کلمات کہے اور بیان فرماتی ہیں کہ میں اپنے جی (دل) میں کہتی تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر شوہر کیسے مل سکتا ہے؟ لیکن جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا' وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو سلمہ سے بہتر تھے' اس طرح جو شخص بھی ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے یہ کلمات کہے گا' اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت پر اسے اجر و ثواب بھی عطا فرمائے گا اور نعم البدل سے بھی نوازے گا۔
سوگ کے لیے کوئی خاص لباس' مثلاً کالے رنگ کے کپڑے پہننا بالکل بے اصل بات بلکہ یہ ایک مذموم اور باطل کام ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

سیاہ لباس اور خاوند کی وفات پر عدت گزارنے والی عورت

سوال کیا خاوند کی وفات پر عدت گزارنے والی عورت کے لیے سیاہ لباس پہننا لازم ہے یا وہ کسی رنگ کا بھی لباس پہن سکتی ہے؟ ہم نے سنا ہے کہ جو عورت سوگ میں ہو وہ کالا لباس پہنے' کالے رنگ کے بچھونے پر بیٹھے اور کالے رنگ کے جائے نماز پر ہی نماز پڑھے' عام خواتین کے ہاں اس طرح کے کچھ اور بھی اعتقادات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں فرمایا' امید ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں گے کہ شوہر کی وفات کی وجہ سے عورت کے لیے کس قسم کا لباس پہننا واجب ہے؟

جواب جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کے لیے مدت عدت میں سوگ لازم ہے' مدت عدت زمانے اور حالات کے ساتھ محدود ہے اگر ایسی عورت حائضہ ہو اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' یہ مدت شوہر کی وفات سے شروع ہو گی خواہ اس کی بیوی کو شوہر کی وفات کے بارے میں اسی وقت علم ہو یا بعد میں' فرض کیا کہ اسے شوہر کی وفات کے دو ماہ بعد اس کے فوت ہونے کا علم ہو تو اسے دو ماہ دس دن ہی عدت گزارنا ہو گی' پس حائضہ کی عدت وقت کے ساتھ محدود ہے اور وہ چار ماہ دس دن اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے خواہ یہ مدت کم ہو یا زیادہ' اس صورت میں عدت ایک یا دو گھنٹے یا اس سے کم ہو سکتی ہے اور ایک یا دو سال یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے' ان میں سے پہلی صورت کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة٢/ ٢٣٤)

''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن تک اپنے آپ کو

(نکاح کرنے سے) روکے رہیں"

اور دوسری صورت کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔"

صحیحین میں یہ حدیث کہ سبیعہ اسلمی رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے صرف چند راتوں بعد بچہ جنم دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شادی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ خاوند کی وفات کی صورت میں عدت کے سلسلہ میں عورت پر چند باتوں کی پابندی واجب ہے:

1. بغیر ضرورت کے گھر سے باہر نہ نکلے۔
2. ایسا لباس زیب تن نہ کرے جسے لباس زینت قرار دیا جاتا ہو' اس سلسلہ میں رنگ کی کوئی پابندی نہیں' چنانچہ وہ سیاہ' سرخ' سبز اور ہر قسم کے رنگ کا لباس استعمال کر سکتی ہے' لیکن یہ درست نہیں کہ وہ اس دوران صرف کالا لباس ہی استعمال کرے۔
3. زیورات کسی قسم کے بھی استعمال نہ کرے' یعنی کنگن' ہار' پازیب یا کسی قسم کا بھی زیور استعمال نہ کرے بلکہ جو زیورات پہلے سے پہن رکھے ہوں انہیں بھی اتار دے اور اگر وہ نہ اتر سکتے ہوں تو لازمی طور پر انہیں توڑ کر اتار دے۔
4. اس مدت میں عورت کو آنکھوں' رخساروں اور ہونٹوں وغیرہ کی آرائش بھی نہیں کرنی چاہیے یعنی اس کے لیے سرمہ اور سرخی وغیرہ استعمال کرنا بھی ناجائز ہے۔
5. اس حالت میں عورت کے لیے کسی بھی قسم کی خوشبو خواہ وہ بخور ہو یا تیل وغیرہ' استعمال کرنا جائز نہیں' ہاں البتہ جب وہ حیض سے پاک ہو کر غسل کرے تو صرف اس مقام پر خوشبو استعمال کر سکتی ہے جہاں سے بدبو آتی ہے۔ بعض عوام الناس جو یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت کو چاہیے کہ عدت میں کسی سے بات چیت نہ کرے' اسے کوئی نہ دیکھے' وہ گھر کے صحن میں نہ جائے' گھر کی چھت پر نہ جائے' چاند کو نہ دیکھے' جمعہ کے دن کے سوا اور کسی دن غسل نہ کرے' اذان کے وقت نماز کو مؤخر نہ کرے بلکہ اذان کے وقت ہی جلدی سے نماز ادا کرے تو ان تمام چیزوں کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

مردوں کی طرف دیکھنے اور مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے بھی سوگ والی اور غیر سوگ والی عورتوں میں کوئی فرق نہیں لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اپنے چہرے کا پردہ کرے اور جسم کے ہر اس حصے کو چھپائے جو فتنہ کا سبب بن سکتا ہو' اس کے لیے مردوں سے حتیٰ کہ غیر محرم مردوں سے بھی بات کرنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو' ایسی عورت ٹیلی فون بھی سن سکتی ہے اور اگر کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہو تو اس کی بات کا جواب بھی دے سکتی ہے اور اس قسم کی دوسری حاجات بھی پوری کر سکتی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

عدت والی عورت کا اپنے شوہر کے گھر سے..........

سوال ایک عورت نے ایک مرد سے شادی کی پھر وہ شخص فوت ہو گیا اور اس سے اس کی اولاد بھی نہیں ہے اور نہ ہی شوہر کے شہر میں اس کے کوئی رشتہ دار ہیں' کیا اس کے لیے اپنے شوہر کے شہر سے اپنے وارثوں کے شہر منتقل ہونا جائز ہے تاکہ وہاں جاکر عدت گزار سکے یا نہیں؟

جواب اس عورت کے لیے اپنے ولی کے گھر یا کسی بھی ایسی جگہ منتقل ہونا جائز ہے جہاں یہ محفوظ ہو اور اپنے شوہر کی باقی عدت گزار سکے بشرطیکہ اسے اپنے شوہر کے گھر رہنے میں اپنے بارے میں یا اپنی عزت و آبرو کے بارے میں خطرہ ہو اور یہاں اس کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہو اور اگر اسے یہاں سے کوئی خطرہ نہ ہو اور یہ صرف اپنے اہل خانہ سے قریب ہونا چاہتی ہو تو پھر اس کے لیے کسی دوسری جگہ منتقل ہونا جائز نہیں بلکہ اسے یہاں ہی رہنا چاہیے تاکہ عدت کے ایام پورے ہو جائیں اور پھر یہ جہاں چاہے اپنے محرم کے ساتھ سفر کر کے جا سکتی ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وآله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

عدت والی عورت کے لیے کن امور سے اجتناب واجب ہے

سوال وہ کون سے احکام ہیں جن کی پابندی کرنا اس عورت کے لیے لازم ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو؟

جواب سوگ والی عورت کے بارے میں احادیث میں ان امور کا ذکر ہے جن سے اسے اجتناب کرنا چاہیے' اسی طرح اس سے پانچ امور کا مطالبہ بھی ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

① یہ اپنے اسی گھر میں رہے جس میں رہائش پذیر ہونے کی حالت میں اس کا شوہر فوت ہوا ہو حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے' اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے' ہاں البتہ اگر یہ حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہے' لہٰذا بچے کی ولادت کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُوْلَٰتُ ٱلۡأَحۡمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّۚ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٤)

"اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔"

اسے کسی حاجت و ضرورت کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے مثلاً بیماری وغیرہ کے علاج کے لیے ہسپتال جا سکتی ہے یا کھانے وغیرہ کی اشیاء خریدنے کے لیے بازار جا سکتی ہے بشرطیکہ یہ کام کرنے کے لیے کوئی اور شخص نہ ہو' اسی طرح اگر گھر منہدم ہو جائے تو پھر یہ کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے' اسی طرح اگر یہ گھر میں اکیلی ہو اور اسے اپنے بارے میں خطرہ ہو تو پھر بھی اس طرح کی ضرورت کے پیش نظر کسی دوسری جگہ منتقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

② اسے زرد یا سبز یا کسی بھی دوسرے رنگ کے خوب صورت کپڑے نہیں پہننے چاہئیں بلکہ اسے ایسے کپڑے پہننے چاہئیں جو خوبصورت نہ ہوں خواہ وہ کالے یا سبز یا کسی بھی اور رنگ کے ہوں' بس اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ کپڑے خوب صورت نہ ہوں' چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا یہی حکم ہے۔

③ اسے سونے' چاندی' الماس اور موتیوں کے زیورات وغیرہ کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے خواہ وہ ہار ہوں' یا کنگن یا انگوٹھیاں یا کوئی زیور' عدت مکمل ہونے تک اس طرح کی تمام چیزوں کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیے۔

④ اسے خوشبو کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے اور بخور یا کوئی بھی اور خوشبو استعمال نہیں کرنی چاہیے ہاں البتہ حیض سے طہارت حاصل کرتے وقت معمولی خوشبو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

⑤ اسے سرمہ استعمال کرنے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ اسی طرح ان تمام اشیاء کے استعمال سے بھی اجتناب کرنا چاہیے جو چہرے کے لیے میک اپ کا کام دیں' خصوصاً ایسا میک اپ جو لوگوں کے لیے باعث فتنہ ہو' ہاں البتہ پانی اور صابن سے منہ ہاتھ دھونے میں کوئی حرج نہیں لیکن سرمے کا استعمال جو آنکھوں کے لیے باعث زینت ہو یا دیگر ایسی چیزوں کا استعمال جو چہرے کے لیے باعث آرائش و زیبائش ہوں' جائز نہیں ہے۔ یہ ہیں وہ پانچ امور جن کی پابندی کرنا ہر اس عورت کے لیے واجب ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔

بعض لوگ از روئے کذب و افتراء جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسی عورت کو چاہیے کہ وہ کسی سے گفتگو بھی نہ کرے' کسی سے ٹیلی فون پر بھی بات نہ کرے' ہفتے میں صرف ایک بار غسل کرے' گھر میں ننگے پاؤں نہ چلے' چاند کی روشنی میں نہ جائے اور اس طرح کی دیگر خرافات' تو ان کا کوئی اصل نہیں ہے' یہ اپنے گھر میں ننگے پاؤں یا جوتے پہن کر دونوں طرح چل سکتی ہے' گھر میں اپنا اور اپنے مہمانوں کا کھانا پکا سکتی ہے' چاند کی روشنی میں آ جا سکتی ہے' مکان کی چھت پر اور گھر کے لان (صحن) میں بھی جا سکتی ہے' جب چاہے غسل بھی کر سکتی ہے' جس سے چاہے گفتگو بھی کر سکتی ہے جو شک و شبہ سے پاک ہو' عورتوں اور اپنے محرموں سے مصافحہ بھی کر سکتی ہے' ہاں البتہ غیر محرم مردوں سے مصافحہ کی اجازت نہیں' اگر پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو اپنے سر سے دوپٹہ بھی اتار سکتی ہے' ہاں البتہ اسے حنا (مہندی)' زعفران اور خوشبو استعمال نہیں کرنی چاہیے' نہ کپڑوں میں اور نہ قہوہ وغیرہ میں کیونکہ زعفران بھی خوشبو کی ایک قسم ہے' عدت کے اندر اسے شادی کا پیغام بھی نہیں دینا چاہیے ہاں البتہ اشارے کنائے میں کوئی حرج نہیں لیکن صراحت کے ساتھ شادی کا پیغام نہیں دینا چاہیے۔

——— شیخ ابن باز ———

سوگ والی عورت کے لیے خوشبو کا استعمال

سوال میں ایک ایسی عورت ہوں' جس کا شوہر تھوڑا عرصہ پہلے فوت ہوا ہے' کیا میں اچھی خوشبو والے صابن کے ساتھ غسل کر سکتی ہوں یا اس کے ساتھ اپنے بچوں کو نہلا سکتی ہوں؟

جواب سوگ یہ ہے کہ عورت ہر اس چیز کے استعمال سے اجتناب کرے جو جماع یا اس کی طرف دیکھنے کی دعوت دیتا ہو مثلاً خوشبو' سرمہ اور زیور کا استعمال' زیور خواہ گردن کا ہو' یا کان کا یا' ہاتھ کا' اسی طرح ہر ایسے لباس کے استعمال سے بھی اجتناب کرے جس کا پہننا باعث زینت ہو۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ عدت کے دوران اسی گھر میں رہے جس میں سکونت پذیر ہونے کی حالت میں اس کے شوہر کا انتقال ہوا تھا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَٰجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِىٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۴)

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں (تو ان کی بیویوں کو چاہیے کہ) چار ماہ اور دس دن تک اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رہیں اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔"

اس ارشاد باری تعالیٰ میں یہ الفاظ کہ "جب یہ عدت پوری کر چکیں" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس وقت سے پہلے وہ چیزیں ان کے لیے ممنوع تھیں جن کی ان کو اب رخصت دی جا رہی ہے اور جن کی تفصیل سنت میں بیان کی گئی ہے۔ سوگ والی عورت کے لیے ایسا صابن بھی استعمال کرنا جائز نہیں جس سے خوشبو آتی ہو اور پھر خوشبو کے بغیر صابن بھی ضرورت کو پورا کر سکتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سوگ والی عورت کے لیے اپنے سر کو دھونا.....

سوال سماحۃ الشیخ! یہ فرمائیں' کیا جو عورت سوگ میں ہے' اس کے لیے اپنا سر دھونے میں بھی کوئی پابندی ہے؟ اگر وہ اپنے سر کو چکنے مواد اور خوشبودار کریموں سے دھوئے تو اس پر کیا لازم ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب سوگ والی عورت جب چاہے اپنے سر کو بیری کے پتوں یا کسی ایسی چیز سے دھو سکتی ہے جس میں خوشبو نہ ہو' خوشبودار تیل لگانا یا کسی ایسی چیز سے دھونا جس میں خوشبو ہو جائز نہیں ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سوگ والی عورت کو خوشبو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے' ہاں البتہ غسل حیض کے وقت معمولی مقدار میں بخور وغیرہ استعمال کر سکتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سوگ والی عورت خوشبو استعمال نہ کرے .....

سوال کیا شوہر کی وفات کی وجہ سے سوگ والی عورت کے لیے اپنے بچوں کو نہلانا اور انہیں خوشبو لگانا جائز ہے؟ کیا عدت میں اسے شادی کا پیغام دیا جا سکتا ہے؟

جواب شوہر کی وفات کی وجہ سے سوگ والی عورت کے لیے خوشبو استعمال کرنا جائز نہیں' کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے' لیکن بچوں یا مہمانوں کو خوشبو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ استعمال میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو اور عدت مکمل ہونے سے پہلے صراحت کے ساتھ اسے شادی کا پیغام دینا بھی جائز نہیں' ہاں البتہ صراحت کے بغیر اشارے کنائے کی صورت میں بات کرنے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِۦ مِنْ خِطْبَةِ ٱلنِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِىٓ أَنفُسِكُمْ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۵)

"اگر تم اشارے کنائے میں عورتوں کو نکاح کا پیغام بھیجو' یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں کنائے کی اجازت دی ہے' صراحت کی اجازت نہیں دی اور اس میں جو حکمت بالغہ ہے' وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سوگ والی عورت کے لیے ٹیلی فون اور گھڑی کا استعمال

سوال کیا شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت گزارنے والی عورت کے لیے عورتوں اور اپنے محارم مثلاً بیٹوں وغیرہ سے ٹیلی فون پر گفتگو کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں ایسی عورت کے لیے ٹیلی فون پر عورتوں اور محرم مردوں سے گفتگو کرنا جائز ہے کیونکہ اصل اباحت ہے' ایسی عورت غیر محرم مردوں سے بھی ٹیلی فون پر گفتگو کر سکتی ہے بشرطیکہ شرعاً اس گفتگو میں کوئی ممانعت نہ ہو۔

سوال کیا عدت کے دوران عورت کے لیے وقت معلوم کرنے کے لیے نہ کہ خوبصورتی کے لیے گھڑی استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں گھڑی کا استعمال جائز ہے کیونکہ عمل ارادہ و نیت کے تابع ہے لیکن اس کے لیے گھڑی استعمال نہ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ زیورات سے مشابہت رکھتی ہے۔

عدت کے دوران ٹیلی فون سننا

سوال کیا جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کے لیے عدت کے دوران ٹیلی فون سننا جائز ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مرد کا فون ہے یا عورت کا؟ عورت کے لیے عدت میں کیا واجب ہے؟

جواب عدت کے دوران عورت کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ زینت کے اظہار سے اجتناب کرے اور شہرت و زینت کا لباس اور زیورات' خضاب اور سرمہ وغیرہ استعمال نہ کرے' ضرورت کے بغیر اپنے گھر سے باہر نہ نکلے' خوشبو اور عطر استعمال نہ کرے' اجنبی مردوں کے سامنے نہ جائے' ضرورت کے لیے پردہ کے ساتھ اور اپنے محرموں کے ساتھ گھر سے باہر جا سکتی ہے' اپنے گھر کے اندر چل پھر سکتی ہے' گھر کے بالائی حصے پر بھی جا سکتی ہے' بوقت ضرورت ٹیلی فون پر بات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ معلوم ہو کہ یہ کسی عورت کا ٹیلی فون ہے اور اگر فون کسی ایسے مرد کا ہو جو جان پہچان کے لیے فون کر رہا ہو تو پھر فوراً بات ختم کر دینی چاہیے' اسی طرح دیگر عورتوں کو بھی اجنبی مردوں کے ساتھ اس قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہیے' پس پردہ غیر محرم رشتہ داروں سے گفتگو کرنا بھی جائز ہے' نیز ٹیلی فون پر گفتگو کرنا بھی جائز ہے' نیز سوگ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی گفتگو جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

عدت والی عورت کا بازار جانا

سوال کیا عدت والی عورت کے لیے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے بازار جانا جائز ہے؟

جواب عدت والی عورت کے لیے اپنی ضرورتوں کی وجہ سے بازار جانا اور علاج کے لیے ہسپتال جانا جائز ہے' نیز پڑھنے اور پڑھانے کے لیے جانا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اہم ضرورتیں ہیں' ہاں البتہ عدت میں زیب و زینت' خوشبو اور سونے' چاندی اور الماس وغیرہ کے زیورات کے استعمال سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ عدت میں عورت کو پانچ باتوں کی پابندی کرنا لازم ہے:

① اگر ممکن ہو تو اسی گھر میں رہے جس میں سکونت کے دوران شوہر کا انتقال ہوا ہو۔

② خوب صورت لباس کے استعمال سے اجتناب کرے۔

③ خوشبو کے استعمال سے اجتناب کرے' ہاں البتہ غسل حیض سے طہارت کے وقت بخور وغیرہ استعمال کر سکتی ہے۔

④ سونے' چاندی اور الماس وغیرہ کے زیورات بھی استعمال نہ کرے۔

⑤ سرمہ اور مہندی وغیرہ بھی استعمال نہ کرے کیونکہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

عدت والی عورت کا مدرسہ میں جانا

سوال ایک شخص نے یہ سوال پوچھا ہے کہ اس کی بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اس پر عدت لازم ہے' لیکن یہ مدرسہ کی طالبہ ہے' کیا اس کے لیے اپنی تعلیم کو جاری رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اس دوران خوشبو اور زینت سے خالی لباس پہنے گی۔

جواب جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی گھر میں عدت گزارے جس میں اس کے شوہر نے وفات پائی ہو' عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے' ایسی عورت کو رات بھی اسی گھر میں بسر کرنی چاہیے' ایسی تمام باتوں سے اسے اجتناب کرنا چاہیے جو باعث حسن و جمال ہوں اور اس کی طرف دیکھنے کی دعوت دیتی ہوں' مثلاً: اسے خوشبو' سرمہ' خوبصورت لباس اور میک اپ وغیرہ سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دن کے وقت ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ اس طالبہ کے لیے جس کے لیے سوال پوچھا گیا ہے یہ جائز ہے کہ وہ اسباق پڑھنے' مسائل سمجھنے اور علم حاصل کرنے کے لیے مدرسہ میں جائے لیکن ان تمام امور سے اجتناب کرے جن سے عدت والی عورت کے لیے اجتناب کرنا ضروری ہے' یعنی ایسے امور سے اجتناب جو مردوں کو فریفتہ کرنے والے اور اسے شادی کا پیغام دینے پر مجبور کرنے والے ہوں۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ملازم عورت کی عدت

سوال جب کسی مسلمان ملازم عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ کسی ایسے ملک میں رہ رہی ہو جہاں کسی قریبی کی وفات پر تین دن سے زیادہ رخصت نہ ملتی ہو تو وہ کس طرح عدت گزارے؟ کیونکہ شرعی طریقے سے عدت گزارنے کی صورت میں اسے ملازمت سے برخواست کر دیا جائے گا' کیا روزی کمانے کی وجہ سے وہ اس دینی فریضہ کو ترک کر سکتی ہے؟

جواب اس عورت کو چاہیے کہ تمام مدت عدت میں شرعی عدت اور سوگ کی پابندی کرے۔ وہ عورت دن کے وقت اپنے کام کاج کے لیے گھر سے باہر جا سکتی ہے کیونکہ یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے اور علماء نے فرمایا ہے کہ عدت والی عورت کے لیے ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور روزی کمانے کے لیے کام کرنا ایک اہم ضرورت ہے اور

اگر اسے روزی کمانے کے لیے رات کے وقت ڈیوٹی پر جانے کی ضرورت ہو تو یہ بھی جائز ہے تاکہ اسے ملازمت سے برخواست نہ کر دیا جائے اور ملازمت سے برخواست ہونے کی صورت میں جو نقصانات ہیں' وہ مخفی نہیں ہیں' لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعی کام کرنے کے لیے محتاج اور ضرورت مند ہو۔ علماء نے ایسے بہت سے اسباب بیان فرمائے ہیں جن کی وجہ سے عدت والی عورت کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے اور ان میں سے بعض اسباب مجبوری کی وجہ سے کام پر جانے کی نسبت بہت کم تر ہیں اور اس سلسلہ میں اصل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو"

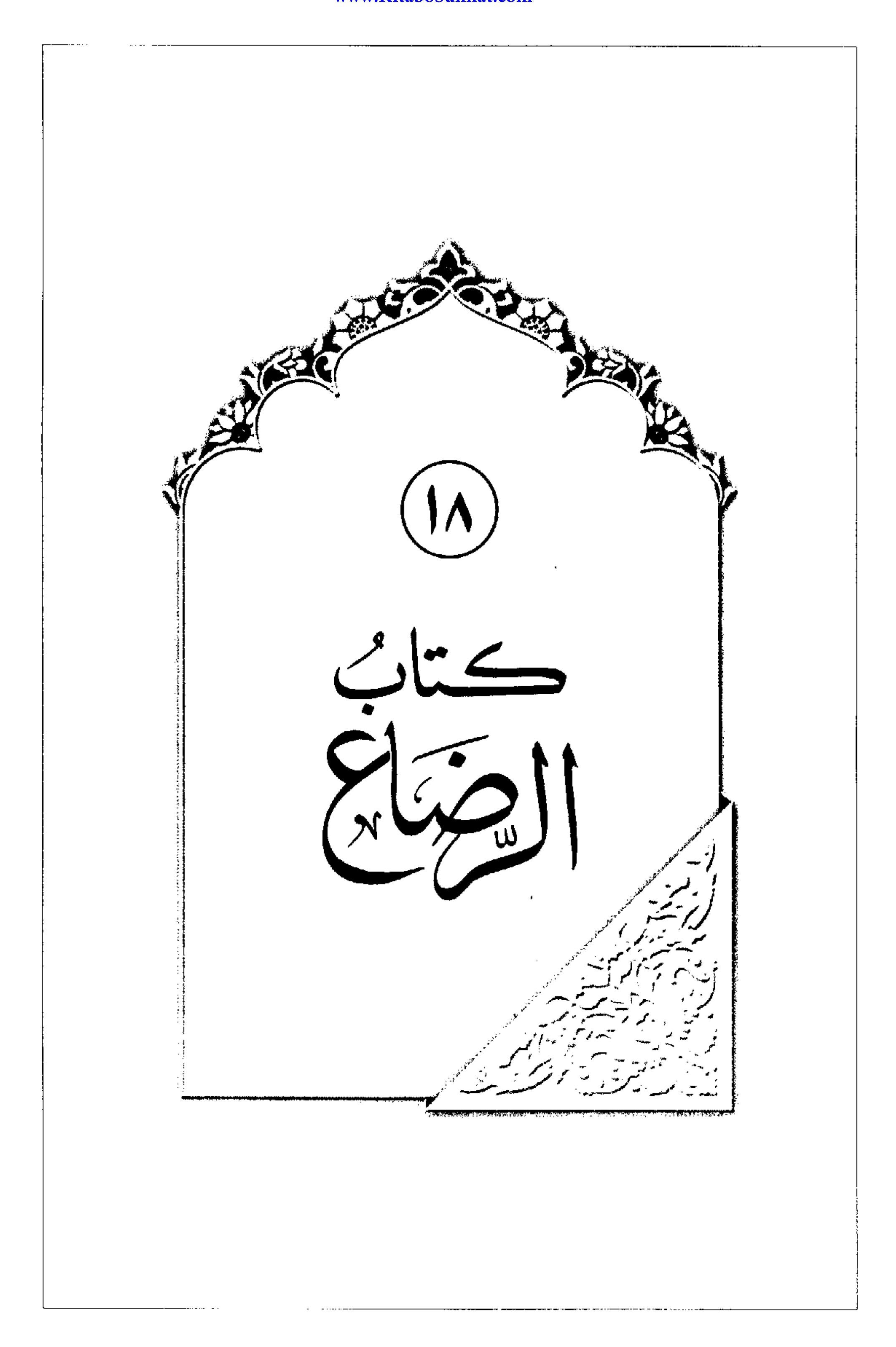
اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح: ١٣٣٧)

"جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت بجالاؤ۔"

——— شیخ ابن باز ———




١٨
كتاب
الرضاع

دودھ کے رشتوں کے مسائل

آپ کے رضاعی والد کی دوسری بیوی سے اولاد آپ کے .....

سوال میں نے ایک عورت کا دودھ پیا تھا' پھر اس کے شوہر نے ایک دوسری عورت سے شادی کی اور اس کے بطن سے اس کے بیٹے پیدا ہوئے تو کیا اس کے وہ بیٹے بھی میرے بھائی ہیں؟

جواب جب پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہوں اور دودھ شوہر کی طرف منسوب ہو کہ عورت نے اس کے بچے جنم دیے ہوں تو وہ ماں باپ دونوں کی طرف سے آپ کے رضاعی بھائی ہیں' اور اس کی دوسری بیوی کے بیٹے صرف باپ کی طرف سے آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔

ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان کو پکڑے اور اس سے دودھ چوسے حتی کہ دودھ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے اور پھر وہ کسی بھی سبب کی وجہ سے پستان کو چھوڑ دے اور دوبارہ پھر پستان سے دودھ چوسے حتی کہ دودھ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے اور پھر وہ دودھ پینا چھوڑ دے اور اس کے بعد وہ پھر دودھ پینا شروع کر دے' حتی کہ وہ اس طرح پانچ یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ دودھ پیے خواہ یہ ایک مجلس میں پیے یا زیادہ مجلسوں میں' خواہ ایک دن میں پیے یا زیادہ دنوں میں بشرطیکہ یہ دو سال کی مدت کے اندر اندر پیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو"

نیز آپ ﷺ نے سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«أَرْضِعِيهِ ـ اَيْ سَالِمًا ـ خَمْسَ رَضَعَاتٍ تَحْرُمِي عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، ح: ١٤٥٣ ولفظة "خمس رضعات" ليست عنده)

"سالم کو پانچ رضعات دودھ پلاؤ اس سے آپ اس کے لیے حرام ہو جائیں گی۔"

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی' وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اللہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—————— شیخ ابن باز ——————

جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں

سوال میرے بیٹے نے اپنی نانی کا دودھ پیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی خالاؤں اور ماموؤں کا رضاعی بھائی بن گیا' کیا اس کے لیے اپنی خالاؤں یا ماموؤں کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اگر اس مذکورہ بچے نے اپنی نانی کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہے تو یہ اپنے ماموں اور خالاؤں کا بھائی' اپنے ماموؤں کی اولاد کا چچا اور اپنی خالاؤں کی اولاد کا ماموں بن گیا لہٰذا اس کے لیے اپنے ماموؤں کی بیٹیوں سے شادی جائز نہیں کیونکہ یہ ان کا رضاعی چچا ہے' نیز اس کے لیے اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے شادی کرنا بھی جائز نہیں' کیونکہ یہ ان کا رضاعی ماموں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

—————— شیخ ابن باز ——————

رضاعت سے متعلق ایک مسئلہ

سوال میری ایک بیوی ہے اور اس کے بطن سے میری آٹھ بیٹیاں ہیں' اس کی اس سے پندرہ سال چھوٹی ایک بہن بھی ہے اس کی ماں کا ایک شخص نے دودھ پیا ہے جو اس کا بھائی بن گیا ہے اور میری مشکل یہ ہے کہ میری بیٹیاں یہ کہتی ہیں کہ وہ ان کا رضاعی ماموں ہے' اس لیے وہ اس سے پردہ نہیں کرتیں' میں انہیں منع کرتا ہوں تو وہ میری بات مانتی نہیں اور کہتی ہیں کہ وہ ہمارا رضاعی ماموں ہے' امید ہے کہ آپ اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب اگر مذکورہ شخص نے آپ کی بیوی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دو سال کی عمر میں پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ اس وقت پیا ہے جب وہ اس کے باپ کے حبالۂ عقد میں تھی تو وہ آپ کی بیٹیوں کا رضاعی ماموں ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ دیگر محرم مردوں کی طرح اس سے بھی پردہ نہ کریں اور خلوت اختیار کریں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

”رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہے۔“

بشرطیکہ کوئی ایسی مشکوک بات نہ ہو جو ان میں سے کسی کو خلوت سے مانع ہو۔

—————— شیخ ابن باز ——————

آپ کے بھائی کا رضاعی والد محرم نہیں


میری چھوٹی بہن نے میری بڑی بہن کا اس کے بچے کے ساتھ دودھ پیا تھا اور میرے بیٹے نے بھی میری بہن کا

دودھ پیا ہے کیا میرے بیٹے کے والد میرے شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ میری چھوٹی اور بڑی بہن کا محرم ہو اور اس کے نتیجہ میں وہ اس سے پردہ نہ کریں' رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب آپ کی چھوٹی اور بڑی بہن کے لیے آپ کے شوہر کے سامنے اس وجہ سے بے پردہ آنا جائز نہیں کہ آپ کے بیٹے نے آپ کی بڑی بہن کا دودھ پیا ہے۔ آپ کی اس بہن کا شوہر جس نے آپ کے بیٹے کو دودھ پلایا ہے' آپ کے بیٹے کا رضاعی باپ ہو گا اور اس بیٹے کی بیوی کا محرم' کیونکہ یہ اس کے رضاعی بیٹے کی بیوی ہے بشرطیکہ رضاعت پانچ یا اس سے زیادہ رضعات کی صورت میں ہو' اور دو سال کے اندر ہو' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے حرام ہوتا ہے۔"

—————— شیخ ابن باز ——————

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال میں اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' لیکن ایک شخص نے میرے ماموں کے ساتھ میری نانی کا دودھ پیا ہے اور وہ میرا رضاعی ماموں ہے اور میرے ماموں کی بیٹی نے اس شخص کی ماں کا دودھ پیا ہے اور یہ اس کی رضاعی بہن ہے' کیا اس صورت میں میرے لیے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے؟ جب کہ ہمارے درمیان رضاعت ثابت نہیں ہے کہ نہ اس نے میری ماں کا دودھ پیا ہے اور نہ میں نے اس کی ماں کا؟

جواب اس سوال کے جواب سے قبل یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو پانچ معلوم رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی مدت کے اندر دودھ چھڑانے سے پہلے ہو' پانچ رضعات سے کم کا حرمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا' لہٰذا اگر کوئی بچہ کسی عورت کا چار رضعات دودھ پیے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں بنے گا' جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ جب یہ مسئلہ واضح ہو گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص جس نے آپ کی نانی کا دودھ پیا ہے صرف اسی صورت میں آپ کا ماموں ہو گا جب رضاعت کی شرائط پوری ہوں گی اور پھر اگر یہ آپ کا ماموں ہے تو آپ اس کی جس بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کے لیے حلال ہے' خواہ اس نے اس شخص کی ماں کا دودھ پیا ہو جس نے آپ کے ماموں کے ساتھ آپ کی نانی کا دودھ پیا ہے کیونکہ رضاعت سے پیدا ہونے والی حرمت کا تعلق صرف دودھ پلانے والے اور اس کی اولاد تک محدود رہتا ہے' یہ تعلق اس کے اصول و فروع کے رشتہ داروں تک نہیں پھیلتا۔

—————— شیخ ابن عثیمین ——————

ایک دفعہ کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی


میری امی نے مجھے بتایا ہے کہ میں نے ایک بار اس عورت کا دودھ پیا ہے' جس کی بیٹی سے میں شادی کرنا چاہتا

ہوں' کیا اس کی بیٹی سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے؟

جواب وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور بچے نے دو سال کے اندر دودھ پیا ہو اور اگر رضعات پانچ سے کم ہوں تو ان سے حرمت ثابت نہیں ہو گی' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

«أَرْضِعِيهِ ـ اَيْ سَالِمًا ـ خَمْسَ رَضَعَاتٍ تَحْرُمِي عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، ح:١٤٥٣ ولفظة "خمس رضعات" ليست عنده)

"سالم کو پانچ رضعات (دودھ) پلا دو اس سے تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ١٠٣/٤، ح:٤٣١٩)

"رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

——— شیخ ابن باز ———

حرمت پانچ رضعات سے ثابت ہوتی ہے

سوال میں نے ایک عورت کے تین رضعات مختلف مجلسوں میں روزانہ ایک رضعہ کے حساب سے پیے ہیں' کیا میں اس عورت کی اولاد کا بھائی ہوں یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب تین رضعات سے حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ حرمت کے لیے پانچ رضعات یا اس سے زیادہ کا ہونا ضروری ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب في المصة والمصتان، ح:١٤٥١)

"ایک یا دو رضعات سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب

التحریم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے "صحیح" اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے "جامع" میں بیان کیا ہے۔

ایک رضعہ یہ ہے کہ پستان کو پکڑ کر بچہ دودھ پیے خواہ وہ سیر نہ بھی ہو اور خواہ کتنی ہی دیر منہ میں رکھے اور جب وہ چھوڑ دے تو یہ ایک رضعہ ہو گا اور جب وہ دوبارہ پستان کو پکڑ کر دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا' اور اسی طرح وہ پانچ بار دودھ پیے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/١٠٣، ح:٤٣١٩)

"رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ»(صحیح مسلم، الرضاعة، باب إنما الرضاعة من المجاعة، ح:١٤٥٥)

"رضاعت وہ ہے جو بھوک مٹائے۔"

——— شیخ ابن باز ———

چچا کی بیٹی کی بھائی کے ساتھ رضاعت

سوال میرے چچا کی ایک بیٹی ہے' جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ اس نے میرے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے اور پانچ رضعات سے زیادہ پیا ہے' اس بارے میں کیا حکم ہے' یہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب اگر مذکورہ لڑکی نے آپ کی والدہ کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو پھر وہ آپ کی اور آپ کے ماں باپ کی طرف سے آپ کے تمام بھائیوں کی بہن ہے بشرطیکہ اس کے دودھ پینے کے وقت آپ کی والدہ آپ کے باپ کے ساتھ ہو اور اگر وہ اس وقت آپ کے باپ کے علاوہ کسی اور شوہر کے پاس تھی تو یہ ماں کی طرف سے آپ کی رضاعی بہن ہو گی' نیز اس کے تمام شوہروں کی اولاد کی بھی بہن ہو گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کے بیان میں فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحیح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحیح مسلم، الرضاع، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة،

ح: ١٤٤٤)

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

شیخ ابن باز

پانچ رضعات کی صورت

سوال ان پانچ رضعات کی کیا صورت ہوتی ہے' جن سے دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے بچوں کا بھائی بن جاتا ہے؟

جواب صحیح قول یہ ہے کہ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اپنے منہ کے ساتھ پستان کو پکڑے اور اس سے دودھ چوسے اور پھر چھوڑ دے خواہ سیر ہوا ہو یا نہیں اور خواہ وہ از خود چھوڑ دے یا عورت نے اس کے منہ سے پستان کو نکال دیا ہو یا اس کے منہ میں دوسرا پستان دے دیا ہو' الغرض رضعہ پستان کو منہ میں ڈال کر نکال دینا ہے اور جب بچہ پانچ بار اس طرح کرے تو وہ بچہ مرضعہ کا بیٹا بن جائے گا' خواہ ان پانچ رضعات سے وہ سیر نہ بھی ہوا ہو اور خواہ اس نے یہ پانچ رضعات ایک ہی مجلس میں پورے کر لیے ہوں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ ایک بار سیر ہو کر دودھ پیے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

شیخ ابن جبرین

کیا وہ اس کے تمام بھائیوں کی رضاعی بہن ہے؟

سوال ایک شخص اپنے بھائیوں میں تیسرے نمبر پر ہے اور اس نے ایک دوسرے خاندان کی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے تو کیا یہ لڑکی اس کے تمام چھوٹے بڑے بھائیوں کی بہن ہو گی؟ نیز کیا یہ لڑکی اس شخص کے دوسری ماں سے بھائیوں کی بھی بہن ہو گی؟

جواب جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی اور پھر دس کو پانچ رضعات سے منسوخ کر دیا گیا اور جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان سے دودھ پیے اور پھر سانس لینے کے لیے یا پستان بدلنے کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے چھوڑ دے اور جب وہ دوبارہ دودھ پینا شروع کرے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا' لہٰذا جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے کسی لڑکی کی ماں یا اس کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے اور اس طرح پیا ہے جس طرح کی کیفیت پہلے بیان کی گئی ہے تو وہ اس لڑکی کا اور اس کے والدین کی طرف سے یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے تمام بہن بھائیوں کا بھائی ہو گا' اس کے بھائیوں میں سے ہر ایک کے لیے اس لڑکی یا اس کی بہنوں میں سے کسی سے بھی شادی کرنا جائز ہو گی اور اس رضاعت کا اس شادی پر کوئی اثر نہ ہو گا۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

ناامیدی کے بعد کی رضاعت .....

سوال اس عورت کے دودھ کے بارے میں کیا حکم ہے جو مایوسی کی عمر کو پہنچ گئی ہو اور پھر اسے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچے کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلا دے' کیا یہ بھی حرمت کا سبب ہو گا اور اگر اس دودھ پلانے والی عورت کا کوئی شوہر نہ ہو تو بچے کا رضاعی باپ کون ہو گا؟

جواب رضاعت موجب حرمت ہے اور اس سے بھی وہی حرمت ثابت ہوتی ہے جو نسب سے ثابت ہوتی ہے' مذکورہ رضاعت چونکہ پانچ رضعات پر مشتمل اور دو سال کی عمر کے اندر ہے' لہٰذا یہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں ہو گی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ ﴾ (النساء ٤/ ٢٣)

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو (وہ بھی تم پر حرام ہیں۔)"

دودھ اگر مایوسی کی عمر کے بعد پیا ہو تو پھر بھی اس کی رضاعی ماں ہو گی اور پھر اگر یہ عورت شوہر والی ہو تو یہ بچہ اس کا اور اس کے شوہر کا جس کی طرف دودھ منسوب ہے' بیٹا ہو گا اور اگر یہ عورت شوہر والی نہ ہو کہ اس نے ابھی شادی ہی نہ کی ہو تو پھر یہ اس بچے کی ماں ہو گی جسے اس نے دودھ پلایا ہو اور اس بچے کا رضاعی باپ کوئی نہ ہو گا۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ بچے کی رضاعی ماں تو ہو لیکن اس کا کوئی رضاعی باپ نہ ہو اور اس میں بھی تعجب کی کوئی بات نہیں کہ کسی بچے کا کوئی رضاعی باپ تو ہو لیکن ماں نہ ہو پہلی صورت میں اگر عورت نے اس بچے کو دو رضع پلائے ہوں اور پھر اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی ہو اور عدت مکمل ہونے کے بعد اس نے کسی دوسرے شوہر سے شادی کر لی ہو' اس سے حاملہ ہو گئی ہو اور پھر اس کے بچے کو جنم دیا ہو اور پھر اس نے سابقہ بچے کو باقی رضعات بھی پلا دیئے ہوں تو یہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی کیونکہ اس بچے نے اس عورت سے پانچ رضعات دودھ پی لیا ہے البتہ اس کا رضاعی باپ کوئی نہ ہوا کیونکہ اس نے ایک آدمی کی طرف منسوب دودھ سے پانچ یا زیادہ رضعات نہیں پیئے

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے اور وہ یہ کہ بچے کا رضاعی باپ ہو تو لیکن اس کی ماں نہ ہو تو اس کی مثال ایسے

ہے جیسے ایک شخص کی دو بیویاں ہوں' ان میں سے ایک نے اس بچے کو دو رضعے اور دوسری نے باقی رضعے پلائے ہوں تو اس حالت میں یہ بچہ اس شخص کا تو رضاعی بیٹا ہوا کیونکہ اس نے اس کی طرف منسوب دودھ میں سے پانچ رضعات پیئے ہیں لیکن اس کی کوئی رضاعی ماں نہ ہو گی کیونکہ اس نے پہلی عورت سے دو رضعے اور دوسری سے تین رضعے پیئے ہیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعت سے بھی وہ رشتہ حرام ہو جاتا ہے جو نسب سے........

سوال میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن اس سلسلہ میں ایک مشکل ہے جس کے متعلق میں شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں نے ایک گھر کے لڑکے کے ساتھ دودھ پیا ہے جب کہ اس لڑکی نے اسی گھر کی ایک لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہے یعنی جس لڑکے کے ساتھ میں نے دودھ پیا ہے' اس لڑکی نے اس لڑکے کی بہن کے ساتھ دودھ پیا ہے لیکن یاد رہے میں نے اس لڑکی کے کسی حقیقی بھائی یا بہن کے ساتھ دودھ نہیں پیا اور نہ اس لڑکی نے میری والدہ کا دودھ پیا ہے تو سوال یہ ہے کیا میں اس لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں؟

جواب اگر آپ نے کسی عورت مثلاً زینب کا دودھ پیا ہو اور اس لڑکی نے بھی اس عورت کا اس کے کسی دوسرے لڑکے یا لڑکی کے ساتھ دودھ پیا ہو تو یہ لڑکی آپ کی بہن ہوئی خواہ اس نے آپ سے پہلے دودھ پیا ہو یا بعد میں بشرطیکہ رضاعت تامہ ہو یعنی اس نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہوں اور دو سال کی عمر کے اندر اندر پیے ہوں۔

——— شیخ ابن باز ———

ناواقفیت کی وجہ سے رضاعی بہن سے شادی

سوال بیوی کے ساتھ دخول کے بعد معلوم ہوا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے کیونکہ میں نے اس کی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا' کیا اس حالت میں یہ مجھ پر حرام ہے؟

جواب ہاں اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کی ہے کہ آپ نے اپنی اس بیوی کی بہن کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا ہے یعنی آپ نے بیوی کی ماں کا یا بیوی کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو اس حالت میں آپ اس کے بھائی ہوئے' لہٰذا یہ نکاح باطل ہوا لیکن ضروری ہے کہ آپ یہ بات جان لیں کہ رضاعت اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے جب یہ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ چھڑانے کی عمر سے پہلے' یعنی دو سال کے اندر اندر ہو اور اگر رضاعت اس سے کم ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

اگر آپ کو یقین ہو کہ آپ نے اپنی اس بیوی کی ماں کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ پیا ہے اور دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے تو پھر آپ دونوں کے درمیان علیحدگی ضروری ہے کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔ رضاعت کا علم ہونے سے پہلے اس شادی کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوئی' وہ شرعاً آپ ہی کی طرف منسوب ہو گی کیونکہ یہ اولاد شبہ میں وطی سے پیدا ہوئی ہے اور شبہ میں وطی کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہو تو اس کے ساتھ نسب کو ملا دیا جاتا ہے' جیسا کہ اہل علم نے فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعی بہن سے شادی

سوال میں مغرب کی رہنے والی ایک نوجوان عورت ہوں' میں نے چار سال پہلے اپنے پھوپھی زاد سے شادی کی تھی' شادی سے پہلے میں نے اپنے وطن میں ایک عالم سے یہ پوچھا تھا کہ میری اس سے شادی حلال ہے یا نہیں' کیونکہ میں نے اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر اس کی ماں کا دودھ پیا تھا؟ اس کا یہ چھوٹا بھائی میرا ہم عمر ہے جب کہ یہ مجھ سے پندرہ سال بڑا ہے تو اس عالم نے بتایا تھا کہ تیرے ساتھ اس کے لیے شادی کرنا حلال ہے' چنانچہ دستور کے مطابق شادی ہو گئی۔ شادی کے دو سال بعد ہم نے مغرب میں ٹیلی وژن کا ایک علمی پروگرام دیکھا جس میں علماء نے اس طرح کی شادی کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اور میرے شوہر کو بہت پریشانی لاحق ہو گئی ہے' لہٰذا امید ہے کہ آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے' کیا یہ شادی حلال ہے یا حرام؟ کیا میں اپنے شوہر کی رضاعی بہن ہوں یا اس کے صرف اس بھائی کی رضاعی بہن ہوں جس کے ساتھ شامل ہو کر میں نے دودھ پیا ہے؟

جواب اگر آپ نے اپنے شوہر کی ماں کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو آپ اس کی رضاعی بہن ہیں خواہ آپ نے دودھ اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ مل کر پیا ہو' اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے' جس شخص نے آپ کو اس نکاح کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا اس نے ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا اور علم کے بغیر فتویٰ دیا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم کی سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

''تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔''

اور صحیحین میں حضرت عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔''

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین میں سمجھ بوجھ اور ثابت قدمی عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

یہ رضاعت غیر مؤثر ہے

 میری عمر چھ ماہ تھی کہ میری والدہ فوت ہو گئیں اور میری دادی نے میری تربیت کی' انہوں نے مجھے گائے کا

دودھ پلایا، لیکن کبھی کبھی مجھے بہلانے کے لیے وہ اپنا پستان بھی میرے منہ میں دے دیتیں تھیں جب کہ اس میں دودھ بھی نہیں ہوتا تھا، کیا اس صورت میں میرے لیے اپنے چچا یا پھوپھیوں کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب آپ کی دادی اس وقت چونکہ بڑی عمر کی تھیں، حیض اور ولادت سے ناامید ہو چکی تھیں، ان کے پستان بھی خشک تھے اور ان میں دودھ نہیں تھا اور انہوں نے جب پستان آپ کے منہ میں ڈالا تو اس وقت بھی اس سے دودھ نہ نکلا اور انہوں نے محض آپ کو بہلانے کے لیے اور رونے سے چپ کرانے کے لیے ایسا کیا تو ان حالات میں آپ کے لیے اپنے چچا کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز ہے، کیونکہ شادی سے مانع کوئی قرابت نہیں اور نہ ہی کوئی مؤثر رضاعت ثابت ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

اس کے چچا نے میرے ساتھ میری والدہ کا دودھ پیا

سوال میرے ماموں کی ایک بیٹی ہے، جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کے چچا نے میرے ساتھ مل کر میری والدہ کا دودھ پیا ہے اور وہ اس لڑکے کی چچا کی بہن ہے، جب کہ یہ چچا میرا رضاعی بھائی ہے اور ماموں میری والدہ کا بھائی ہے، لیکن یاد رہے ہمیں رضعات کی تعداد معلوم نہیں ہے، سوال یہ ہے کیا اس لڑکی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے یا نہیں؟

جواب یہ رضاعت آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہیں بشرطیکہ اس لڑکی نے آپ کی والدہ کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ اس کے باپ یا ماں نے دودھ پیا ہو اور نہ آپ نے اس کی ماں کا یا اس کے باپ کی کسی دوسری بیوی کا دودھ پیا ہو۔ اس کے چچا کا بلکہ اس کے بھائیوں کا دودھ پینا بھی آپ کے لیے نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ حکم صرف اسی کے ساتھ اور اس کی فرع کے ساتھ متعلق ہو گا، لہٰذا اس صورت میں آپ کے لیے یہ نکاح ان شاء اللہ حلال ہو گا، خصوصاً جب کہ رضاعت کی تعداد بھی مشکوک ہے اور مسائل میں اصل اباحت ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مشکوک بات کو چھوڑ دو

سوال میں بیس سال کا نوجوان ہوں۔ میں نے جب اپنے نصف دین کی تکمیل کے سلسلہ میں اپنے ایک قریبی خاندان کے متعلق سوچا اور حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ میں نے بچپن میں اس لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا ہے، جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن لڑکی کی والدہ کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے مجھے کتنے رضعات دودھ پلایا تھا، رضاعت کے وقت اس کا صرف ایک ہی بچہ تھا اور میری والدہ اس وقت فوت ہو چکی تھیں، کیا اس خاتون کی بیٹی سے میرے لیے شادی کرنا حلال ہے یا رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے حرام ہے؟ امید ہے جواب سے مطلع فرمائیں گے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے، آپ کے علم سے نفع پہنچائے اور آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔

جواب اگر وہ رضاعت موجود ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ پانچ معلوم رضعات ہیں تو یہ لڑکی آپ کے لیے حلال نہ ہو گی کیونکہ یہ آپ کی بہن ہے اور اس کی والدہ آپ کی رضاعی ماں ہے۔ آپ کی والدہ کو اگر رضعات کی تعداد میں

شک ہو تو پھر بھی بہتر یہ ہے کہ آپ کسی اور لڑکی سے شادی کریں' کیونکہ یہاں حرمت کا گمان ضرور ہے' لہٰذا مشکوک بات کو چھوڑ کر اسے اختیار کریں جو شک و شبہ سے بالا ہو' خصوصاً ان حالات میں کہ جب آپ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ شیر خوار بچے تھے' لہٰذا ظن غالب یہی ہے کہ اس عورت نے آپ کو بہت دودھ پلایا ہو گا۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت محرم

سوال میرے والد کی میری والدہ کے علاوہ ایک اور بیوی بھی ہے اور اس کے بطن سے بھی میرے باپ کی اولاد ہے' ہماری ایک خالہ' یعنی میری والدہ کی ایک بہن بھی ہے' جس نے مجھے اور ماں کی طرف سے میرے بھائیوں کو دودھ بھی پلایا ہے اور اس خالہ کے بچے اور بچیاں بھی ہیں' سوال یہ ہے' کیا باپ کی طرف سے میرے بھائیوں کے لیے میری خالہ کی بیٹیوں کے ساتھ پردے کے بغیر بیٹھنا اور باتیں کرنا جائز ہے؟ یاد رہے باپ کی طرف سے میرے ان بھائیوں نے میری خالہ کا دودھ نہیں پیا' کیا اس صورت میں میری خالہ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں ہمارے سب کے بہن بھائی ہوں گے؟

جواب آپ کے ان بھائیوں کے لیے جنہوں نے آپ کی خالہ کا دودھ نہیں پیا' یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو آپ کی خالہ کی بیٹیوں کا محرم شمار کریں' کیونکہ انہوں نے آپ کی خالہ کا دودھ نہیں پیا' آپ کی خالہ کی بیٹیوں کے لیے آپ کے صرف وہ بھائی محرم ہیں جنہوں نے آپ کی خالہ سے مکمل رضاعت حاصل کی ہے' مکمل رضاعت سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پیے ہوں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح:٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سالوں کے اندر ہو۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کا حکم منسوخ کر دیا گیا' نبی ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

شوہر دودھ آور ہے

سوال ایک بچے نے اپنے چچا کے گھر تربیت پائی اور اس نے اپنے چچا کی پہلی بیوی کا دودھ پیا' کچھ عرصہ کے بعد اس کے چچا نے ایک دوسری عورت سے شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی تو کیا مذکورہ بچے کے لیے بڑا ہونے کے بعد اپنے چچا کی اس بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے جس کی والدہ کا اس نے دودھ نہیں پیا؟

جواب اگر مذکورہ بچے نے اپنے چچا کی بیوی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو اس سے وہ اپنے چچا کا رضاعی بیٹا بن گیا اور اس کے چچا کی تمام بیویوں کی اولاد اس کے بہن بھائی ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بچے کے لیے اپنے چچا کی مذکورہ بیٹی سے بھی شادی کرنا حرام ہے کیونکہ وہ باپ کی طرف سے اس کی رضاعی بہن ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں بھی حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں' جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت کی وجہ سے حرمت کی حدود

سوال دو عورتوں میں سے ایک کا بیٹا ہے اور دوسری کی بیٹی' لیکن انہوں نے ایک دوسرے کے بچوں کو دودھ پلایا ہے تو دودھ پینے والوں کے بھائیوں میں سے کون دوسروں کے لیے حلال ہے' رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب جب کوئی عورت کسی بچے کو پانچ معلوم رضعات یا اس سے زیادہ دو سال کی عمر کے اندر پلاوے تو دودھ پینے والا بچہ اس عورت اور اس کے شوہر کا جو کہ دودھ کا سبب ہے' بیٹا بن جاتا ہے اور اس دودھ والے شوہر سے اس عورت کی تمام اولاد اس بچے کے بہن بھائی بن جاتے ہیں' اسی طرح اس صاحب لبن (دودھ والے) شوہر کی تمام اولاد بھی خواہ وہ اس عورت کے بطن سے ہو یا کسی دوسری عورت کے بطن سے وہ بھی اس کے بھائی بن جاتے ہیں' اس عورت کے بھائی اس بچے کے ماموں اور اس صاحب لبن شوہر کے بھائی اس بچے کے چچا ہوں گے۔ عورت کا باپ اس بچے کا نانا اور اس کی ماں اس کی نانی ہو گی' صاحب لبن شوہر کا باپ اس بچے کا دادا اور اس کی ماں اس کی دادی ہو گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔" آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ»(سنن الدارقطني:٤/ ١٠٣، ح:٤٣١٨ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين:٧/ ٤٦٢ واللفظ له)

"رضاعت وہی (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی' پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور نبی ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

آپ کی پھوپھی کے بیٹے کی وہ بیٹی جس نے .....

سوال میری پھوپھی کا ایک بیٹا ہے جس کی ایک بیٹی ہے' میری پھوپھی کے اس بیٹے نے میری بڑی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے' کیا اس کی بیٹی سے شادی کرنا میرے لیے حلال ہے یا حرام؟ اس کے باپ نے میری بڑی بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے اور اس طرح اس کا باپ میرا بھائی ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے اور دودھ پینے والے مذکورہ شخص نے سائل کی ماں کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دودھ پیا ہے اور دو سال کی عمر کے اندر پیا ہے تو پھر سائل کے لیے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے' کیونکہ یہ اس کا رضاعی چچا ہے اور صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ» (سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ماجاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہ (معتبر) ہے جو دو سالوں کے اندر ہو۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح: ١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

—— شیخ ابن باز ——

آپ کے بھائی کا آپ کی بیوی کی بہن کے ساتھ دودھ پینا

سوال ایک آدمی کے بڑے بھائی نے اس کی بیوی کی ماں کی طرف سے بہن کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' کیا اس رضاعت کا اس کی بہن کے نکاح پر اثر پڑے گا؟

جواب سائل کے بڑے بھائی کا اس کی بیوی کی ماں کی طرف سے بہن کے ساتھ مل کر دودھ پینے کا اس کی بیوی کے اس کے ساتھ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس کی بیوی اس کے بھائی کی رضاعی بہن ہونے کی وجہ سے اس پر حرام نہیں ہو گی' ہاں البتہ وہ اس کے بھائی کے لیے حرام ہو گی بشرطیکہ دودھ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پیا ہو۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

ناامیدی کی عمر کے بعد بھی رضاعت سے حرمت ہے؟

سوال ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوۃ وارشاد کی رأستہ عامہ کو یہ سوال موصول ہوا ہے کہ حاجن مسعودہ کے ہاں عبدالرحمٰن نامی بیٹا پیدا ہونے کے بعد پیدائش کا سلسلہ منقطع ہو گیا کیونکہ وہ ناامیدی کی عمر کو پہنچ گئی تھی' یہ بیٹا عبدالرحمٰن جب چار سال کی عمر کا ہوا تو اس کے بڑے بیٹے محمد کے گھر ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مسعود رکھا گیا' جب مسعود کی عمر ایک سال نو ماہ تھی تو اس کی دادی حاجن مسعودہ نے اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دیا جب کہ عبدالرحمٰن کا دودھ چھڑا دیا گیا

تھا' لہٰذا ہمیں معلوم نہیں کہ مسعود نے جب پستان منہ میں لیا تو اس سے دودھ آیا یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے' کیا مسعود کے لیے اپنے چچا مختار کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں دین کا کیا حکم ہے؟

جواب جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے یہ وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور یہ رضاعت دو سال کی عمر کے اندر ہو' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۳۳)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل ہوا تھا جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا" اگر مسعود بن محمد نے اپنی دادی مسعودہ کا اس طرح دودھ پیا ہے جس طرح اس آیت اور حدیث میں ذکر ہے۔ اور اس کی دادی مسعودہ کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ اتر آیا تھا۔ تو پھر مسعود کے لیے اپنے چچا مختار کی بیٹی سے شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ صورت میں وہ اس کا چچا ہے اور اگر دودھ کے اترنے میں شک ہو یا رضاعت پانچ رضعات سے کم ہو تو پھر اس سے شادی کرنا جائز ہو گا۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت کی طرح خون سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال جب کوئی عورت بیمار ہو' اسے خون دینے کی ضرورت ہو' کسی اجنبی شخص کا اسے خون دیا گیا ہو' اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دے تو کیا خون دینے والے شخص کا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

جواب کسی مرد کے خون کو طاقت کے لیے عورت میں منتقل کر دینے سے حرمت لازم نہیں آتی' جس طرح رضاعت سے حرمت لازم آتی ہے' خواہ خون کتنی ہی بار کیوں نہ منتقل کیا گیا ہو' اس طرح اگر کسی مرد کو کسی عورت کا خون منتقل کیا گیا ہو تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے' لہٰذا ان دونوں کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نانی کا دودھ پینے کی وجہ سے ماموں کی بیٹی سے .....

سوال میں نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے' کیا میرے لیے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب جس رضاعت سے حرمت حاصل ہوتی ہے وہ' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو اور ایک رضعہ یہ ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں لے کر اس سے دودھ چوسے اور پھر اسے چھوڑ دے اور اگر وہ پھر پستان کو منہ میں لے لے اور اس سے دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا لہٰذا اگر آپ نے اس طرح اپنی نانی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ پیا ہے تو آپ اپنے ماموں کے رضائی بھائی بن گئے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ . . . . وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ....اور بھتیجیاں اور بھانجیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الرَّضَاعَةَ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاعة، ح:٢٦٤٦ وصحيح مسلم، الرضاعة، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤ واللفظ له)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہیں جو ولادت سے حرام ہیں۔"

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھران کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔"

اگر آپ نے اپنی نانی کا پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہے یا دو سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو پھر آپ کے لیے اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں

سوال ایک عورت کی کچھ شادی شدہ بیٹیاں ہیں' جن میں سے ایک کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے' اس بچے کے بھائی بھی ہیں' سوال یہ ہے کہ اس رضاعت کا اس کے بھائیوں پر کیا اثر پڑے گا؟ کیا اس لڑکے کا کوئی دوسرا بھائی اپنی خالہ کی سگی بیٹی کے ساتھ شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ امید ہے فتویٰ عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے اور آپ کی حفاظت فرمائے!

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے کہ ایک لڑکے نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے اور

اس کے دوسرے بھائیوں نے اس کا دودھ نہیں پیا تو پھر اس کے بھائیوں کے لیے اپنی خالاؤں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا جائز ہے' اس رضاعت کا ان کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

جس عورت کا دودھ پیا ہو تو اس کی اولاد سے شادی حرام ہے

سوال میں ایک نوجوان ہوں اور ایک شخص کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں' لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے اس شخص کی بیوی کا اس کی ایک دوسری بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا جو کہ اب فوت ہو چکی ہے اور اس کی وفات کے بعد یہ بیٹی پیدا ہوئی تو کیا اس سے شادی کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللّٰہ خیرًا؟

جواب اگر اس شخص کی بیوی نے جس کی بیٹی سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلائے ہیں تو یہ آپ کی رضاعی ماں ہے' اس کا شوہر آپ کا رضاعی باپ اور اس کی بیٹیاں آپ کی رضاعی بہنیں ہیں' لہٰذا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی آپ کا شادی کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

''اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں (بھی تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔)''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

''رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔''

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح:١١٥٠)

''قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا' جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی پھر ان کو پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا' نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت وہ قرآن میں پڑھی جاتی تھیں۔''

اس مسئلہ سے متعلق اور بھی احادیث ہیں۔ اگر آپ نے پانچ رضعات سے کم دودھ پیا ہے یا دو سال کی عمر کے بعد پیا ہے تو اس رضاعت سے حرمت ثابت ہو گی نہ ہی دودھ پلانے والی عورت آپ کی ماں ہو گی' نہ اس کا شوہر آپ کا باپ ہو

گا اور نہ اس رضاعت کے باعث ان کی بیٹی کے ساتھ آپ کی شادی حرام ہو گی۔ مذکورہ حدیث کے پیش نظر اس مسئلہ میں اہل علم کا صحیح ترین قول یہی ہے' نیز دیگر احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے' مثلاً نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لاَ رَضَاعَ إِلاَّ فِي الْحَوْلَيْنِ» (سنن الدارقطني: ٤/ ١٠٣، ح: ٤٣١٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الرضاع، باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين: ٧/ ٤٦٢)

"رضاعت وہ (معتبر) ہے جو دو سال کے اندر ہو۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لاَ تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ أَوِ الرَّضْعَتَانِ» (صحيح مسلم، الرضاع، باب في المصة والمصتان، ح: ١٤٥١)

"ایک رضعہ یا دو رضعے حرام نہیں کرتے۔"

اہل علم نے اس مسئلہ سے متعلق کچھ دیگر احادیث بھی ذکر کی ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

رضاعی بہنوں کی پھوپھیوں سے نکاح حرام ہے

سوال میری کچھ رضاعی بہنیں ہیں جن کی پھوپھیاں ہیں تو کیا وہ میری بھی پھوپھیاں ہیں یا نہیں؟ کیا نسبی پھوپھیوں کی طرح ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں؟ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اگر آپ ان کے باپ کی طرف سے یا ماں باپ کی طرف سے رضاعی بھائی ہیں تو ان کی پھوپھیاں آپ کی بھی پھوپھیاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے رضاعی باپ کی بہنیں ہیں' لہٰذا ان سے بھی نسبی پھوپھیوں کی طرح نکاح کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح: ٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح: ١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

ہاں البتہ اگر وہ آپ کی ایسے باپ کی طرف سے بہنوں کی پھوپھیاں ہوں جو ان کا تو رضاعی باپ ہو مگر آپ کا باپ نہ ہو اور انہوں نے ایسی عورت کا دودھ پیا ہو جس کا آپ نے دودھ نہ پیا ہو تو پھر وہ آپ کے لیے اجنبی ہوں گی' ان میں سے کسی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں' کیونکہ وہ آپ کی پھوپھیاں نہیں ہیں بلکہ آپ کی بہنوں کی پھوپھیاں ہیں کیونکہ وہ آپ کے باپ کی نہیں بلکہ ان کے رضاعی باپ کی بہنیں ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

———— شیخ ابن باز ————

بڑی عمر میں رضاعت مؤثر نہیں


سوال میں نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ مرد کے لیے اپنی بیوی کا دودھ پینا حرام نہیں ہے تو اس کی وجہ سے میں

قلق و اضطراب میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ اگر یہ حرام نہیں تو کسی شخص کی بیوی اس کی رضاعی ماں کیسے ہو سکتی ہے امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب بڑی عمر کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی کیونکہ مؤثر رضاعت وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کی عمر میں ہو' لہٰذا اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ کسی نے کسی طرح اپنی بیوی کا دودھ پی لیا ہو تو وہ اس کا رضاعی بیٹا نہیں ہو گا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال فیصل نے محمد کے ساتھ مل کر محمد کی والدہ کا دودھ پیا ہے اور رضاعت تامہ حاصل ہے' فیصل کی ایک بڑی بہن بھی ہے' کیا محمد کے لیے اس سے نکاح کرنا حرام ہے یا نہیں؟ امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے؟

جواب مذکورہ رضاعت صرف فیصل کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ فیصل نے محمد کی والدہ کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل دودھ دو سال کی عمر کے اندر پیا ہو۔ اس صورت میں وہ اس عورت کی اولاد کا بھائی بن جائے گا لیکن اس رضاعت کا فیصل کے بہن بھائیوں سے کوئی تعلق نہیں ہو گا اور وہ محمد کے بہن بھائی نہیں ہوں گے' لہٰذا محمد کے لیے فیصل کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں کے درمیان اور کوئی ایسی رضاعت یا قرابت نہ ہو جس کی وجہ سے شادی حرام قرار پاتی ہو۔ وباللہ التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

وہ آپ کے رضاعی ماموں ہیں

سوال میری والدہ کو ایک عورت نے دودھ پلایا تھا اور اس (دودھ پلانے والی عورت) کی کئی اور سوکنیں بھی ہیں تو کیا ان سوکنوں کی اولاد بھی میرے ماموں شمار ہوں گے یا نہیں؟

جواب یہ دودھ پلانے والی عورت آپ کی نانی شمار ہو گی کیونکہ اس نے آپ کی والدہ کو دودھ پلایا ہے' اس عورت کا شوہر آپ کی والدہ کا باپ اور آپ کا نانا ہو گا' اس (عورت) کی سوکنوں کی اولاد آپ کی والدہ کے بھائی اور آپ کے ماموں ہوں گے کیونکہ وہ آپ کے نانا کی اولاد ہیں' لہٰذا وہ آپ کے رضاعی ماموں ہوں گے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

رضاعت میں شک سے نکاح باطل نہیں ہوتا

سوال ایک شخص نے اپنے ماموں کی بیٹی سے نکاح کیا جس سے پانچ بچے پیدا ہوئے' اس کے بعد اس کی والدہ اور خاندان کے دیگر لوگوں کی گفتگو ہو رہی تھی کہ اس کی والدہ نے بتایا کہ اس نے اس کی بیوی کو اس وقت دودھ پلایا تھا جب کہ اس کی عمر نو ماہ تھی' پہلے تو اس نے کہا تھا کہ اس نے اسے صرف ایک بار دودھ پلایا تھا اور جب اس سے اصرار کے

ساتھ پوچھا گیا کہ خوب یاد کر کے سچ سچ بتائے کہ اس نے اسے کتنی بار دودھ پلایا تھا تو اس نے کہا کہ اب اسے یہ یاد نہیں کہ اس نے اسے ایک بار دودھ پلایا تھا یا زیادہ بار کیونکہ اب اس واقعہ کو بیس سال ہو چکے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب اس حالت میں اسے کچھ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رضاعت کے احکام صرف اسی صورت میں ثابت ہوتے ہیں جب یہ پانچ رضعات پر مشتمل ہو اور دودھ چھڑانے سے پہلے دو سال کی عمر کے اندر ہو' اگر رضاعت اس سے کم ہو تو اس سے حرمت یا احکام رضاعت ثابت نہیں ہوتے۔ اگر رضاعت میں شک ہو کہ وہ پانچ رضعات ہے یا اس سے کم ہے تو اس صورت میں اسے پانچ رضعات سے کم سمجھا جائے گا اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہو گی' لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ شک کی صورت میں شادی نہ کی جائے' لیکن اب جب کہ شادی ہو چکی ہے' عقد بھی صحیح طریقے سے ہوا ہے' لہٰذا تفریق لازم نہیں ہے کیونکہ ایسی کوئی یقینی وجہ ثابت نہیں ہے جو مفسد نکاح ہو بلکہ عقد ثابت اور یقینی ہے جب کہ مفسد غیر یقینی ہے' لہٰذا یقینی کو غیر یقینی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا لہٰذا یہ نکاح برقرار رہے گا اور اس میں کوئی حرج نہیں' الا یہ کہ اس کی والدہ کو یہ یاد آجائے کہ اس نے اس عورت کو پانچ یا اس سے زیادہ مرتبہ رضاعت کے وقت میں دودھ پلایا ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ یہ عقد فاسد ہے' لہٰذا اس صورت میں تفریق ضروری ہو گی' اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد اس شخص کی شرعی اولاد ہو گی کیونکہ یہ ایسے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے جسے یہ حکم شرعی کے تقاضے کے مطابق صحیح سمجھتا تھا۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

دودھ چھڑانے کی عمر کے بعد رضاعت مؤثر نہیں

سوال ایک بچی کی عمر چار سال ہے' اس نے ایک سال کی عمر کے بچے کی ماں کا دودھ پیا تھا تو کیا وہ اس بچے کی رضاعی بہن ہے جو اس سے عمر میں تین سال چھوٹا ہے؟

جواب یہ رضاعت مؤثر نہیں ہے کیونکہ اکثر اہل علم کے نزدیک دو سال کی عمر کے بعد بچے کی رضاعت مؤثر نہیں ہوتی اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس سلسلہ میں اعتبار بچے کے دودھ چھوڑ دینے کا ہے یعنی اگر وہ دو سال کی عمر سے پہلے بھی دودھ چھوڑ دے تو پھر بھی رضاعت مؤثر نہیں ہے اور اگر دو سال کے بعد بھی اس کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو تو پھر دو سال بعد بھی رضاعت مؤثر ہے اور ظاہر ہے کہ چار سال کی بچی کا دودھ چھڑا دیا گیا ہوتا ہے' لہٰذا اس کی یہ رضاعت مؤثر نہیں ہو گی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

رضاعت محرم

سوال رضاعت سے دودھ پینے والوں کی آپس میں شادی حرام ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کیا رضاعت سے دونوں طرف کے تمام بھائیوں کی شادی ممنوع ہو جاتی ہے؟ امید ہے وضاحت فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

 جب کوئی انسان کسی عورت کا اس شرعی طریقے سے دودھ پیے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ بچہ

پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر اندر پیے تو اس سے اس پر دودھ پلانے والی عورت' اس عورت کی مائیں' بہنیں' پھوپھیاں' خالائیں' بیٹیاں' بھتیجیاں اور بھانجیاں سب حرام ہو جاتی ہیں خواہ وہ ایک شوہر سے ہوں یا زیادہ شوہروں سے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

لیکن اس کے ان بھائیوں پر جنہوں نے اس عورت کا دودھ نہ پیا ہو' اس کی بیٹیوں سے نکاح کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ یہ ان کی ماں نہیں ہے' اس نے انہیں دودھ نہیں پلایا بلکہ اس نے تو ان کے بھائی کو دودھ پلایا ہے اور نہ اس کے بیٹوں کے لیے دودھ پینے والے بچے کی بہنوں سے نکاح کرنا حرام ہو گا کیونکہ وہ اس کی بیٹیاں نہیں ہیں اور نہ عدم رضاعت کی وجہ سے وہ اس کے بیٹوں کی بہنیں ہیں اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا' نبی ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہے کہ:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں

سوال میں نے ایک عورت کا اس کے ایک بیٹے کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' پھر اس عورت کا شوہر فوت ہو گیا' اس نے عدت پوری ہونے کے بعد ایک اور شخص سے شادی کر لی' جس سے اس کے ہاں بیٹے پیدا ہوئے' کیا اس دوسرے شوہر کے بیٹے بھی میرے بھائی ہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے اور آپ نے دو سال کی عمر کے اندر اندر پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پیے ہیں تو پہلے شوہر کی اولاد آپ کے ماں باپ کی طرف سے رضاعی بھائی ہیں اور دوسرے شوہر کی اولاد صرف ماں کی طرف سے آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورۃ النساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں حرام کر دی گئی ہیں۔"

پھر اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں بھی (حرام کر دی گئی ہیں۔)"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، الرضاع، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، ح:١٤٤٤)

"رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔"

——— شیخ ابن باز ———

سوال میری بیوی اور میرے بھائی کی بیوی کے ہاں اولاد پیدا ہوئی اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسری کی اولاد کو دودھ پلایا ہے' کیا میرے بھتیجے میری بیٹیوں سے اور میرے بیٹے میری بھتیجیوں سے شادی کر سکتے ہیں؟

جواب وہ رضعات جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی مدت کے اندر ہو جیسا کہ کتاب و سنت کی ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں ڈال لے' اس سے دودھ پیے اور پھر اسے سانس لینے کے لیے یا پستان بدلنے کے لیے چھوڑ دے اور جب دوبارہ پھر پستان کو منہ میں ڈال لے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا اور اسی طرح پھر تیسرا رضعہ ہو گا' لہٰذا آپ کے جس بیٹے نے آپ کے بھائی کی بیوی کا اس طرح دودھ پیا ہے اس کے لیے آپ کے بھائی کی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز نہیں ہے' کیونکہ وہ ان کا رضاعی بھائی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اسی طرح آپ کے بھائیوں کے بیٹوں کا آپ کی بیٹیوں کی نسبت سے بھی یہی حکم ہے اگر رضاعت پانچ رضعات سے کم ہو اور دو سال کی عمر کے بعد ہو تو یہ شادی سے مانع نہیں ہوتی۔ آپ کی جس بیٹی نے آپ کے بھائی کی بیوی کا مذکورہ طریقے سے دودھ پیا ہے تو اس کے ساتھ آپ کے بھائی کے بیٹوں میں سے کسی کا بھی شادی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان کی رضاعی بہن ہے' اسی طرح آپ کے بھائی کی بیٹیوں میں سے جنھوں نے آپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے' ان کے ساتھ آپ کے کسی بھی بیٹے کا شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت کے چند مسائل

سوال ایک شخص نے دو سال کی عمر کے اندر ایک عورت کا پانچ رضعات دودھ پیا' اس عورت کے شوہر کی ایک اور بیوی بھی ہے اور اس کی اس سے بھی اولاد ہے' کیا وہ اولاد بھی اس دودھ پینے والے شخص کے بھائی ہوں گے؟

جواب اگر اس شخص نے اس عورت کا اس طرح دودھ پیا ہے جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دو سال کی عمر کے اندر پانچ رضعات پیے ہوں تو یہ عورت اس کی ماں' اس کا شوہر اس کا باپ اور شوہر کے دوسری بیوی سے بیٹے' اس کے باپ کی طرف سے بھائی' دودھ پلانے والی عورت کے اس شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے بیٹے اس کی ماں کی

طرف سے بھائی‘ اس عورت کی بہنیں‘ اس کی خالائیں اور اس کے شوہر کی بہنیں اس کی پھوپھیاں ہوں گی کیونکہ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو قرابت کی وجہ سے حرام ہیں۔

سوال ایک بچی نے دو سال کی عمر میں ایک عورت کا بہت سے رضعات پر مشتمل دودھ اس کے پہلے شوہر کے ایک بیٹے کے ساتھ مل کر پیا تھا‘ پھر اس عورت نے ایک اور شخص سے شادی کی اور اس کی بھی اس سے اولاد پیدا ہوئی تو کیا اس عورت کے دوسرے شوہر سے اس کے بیٹے بھی اس دودھ پینے والی بچی کے بھائی ہوں گے؟

جواب یہ بچی اس عورت کی بیٹی ہے‘ اس کے دوسرے شوہر سے اس کے بیٹے اس بچی کے ماں کی طرف سے بھائی ہوں گے کیونکہ اس نے ان لڑکوں کی ماں کا دودھ پیا ہے اور پہلی عورت کے شوہر کے بیٹے اس بچی کے باپ کی طرف سے بھائی ہوں گے کیونکہ اس نے ان کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سوال ایک عورت نے سوال پوچھا ہے کہ اس کے بھائی نے جو اس سے دو سال چھوٹا ہے اس کے ماموں کی بیوی کا دودھ پیا ہے تو کیا اس عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے ماموں کے بیٹوں سے پردہ نہ کرے اور اس کی ان بہنوں کے لیے کیا حکم ہے جو اس کے اس بھائی سے چھوٹی ہیں‘ جس نے اس کے ماموں کی بیوی کا دودھ پیا ہے؟

جواب اگر مذکورہ رضاعت ثابت ہے اور وہ پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہے اور دو سال کی عمر کے اندر ہے تو آپ کا یہ بھائی جس نے دودھ پیا ہے آپ کے ماموں اور اس کی بیوی کا رضائی بیٹا ہے‘ ان کے بیٹے اس کے بھائی ہوں گے‘ آپ کے ماموں کے بھائی اس کے چچا ہوں گے۔ اس کی بہنیں پھوپھیاں ہوں گی دودھ پلانے والی عورت کے بھائی اس کے ماموں ہوں گے اور اس کی بہنیں اس کی خالائیں ہوں گی‘ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب ... الخ، ح:٢٦٤٥ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

”رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔“

آپ کا مذکورہ رضاعت سے کوئی تعلق نہیں‘ لہٰذا آپ کے لیے اور آپ کی بہنوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کے بھائی کے دودھ پینے کی وجہ سے آپ اپنے ماموں زاد بھائیوں سے پردہ نہ کریں کیونکہ آپ کے لیے وہ محرم نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور دین پر ثابت قدمی کو توفیق بخشے!

——— شیخ ابن باز ———

رضاعت کا دعویٰ کیا پھر انکار کر دیا

سوال میرے بڑے بھائی نے میرے چچا کی بیٹی سے منگنی کرنی چاہی تو اس کی بیٹی کی ماں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ میرے بھائی کو بھی دودھ پلایا ہے لیکن پھر ایک مدت کے بعد میرے چچا کی یہی بیوی ہمارے گھر آئی اور اس نے اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ طلب کیا تو ہم حیران ہوئے اور ہم نے اسے یاد دلایا کہ اس نے بتایا تھا کہ اس نے

میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے تو اس نے پہلے تو اس کا اقرار کیا مگر پھر انکار کر دیا اور کہا کہ نہیں اس نے میرے بھائی کو بالکل دودھ نہیں پلایا' سوال یہ ہے کہ ہم اس کی پہلی بات مانیں یا دوسری؟ اس بارے میں شریعت کی رائے کیا ہے؟

جواب مذکورہ عورت کا پہلا دعویٰ کہ اس نے آپ کے بھائی کو دودھ پلایا ہے' اس کے بیٹوں کی آپ کی بہنوں سے شادی میں مانع نہیں ہے' بشرطیکہ اس نے آپ کی بہنوں کو دودھ نہ پلایا ہو اور اس کے بیٹوں نے آپ کی ماں کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ ہی رضاعت کی کوئی اور دوسری ایسی صورت ہو جو اس کے بیٹوں کی آپ کی بہنوں سے شادی میں رکاوٹ ہو۔

اگر اس نے اپنے پہلے دعویٰ کی خود ہی تکذیب کر دی ہے تو پھر آپ کے بھائی کی اس کی بیٹی سے شادی میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے' ہاں البتہ اگر احتیاطاً وہ اس کی بیٹی سے شادی نہ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها، ح:٢٥١٨ وسنن النسائي في السنن الكبرى، الأشربة، الحث علي ترك الشبهات، ح:٥١١٤)

"شک والی بات کو چھوڑ کر اس بات کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔"

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا' اس نے اپنے دین و عزت کو بچا لیا۔"

——— شیخ ابن باز ———

جب کسی آدمی کی ایک بیوی کا دودھ پیے تو .....

سوال ایک شخص کی اس کی دو بیویوں سے دو بیٹیاں ہیں' میں نے اس کی ایک بیوی کا دودھ پیا ہے تو کیا میرے لیے اس کی دوسری بیوی کی بیٹی سے نکاح کرنا حلال ہے؟

جواب اگر آپ نے اس شخص کی کسی بھی بیوی کا پانچ رضعات یا اس سے زیادہ دو سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہے تو آپ کے لیے اس کی کسی بیٹی سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ اس بیوی کے بطن سے' ہو جس کا آپ نے دودھ پیا ہے یا کسی دوسری بیوی کے بطن سے کیونکہ آپ اس کی تمام بیٹیوں کے رضاعی بھائی ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ . . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

یاد رہے ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں لے کر دودھ پینا شروع کر دے اور پھر اسے سانس لینے یا پستان بدلنے یا کسی اور وجہ سے منہ سے نکال دے اور جب دوبارہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ پینا شروع کر دے تو یہ دوسرا رضعہ ہو گا........ اگر رضاعت اس طرح کے پانچ رضعات سے کم ہو یا دو سال کی عمر کے بعد ہو تو پھر آپ کے لیے اس کی کسی بھی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

دودھ مرد کی طرف منسوب ہے

سوال اللہ تعالیٰ نے رضاعی بہن کو تو حرام قرار دیا ہے' کیا رضاعی بیٹے کے لیے کسی عورت کی وہ بیٹی بھی حرام ہے جس سے وہ پہلے پیدا ہوا ہو' اور عمر میں اس سے بڑا ہو؟ جب ایک شخص کی دو بیویاں ہوں اور کسی نے ان میں سے ایک کا دودھ پیا ہو تو کیا دونوں بیویوں کی بیٹیاں اس کے لیے حرام ہوں گی؟ بچہ کتنے رضعات پیے تو اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے؟

جواب جب کسی انسان نے کسی عورت کا اس طرح دودھ پیا ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے تو وہ اس کا رضاعی بیٹا شمار ہو گا اور اس کی تمام اولاد کا بھائی ہو گا خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں' رضاعت کے وقت موجود ہوں یا ان کی ولادت اس کے بعد ہوئی ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ ﴾ کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

اگر کسی آدمی نے ایک شخص کی ایک بیوی کا دودھ پیا ہو جس سے حرمت ثابت ہوتی ہو تو اس کے تمام بیٹے خواہ وہ کسی بھی بیوی سے ہوں اس کے رضاعی بھائی ہوں گے کیونکہ دودھ مرد کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یاد رہے جس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے یہ' وہ ہے جو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات پر مشتمل ہو اور دو سال کی عمر کے اندر ہو۔ ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان کو منہ میں ڈال کر دودھ پیے اور پھر اسے چھوڑ دے' خواہ اس میں دودھ ختم کر دے یا ایک ہی گھونٹ پینے پر اکتفا کرے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

رضاعت محرمہ

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنے ماموں کی بڑی بیٹی کے ساتھ مل کر دودھ پیا تھا' جس کے بعد ان کے ہاں اور بھی بیٹیاں پیدا ہوئیں اور اس بڑی بیٹی کی اب شادی بھی ہو چکی ہے تو کیا اس صورت میں میرے یا میرے کسی دوسرے بھائی کے لیے اپنے ماموں کی کسی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے؟

جواب اگر آپ نے اپنے اس ماموں کی بیوی کا پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دودھ دو سال کی مدت کے اندر پیا ہے تو آپ کے ماموں کی تمام بیٹیاں آپ کی بہنیں ہیں' ان میں سے کسی کے ساتھ بھی شادی کرنا آپ کے لیے حلال نہیں ہے' ہاں البتہ آپ کے ان بھائیوں کے لیے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جنہوں نے اپنی ممانی کا دودھ نہیں پیا بشرطیکہ آپ کے ماموں کی بیٹیوں نے بھی آپ کے بھائیوں کی ماں یا آپ کے باپ یا بھائیوں کی بیویوں میں سے کسی کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ آپ کے بھائیوں کے لیے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ ان کے مابین اس سے مانع رضاعت کا رشتہ نہ ہو۔ باقی رہا آپ کا اپنی ممانی کا دودھ پینا تو اے سائل! وہ آپ ہی کے ساتھ خاص ہے' اس سے آپ کے ماموں کی بیٹیوں سے آپ کے بھائیوں کے لیے شادی کرنا حرام نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

——— شیخ ابن باز ———

اس کی بیوی نے اس کے باپ .....

سوال میں نے اپنی بیٹی کی اپنے بھتیجے سے شادی کر دی اور شادی کے بعد معلوم ہوا کہ شادی کرنے والے اس لڑکے کے والد کی بیوی نے اس بیٹی کو پانچ نہیں بلکہ یقینی اور صحیح طور پر چار دن مسلسل دودھ پلایا تھا' لیکن یاد رہے یہ دودھ پلانے والی عورت اس شادی کرنے والے لڑکے کی والدہ نہیں بلکہ اس کے باپ کی دوسری بیوی ہے' سوال یہ ہے کیا اس بیٹی کا اس لڑکے سے نکاح حلال ہے؟

جواب جب اس مذکورہ بیٹی نے اپنے شوہر کے باپ کی بیوی کا دودھ پیا ہے اور یہ رضاعت پانچ رضعات پر مشتمل اور دو سال کی مدت کے اندر تھی تو پھر یہ بیٹی اس کی رضاعی بہن ہوئی' لہٰذا اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَـٰتُكُمْ . . . . وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَـٰعَةِ﴾ (النساء٤/ ٢٣)

"تم پر تمہاری مائیں ..... اور تمہاری رضاعی بہنیں حرام کر دی گئی ہیں۔"

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَنَسَخَ مِنْ ذٰلِكَ خَمْسًا وَصَارَ إِلَى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَالأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ»(صحيح مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، ح:١٤٥٢/ ٢٤ وجامع الترمذي، الرضاع، باب ما جاء لا تحرم المصة ولا المصتان، ح: ١١٥٠ واللفظ له)

"قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کا حکم نازل کیا گیا تھا جو کہ حرام کرتے تھے' پھر ان میں سے پانچ رضعات کو منسوخ قرار دے دیا گیا اور اب پانچ معلوم رضعات رہ گئے جو کہ حرام قرار دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت اسی کے مطابق عمل تھا۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَٱلْوَٰلِدَٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ ٱلرَّضَاعَةَ ۚ﴾ (البقرة٢/ ٢٣٣)

"اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔"

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«لاَ يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلاَّ مَا فَتَقَ الأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ» (جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء ان الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين، ح:١١٥٢)

"صرف وہی رضاعت حرام قرار دیتی ہے جو مدت رضاعت میں انتڑیوں کو پھاڑے (پھلا دے) اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔"

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے ایک رضعہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ پستان سے دودھ چوسے اور پھر سانس لینے کے لیے یا دوسرے پستان کو منہ میں لینے کے لیے پہلے پستان کو منہ سے نکال دے اور اگر دوبارہ منہ میں ڈال لے تو یہ

دوسرا رضعہ ہو گا اور باقی رضعات بھی اسی طرح ہوں گے۔ وصلى الله على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

آپ کے رضاعی بھائی کی بیوی.....

سوال کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں اپنے ماموں کی بیوی کو سلام کروں' یاد رہے میں نے اپنے ماموں کے ساتھ مل کر اپنی نانی کا دودھ بھی پیا ہے یا اسے سلام کرنا حرام ہے کہ یہ میرے لیے غیر محرم ہے؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ اپنے ماموں کی بیوی کے ساتھ مصافحہ کریں خواہ آپ کا اپنی نانی کا دودھ پینا ثابت ہو یا نہ ہو کیونکہ آپ اجنبی ہیں یعنی اس کے محرم نہیں ہیں' ہاں البتہ زبان سے سلام مسنون کہنا جائز ہے' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں سے بیعت لینے کے سلسلہ میں روایت ہے:

«وَلاَ وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلاَّ بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذٰلِكِ»(صحيح البخاري، التفسير، باب 'إذا جاء كم المومنات المهاجرات'، ح:٤٨٩١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، ح:١٨٦٦ ولفظهما مختلف والمعنى متقارب)

''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کبھی بھی بوقت بیعت کسی (غیر محرم) عورت کے ہاتھ سے نہیں لگا بلکہ آپ یہ فرماتے ہوئے زبانی بیعت لے لیا کرتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔''

امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لیے خواتین کے ہمراہ میں بھی آئی اور ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہ فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لاَ أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّمَا قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ» (جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في بيعة النساء، ح:١٥٩٧ وسنن النسائي، البيعة، بيعة النساء، ح:٤١٨٦ واللفظ له ومسند أحمد:٦/ ٣٥٧)

''میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا' ایک عورت سے میری بات ایسے ہی ہے جیسے ایک سو عورتوں سے بات ہو۔''

رضاعی بھائی کی بہنیں حرام نہیں ہیں

سوال میرے ایک چچازاد بھائی نے جس سے میں دس یا کچھ دن زیادہ' چھوٹا ہوں' میرے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے' اس کی اس سے دو چھوٹی بہنیں ہیں' کیا ان میں سے چھوٹی کے ساتھ شادی کرنا میرے لیے صحیح ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو پھر آپ کے لیے اپنے چچا زاد بھائی کی کسی ایک بہن سے شادی کرنا جائز ہے بشرطیکہ آپ کے اور اس لڑکی کے درمیان رضاعت محرم نہ ہو جس سے آپ شادی کرنا چاہتے ہیں آپ کے برادر عم زاد نے آپ کی والدہ کا جو دودھ پیا ہے' اس کا اس کی کسی بہن سے آپ کی شادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا خواہ اس نے دودھ کم پیا ہو یا زیادہ۔ وباللہ التوفیق' وصلى الله على عبده ورسوله محمد و آله وصحبه وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

میری رضاعی ماں کا دعویٰ ہے کہ اس نے میری بیوی .....

سوال میں نے گزشتہ سال اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی تھی لیکن اب یہ مشکل آن پڑی ہے کہ میری رضاعی ماں--- جس کے بڑے بیٹے کے ساتھ میں نے دودھ پیا تھا--- نے شہادت دی ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ میری بیوی کو بھی دودھ پلایا ہے لیکن انہوں نے رضاعت کی کیفیت بیان نہیں کی اور نہ یہ بتایا ہے کہ کتنی بار دودھ پلایا ہے تو اس حال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب جب تک مذکورہ عورت یہ گواہی نہیں دیتی کہ اس نے آپ کی بیوی کو پانچ یا اس سے زیادہ رضعات دو سال کی عمر کے اندر پلائے ہیں' آپ کی بیوی آپ کے لیے حرام نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس عورت کے ثقہ ہونے کی تصدیق بھی ہو' لہٰذا ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اسے اپنے شہر کے محترم قاضی کے پاس لے جائیں وہ شہادت کے بارے میں اس سے پوچھیں اور اس موضوع سے متعلق دیگر امور کی بھی تکمیل کرلیں۔ وفق اللّٰہ الجمیع

شیخ ابن باز

مشکوک رضاعت

سوال چار سال پہلے میں نے ایک دوشیزہ سے منگنی رچائی اور پھر شادی بھی ہوگئی لیکن میں نے اس کے ساتھ شرعی دخول نہیں کیا اور اس سال میری ایک بہن نے بتایا کہ اس نے اس دوشیزہ کو دودھ پلایا ہے لیکن بیس سال کی مدت گزرنے کی وجہ سے اسے رضعات کی تعداد یاد نہیں تو کیا اس دوشیزہ کے ساتھ میری شادی جائز ہے؟

جواب اس دوشیزہ سے یہ جو عقد نکاح ہوا ہے یہ صحیح ہے' کسی یقینی گواہی سے ہی یہ عقد ختم ہو سکتا ہے' ایسی رضاعت جو مشکوک ہو یا جس کی تعداد مشکوک ہو' اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ ''قرآن مجید میں دس معلوم رضعات کے بارے میں حکم نازل ہوا تھا جو نکاح کو حرام کرتے تھے' چنانچہ انہیں پانچ معلوم رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا'' پانچ رضعات کے وصف کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ معلوم ہوں تو یہ اس بات پر دلالت کناں ہے کہ ضروری ہے کہ رضاعت کا اور رضعات کی تعداد کا علم ہو۔ اگر دودھ پلانے والی عورت کو یہ شک ہو کہ اس نے اس بچی کو دودھ پلایا ہے یا نہیں یا اسے یہ شک ہو' کیا پانچ رضعات مکمل ہوئے ہیں یا نہیں تو اس رضاعت کا کوئی اثر نہیں ہو گا' لہٰذا آپ کی بہن نے جو کہا ہے' وہ اس عورت سے آپ کے نکاح کے لیے قطعاً نقصان دہ نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

❀ ❀ ❀


١٩
كتاب
الجنايات

قتل عمد کے احکام

قتل عمد کے بعد توبہ

سوال میں قتل کے ایک جرم میں شریک ہوا مگر پکڑا نہ جا سکا اور اب میں اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں' اگر میں اپنے آپ کو پولیس کے سپرد نہ کروں تو کیا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرما لے گا؟

جواب مقتول مومن ہو تو قتل عمد اکبر الکبائر میں سے ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اور حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لاَ يَزَالُ الْمَرْءُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا»(صحيح البخاري، الديات، باب قوله الله تعالى: ومن يقتل مؤمنا ... ح:٦٨٦٢ والحاكم في المستدرك، الحدود، ح:٨٠٢٩ واللفظ له)

"آدمی ہمیشہ اس وقت تک دین کے اعتبار سے فراخی میں رہتا ہے جب تک حرام خون نہیں بہاتا۔"

اگر آپ نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے تو اس قتل کے ساتھ تین حقوق وابستہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کا حق (۲) مقتول کا حق اور (۳) مقتول کے وارثوں کا حق۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حق کا تعلق ہے' اگر آپ اس کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ کر لیں تو وہ اپنا حق معاف کر کے آپ کی توبہ قبول فرما لے گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿۞ قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾﴾ (الزمر٣٩/ ٥٣)

"(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں کو) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا' اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

جہاں تک مقتول کے حق کا تعلق ہے تو اب مقتول تو زندہ نہیں ہے کہ آپ کے لیے اس سے حق معاف کروانا ممکن ہو' لہٰذا وہ آپ سے قصاص قیامت کے دن لے گا لیکن امید ہے کہ اگر آپ کی توبہ صحیح ہو اور اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو خوش کر دے گا اور آپ بری ہو جائیں گے' جہاں تک تیسرے حق یعنی مقتول کے وارثوں کے حق کا تعلق ہے تو آپ اس سے اس وقت تک بری نہیں ہو سکتے جب تک اپنے آپ کو ان کے سپرد نہ کر دیں

اور ان کے سامنے اقرار نہ کریں کہ آپ نے اسے قتل کیا ہے' پھر انہیں اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو آپ سے قصاص لیں بشرطیکہ قصاص کی شرطیں پوری ہوں اور اگر وہ چاہیں تو دیت لے لیں اور اگر وہ چاہیں تو کچھ لیے بغیر معاف کر دیں۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کسی مسلمان کو (جان بوجھ کر) قتل کرنا

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ ﴾ (النساء٤/ ٩٣)

"جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم ہے....."

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل مومن کا ذکر کیا ہے' قتل مسلم کا ذکر نہیں کیا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کی سزا بھی جہنم ہے یا نہیں؟

جواب ہاں جو کوئی کسی مسلمان کو قتل کرے تو اس کی سزا بھی جہنم ہے کیونکہ اگر مقتول کا باطن بھی اس کے ظاہر کے مطابق ہے تو وہ بھی مومن ہے اور اس کا قاتل بھی نص آیت کے مطابق اخروی وعید کا مستحق ہے اور اگر اس کا باطن اس کے ظاہر کے خلاف ہے تو ہمیں اس کے ساتھ اس کے ظاہر کے مطابق ہی معاملہ کرنا چاہیے اور اس کے باطن کو نہیں کریدنا چاہیے لہٰذا اس کا خون بھی معصوم ہے اور یہ جائز نہیں کہ ہم اسے ناحق بہائیں' کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ، عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة ... الخ، ح:٢٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ... الخ، ح:٢٢)

"مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں اور جب وہ یہ سب کچھ کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے' ہاں البتہ اسلام کا جو حق ہو گا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا اور پھر ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔"

اس طرح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقہ (ایک جگہ) کی طرف بھیجا' ہم صبح کے وقت ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے اور انہیں شکست دے دی' میں اور ایک انصاری نے ان کے ایک شخص کا تعاقب کیا جب ہم اس پر غالب آگئے تو اس نے کہہ دیا «لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ» یہ سن کر انصاری تو رک گیا مگر میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا' جب ہم واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:

«يَا أُسَامَةُ! أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ؟ قُلْتُ: كَانَ مُتَعَوِّذًا، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى

تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ»(صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي أسامة بن زيد إلى الحرقات ... الخ، ح:٤٢٦٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله لا اله إلا الله، ح:٩٦)

اسامہ! اس نے «لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» کہا اور تم نے پھر بھی اسے قتل کر دیا"؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے پناہ لینے کے لیے یہ کہا تھا مگر نبی ﷺ بار بار یہی بات ارشاد فرماتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ اے کاش! کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس گمان کو صحیح نہیں سمجھا کہ وہ مقتول ایمان کے اظہار میں سچا نہیں تھا' یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی بات کی سختی سے تردید کی جس کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر بھی بہت زیادہ اثر ہوا حتی کہ انہوں نے کہا کہ اے کاش! کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا"" اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں احکام ظاہری حالات کے مطابق ہوتے ہیں' لہٰذا جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دے وہ گناہ گار' کبیرہ گناہ کا مرتکب اور عذاب جہنم کا مستحق ہے' الا یہ کہ اس کا قتل ان تین مباح اسباب میں سے کسی ایک سبب کی وجہ سے ہو' جن کا نبی اکرم ﷺ نے اپنی اس حدیث میں ذکر فرمایا ہے:

«لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»(صحيح البخاري، الديات، باب قول الله: أن النفس بالنفس والعين بالعين، ح:٦٨٧٨ وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، ح:١٦٧٦ واللفظ له)

"کسی مسلمان آدمی جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حق نہیں اور میں اس کا رسول ہوں کا خون حسب ذیل تین امور میں سے کسی ایک کے بغیر حلال نہیں ہے (۱) جان کے بدلے جان کو قتل کرنا (۲) شادی شدہ زانی کو قتل کرنا اور (۳) دین کو ترک کرنے والے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو قتل کرنا۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

دھوکے سے قتل کرنے کی سزا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَبَعْدُ:

انجمن کبار علماء کے چھٹے اجلاس میں چونکہ یہ طے ہوا تھا کہ بحوث علمیہ و افتاء کی مستقل کمیٹی غیلہ (دھوکا یا غفلت سے مار ڈالنا) کے بارے میں تحقیقی مقالہ تیار کرے' چنانچہ کمیٹی نے یہ مقالہ تیار کیا اور اسے انجمن کے ساتویں اجلاس کے ایجنڈا میں شامل کر لیا گیا جو ۲ تا ۱۱ شعبان ۱۳۹۵ھ کو طائف میں منعقد ہوا' انجمن کے اس اجلاس میں یہ مقالہ کو پڑھا گیا اور اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ علماء و فقہاء اور اہل لغت کے ہاں غیلہ کی تعریف کیا ہے؟ اس مسئلہ سے متعلق مذاہب و دلائل کا جائزہ لیا گیا نیز اس موضوع پر بھی علمی گفتگو ہوئی کہ دھوکا سے قتل کرنے والے قاتل کی سزا قصاص ہے یا حد؟ اہل علم نے چونکہ

یہ ذکر کیا ہے کہ جو قتل غیلہ قصداً اور دشمنی کی وجہ سے ہو اور حیلہ اور دھوکے سے قتل ہوا ہو یا اس انداز سے ہوا ہو کہ اس میں مقتول قاتل کے حملہ سے بچ سکتا ہو' خواہ اس نے یہ حملہ مال پر کیا ہو یا عزت و حرمت کو پامال کرنے کے لیے: یا رسوائی کے خوف اور راز کے فاش ہو جانے کے ڈر کی وجہ سے' مثلاً: یہ کہ وہ کسی انسان کو دھوکا دے جو اس سے بے خوف ہو لیکن وہ اسے کسی ایسی جگہ لے جائے جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اور پھر وہ اسے قتل کر دے یا وہ کسی کا زبردستی مال چھین کر اسے قتل کر دے تاکہ وہ اپنے مال کا مطالبہ نہ کر سکے یا کسی کی بیوی یا بیٹی کو چھیننے کے لیے قتل کر دے' یا مثلاً: یہ کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو' یا بیوی اپنے شوہر کو اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے دھوکے سے یا سوتے میں قتل کر دے۔

اس لیے شیخ صالح بن غصون کے سوا ساری انجمن نے بالاجماع یہ طے کیا کہ دھوکے سے قتل کرنے والے قاتل کو قصاص کے طور پر نہیں بلکہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا' لہٰذا ایسے قاتل کے بارے میں کسی کا معاف کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ کسی کی طرف سے معافی کو قبول ہی کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں اصل کتاب و سنت اور اثر اور معنی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٣٣)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں' ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں۔''

قتل غیلہ' ڈکیتی و رہزنی ہی کی ایک قسم ہے' لہٰذا ایسے قاتل کو حد کے طور پر نہ کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا واجب ہے' سنت سے اس سلسلہ میں وہ حدیث ہے جو صحیحین میں ہے کہ: ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں سے کچل دیا تاکہ اس کی پازیب یا زیورات چھین لے' بالآخر وہ یہودی پکڑا گیا اور اس نے اعتراف جرم بھی کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے قتل کا حکم دیا اور اس معاملہ کو مقتول لڑکی کے وارثوں کے سپرد نہیں کیا تھا اور اگر اس یہودی کا یہ قتل بطور قصاص ہوتا تو آپ اس کا معاملہ لڑکی کے وارثوں کے سپرد کر دیتے کیونکہ وہ اس کے حق دار تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا قتل حد کے طور پر تھا' نہ کہ قصاص کے طور پر۔

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے ان پانچ یا سات اشخاص کو اس ایک شخص کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا تھا جسے انہوں نے دھوکے سے قتل کر دیا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی اس کے قتل کی سازش میں شریک ہوتے تو میں ان تمام کو قتل کرا دیتا' تو قتل غیلہ کے بارے میں خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی عمل ہے اور کسی دلیل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے اس معاملہ کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کیا ہو۔ اگر ان کا حق ہوتا تو آپ ضرور معاملہ ان کے سپرد کر دیتے اور پھر یہ اس لیے بھی کہ قتل غیلہ حقوق اللہ میں سے ہے اور ہر وہ حق جو حقوق اللہ میں سے ہو اسے کوئی معاف نہیں کر سکتا' مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ اور پھر اس لیے بھی کہ قتل مکابرۃ کی طرح اس سے بچنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ وباللّٰه التوفیق' وصلی اللّٰه علی نبینا محمد و آله وصحبه۔

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری' الخصومات' باب مایذکر فی الاشخاص ..... الخ' حدیث: ٢٤١٣ و صحیح مسلم' القسامة' باب ثبوت القصاص فی القتل بالحجر' ح: ١٦٧٢۔

—— کونسل برائے کبار علماء ——

صدر نشیں نشست ہفتم : عبداللہ بن محمد بن حمید
عبدالرزاق عفیفی' عبداللہ خیاط' عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز' عبدالمجید حسن' عبدالعزیز بن صالح' محمد الحرکان' ابراہیم بن محمد آل شیخ' سلیمان بن عبید' صالح بن غصون (آپ کو اس سے اختلاف ہے) عبداللہ بن غدیان' راشد بن خنین' محمد بن جبیر' صالح بن لحیدان' عبداللہ بن منیع

باپ کو بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے

سوال اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو کیا اسے قتل کیا جائے گا؟ ہم نے بعض فقہاء سے یہ سنا ہے کہ اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر دیت واجب ہو گی؟

جواب جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے کہ والد کو اپنے بیٹے کے قتل کے بدلے قتل نہ کیا جائے خواہ اس نے اسے عمداً قتل کیا ہو' ان کا استدلال دلیل سے بھی ہے اور تعلیل سے بھی۔ دلیل تو یہ مشہور حدیث ہے:

«لاَ يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالوَلَدِ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا؟، ح:١٤٠١ وسنن ابن ماجه، الديات، لا يقتل الوالد بولده، ح:٢٦٦٢)

"اپنے بیٹے (کو قتل کرنے) کی وجہ سے باپ کو قتل نہ کیا جائے۔"

اور تعلیل یہ ہے کہ والد بیٹے کے وجود کا سبب ہے' لہٰذا بیٹے کو اپنے باپ کے عدم کا سبب نہیں بننا چاہیے مگر بعض اہل علم کی یہ رائے بھی ہے کہ اس وقت باپ کو بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جب یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ باپ نے اسے عمداً قتل کیا ہے اور انہوں نے ان دلائل کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے جو قتل کی وجہ سے وجوب قصاص پر دلالت کناں ہیں' مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ﴾ (البقرة٢/١٧٨)

"مومنو! تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طور پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ وَٱلْعَيْنَ بِٱلْعَيْنِ ﴾ (المائدة٥/ ٤٥)

"اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلاَّ بِإِحْدٰى ثَلاَثٍ: النَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ» (صحيح البخاري، الديات، باب قول الله: إن النفس بالنفس والعين بالعين، ح:٦٨٧٨ وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح

به دم المسلم، ح:١٦٧٦)

"کسی بھی ایسے مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں' الا یہ کہ اس نے تین میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کیا ہو (۱) کسی انسان کو قتل کیا ہو (۲) شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو (۳) دین سے مرتد ہو کر مسلمانوں کی جماعت کو ترک کر دیا ہو۔"

نیز نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ»(سنن أبي داود، الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر، ح:٤٥٣٠ وسنن النسائي، القسامة، باب القود بين الأحرار ... الخ، ح:٤٧٣٨)

"تمام مومنوں کا خون برابر ہے اور وہ غیر مسلموں کے مقابل ایک قوت ہیں اور ان میں ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی ان کے ذمہ کا اہتمام کرے گا۔"

ان علماء کا ان عمومات کی وجہ سے یہ کہنا ہے کہ والد کو بھی بیٹے کے قتل کی وجہ سے قتل کیا جائے گا جب کہ یہ معلوم ہو کہ باپ نے عمداً اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اور جو یہ مشہور حدیث ہے:

«لَا يُقْتَلُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ»(جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا؟، ح:١٤٠١ وسنن ابن ماجه، الديات، لا يقتل الوالد بولده، ح:٢٦٦٢)

"والد کو بیٹے کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے۔"

تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ باقی رہی تعلیل تو وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ والد کے قتل کا سبب بیٹا نہیں بلکہ خود والد ہی ہے کیونکہ جرم کا ارتکاب خود اس نے ہی کیا ہے اور اس نے ہی ایک ایسے بے گناہ کو قتل کیا ہے جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس دلیل کو الٹ کر ہم اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ باپ کا اپنے بیٹے کو قتل کرنا سنگین قسم کی قطع رحمی اور بدترین قسم کا قتل ہے کہ کوئی بھی باپ اپنے بیٹے کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا حتی کہ حیوانات بھی اپنے چھوٹے بچوں پر شفقت کرتے ہوئے ان پر اپنا سم (کھر) تک نہیں رکھتے مبادا کہ ان (بچوں) کو تکلیف پہنچ جائے تو جس شخص نے قطع رحمی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اسے کیسے معاف کیا جا سکتا ہے؟ بہرحال اس قسم کے مسئلہ کو شرعی عدالت میں لے جایا جائے تاکہ حاکم اہل علم کے اقوال میں سے جو زیادہ قرین صواب ہے اس کے مطابق عمل کر سکے۔ ادلہ یا آراء کے تعارض کے وقت انسان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور صراط مستقیم کی ہدایت کے لیے یہ دعا کرنی چاہیے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، ح:٧٧٠)

"اے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! چھپی اور ظاہر باتوں کو جاننے والے' تو اپنے بندوں میں فیصلہ فرمائے گا' جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں' حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے' اپنے حکم کے ساتھ مجھے بھی اس میں ہدایت عطا فرما' بے شک تو جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔"

انسان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے کیونکہ گناہ انسان اور حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں' بعض علماء نے یہ استدلال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی کیا ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ ﴾ (النساء ٤/ ١٠٥-١٠٦)

"(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کی ہدایات کے مطابق فیصلہ کریں اور (دیکھو) دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا اور اللہ سے بخشش مانگنا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

قتل خطا کے احکام

قتل خطا کی سزا

سوال ایک شخص نے یہ پوچھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اس کی گاڑی سے ٹکرا کر ایک ترکی عورت فوت ہو گئی تھی' جس کی دیت اس نے بیت المال کو ادا کر دی اور پھر جب وہ اپنے کام کی جگہ واپس لوٹ رہا تھا تو احساء میں اس کی گاڑی الٹ گئی جس کی وجہ سے اس کی بیوی فوت ہو گئی تو اب اس صورت میں اس پر کیا واجب ہے؟

جواب مکہ مکرمہ میں اس کی گاڑی سے ٹکرا کر فوت ہو جانے والی ترکی عورت کے حوالہ سے اس پر کفارہ قتل واجب ہے اور وہ ہے کہ ایک مومن کی گردن کو آزاد کرنا' اگر میسر نہ ہو تو پھر دو ماہ کے روزے رکھنا' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء ٤/ ٩٢)

"اور جو شخص غلطی سے بھی کسی مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)........ اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے' یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

سائل کی بیوی کے حوالے سے بات یہ ہے' جو کہ اس کی گاڑی کے الٹنے کے نتیجہ میں جب کہ یہ اسے چلا رہا تھا فوت ہو گئی تھی' کہ اگر یہ شخص غلط ڈرائیونگ یا تیز رفتاری یا اونگھ وغیرہ کی وجہ سے حادثہ کا سبب خود بنا ہے' یا اس نے گاڑی کی دیکھ بھال نہیں کی اور اسے صحیح حالت میں رکھنے میں کوتاہی کی ہے تو اس پر کفارہ قتل واجب ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے۔ یہ کفارہ اللہ کی طرف سے قبولیت توبہ کے لیے ہے اور اگر حادثہ وقوع پذیر ہونے میں اس کا قطعاً کوئی عمل دخل نہ تھا تو پھر بیوی کی وفات کی وجہ سے اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ وصلى الله على نبينا وآله وصحبه۔

―――― فتویٰ کمیٹی ――――

اس پر کوئی کفارہ نہیں

سوال میرے والد گاڑی چلا رہے تھے کہ ان کا ایک دوسری گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کی وجہ سے اس دوسری گاڑی کا ڈرائیور فوت ہو گیا' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق تمام تر غلطی اس دوسرے ڈرائیور ہی کی تھی۔ اس کے وارثوں نے دیت بھی معاف کر دی ہے' اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے' اب سوال یہ ہے کہ کیا میرے والد پر مسلسل دو ماہ کے روزوں کا کفارہ ہے یا نہیں؟

جواب امر واقع اگر اسی طرح ہے جس طرح اے سائل! آپ نے بیان کیا ہے تو اس صورت میں آپ کے والد پر کوئی کفارہ نہیں ہے کیونکہ اس میں غلطی دوسرے کی ہے' لہٰذا آپ کے والد کو قاتل نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ ولی التوفیق۔

―――― شیخ ابن باز ――――

حادثے کا سبب معلوم کرنا ضروری ہے

سوال ٹریفک کے ایک حادثہ میں میری گاڑی الٹ گئی' جس کی وجہ سے میرے والد صاحب جو کہ میرے ساتھ تھے' فوت ہو گئے' مجھے ایک بھائی نے بتایا ہے کہ مجھ پر واجب ہے کہ میں روزے رکھوں یا ایک غلام آزاد کروں تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب واجب یہ ہے کہ پہلے حادثہ کا سبب معلوم کیا جائے' اگر حادثہ ڈرائیور کی کمی بیشی کی وجہ سے ہو تو وہ حادثے کا ذمہ دار ہے اور اس حادثے کے نتیجے میں کسی کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب ہو گا۔

اگر حادثہ کسی کمی بیشی کے بغیر رونما ہوا ہو تو پھر کچھ لازم نہیں' نہ تاوان اور نہ کفارہ' مثلاً: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے گاڑی کا ٹائر پھٹ جائے یا گاڑی الٹ جائے یعنی یہ بات بے حد اہم ہے کہ سب سے پہلے حادثے کے سبب کا تعین کیا جائے' اگر یہ ڈرائیور کی کسی غلطی یا کوتاہی کی وجہ سے ہو تو اس پر تاوان اور کفارہ ہے اور اگر حادثے میں اس کی غلطی یا کوتاہی کا کوئی دخل نہ ہو تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔

کفارۂ قتل میں یہ ضروری ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' اس میں والد وغیر والد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں' کیونکہ تمام مسلمانوں کی جانیں برابر ہیں۔

―――― شیخ ابن عثیمین ――――

وہ دو آدمیوں کی وفات کا سبب بنا

سوال ہماری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کی وجہ سے دو شخص فوت ہو گئے' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق ۳۵ فی صد غلطی میری اور ۶۵ فی صد غلطی دوسری گاڑی والے کی تھی' فوت شدگان میں سے ایک کے وارثوں نے دیت معاف کر دی جب کہ دوسرے کی دیت لازم تھی اور اسے بھی ادا کر دیا گیا۔ اس قتل کے کفارے کے سلسلہ میں قاضی نے بتایا کہ ہم پر دو ماہ کے روزے بھی واجب ہیں' میں نے جب ایک عالم سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ دو نہیں بلکہ چار ماہ کے روزے لازم ہیں' امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ مجھ پر کیا لازم ہے اور جو روزے لازم ہیں' کیا انہیں مسلسل رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا غلطی کی نسبت کا روزوں سے بھی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ دو آدمیوں کی وفات کے سبب میں آپ بھی شریک ہیں تو آپ پر ان میں سے ہر ایک کی وجہ سے قتل خطا کا کفارہ لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' اس کے علاوہ اور کوئی چیز کفارہ سے کفایت نہیں کر سکتی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾﴾ (النساء٤/ ٩٢)

''اور کسی مومن کو لائق نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص غلطی سے بھی کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔''

وفات کا سبب بننے والوں کی تعداد کا وجوب کفارہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا' ان میں سے ہر ایک پر کامل کفارہ لازم ہو گا' ہاں البتہ ایک مقتول کے کفارہ کے طور پر متواتر دو ماہ کے روزے رکھنے کے بعد دوسرے کے قتل کے کفارہ کے روزے شروع کرنے سے پہلے کچھ دن آرام کر لینے میں کوئی حرج نہیں کہ آرام کرنے کے بعد دوسرے قتل کے کفارہ کے متواتر دو ماہ کے روزے شروع کر دے۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

اس نے کنواں کھودا اور اس میں ایک بچی گر گئی

سوال میں نے ایک کنواں کھودا تاکہ اس سے میرے اہل خانہ اور دیگر لوگ بھی پانی حاصل کر سکیں' یہ کنواں آٹھ یا اس سے بھی زیادہ سال پہلے کھودا گیا تھا اور اس عرصہ میں اہل خانہ اور دیگر لوگ اس سے پانی حاصل کرتے رہے۔ تقدیر

الٰہی کا کرنا یہ ہوا کہ ہماری پانچ سالہ بچی حسب عادت اس کنویں سے پانی لینے کے لیے گئی مگر اس میں گر کر فوت ہو گئی۔ یہ واقعہ سترہ ذوالحج ۱۴۰۱ھ کو پیش آیا۔ اب آپ سے فتویٰ مطلوب ہے کہ اس بچی کے حوالہ سے مجھ پر کیا لازم ہے کیونکہ یہ کنواں تو میں نے کھودا تھا؟ فتویٰ عطا فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو اس بچی کی وفات کی وجہ سے آپ پر کوئی دیت یا کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہے کیونکہ آپ کا محض کنواں کھودنا گناہ کا سبب قرار نہیں پا سکتا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کیا اس حادثے کی وجہ سے مجھ پر کفارہ لازم ہے؟

سوال میں گاڑی چلا رہا تھا' میرے اہل خانہ بھی میرے ساتھ گاڑی میں سوار تھے' تقدیر الٰہی سے گاڑی الٹ گئی جس کی وجہ سے میری بیوی فوت ہو گئی اور مجھے بھی بہت سخت چوٹیں لگیں' کیا اس حادثہ میں بیوی کے فوت ہو جانے کی وجہ سے مجھ پر روزے یا صدقہ یا کوئی اور کفارہ لازم ہے؟

جواب اگر آپ نے تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کیا' گاڑی کو صحیح حالت میں رکھنے میں بھی کوتاہی نہیں کی اور حادثے کے وقت آپ کی گاڑی کی حالت' رفتار اور آپ کی صحت معمول کے مطابق تھی تو پھر آپ پر کچھ بھی لازم نہیں کیونکہ آپ حادثے کا سبب نہیں بنے اور اگر آپ کسی وجہ سے حادثے کا سبب خود بنے ہیں تو آپ پر کفارہ لازم ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے جائیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾﴾ (النساء٤/ ٩٢)

"اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو قتل کر ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) وہ ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

اس کفارہ میں کھانا کھلانا کفایت نہیں کر سکتا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن باز ———

اپنی بیٹی کو غلطی سے ہلاک کر دیا

سوال تقدیر الٰہی سے یہ حادثہ رونما ہوا کہ میں اپنے کام سے واپس آنے کے بعد کھیتی کو گاہنے کے لیے نکلا اور جب میں نے گاڑی سٹارٹ کی تو میری تین سالہ بیٹی' جو کہ گاڑی کے پیچھے کھڑی تھی گر کر فوت ہو گئی کیونکہ مجھے وہ کھڑی ہوئی نظر نہ آئی۔ براہ کرم فتویٰ عطا فرمائیں کہ مجھ پر شرعاً کوئی فدیہ واجب ہے یا نہیں؟ یاد رہے میں کاشت کار ہوں' سارا دن کام کرتا ہوں اور روزے رکھنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے غلطی سے بچی کو قتل کر دیا اور گاڑی کے ارد گرد کا جائزہ لینے میں کوتاہی کی تو اس صورت میں آپ پر لازم ہے کہ دیت ادا کریں الا یہ کہ بچی کے وارث معاف کر دیں' یاد رہے آپ اس بچی کے وارث نہیں ہوں گے' نیز آپ پر قتل خطا کا کفارہ بھی لازم ہے اور وہ یہ کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کریں اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھیں' اس سلسلہ میں مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں نقدی دینا درست نہیں ہے کیونکہ قتل خطا کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے ہی کا ذکر فرمایا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء٤/ ٩٢)

"اور جو شخص غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو (مسلمان غلام) میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔" وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

جب دو یا اس سے بھی زیادہ لوگ قتل خطا میں شریک ہوں

سوال دو گاڑیوں کا ایکسیڈنٹ ہوا' سامنے سے آنے والی گاڑی میں دو آدمی تھے' جن میں سے ایک فوت ہو گیا' ٹریفک پولیس کی رپورٹ کے مطابق پہلی گاڑی کے مالک تیس فیصد اور دوسری گاڑی کے مالک کی ستر فی صد غلطی تھی تو کیا کفارہ کے دو مہینے کے روزے بھی اسی نسبت سے رکھے جائیں گے' جیسا کہ دیت غلطی کی نسبت سے ہوتی ہے یا روزے مکمل دو ماہ کے رکھنے ہوں گے؟

جواب جب دو یا اس سے بھی زیادہ لوگ قتل خطا میں شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر مستقل کفارہ ہو گا کیونکہ کفارات تقسیم نہیں ہوتے جیسا کہ اہل علم نے بیان فرمایا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

قتل خطا کا کفارہ

سوال میں اپنی گاڑی چلا رہا تھا کہ راستہ کاٹتے ہوئے' اچانک ایک آدمی سامنے آگیا' مگر میں اسے بچانے کے لیے کچھ نہ کر سکا' کیونکہ گاڑی چل رہی تھی اور وہ اچانک سامنے آگیا تھا' جس کی وجہ سے وہ موقعہ پر ہی فوت ہو گیا حالانکہ گاڑی کی رفتار بھی معمولی تھی' تیز نہ تھی مگر مذکورہ شخص کی غلطی کی وجہ سے حادثہ ہو گیا اور پولیس نے پچاس فیصد غلطی اسی کی قرار دی تاہم صلح کے پیش نظر مجھے سترفی صد دیت ادا کرنا پڑی اور اب باقی رہ گیا فتویٰ' اس سلسلہ میں آپ سے رہنمائی مطلوب ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو آپ پر قتل کا کفارہ واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کریں اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھیں' اس کے علاوہ اور کوئی چیز کفایت نہیں کرے گی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾
(النساء٤/ ٩٢)

"اور جو شخص غلطی سے (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) ایک مسلمان غلام آزاد کردے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو مسلمان غلام میسر نہ ہو وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

غفلت سے چھوٹی بچی کو قتل کر دیا

سوال ایک عورت کے ساتھ اس کی دو سال کی عمر کی بچی تھی' وہاں مجلس میں قہوہ اور چائے کے برتن بھی پڑے ہوئے تھے' عورت چائے کی پیالیاں دھونے چلی گئی اور بچی کھیلتی کھیلتی آئی اور اس نے قہوہ کے برتن کو پکڑا مگر وہ اس کے اوپر گر گیا' اس میں بہت سخت گرم قہوہ تھا' بچی گری تو قہوہ اس کی انتڑیوں میں داخل ہو گیا' جس کی وجہ سے بچی چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر فوت ہو گئی' یہ عورت پوچھتی ہے' کیا اس پر کفارہ واجب ہے' نیز کفارہ کیا ہے؟

جواب اس مسئلہ سے متعلق حالات و واقعات کو یہ سائلہ (عورت) زیادہ بہتر جانتی ہے' اگر اس بچی کی وفات اس عورت کی کوتاہی کی وجہ سے ہوئی ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کو (اسی طرح) چھوڑ دیا کہ وہ اس حادثہ کا شکار ہو گئی اور اس کا سبب ماں

ہی بنی ہے تو اس پر کفارہ واجب ہے اور وہ یہ کہ وہ عورت ایک مسلمان غلام آزاد کرے' اور اگر وہ میسر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

قتل خطا میں کفارہ واجب ہے


میں نے ایک نفس کو قتل کیا تھا' میں اسے قتل کرنے پر مجبور ہو گئی تھی' میں نے اسے قصد و ارادہ سے قتل نہیں کیا تھا۔ آج میں مریض ہوں اور روزے رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتی تو میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب قتل خطا میں کفارہ واجب ہے اور وہ ہے ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اگر میسر نہ ہو تو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنا' اس میں کھانا کھلانا وغیرہ کفایت نہیں کر سکتا کیونکہ آیت کفارہ میں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ کسی عاجز و شدید بیمار انسان کے حق میں کفارہ ہی باقی رہے گا حتیٰ کہ اسے اس کی استطاعت ہو جائے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

کفارہ مارنے والے پر ہے

سوال ایک عورت کا دو سال کا بچہ گھر سے باہر نکل کر سڑک کی طرف چلا گیا اور اسے ایک قریبی رشتہ دار کی گاڑی نے کچل دیا تو کیا اس صورت میں بچے کی ماں پر بھی کچھ لازم ہے' حالانکہ اس حادثے کی وجہ سے اسے بہت تکلیف پہنچی ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو اس صورت میں بچے کی ماں پر کچھ لازم نہیں ہے بلکہ دیت و کفارہ تو اس پر لازم ہے جس نے بچے کو کچلا ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کے والدین کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے اور اس مصیبت کی وجہ سے اجر و ثواب عطا فرمائے۔ ﴿ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ﴾

—— شیخ ابن باز ——

اس پر کوئی کفارہ نہیں

سوال ایک شیر خوار بچی کو اس کی ماں نے بستر پر لٹا دیا اور وہ خود دوسرے بچوں کے پاس جا کر بیٹھ گئی حتیٰ کہ وہ بچے سو گئے' اس پر نیند غالب آ گئی اور یہ بھی انہی کے پاس سو گئی اور جب میں گھر آیا اور یہ بچی بیدار ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ بہت زیادہ روئی ہے' کثرت سے رونے کی وجہ سے اس کی صحت بھی بہت متاثر ہوئی اور اسے چند دن ہسپتال میں بھی رکھا گیا مگر وہ فوت ہو گئی۔ سوال یہ ہے' کیا اس صورت میں بچی کی ماں پر کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب عطا فرمائے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے تو بچی کی ماں پر کوئی کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جو بچی کی موت کا سبب بنا ہو۔ وباللہ التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

احتیاط زیادہ بہتر ہے

سوال تیس سال پہلے کی بات ہے کہ میری والدہ کھیت میں کام کرتی رہی اور سخت محنت و مشقت کے بعد رات کو گھر

واپس آئی اور جب سوئی تو تین ماہ کی شیر خوار بچی بھی اس کے ساتھ لیٹی تھی۔ صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ بچی فوت ہو گئی ہے' والدہ کو اس کی وفات کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ کیسے ہوئی۔ کیا نیند کے دوران بچی اس کے نیچے آگئی یا کوئی اور صورت پیدا ہوئی' بہرحال ہمیں اس بچی کی وفات کے اسباب کا کوئی علم نہیں ہے' اس صورت میں والدہ کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب احتیاط اس میں ہے کہ یہ عورت ساٹھ ایام کے متواتر روزے رکھے کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس بچی کی وفات اس عورت کی وجہ سے ہوئی ہے کیونکہ اس کی وفات کا کوئی اور سبب معلوم نہیں ہو سکا تو شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اشتباہ کے وقت احتیاط کے مطابق عمل کر لیا جائے تاکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے بریٔ الذمہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اسے روزے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

—— شیخ ابن باز ——

آپ پر کچھ لازم نہیں کیونکہ آپ نے عمداً قتل نہیں کیا

سوال میرا سوال اس حادثہ کے بارے میں ہے' جس سے میں ڈیڑھ سال قبل دوچار ہوئی تھی: بات یہ ہے کہ مجھے اپنے والد صاحب سے محبت تھی لیکن کچھ خاندانی حالات کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے میرے اور ان کے درمیان روزانہ تکرار ہونے لگی تاہم اس کے باوجود مجھے ان سے اور انہیں مجھ سے محبت تھی۔ ایک دن والد صاحب بیمار ہو گئے اور وہ ہسپتال میں داخل ہو گئے' ہسپتال سے فارغ ہوئے تو ڈاکٹر نے میری والدہ کو بتایا کہ انہیں کوئی غم و اندوہ والی بات نہ بتائی جائے کیونکہ وہ ان کے شعور پر اثر انداز ہو گی اور اس سے ان کی موت واقع ہو جائے گی' کیونکہ اب ان میں کوئی صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس واقعہ کو تین ماہ گزر گئے مگر والدہ صاحبہ نے یہ کسی کو نہ بتایا۔ پھر ایک دن میرے اور ان کے درمیان تکرار ہو گئی' جس کی وجہ سے وہ مجھ سے کبیدۂ خاطر ہو گئے' اسی دن کچھ اور ناگوار باتیں بھی ہوئیں' جن کی وجہ سے ان کی صحت ناساز ہو گئی اور انہیں ہسپتال داخل کروا دیا گیا مگر وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ' کیا میں ان کی موت کا سبب ہوں؟ اس سلسلہ میں شرعاً مجھ پر کیا لازم ہے؟

جواب آپ پر کوئی چیز لازم نہیں ہے کیونکہ آپ نے انہیں عمداً کوئی ایذاء نہیں پہنچائی اور نہ آپ کو ان مشکلات ہی کا علم تھا' جن کے بارے میں ڈاکٹر نے کہا تھا کہ یہ ان سے دوچار نہ ہوں۔ ان شاء اللہ آپ پر کوئی حرج نہیں۔ تکرار لوگوں کے درمیان ہمیشہ ہوتی رہتی ہے' اس سے اجتناب ممکن نہیں ہے لہٰذا اس معاملہ میں آپ بھی دوسروں ہی کی طرح ہیں لہٰذا آپ پر کچھ لازم نہیں ہے یعنی نہ فدیہ اور نہ کفارہ' کیونکہ یہ تو وہ معمول کی باتیں ہیں جو باپ اور بیٹے' بھائی اور بھائی' شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان ہوتی رہتی ہیں لہٰذا ان شاء اللہ اس میں کچھ لازم نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن باز ——

قتل خطا میں جس پر دیت واجب ہو' اس پر کفارہ بھی واجب ہے

سوال میری گاڑی کا حادثہ ہو گیا جس کی وجہ سے دوسری گاڑی میں سوار دو آدمی فوت ہو گئے' میری گردن پر معمولی زخم آیا' جب کہ میرے بھائی کی کمر پر چوٹ آئی' عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ غلطی میری اور دوسرے ڈرائیور کی مشترکہ تھی

اور اس میں تین اور چار کی نسبت قرار دی گئی جس کی وجہ سے میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار ریال دو آدمیوں کی دیت کے طور پر ادا کر دیے' اب سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر روزے بھی واجب ہیں' نیز روزے دو ماہ کے ہیں یا چار ماہ ہیں؟

جواب جو لوگ گاڑیاں (خصوصاً لمبے راستوں پر) چلاتے ہیں' ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اس بات کو فراموش نہ کریں کہ ان کے ساتھ معصوم انسان بھی ہیں' لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور گاڑیاں آہستہ' عقل مندی سے اور مناسب حالت میں چلائیں۔ جو شخص ڈرائیونگ اچھی طرح نہ جانتا ہو یا نیند وغیرہ یا گاڑی میں خرابی کی وجہ سے اچھی طرح سے گاڑی نہ چلا سکتا ہو' اس کے لیے گاڑی چلانا حرام ہے کیونکہ یہ اس کے لیے بھی اور دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی خطرناک ہے۔ آہ! ڈرائیوروں کی نالائقی اور سستی کی وجہ سے کتنی ہی معصوم جانیں ان سڑکوں پر ضائع ہو گئی ہیں۔ سائل نے جو سوال پوچھا ہے کہ اس سے حادثہ ہوا اور اس میں جانیں ضائع ہوئیں اور اس نے قاضی کے حکم شرعی کے مطابق فوت شدگان کی دیت ادا کر دی تو اس پر کفارہ بھی واجب ہے' کیونکہ جب دیت واجب ہو تو پھر کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے خواہ غلطی مشترکہ ہو' مشترکہ غلطی کرنے والوں پر بھی کفارات واجب ہیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ ﴾

(النساء٤/ ٩٢)

"اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ (کسی دوسرے) مومن کو مار ڈالے مگر یہ کہ غلطی ہو جائے اور جو شخص غلطی سے مومن کو قتل کر ڈالے تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے' ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)..... اور جس کو یہ میسر نہ ہو' وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبولیت) توبہ (کے لیے) ہے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

لہٰذا اے سائل! اس حادثہ میں فوت ہونے والے ہر شخص کی طرف سے آپ پر کفارہ واجب ہے' آپ نے ذکر کیا کہ دو آدمی فوت ہوئے' لہٰذا آپ پر دو کفارے واجب ہیں۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کر دیا جائے اور اگر وہ میسر نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جائیں' لہٰذا اگر مقدور ہو تو دو غلام آزاد کریں یا ہر جان کی طرف سے دو ماہ کے روزے رکھیں' دو آدمیوں کی طرف سے ایک کفارہ کافی نہیں ہو گا' لہٰذا آپ کو پہلے ایک شخص کی وجہ سے دو ماہ کے اور پھر دوسرے شخص کی طرف سے دو ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ شریعت کی نگاہ میں مسلمانوں کے خون کی کس قدر عظمت اور معصوم جانوں کا کس قدر احترام ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

کیا قتل خطا کی دیت معاف ہونے سے بھی کفارہ لازم رہتا ہے؟



سوال جب کسی گاڑی کا ڈرائیور کسی انسان کو غلطی سے قتل کر دے اور مقتول کے وارث دیت معاف کر دیں تو کیا اس

کے لیے دو ماہ کے روزے لازم ہوں گے یا اس سے کم‘ کیونکہ یہ شخص کمزور ہے‘ اس نے مقتول کو جان بوجھ کر قتل نہیں کیا کیا اس کے لیے روزے معاف نہیں؟

جواب جب یہ ثابت ہو جائے کہ قتل خطا ہے تو دیت و کفارہ واجب ہو جاتے ہیں‘ خواہ ڈرائیور نے مقتول کو جان بوجھ کر نقصان نہ بھی پہنچایا ہو‘ وارث دیت معاف کر دیں تو دیت ساقط ہو جاتی ہیں مگر کفارہ باقی رہ جاتا ہے‘ لہٰذا اس کے لیے متواتر دو مہینے کے روزے رکھنے واجب ہوتے ہیں‘ کیونکہ آج کل غلام کو آزاد کرنا مشکل ہے۔ اگر فی الحال متواتر روزے رکھنے سے عاجز ہو مگر ظن غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں متواتر دو ماہ کے روزے رکھ سکے گا تو وہ اس وقت تک روزے مؤخر کر دے اور اگر وہ مستقبل میں بھی روزے رکھنے سے عاجز و قاصر ہو جائے تو اس کے لیے متواتر روزے رکھنا ساقط ہو جائے گا‘ لہٰذا وہ شخص حسب طاقت جس طرح ممکن ہو روزے رکھ لے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۶)

”اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ (الحج۲۲/ ۷۸)

”اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔“

اور فرمایا:

﴿ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

”سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔“

اور نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»(صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح:١٣٣٧)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اسے مقدور بھر بجالاؤ۔“

اس کی نظیر بلا طہارت اس شخص کے لیے وجوب نماز ہے جو پانی اور مٹی وغیرہ سے طہارت حاصل کرنے سے عاجز و قاصر ہو‘ نیز وہ مکلف جو نماز کے بعض ارکان ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کے لیے بھی اس قدر نماز واجب ہے‘ جس قدر وہ ادا کر سکتا ہو۔ رفع حرج اور آسانی شریعت سے متعلق نصوص کے عموم اس اور اس طرح کی دیگر مثالوں کو شامل ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گردن آزاد کرنے کے معنی

سوال گردن کی آزادی کے بارے میں بعض لوگ اشکال میں مبتلا ہیں اور وہ اس کے معنی نہیں جانتے اور یہ شاید اس لیے کہ انہوں نے گردنوں کو آزاد ہوتے دیکھا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ بہت سے کفارات

کے سلسلہ میں گردن آزاد کرنے کا ذکر ہے لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ گردن سے مراد کیا ہے؟ کیا اس سے وہ انسان مراد ہے جسے قتل کی سزا سنائی جا چکی ہو اور پھر اسے معاف کر دیا جائے؟ یا اس سے کسی حیوان کی گردن کو آزاد کرنا مراد ہے؟

جواب گردن آزاد کرنے سے مراد غلام مردوں اور عورتوں کو آزاد کرنا ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ جب وہ دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کرتے ہوئے ان پر غلبہ حاصل کر لیں تو ان کے بچے اور عورتیں مسلمانوں کے غلام بنا لیے جائیں گے' وہ ان سے خدمت لے سکیں گے' ان سے نفع اٹھا سکیں گے' ان کی خرید و فروخت کر سکیں گے اور ان میں تصرف کر سکیں گے' نیز جن لوگوں کو مسلمان جنگی قیدی بنا لیں وہ بھی اسی طرح ان کے غلام بن جاتے ہیں اور مسلمان حکمران کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو قیدیوں کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو انہیں آزاد کر دے' اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو انہیں آزاد کر دے اور اگر چاہے تو انہیں غلام اور مال غنیمت قرار دے دے' اور اگر مصلحت قتل کرنے میں ہو تو انہیں قتل بھی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان سے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ بھی کر سکتا ہے یعنی جب کفار کے پاس مسلمان قیدی ہوں تو وہ ان کے تبادلہ میں کافر قیدیوں کو رہا بھی کر سکتا ہے یا کافر قیدیوں کو آزاد کرنے کے لیے ان سے فدیہ بھی لے سکتا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن کیا تھا۔

بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پاس قیدی تھے' ان میں سے بعض کو آپ نے قتل کرا دیا اور بعض کو فدیہ لے کر رہا کر دیا تھا' چنانچہ ان قیدیوں میں سے آپ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو جنگ کے خاتمہ کے بعد قتل کروا دیا اور باقی قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکوں سے ان کا فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیں اور ان میں سے بعض قیدیوں کو نبی ﷺ نے معاف فرما دیا تھا۔ بوقت مصلحت مسلمان حکمران کے لیے قیدیوں کو معاف کرنا یا انہیں غلام بنانا یا فدیہ لے کر رہا کرنا جائز ہے۔

یہ ہیں وہ غلام گردنیں' مسلمان' دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد جن کے مالک بنے ہوتے ہیں' یہ مسلمانوں کے غلام ہوتے ہیں' غلام کے مالک کو بھی یہ اختیار ہوتا ہے کہ اگر چاہے تو اس سے اپنے کاموں میں خدمت لے' اور اگر چاہے تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے' اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اسے آزاد کر دے' یہ ایک نفل ہو گا یا اسے کفارہ قتل' یا رمضان میں دن کے وقت مباشرت کر لینے کے کفارے' یا کفارۂ ظہار یا کفارۂ قسم کے طور پر آزاد کر دے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَيُّمَا امْرِىءٍ مُسْلِمٍ، أَعْتَقَ امْرَءًا مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ»(صحيح البخاري، كفارات الإيمان، باب قول الله تعالي "أو تحريرا رقبة"، ... الخ، ح:٦٧١٥ وصحيح مسلم، العتق، باب فضل العتق، ح:١٥٠٩ واللفظ له)

"جو مسلمان کسی مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اس کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد کر دے گا۔"

—— شیخ ابن باز ——

قسموں سے (قتل کا) فیصلہ

کیا قسامہ کی قسمیں وارث کھائیں گے؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَصَحْبِهِ، وَبَعْدُ:

کبار علماء کی کونسل نے اپنے آٹھویں اجلاس میں۔ جو ماہ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ کے نصف اول میں شہر ریاض میں منعقد ہوا۔ قسامہ کی بحث پر غور کیا کیونکہ ساتویں اجلاس میں کونسل نے اس بحث کو مؤخر کر دیا تھا کہ کیا وارث قسامہ کی قسمیں اٹھائیں گے یا یہ قسمیں عصبہ ہی کو کھانا پڑیں گی خواہ وہ وارث نہ بھی ہوں مگر مذکر' بالغ اور عاقل ہوں؟

کونسل نے اس موضوع پر تیار کی گئی تحقیقی بحث' اہل علم کے اقوال' دلائل' ان کے مناقشہ اور تبادلہ' افکار و آراء کے بعد کثرت رائے سے یہ طے کیا کہ وارثوں میں سے جو حلف اٹھائیں گے وہ مرد' بالغ اور عاقل ہوں گے خواہ وہ ایک ہی ہو اور خواہ وہ عصبہ ہو یا نہ ہو' کیونکہ صحیحین میں سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہودیوں نے عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویصہ' محیصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

«أَتَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟» (صحيح البخاري، الجزية، باب الموادعة والمصالحة مع المشركين ... الخ، ح:٣١٧٣ وصحيح مسلم، القسامة، باب القسامة، ح:١٦٦٩ وسنن أبي داود، الديات، باب القسامة، ح:٤٥٢١ واللفظ لمسلم)

''کیا تم قسمیں اٹھاتے ہو تاکہ اپنے ساتھی کے خون کے مستحق بن جاؤ؟''

انہوں نے عرض کیا' جی نہیں! ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْكُمْ»(سنن أبي داود، الديات، باب القسامة، ح:٤٥٢٠)

''تم میں سے پچاس مرد قسمیں کھائیں۔''

اور پھر یہ اس لیے بھی کہ یہ دعویٰ حق میں قسم ہے تو دیگر قسموں کی طرح یہ بھی غیر دعوے داروں کے حق میں مشروع نہیں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

——— کونسل رائے کبار علماء ———




٢٠
كتاب
الحُدُودْ

حد زنا (بدکاری کی حد)

رجم کرنے والے کے لیے کوئی شرط نہیں


سوال: عرب جمہوریہ یمن کے شہر "تعز" کی ایک شرعی عدالت نے ایک عورت کو زنا کی وجہ سے رجم کی سزا سنائی' لیکن بعض رجم کرنے میں متردد تھے کیونکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ رجم وہ کرے جو خود گناہ گار نہ ہو' چنانچہ اس سلسلہ میں اور بھی بہت سی باتیں کی گئی تھیں' لہٰذا درخواست ہے کہ آپ رہنمائی فرمائیں' جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب: مجھے اس بات سے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ تعز کی عدالت نے شادی شدہ زانیہ (بدکار) عورت کو رجم کی سزا سنائی ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی وہ حد قائم کی گئی ہے' جسے اکثر اسلامی ملکوں نے معطل کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عدالت کو جزائے خیر سے نوازے اور حکومت یمن اور دیگر تمام اسلامی حکومتوں کو یہ توفیق بخشے کہ وہ بندگان الٰہی کے حدود اور غیر حدود' میں تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق کریں' کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے ہی میں ان کے تمام امور کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی کا راز مضمر ہے' مسلمانوں کو اس امر میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔

جو شخص کسی شادی شدہ زانی کے رجم میں شرکت کرے' اسے اجر و ثواب ملے گا' اگر رجم کے بارے میں شرعی حکم صادر ہو جائے تو پھر کسی کو اس میں کوئی حرج محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ماعز اسلمی' دو یہودیوں اور غامدیہ وغیرہ کے رجم کا حکم دیا تو انہوں نے فی الفور اس پر عمل کر دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ حدود اور غیر حدود تمام امور میں مسلمانوں کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رجم میں شرکت کرنے والے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ خود معصوم اور گناہوں سے پاک ہو' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط عائد نہیں کی تھی اور کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی ایسی شرط عائد کرے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود نہ ہو۔ واللہ الموفق۔

——— شیخ ابن باز ———

کیا زانی کے زانیہ سے شادی کر لینے سے حد معاف ہو جاتی ہے

سوال: کیا زانی کی اس زانیہ سے شادی' جس سے اس نے زنا کیا ہو' ان کے گناہوں کا کفارہ شمار ہو گی؟ کیا شادی کر لینے سے حد معاف ہو جائے گی؟

جواب: زانی کے زانیہ سے شادی کفارہ شمار نہیں ہو گی کیونکہ زنا کا کفارہ دو ہی باتیں ہیں کہ یا تو اس پر حد قائم کی جائے' جب کہ بات حاکم وقت کے پاس پہنچ گئی ہو یا وہ اس جرم (زنا) سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اپنے عمل کی اصلاح کرے اور فتنہ و فحاشی کے مقامات سے دور رہے۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو اس زانی مرد و عورت کی آپس میں شادی حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلزَّانِى لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَٱلزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَآ إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣)

"بدکار مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ عورت کے کسی (پاک باز عورت) سے نکاح نہیں کر سکتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ (بدکار عورت سے نکاح کرنا) مومنوں پر حرام ہے۔"

ہاں البتہ اگر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالص توبہ کر لیں' جو کچھ ہوا' اس پر ندامت کا اظہار کریں اور نیک عمل کریں تو پھر آپس میں شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں' جس طرح دوسرے مرد کے لیے اس عورت سے شادی کرنا جائز ہو گا اسی طرح اس کے لیے بھی اس صورت میں جائز ہو گا۔ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کی طرف منسوب ہو گی' یہ اپنے باپ کی طرف منسوب نہیں ہوتی' کیونکہ نبی ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

«اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، ح:٦٨١٨ وصحيح مسلم، الرضاع، باب الولد للفراش ... الخ، ح:١٤٥٨)

"بچہ صاحب بستر کے لیے اور زانی کے لیے پتھر ہے"

"عاہر" کے معنی زانی کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ بچہ اس کا نہیں ہو گا خواہ وہ توبہ کے بعد اس عورت سے شادی بھی کر لے کیونکہ شادی سے پہلے زنا کے پانی سے پیدا ہونے والا بچہ اس کا نہیں ہو گا اور نہ وہ اس کا وارث ہو گا خواہ وہ یہ دعویٰ ہی کیوں نہ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے' کیونکہ یہ اس کا شرعی بیٹا نہیں ہے۔

— شیخ ابن عثیمین —

توبہ کافی ہے

ادارات بحوث علمیہ و افتاء کے رئیس عام کو حسب ذیل سوال موصول ہوا:

سوال میں شادی شدہ ہوں' میری بیوی لبنان میں ہے لیکن میں روزی کمانے اور بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں برازیل میں مقیم ہوں اور یہاں میں نے جرم زنا کا ارتکاب کر لیا ہے مگر اب میں نادم ہوں اور میں نے توبہ کر لی ہے تو کیا یہ توبہ ہی کافی ہے یا اس کے ساتھ حد بھی ضروری ہے۔ فتویٰ عطا فرمائیں؟ رحمکم اللہ۔

جواب بے شک زنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عورتوں کی بے پردگی' مردوں کا اجنبی عورتوں سے اختلاط' اخلاقی بے راہ روی اور ماحول کی عام خرابی بدکاری کے اسباب ہیں' اگر آپ نے بیوی سے دور ہونے اور اہل شر و فساد کے ساتھ اختلاط کے سبب زنا کر لیا ہے اور اب اپنے اس جرم پر نادم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کر لی ہے تو ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی توبہ کو قبول فرما کر اس گناہ کو بخش دے گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان ٢٥/ ٦٨-٧٠)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے

اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا' قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ جب عورتوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے فرمایا تھا:

«فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَسَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ»

(صحيح البخاري، التفسير، سورة الممتحنة، باب إذا جاءك المأمنات ... الخ، ح:٤٨٩٤ وصحيح مسلم، الحدود، باب الحدود كفارات لأهلها، ح:١٧٠٩)

"تم میں سے جو اس بیعت کو پورا کرے گا' اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اسے سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کہ وہ اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرما دے۔"

لیکن آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس خراب ماحول سے جو آپ کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے' ہجرت کر جائیں اور طلب معیشت کے لیے کسی اور ملک میں چلے جائیں جو نسبتاً کم خراب ہو تاکہ آپ اپنے دین کی حفاظت کر سکیں' اللہ تعالیٰ کی زمین بے حد کشادہ ہے' ایسا نہیں ہو سکتا کہ رزق کمانے کے لیے بندے کو کوئی اور جگہ ہی نہ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا' تو وہ (اللہ) اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی (کی صورت) پیدا کرے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (اسے وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

فتویٰ کمیٹی

زانی کے لیے اس کی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال جب کوئی شادی شدہ مرد زنا کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے اس کی بیوی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے اور اسی طرح اگر کوئی شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو کیا اس کا شوہر اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے؟

جواب ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے لیے حرام نہیں ہوتا' ہاں البتہ ان سب کو اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہیے اور ایمان صادق اور عمل صالح کا ثبوت دینا چاہیے۔ سچی توبہ اس وقت ہوتی ہے جب توبہ کرنے والا گناہ کو ترک کر دے' ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صادق کرے کہ وہ آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہیں کرے گا اور وہ یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کے خوف' اس کی تعظیم' اس سے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طٰہٰ ۲۰/ ۸۲)

"اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھی راہ پر چلے اس کے گناہوں کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحریم۶۶/ ۸)

"مومنو! اللہ کے آگے صاف خالص دل سے توبہ کرو۔"

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور۲۴/ ۳۱)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

زنا بہت بڑا حرام کام اور بے حد کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں' ناحق قتل کرنے والوں اور زنا کرنے والوں کے بارے میں کہا ہے کہ انہیں قیامت کے دن دوگنا عذاب ہو گا اور وہ ان جرائم کی سنگینی اور ان افعال کی قباحت کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت و رسوائی کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہیں گے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ ٱلنَّفْسَ ٱلَّتِى حَرَّمَ ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَٰعَفْ لَهُ ٱلْعَذَابُ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِۦ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ يُبَدِّلُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِهِمْ حَسَنَٰتٍ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۶۸_۷۰)

"اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے' اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بہت بڑی برائی و بے حیائی سے اجتناب کرے بلکہ اس سے بچنے کے لیے اس کے اسباب ووسائل کے قریب بھی نہ پھٹکے اور ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر سچی توبہ کرے۔ سچی توبہ کرنے والوں کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

نشہ باز زانی پر حد قائم کی جائے گی

سوال ایک شخص نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کی بہن سے بدکاری کی' اس کی شرعی سزا کیا ہے؟ کیا اس لڑکی کا اس پر کوئی حق ہے؟ میں نے اس لڑکی سے شادی کی ہے' مجھے کیا کرنا چاہیے اس لڑکی (میری بیوی) نے اس واقعہ کے تین ماہ بعد

مجھے بتایا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ یہ خود بے گناہ ہے؟

جواب اس شخص کی جس نے اپنی سالی سے نشہ کی حالت میں بدکاری کی' سزا یہ ہے کہ اس پر بھی وہی حد قائم کی جائے جو صحیح سالم زانی کی حد ہے' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مشہور قول یہی ہے۔ اگر اس شخص نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی جب کہ یہ خود شادی شدہ تھا اور یہ دونوں بالغ' عاقل اور آزاد تھے تو پھر واجب ہے کہ اسے پتھر مار مار کر مار دیا جائے' کیونکہ شادی شدہ زانی کی یہی سزا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس مزدور کے قصہ میں مذکور ہے جس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کر لیا تھا جس نے اسے مزدوری پر رکھا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ اس عورت کو بھی سنگسار کر دیا جائے۔ نیز صحیحین ہی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

«وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الإِعْتِرَافُ»(صحيح البخاري، الحدود، باب رجم الحبلى في الزنا إذا احصنت، ح: ٦٨٣٠ وسنن أبي داود، الحدود، باب في الرجم، ح: ٤٤١٨)

"رجم حق ہے' کتاب اللہ میں اس کا ذکر ہے اور یہ ان مردوں اور عورتوں کی سزا ہے جو شادی شدہ ہو کر زنا کریں بشرطیکہ گواہی' حمل یا اعتراف سے جرم زنا ثابت ہو جائے۔"

جس لڑکی سے بدکاری کی گئی ہے' اس کا حق حاکم شرعی کی صوابدید کے مطابق اسے دلایا جائے گا۔

یہ شخص جس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر تین ماہ کے بعد اس واقعہ کے بارے میں اسے بتایا ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ عورت بے گناہ ہے' اگر یہ اپنی بیوی میں نیکی اور استقامت دیکھے تو اسے اپنے پاس رکھے اور اس سے جو زبردستی بدکاری کی گئی' یہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو گی کیونکہ یہ اس کے اختیار کے بغیر کی گئی ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

زانی کی نماز

سوال کیا زانی کی نماز باطل ہو جاتی ہے' یاد رہے مالی حالات کی وجہ سے میں شادی نہیں کر سکتا؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ فَٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٣٢)

"اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔"

تمام امت کا اجماع ہے کہ زنا فواحش اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے جو کہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کامیاب مومنوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَٰفِظُونَ ﴿٥﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥)

"اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔"

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ حرام کام سے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے' بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنی نظر نیچی رکھے

اور فحاشی کے اسباب ووسائل' مثلاً فتیح اور عریاں فلموں کو دیکھنے سے بھی اجتناب کرے' نیز حلال شادی کے ذریعے عفت و پاکدامنی کے حصول کی کوشش کرے' کیونکہ شادی سے نظر نیچی ہو جاتی اور شرم گاہ کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جسے شادی کرنے کی طاقت نہ ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں کیونکہ روزہ جنسی خواہش کو کچل دیتا ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اگر کوئی گم راہ ہو کر زنا کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے فوراً توبہ و ندامت کا اظہار کرنا چاہیے' لیکن یاد رہے زنا سے نماز اور دیگر اعمال صالحہ باطل نہیں ہوتے۔ واللہ الموفق۔

—— شیخ ابن جبرین ——

لواطت اور اس کی سزا

سوال اسلام میں لواطت کے بارے میں کیا حکم ہے نیز اس کی سزا کیا ہے؟

جواب لواطت بدترین قسم کی فحاشی ہے والعیاذ باللہ (اس سے اللہ کی پناہ)! اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے قوم لوط کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور انہیں دنیا میں زبردست سزا دی اور وہ یہ کہ ان کے گھروں کو الٹ کر تہہ و بالا کر دیا اور اوپر سے ان پر پے درپے پتھر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان رکھے ہوئے تھے' اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔

لواطت کی سزا کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ وارد ہے کہ جو شخص یہ کام کرے یا جس کے ساتھ کیا جائے دونوں کو قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے' یا رجم کر دیا جائے' یا کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے اور پھر پتھروں سے مار دیا جائے' کیونکہ اس میں بے حد اخلاقی خرابی بھی ہے اور یہ فطرت کے خلاف بھی ہے' یہ کام کرنے والے شرعی شادی سے روگردانی کرتے ہیں اور مفعول بہ عورت سے بھی کم تر حالت اختیار کر لیتا ہے۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عمل قوم لوط کی خرابی

سوال دین میں لواطت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ اس سے عرش الٰہی بھی کانپ اٹھتا ہے؟ امید ہے آپ اس سوال کا مکمل اور دلائل سے مدلل جواب عطا فرمائیں گے تاکہ میں اور دوسرے لوگ بھی اس فعل سے باز آجائیں۔ وجزاکم اللہ کل خیر۔

جواب لواطت یعنی مردوں سے جنسی عمل کرنا یا عورتوں کی دبر میں جنسی عمل کرنا' یہ وہ گناہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَتَأْتُونَ ٱلذُّكْرَانَ مِنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٥﴾ ﴾ (الشعراء ٢٦/ ١٦٥)

''کیا تم اہل جہاں میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟''

﴿ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ ٱلنِّسَآءِ ﴾ (النمل ٢٧/ ٥٥)

''کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت (حاصل کرنے) کے لیے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فعل کی سخت ترین سزا دی' ان کے گھروں کو الٹ دیا اور آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی

جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿ جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ ﴾ (هود١١/ ٨٢-٨٣)

"ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر تہ دار کھنگر یلے پتھر برسائے جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں۔"

تو جو شخص بھی اس جرم کا ارتکاب کرے' اسے یہی سزا ملنی چاہیے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ فتویٰ بھی دیا تھا کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے اور بعض نے یہ فتویٰ دیا کہ اسے کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے اور پھر پتھروں سے رجم کر دیا جائے۔ احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے:

«مَنْ وَجَدْتُّمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ» (سنن أبي داود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، ح:٤٤٦٢ وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، ح:١٤٥٦)

"جسے تم عمل قوم لوط کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ (یہ کام کرنے اور کرانے والے دونوں) کو قتل کر دو۔"

سائل کو اس موضوع پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب "الجواب الکافی" کا مطالعہ کرنا چاہیے' انہوں نے اس جرم کی قباحت کے بارے میں اس میں بہت کچھ ذکر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

جانور وغیرہ سے جنسی عمل کی سزا

سوال کیا اس بکری پر بھی حد قائم کی جائے گی' جس سے کسی انسان نے جنسی عمل کیا ہو؟

جواب اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ حلال قرار دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی اور باندی سے لطف اندوز ہو اور انہیں سے اپنی جنسی تسکین کا سامان فراہم کرے' ہاں البتہ حالت حیض وغیرہ میں ان سے بھی جنسی عمل حرام ہے۔ بیوی اور باندی کے علاوہ کسی اور سے جنسی عمل کو حرام اور حدود سے تجاوز قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ٥-٧)

"اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بکری اور دیگر حیوانات وغیرہ کے ساتھ جنسی عمل حرام اور حدود الٰہی سے تجاوز ہے' لیکن اس سے اس طرح حد واجب نہیں ہوتی جس طرح عورت سے زنا کرنے سے حد واجب ہوتی ہے بلکہ اس سے صرف تعزیر واجب ہوگی جو حاکم وقت کی صوابدید کے مطابق ہوگی۔

بکری وغیرہ پر کوئی حد یا تعزیر نہیں ہے کیونکہ وہ احکام شریعت کی مکلف نہیں ہے' لیکن اسے علاقے میں نظروں سے دور کر دینا چاہیے' جہاں اس کے ساتھ جرم کیا گیا ہو یا تو اسے فروخت کر کے دور کر دیا جائے یا ذبح کر کے اس کو آنکھوں سے اوجھل کر دیا جائے تاکہ یہ جرم بھلا دیا جائے اور لوگ اس موضوع پر گفتگو کرنے سے رک جائیں۔ جانور کے بارے میں اسے حد یا تعزیر سے تعبیر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے مالک ہی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اسے ذبح کرے یا بیچ دے کسی اور کو اس پر زیادتی کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ روایت کیا گیا ہے کہ جس جانور کے ساتھ وطی کی گئی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے' لہٰذا جانور اگر ماکول اللحم مثلاً بکری وغیرہ ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے ذبح کر دیا جائے تاکہ اس حدیث پر عمل ہو سکے اور اس بات کو بھی فراموش کر دیا جائے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

منشیات کی سزائیں اور احکام

مسلمان کو شراب سے دور رہنا چاہیے

سوال ایک انسان جو شراب پیتا تھا اس نے اسے ترک کر دینے اور توبہ کرنے کا ارادہ کیا اور حج کرنے اور توبہ کرنے کے ارادے سے وہ اپنی گاڑی کے ذریعے اردن سے مکہ مکرمہ آیا' راستہ میں اس کا نفس بہک گیا اور اس نے شراب پی لی کہ یہ آخری بار ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شراب نوشی کتاب و سنت اور اجماع امت کی روشنی میں حرام ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَٱحۡذَرُواْۚ فَإِن تَوَلَّيۡتُمۡ فَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا ٱلۡبَلَٰغُ ٱلۡمُبِينُ ﴿٩٢﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٩٠-٩٢)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام' اعمال شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو تم کو (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ کی فرماں برداری اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کو کھول کر پہنچا دینا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر ... الخ، ح: ٢٠٠٣)

"ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔"

تمام مسلمانوں کا شراب کی حرمت پر اجماع ہے۔ علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ جو شخص شراب کی حرمت کا منکر ہو وہ کافر اور مرتد ہے' ہاں البتہ اگر وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور اسے شراب کی حرمت کا علم نہ ہو تو اسے بتایا جائے گا اور اگر وہ اس کی حرمت کا انکار کر دے تو وہ مرتد ہو گا' لہٰذا ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ شراب کے بیچنے' خریدنے' اٹھانے' کھانے اور پینے وغیرہ سے دور رہے۔

جو شخص بھی انسان کے بدن اور عقل نیز معاشرے پر شراب کے بدترین اثرات کو دیکھے گا تو اس کے سامنے اس کی حرمت کی' حکمت واضح ہو جائے گی لہٰذا حکمت و عقل کا بھی تقاضا ہے کہ شراب حرام ہونی چاہیے جیسا کہ شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ سائل جس نے حج کے راستہ میں آخری بار شراب پی' اگر اس کی توبہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لے گا خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

شیخ ابن عثیمین

شرابی کے بارے میں اطلاع دینا

سوال اگر کوئی رشتہ دار یا دوست کسی فعل حرام مثلاً شراب نوشی کا ارتکاب کرتا ہو اور میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہو اور وہ باز نہ آئے تو کیا اس کے بارے میں اطلاع دینا جائز ہے یا اسے اس کی رسوائی قرار دیا جائے گا مگر حق بات سے خاموش رہنے والا بھی تو گونگا شیطان ہے؟

جواب مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کو کسی فعل حرام کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو اسے نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ارتکاب سے ڈرائے اور گناہوں کی سزا اور دل' نفس' اعضاء' فرد اور معاشرے پر ان کے بدترین نتائج سے آگاہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بار بار سمجھانے سے وہ باز آجائے اور توبہ کر لے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اس سے باز رکھنے کے لیے جو سب سے موزوں راستہ ہو اسے اختیار کرے خواہ اس کے لیے حکام کو اطلاع دینا پڑے یا کسی اور ایسی شخصیت کو جس کی اس کی نظر میں اس سمجھانے والے سے زیادہ عزت ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ ناصح کو وہ راستہ اختیار کرنا چاہیے جو سب سے زیادہ موزوں ہو تاکہ مقصود حاصل ہو جائے خواہ حکام تک بات پہنچانے کی نوبت آجائے کہ وہ اسے سمجھائیں۔

شیخ ابن عثیمین

ادویات میں الکحل کا استعمال

سوال بعض ادویات کے بنانے اور جڑی بوٹیوں کے مرکبات میں الکحل بھی شامل کیا جاتا ہے لہٰذا اگر یہ معلوم ہو کہ کسی دوا میں الکحل ڈالا گیا ہے تو کیا اسے استعمال کرنا جائز ہے' خواہ وہ کسی مرض کے علاج کے لیے استعمال کی جا رہی ہو؟

جواب اگر الکحل بہت معمولی مقدار میں ہو جو کہ دوا ہی میں گھل مل گئی ہو اور دوا کی حفاظت کے لیے ضروری ہو تو اس دوا کا استعمال کرنا جائز ہے اور اگر الکحل کی مقدار زیادہ ہو اور وہ دوا کے لیے ضروری بھی نہ ہو تو پھر اس کا استعمال جائز نہیں خواہ علاج ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

شراب میں شفا نہیں ہے

سوال اس انسان کے متعلق کیا حکم ہے جو مرنے کے قریب ہو اور شراب کے بغیر اس کے علاج کی کوئی اور صورت نہ ہو؟

جواب علاج معالجہ کی شرعاً اجازت ہے لیکن علاج صرف انہیں اشیاء سے ہو گا جن کے استعمال کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت دی ہے اور صرف انہیں اشیاء کے استعمال سے شفاء ممکن ہے کیونکہ جن اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' ان میں کوئی شفا نہیں ہے۔ حرام اشیاء سے علاج کی حرمت پر عموماً اور شراب سے علاج کی حرمت پر خصوصاً وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح بخاری" میں تعلیقاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب شراب الحلوء والعسل في ترجمة الباب قبل ح:٥٦١٤ معلقًا عن ابن مسعود، والمعجم الكبير للطبراني:٩/ ٣٤٥، ح:٩٧١٤، ٩٧١٧ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بالمسكر:١٠/ ٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں تمہارے لیے کوئی شفا نہیں رکھی جن کو تمہارے لیے حرام قرار دیا ہے۔"

امام طبرانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ایک ایسی سند کے ساتھ موصول بھی بیان کیا ہے جس کے رجال صحیح کے رجال ہیں' اس حدیث کو امام احمد' ابن حبان۔ بزار ابو یعلیٰ اور طبرانی رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔ مسند ابو یعلیٰ میں یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام ابو داود رحمہ اللہ نے سنن میں حضرت ابو الدرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بما يكون حراما ... الخ:١٠/ ٥)

"بلا شبہ اللہ نے بیماری اور دوا کو نازل کیا ہے اور ہر بیماری کی کوئی نہ کوئی دوا بھی مقرر کی ہے لہٰذا دوائی استعمال کرو مگر حرام اشیاء کو بطور دوائی استعمال نہ کرو۔"

صحیح مسلم میں طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انہیں اس سے منع فرما دیا اور اس کے بنانے کو بھی مکروہ قرار دیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو اسے دوائی کے لیے بناتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دوا نہیں بلکہ یہ تو خود بیماری ہے۔

یہاں اس جانب توجہ مبذول کروانا بھی مناسب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا بھی حکم دیا ہے وہ یا تو محض مصلحت پر مبنی ہے یا اس میں خرابی کے بجائے درستی کا پہلو راجح ہوتا ہے اور جس چیز سے بھی اس نے منع فرمایا ہے وہ یا تو محض خرابی پر مبنی ہے یا اس میں درستی کی نسبت خرابی کا پہلو راجح ہوتا ہے کیونکہ وہ ذات گرامی حکیم و علیم ہے' لہٰذا یہ تصور ایک محض وہم ہے کہ اس مریض کو صرف شراب پینے سے شفا حاصل ہو گی کیونکہ دینی و طبیعی دوائیں تو بہت سی ہیں پھر بات یہ

ہے کہ دوا تو مریض کو شفا نہیں دیتی بلکہ دوا کے استعمال سے شفا تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ شرعاً یہ بات مطلوب ہے کہ اسباب شرعیہ کو استعمال کیا جائے اور اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کیا جائے کیونکہ محض اسباب پر کلی اعتماد کرنا شرک ہے۔ وصلى الله على محمد وآله وصحبه۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

شراب سے علاج

سوال کیا کسی مومن کے لیے یہ جائز ہے کہ بعض تکالیف کے علاج کے لیے وہ شراب پیے؟

جواب شراب حرام ہے اسے بطور دوا استعمال کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اے بندگان الٰہی! علاج کرو لیکن حرام اشیاء کے ساتھ علاج نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے ان اشیاء میں شفا نہیں رکھی، جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے۔" [1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

شرابی کی عبادت

سوال جو شخص ہمیشہ شراب پیتا اور زنا کرتا ہو، کیا اس کی نماز اور عبادت صحیح ہے؟

جواب جو شخص شراب پیے، زنا کرے یا دیگر معاصی (گناہوں) کا ارتکاب کرے اور ان کو حلال سمجھے تو وہ کافر ہے اور کفر کی موجودگی میں کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا اور جو شخص کسی معصیت کا ارتکاب کرے اور وہ اسے حرام بھی سمجھے لیکن نفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ سے اس کا ارتکاب کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس سے بچالے گا تو وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن مگر گناہ کی وجہ سے فاسق ہوگا۔ ہر بندے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جب کسی گناہ کا ارتکاب کرے تو عزم کرے کہ وہ آئندہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا، ماضی میں جو کچھ ہوا، اس پر ندامت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو مذاق نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جو پردہ پوشی فرمائی یا اسے مہلت دی ہے تو اس سے فریب خوردہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک گناہ کی وجہ سے ابلیس کو اپنی رحمت سے خارج کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود قرار دے کر شیطان بنادیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا اور صرف ایک ہی نافرمانی (گناہ) کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا تھا لیکن انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرف قبولیت سے نواز کر انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادی، لہٰذا کسی بھی انسان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک دھوکے باز اور مکار کا معاملہ رکھے بلکہ ضروری ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اللہ تعالیٰ نے جس بات کا حکم دیا ہے، اسے بجالائے اور جس سے اس نے منع فرمایا ہے، رک جائے۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

[1] دیکھیے: سنن ابی داود، الطب، باب فی الادویة المکروهة، حدیث: ۳۸۷۴ و جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الدواء والحث علیه، حدیث: ۲۰۳۸ والبیهقی فی السنن الکبریٰ، الضحایا، باب النهی عن التداوی بالمسکر، ۵/۱۰۔

شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا

سوال ایک مسلمان کے لیے ایسی فیکٹریوں میں کام کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جن میں صرف شراب اور نشہ آور اشیاء تیار کی جاتی ہوں؟

جواب شراب اور دیگر تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں' ان کے لیے فیکٹریاں بنانا اور ان میں کام کرنا بھی حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَعَنَ الْخَمْرَ وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَسَاقِيَهَا وَمُسْتَقِيهَا»(مجمع الزوائد: ٥/ ٧٣ ومسند أحمد: ١/ ٣١٦ والطبراني في الكبير: ١٢/ ٢٣٣ وسنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح: ٣٦٧٤ والحاكم في المستدرك، البيوع: ٢٢٣٤ واللفظ لأحمد)

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا: اے محمد ﷺ! بلاشبہ اللہ عز و جل نے شراب' اسکے نچوڑنے والے اور جس کے لیے نچوڑی گئی پینے والے' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھائی گئی ہو' اس کے بیچنے والے' خریدنے والے' پلانے والے اور اس کے پینے والے (سب) پر لعنت فرمائی ہے۔''

لہٰذا اس شخص کے لیے اس حدیث کے پیش نظر شراب کی فیکٹریوں میں کام کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی فیکٹری میں کام کرنے والا بھی ملعون ہے اور پھر اس لیے بھی کہ یہ گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون ہے' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

''اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو۔''

حکم شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس نے اس فیکٹری میں پہلے جو کام کیا وہ معاف ہے' جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ١٥)

''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں' عذاب نہیں دیا کرتے۔''

کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی اور وہ اسے امت تک پہنچا دیتا ہے اور بندہ اسی وقت مکلف ہوتا ہے جب اس کے پاس اللہ کا حکم پہنچ جائے۔

منشیات کے سمگلروں کے لیے سزائے موت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَبَعْدُ:

کونسل برائے کبار علماء نے اپنے انتیسویں اجلاس میں' جو ریاض میں ۱۴۰۷ھ میں ۹ سے ۲۰ جمادی الثانی تک منعقد ہوا'

خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کے ٹیلی گرام نمبر س۔ ۸۰۳۳ مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ پر' غور کیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ "منشیات کے چونکہ بے حد خطرناک نتائج ہیں اور ہم نے محسوس کیا ہے کہ ان آخری ایام میں یہ بہت کثرت سے پھیلتی جا رہی ہیں' لہٰذا مصلحت عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں منشیات پھیلانے والے لوگوں کو سخت سزا دی جائے خواہ وہ ان کی سمگلنگ کریں یا ان کو رائج کریں' لہٰذا ہماری خواہش ہے کہ اس مسئلہ کو جلد کونسل کبار علماء میں پیش کیا جائے اور کونسل اس مسئلہ سے متعلق اپنی سفارش پیش کرے۔"

کونسل نے اپنے ایک سے زیادہ اجلاسوں میں اس موضوع پر غور کر کے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا' مناقشہ' تبادلہ افکار و آراء سے اس خبیث اور مہلک وبا کے پھیلنے کے نتائج پر غور کیا جو اس کی سمگلنگ' تجارت' ترویج اور استعمال کی صورت میں برآمد ہو رہے ہیں۔ منشیات استعمال کرنے والے انسانوں پر ان کے انتہائی بدترین اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ ان کے استعمال کے نتیجہ میں بدترین جرائم' گاڑیوں کے حادثات اور طرح طرح کے اوہام و خرافات میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ مجرموں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آ رہا ہے جس کی گھٹی میں ظلم اور جس کی طبیعت ہی میں بدخلقی اور بداخلاقی اور قابل احترام چیزوں کی بے حرمتی رچی بسی ہوئی ہوتی ہے' جو ہر قسم کے قانون کی خلاف ورزی کر کے انتشار و خلفشار پیدا کر رہا ہے' کیونکہ منشیات استعمال کرنے والوں میں غرور و تکبر اور ہیجان کی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اب وہ ہر چیز پر قادر ہیں' نیز ان میں ایسے اوہام و افکار پیدا ہوتے ہیں جو انہیں ارتکاب جرائم پر مجبور کرتے ہیں منشیات کا استعمال صحت عامہ کے لیے بھی نقصان دہ ہے اور اس سے عقل میں خلل پیدا ہو کر جنون تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان تمام خرابیوں اور بیماریوں سے ہمیں عافیت و سلامتی میں رکھے' چنانچہ منشیات کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد کونسل نے بالاجماع یہ طے کیا ہے:

اولاً: منشیات کے سمگلر کی سزا قتل ہے کیونکہ منشیات اسمگل کر کے یہاں لانے اور اسے پھیلا دینے میں فساد عظیم ہے جو صرف اسمگلر کی ذات کی حد تک نہیں بلکہ اس کے زبردست نقصانات اور بے حد خوفناک خطرات سے ساری امت متاثر ہوتی ہے۔ جو شخص منشیات کی درآمد کرے اس کے لیے بھی وہی سزا ہو گی جو اسمگلر کی ہو گی یا جو شخص بھی انہیں باہر سے حاصل کر کے استعمال کرنے والوں کے لیے اپنے پاس جمع کر کے رکھے گا' اس کی بھی یہی سزا ہو گی۔

ثانیاً: منشیات کو رائج کرنے والے کے بارے میں جو قرار داد نمبر ۸۵ مورخہ ۱۱ ذوالقعدۃ ۱۴۰۱ھ کو پاس ہوئی تھی' وہ کافی ہے اور اس کا متن حسب ذیل ہے:

دوم: جو ان کو رائج کرے خواہ خود تیار کرے' یا درآمد کرے' خرید و فروخت کرے' یا کسی کو تحفہ دے' یا کسی بھی اور طریقے سے انہیں پھیلائے' اور اگر وہ پہلی مرتبہ اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے قید یا کوڑوں یا مالی جرمانے کی سزا ہو گی یا اگر عدالت سمجھے تو بیک وقت یہ سب سزائیں دی جائیں گی' اور اگر وہ اس جرم کا بار بار ارتکاب کرے تو پھر اسے ایسی عبرت ناک سزا دی جائے' جس سے معاشرہ اس کے شر سے پاک ہو جائے خواہ یہ سزا قتل کی صورت میں ہو' کیونکہ اپنے اس فعل کی وجہ سے وہ "مفسدین فی الارض" زمین میں فساد مچانے والے ڈاکوؤں میں شمار ہوتا ہے اور ان میں سے جو لوگوں کے دلوں میں جرائم کے بیج بوتے ہیں۔ محققین اہل علم نے قتل کو بھی تعزیری سزا ہی کی ایک صورت قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"زمین سے جس کا فساد قتل کے بغیر دور نہ ہوتا ہو تو اسے قتل کیا جائے' مثلاً جس طرح وہ شخص ہے جو مسلمانوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنے والا اور دین میں بدعات کا داعی ہو۔"

جیسے کہ نبی ﷺ نے اس شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا جس نے جان بوجھ کر (عمداً) آپ کی طرف ایک جھوٹی بات منسوب کی تھی اور ابن الدیلمی نے جب آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا' جو شراب نوشی سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جو اس سے باز نہ آئے اسے قتل کر دو۔"

ابن تیمیہ رحمہ اللہ ایک دوسری جگہ تعزیری سزا کے طور پر قتل کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مفسد حملہ کرنے والے کی طرح ہوتا ہے اور اگر حملہ آور کو قتل کے بغیر روکنا ممکن نہ ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔"

ثالثاً : کونسل کی رائے یہ ہے کہ فقرہ نمبرا اور نمبر۲ میں مذکور سزائیں دینے سے قبل یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی عدالتوں اور سپریم کورٹ میں ضروری شہادتوں وغیرہ کی روشنی میں جرم ثابت ہو چکا ہو' تاکہ ذمہ داری پوری ہو سکے اور انسانی جانوں کے بارے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔

رابعاً : یہ بھی از بس ضروری ہے کہ ان سزاؤں کے نفاذ سے پہلے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ان کا اعلان کر دیا جائے تاکہ کوئی ناواقفیت کا عذر پیش نہ کر سکے اور لوگوں کو ڈرایا بھی جا سکے۔ وباللہ التوفیق وصلی اللہ وسلم۔

———— کونسل برائے کبار علماء ————

مرتد کا حکم

مرتد توبہ کرے تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی

سوال کیا مرتد پر حد قائم کرنا ضروری ہے' یعنی اگر کسی مسلمان نے ماضی میں کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہو جس سے ارتداد لازم آتا ہو لیکن پھر اس نے توبہ کر کے اس سے رجوع کر لیا ہو تو کیا اس ارتداد کی وجہ سے اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے لیکن یاد رہے اس نے ارتداد کا ارتکاب ایک ایسے ملک میں کیا ہے جہاں نفاذ شریعت نہیں ہے یا پھر ارتداد کے گناہ کو مٹانے کے لیے توبہ ہی کافی ہے اور اقامت حد ضروری نہیں ہے؟

جواب جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے اور پھر توبہ و ندامت کے ساتھ رجوع کرے تو پھر حد قائم کرنا جائز نہیں کیونکہ حد تو اس پر قائم کی جاتی ہے جو ارتداد پر اصرار کرے اور جو توبہ کرے تو توبہ سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں' جیسا کہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

جو شخص دین کو گالی دینے پر اصرار کرے اس کی سزا قتل ہے

سوال جو دین اور اللہ کو گالی دے اس کے بارے میں کیا حکم ہے' اس کا کیا کفارہ ہے' یاد رہے یہ شخص شادی شدہ ہے



تو کیا اس سے اس کی بیوی حرام ہو جائے گی یا اسے طلاق ہو جائے گی؟

جواب بے شک یہ اسلام سے ارتداد اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے' اس کا فاعل قتل کا مستحق ہے الا یہ کہ توبہ کرے' اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی' رشتہ داروں سے تعلق منقطع ہو جائے گا' وہ نہ اس کے وارث ہوں گے اور نہ یہ ان کا وارث ہو گا' لیکن اگر یہ توبہ کر لے' ندامت کا اظہار کرے' استغفار کرے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور وہ بیوی سے رجوع کر سکے گا بشرطیکہ وہ عدت سے خارج نہ ہو گئی ہو اور اگر وہ عدت سے خارج ہو گئی ہو تو پھر وہ خود مختار ہو گی اور اس کی رضامندی کے بغیر وہ اپنے شوہر کے لیے حلال نہ ہو گی۔

—— شیخ ابن جبرین ——




۲۱
كتابُ
الأطعِمة

حلال و حرام حیوانات کا بیان

حلال و حرام حیوانات کے بارے میں قاعدہ

سوال کیا حیوانات کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی قابل اعتماد شرعی قاعدہ موجود ہے کیونکہ قرآن و سنت میں تمام حیوانات کے بارے میں تو وضاحت نہیں ہے' کچھ پالتو جانور حرام ہیں اور کچھ حلال' اس طرح وحشی جانوروں میں سے بھی بعض حرام اور بعض حلال ہیں' لہٰذا اگر حلت و حرمت کے لیے کوئی قاعدہ یا صفات ہیں تو براہ کرم وضاحت فرما دیں تاکہ ہمیں بصیرت حاصل ہو نیز یہ فرمائیں' کیا اس سلسلہ میں قیاس کا بھی اعتبار ہے یا نہیں؟

جواب حقیقت ہے کہ اس سوال میں جو یہ کہا گیا ہے کہ کتاب و سنت میں اس کی وضاحت نہیں ہے' یہ غلط ہے ہاں البتہ سائل کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اسے کتاب و سنت سے اس کی وضاحت معلوم نہیں ہو سکی' ورنہ کتاب و سنت میں تو اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بیان فرما دیا ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ تِبْيَـٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ (النحل ١٦/ ٨٩)

"اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے۔"

سنت کے ساتھ ایمان رکھنا اور اس کے احکام کے ساتھ ایمان رکھنا بھی قرآن مجید ہی کے ساتھ ایمان ہے کیونکہ سنت قرآن مجید ہی کا تتمہ اور تکملہ ہے۔ سنت قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور اس کے ابہام کی تفسیر ہے قرآن و سنت کے دامن کو تھامنے والوں کے لیے ان میں شفاء' نور' ہدایت اور استقامت ہے۔ ہر پیش آمدہ مسئلہ کا حل اور بیان' قرآن و سنت میں موجود ہے لیکن ان میں سے بعض مسائل کی تو باقاعدہ متعین طور پر وضاحت موجود ہے اور بعض مسائل کو قواعد اور ضوابط عامہ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے پھر لوگ چونکہ علم اور فہم کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایمان و تقویٰ کے حساب سے قرآن مجید سے ان کا ادراک بھی مختلف ہوتا ہے کہ جس قدر ایمان باللہ' قرآن و سنت کے احکام کو قبول کرنے کا جذبہ اور تقویٰ قوی ہو گا' ایسے ہی قرآن و سنت کے احکام کے بارے میں علم بھی قوی ہو گا۔

یقیناً قرآن و سنت میں ہدایت' علم' نور اور تمام مشکلات کا حل موجود ہے' ان کا نظام اور منہاج بندگان الٰہی کے لیے سب سے کامل' سب سے منفعت بخش اور سب سے زیادہ موزوں ہے' لہٰذا جو ان کو ترک کر کے انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں اور قوانین کی طرف رجوع کرتا ہے وہ سخت غلط کار ہے کیونکہ وضعی قوانین کثرت سے غلطیوں سے پر ہیں اور اگر ان میں کوئی درست بات ہے تو وہ صرف وہی ہے جو کتاب و سنت سے ہم آہنگ ہے۔ میں اس بھائی کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ ایسے بہت سے ضابطے ہیں جن سے حرمت معلوم ہوتی ہے لیکن اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی حیوانات و جمادات پیدا فرمائے ہیں' وہ ہمارے لیے حلال ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ (البقرة ٢/ ٢٩)

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔"

یہ ایک عام اصول ہے کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء کو ہمارے کھانے' پینے اور نفع کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن ان میں ان حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر فرما دی ہیں۔

یہ ایک عام اور جامع قاعدہ ہے جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ»(البيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ وسنن أبي داود، الأطعمه، باب ما لم يذكر تحريمه، ح: ٣٨٠٠)

"جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا ہے' وہ قابل معافی ہے۔"

آیئے! اب دیکھیں کہ کیا کیا اشیاء حرام ہیں تو سب سے پہلے تو مردار حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٣)

"اس نے تم پر مردار حرام کر دیا ہے۔"

گردن سے بہنے والا خون حرام ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار (اپنی موت مرا ہوا) جانور ہو یا بہتا ہوا لہو (خون)۔"

سور کا گوشت بھی حرام ہے' کیونکہ اسی آیت کریمہ میں ارشاد ہے:

﴿ أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"یا سور کا گوشت"

یہ تینوں چیزیں اس لیے حرام قرار دی گئی ہیں کہ یہ ناپاک ہیں' کیونکہ "فانہ" کی ضمیر صرف "لحم خنزیر" ہی کی طرف راجع نہیں ہے جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کیونکہ استثناء ((الا ان یکون)) یعنی الا یہ کہ وہ کھائی جانے والی چیز مردار' یا بہتا ہوا لہو' یا سور کا گوشت ہو کیونکہ ان میں سے کھائی جانے والی ہر چیز "نجس" ناپاک ہے۔

پالتو گدھے بھی حرام ہیں' کیونکہ صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ» (صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، ح:٤١٩٨، ٤١٩٩ وصحيح مسلم، الصيد، باب تحريم اكل لحم الحمر الانسية، ح: ١٩٤٠ ومسند أحمد: ٣/ ١١١ واللفظ له)

"اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے (گوشت) کھانے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ گھریلو گدھے ناپاک ہیں۔"

اسی طرح ہر وہ درندہ بھی حرام ہے جو کچلی سے شکار کرتا اور چیرپھاڑ کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا اور کتا وغیرہ اور ہر وہ پرندہ بھی حرام ہے جو پنجے سے شکار کرتا ہو' مثلاً چیل' عقاب اور باز وغیرہ۔ اسی طرح ہر وہ جانور جو ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کے

ملاپ سے پیدا ہو تو وہ بھی حرام ہے مثلاً خچر' کہ یہ گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔ گھوڑا مباح ہے مگر گدھا حرام' لہٰذا جب خچر ان دونوں کے ملاپ سے پیدا ہوا تو اس میں حرمت کے پہلو کے غلبہ کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

الحمدللہ یہ تمام مسائل سنت میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں ' اہل علم نے بھی انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور اگر کسی مسئلہ میں اشکال محسوس ہو تو اس بنیادی قاعدہ کی طرف رجوع کرو جو ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے کہ اصل حلت ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعًا﴾ (البقرة٢/ ٢٩)

"وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔"

اور جو جانور مشتبہ ہوں یعنی ان کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حرام ہیں یا حلال تو ان کے بارے میں بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ ان کو ہم ان سے ملتے جلتے جانوروں سے ملا دیں گے اور جو حکم ان کا ہو گا' وہی ان کا بھی ہو گا لیکن دلائل کے ظاہر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حرام جانور اپنی نوع پر ان ضابطوں کی روشنی میں معلوم ہیں جن کی طرف ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے جیسا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے:

«كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلُّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ»(صحيح مسلم. الصيد، باب تحريم أكل كل ذي ناب ... الخ، ح: ١٩٣٤)

"کچلی سے شکار کرنے والے تمام درندوں اور پنجے سے شکار کرنے والے تمام پرندوں کو حرام قرار دیا ہے۔"

——— شیخ ابن عثیمین ———

بری و بحری حیوانات میں سے کون سے حلال ہیں؟

سوال میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بری و بحری حیوانات میں سے کون سے حرام ہیں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ کچھوا' کبوتر اور مینڈک کھانا جائز ہے؟

جواب سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں اصل حلت ہے' ہاں البتہ وہ حرام ہیں' جن کی حرمت دلائل سے ثابت ہو چکی ہو' اگر کسی چیز کی حلت و حرمت میں شک ہو تو وہ حلال ہو گی الا یہ کہ دلائل سے ثابت ہو جائے کہ وہ حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعًا﴾ (البقرة٢/ ٢٩)

"وہی (اللہ) تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں' تمہارے لیے پیدا کیں۔"

آیت کریمہ کے یہ الفاظ حیوانات ' نباتات اور پہننے کی ہر اس چیز کو شامل ہیں جو زمین میں موجود ہو' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعًا مِّنۡهُۚ﴾ (الجاثية٤٥/ ١٣)

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا۔"

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ»(البيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ وسنن أبي داود، الأطعمه، باب ما لم يذكر تحريمه، ح: ٣٨٠٠ عن ابن عباس موقوفا)

"اللہ نے جس چیز سے سکوت فرمایا ہے' وہ قابل معافی ہے۔"

نیز فرمایا:

«إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَنَهٰى عَنْ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رُخْصَةً لَكُمْ لَيْسَ بِنِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا»(سنن الدارقطني: ٤/ ١٩٩ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب ما لم يذكر تحريمه ... الخ: ١٠/ ١٢ واللفظ له)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں' انہیں ضائع نہ کرو' کچھ حدود کا تعین کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو اور کچھ چیزوں سے روک دیا ہے ان کی (حرمت کی) پامالی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے تم پر رخصت کے پیش نظر نہ کہ بھول جانے کی وجہ سے سکوت فرمایا ہے تو ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔"

ان دلائل کی روشنی میں اصول یہ ہے کہ تمام حیوانات حلال ہیں' سوائے ان کے جن کی حرمت دلیل سے ثابت ہو گئی ہو' مثلاً پالتو گدھے حرام ہیں کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

«أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، أَبَا طَلْحَةَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرَ يُنَادِي: إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ فَإِنَّهَا رِجْسٌ»(صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، ح: ٤١٩٨، ٤١٩٩ وصحيح مسلم، الصيد، باب تحريم أكل لحم الحمر الأنسية، ح: ١٩٤٠ ومسند أحمد: ٣/ ١٢١ واللفظ له)

"رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ یہ اعلان کر دو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ تم کو گھریلو گدھوں کے گوشت کے کھانے سے منع فرماتے ہیں' کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔"

اسی طرح ہر وہ درندہ حرام ہے جو کچلی سے شکار کرتا ہو' مثلاً بھیڑیا' شیر اور ہاتھی' وغیرہ' نیز ہر وہ پرندہ حرام ہے جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو' مثلاً عقاب' باز' شکرا' شاہین اور چیل وغیرہ' نیز وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے قتل کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے' انہیں تو اس لیے نہیں کھایا جاتا کہ وہ طبعی طور پر موذی ہیں' لہٰذا ان کے کھانے سے انسانی طبیعت پر بھی ایذا کا پہلو غالب آئے گا اور کھانے والا شخص انسانوں کو ایذا پہنچانے کے درپے ہو گا۔ اسی طرح جن کے قتل سے شریعت نے منع کیا ہے تو وہ ان کے احترام کی وجہ سے ہے' لہٰذا انہیں کھانا بھی جائز نہیں' شریعت نے جن جانوروں کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے' ان میں کوا اور چیل ہے اور جن کے قتل سے منع کیا ہے' ان میں چیونٹی' شہد کی مکھی' ہدہد اور لٹورا وغیرہ شامل ہیں نیز وہ جانور جو حرام جانور اور حلال جانور کے ملاپ سے پیدا ہو' مثلاً: خچر تو اس میں حلت و حرمت کے اگرچہ دونوں پہلو ہوتے ہیں مگر یہاں حرمت کے پہلو کو غلبہ دے دیا گیا ہے' نیز وہ جانور جو مردار خور ہیں' ان کو بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے' مثلاً: چیل اور گدھ وغیرہ۔

یہ ہیں وہ سات قسم کے جانور جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے' ان میں سے بعض کے بارے میں اگرچہ اہل علم میں اختلاف ہے مگر اختلاف کے وقت اشیاء کو ان کے اصول کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔

بحری جانور خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے وہ سب کے سب حلال ہیں کیونکہ وہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہیں:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَـٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے۔"

سمندر اور دریا کی جو چیزیں پکڑی جائیں ان کا شکار کرنا اور جو مردہ پائی جائیں ان کا کھانا حلال ہے؟ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام سے اس کی تفسیر اسی طرح مروی ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دریا اور سمندر کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر ... الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس کا مردار حلال ہے۔"

اس آیت و حدیث کے عموم کے پیش نظر دریا اور سمندر کی کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں ہے' ہاں البتہ بعض علماء نے مینڈک' مگرمچھ اور سانپ کو ضرور مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن راجح بات یہ ہے کہ ہر وہ جانور جو دریا و سمندر (پانی) کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو وہ حلال ہے۔ واللہ اعلم۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کچھوے' مگرمچھ اور خارپشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال کیا درج ذیل حیوانات: کچھوے' دریائی گھوڑے' مگرمچھ اور خارپشت کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب خارپشت حلال ہے' کیونکہ یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت' کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔"

اور پھر اس لیے بھی کہ اصل جواز ہے الا یہ کہ دلیل سے عدم جواز ثابت ہو' کچھوے کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اسے کھانا جائز ہے خواہ ذبح نہ بھی کیا جائے' کیونکہ یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔"

میں داخل ہے' نیز نبی ﷺ نے بھی دریا کے بارے میں فرمایا ہے:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر ... الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس میں مرا ہوا جانور حلال ہے۔"

لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ اسے ذبح کر لیا جائے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے۔ مگرمچھ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ آیت و حدیث کے عموم کے پیش نظر اسے بھی مچھلی کی طرح کھایا جا سکتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسے کھانا جائز نہیں' کیونکہ یہ کچلی والا درندہ ہے لیکن ان میں سے راجح پہلا قول ہے۔ دریائی گھوڑے کا بھی کھانا مذکورہ آیت و حدیث کے پیش نظر جائز ہے اور پھر کسی دلیل سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہے اور پھر نص سے ثابت ہے کہ خشکی کا گھوڑا حلال ہے تو دریائی گھوڑا تو بالاولیٰ حلال ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

خارپشت کا کھانا

سوال کیا خارپشت کا کھانا حلال ہے یا حرام؟

جواب خارپشت جسے سیہہ بھی کہتے ہیں' ایک کانٹوں والا جانور ہے' جنہیں یہ اپنے جسم پر لپیٹ لیتا ہے' اس کا کھانا حلال ہے کیونکہ نہ تو یہ کچلی والا درندہ ہے اور نہ مردار کھاتا ہے بلکہ یہ تو خرگوش وغیرہ کی طرح گھاس پھوس پر گزارہ کرتا ہے۔ اس طرح کے جانوروں کے بارے میں اصل حلت واباحت ہے جبکہ وہ حدیث جس میں ہے کہ نبی ﷺ نے خارپشت کو خبیث جانوروں میں سے قرار دیا تو وہ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

خارپشت کے بارے میں

سوال خارپشت جو ایک معروف حیوان ہے' اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے' بعض نے اسے حلال اور بعض نے حرام قرار دیا ہے۔ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حیوانات کے بارہ میں اصل حلت ہے اور ان میں سے صرف وہی حرام ہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہو اور شریعت میں ایسی کوئی دلیل وارد نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ جانور حرام ہے۔ یہ خرگوش اور ہرن کی طرح نباتات کھاتا ہے اور کچلی سے شکار کرنے والے درندوں میں سے بھی نہیں ہے' لہٰذا اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ مذکورہ حیوان سیہہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اسے "دلدل" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے' اس کی جلد پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عمر ؓ سے جب خارپشت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت کریمہ پڑھ دی:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے' حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت۔"

ان کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شیخ نے کہا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے:

«خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب في أكل حشرات الأرض، ح:٣٧٩٩ ومسند أحمد: ٢/ ٣٨١)

"یہ خبیث جانوروں میں سے ایک خبیث جانور ہے۔"

انہوں نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو پھر یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام سے واضح ہوا کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خارپشت کے بارے میں کچھ فرمایا ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے شیخ مذکور کی بات کی تصدیق بھی نہیں کی۔ اس شیخ مذکور کے مجہول ہونے کی وجہ سے امام بیہقی رحمہ اللہ اور کئی دیگر اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے اور ضعیف قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

——— شیخ ابن باز ———

بجّو کے کھانے کا حکم

سوال تمباکو نوشی اور بجّو کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب تمباکو نوشی حرام ہے کیونکہ یہ خبیث ہے' پاکیزہ اور عقل سلیم والے نفوس (لوگ) اسے گندا سمجھتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾

(الأعراف٧/ ١٥٧)

"وہ لوگ جو (محمد) رسول (اللہ) کی' جو نبی اُمی ہیں' پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

نیز اس لیے بھی یہ حرام ہے' کیونکہ یہ مفتر (عقل میں فتور پیدا کرنے والی) ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور مستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے' یہ روایت امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند سے بیان کی ہے۔ یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ طبی طور پر صحت کے لیے اس کا استعمال بے حد نقصان دہ ہے اور یہ قاعدہ سب جانتے ہیں کہ جس چیز کا ضرر ثابت ہو اس کا شرعاً استعمال حرام ہوتا ہے' لہٰذا ان حالات میں تمباکو نوشی پر مال خرچ کرنا اضاعت مال شمار ہوگا اور رسول اللہ ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے' جیسا کہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ح:٥٩٧٥ وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهى عن كثرة المسائل من غير حاجة ... الخ، ح:٥٩٣، بعد ح:١٧١٥)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ماؤں کی نافرمانی' خود نہ دینے اور دوسروں سے طلب کرنے' بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور قیل و قال' کثرت سوال اور مال ضائع کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔“

یاد رہے یہاں مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ (یعنی ان کاموں کا کرنا حرام ہے)۔

بجُو کا کھانا حلال ہے' کیونکہ امام احمد اور اصحاب سنن نے حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمارہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بجو شکار ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں' میں نے کہا کیا میں اسے کھا سکتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ واللّٰہ الموفق' وصلی اللّٰہ علی محمد و آلہ وصحبہ۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مینڈک قتل کرنے اور کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے

سوال کیا مینڈک قتل کرنا ناجائز ہے؟ کیا مینڈک بری و بحری حیوانات میں شمار ہوتا ہے؟ اگر بری ہو تو کیا پھر بھی اسے ذبح کیے بغیر کھانا جائز ہے کیونکہ لوگ اسے ذبح نہیں کرتے اور نہ ہی اسے ذبح کرنا ممکن ہے کیونکہ اس کی گردن ہی نہیں ہے؟ لوگ کھانے کے لیے اس کے پاؤں کاٹ لیتے اور باقی حصے کا بیان پھینک دیتے ہیں اور اگر یہ بحری ہو تو پھر اسے کیوں نہ اس سمندری شکار میں شمار کیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے؟ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مینڈک کے قتل کی ممانعت میں وارد تمام احادیث ضعیف ہیں' آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

جواب مینڈک کھانے کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے' بعض نے اسے جائز اور بعض نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جائز قرار دینے والوں میں امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا اہل علم ہیں اور ناجائز قرار دینے والوں میں امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے ہم نوا اہل علم ہیں۔ جائز قرار دینے والوں کا استدلال آیت کریمہ:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ﴾ (المائدة٥/ ٩٦)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے"

اور دریا کے بارے میں نبی ﷺ کی اس حدیث:

«هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ الْحِلُّ مَيْتَتُهُ»(سنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، ح:٨٣ وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحر . . . الخ، ح:٦٩)

"اس کا پانی پاک اور اس میں مرا ہوا جانور حلال ہے"

کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ مینڈک بھی دریائی شکار ہونے کی وجہ سے اس عموم میں داخل ہے اور جنہوں نے مینڈک کے کھانے کو ناجائز قرار دیا ہے' انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ نے "طب" اور "ادب" کے ابواب میں اور امام نسائی رحمہ اللہ نے "صید" کے باب میں بواسطہ ابن ابی ذئب عن سعید بن خالد بن سعید بن مسیب رحمہما اللہ عن عبدالرحمٰن بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے:

«أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، عَنِ الضِّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ قَتْلِهَا»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧١، وفي الأدب، باب في قتل الضفدع، ح:٥٢٦٩ وسنن النسائي، الضحايا، الضفدع، ح:٤٣٦٠)

"ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کے دوا میں استعمال کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔"

امام احمد' اسحاق بن راھویہ اور ابوداوٗد طیالسی رحمہم اللہ نے اپنی اپنی "مسانید" میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے "مستدرک" کے "فضائل" اور "طب" کے ابواب میں عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے اسے روایت کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے لیکن امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مینڈک کے بارے میں جو کچھ وارد ہے' اس میں سب سے زیادہ قوی یہی حدیث ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مینڈک کھانا حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور قتل حیوان کی ممانعت یا تو اس کے احترام کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ آدمی کو قتل کرنا اس کے احترام کی وجہ سے منع ہے یا یہ ممانعت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اسے کھانا حرام ہوتا ہے جیسا کہ مینڈک کو قتل کرنا اس لیے حرام ہے کہ اسے کھانا حرام ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی سعید بن خالد ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام دار قطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدنی ہیں اور قابل استدلال ہیں۔ وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد وآله وصحبه۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

گھونگا (ایک آبی جانور) اور مگرمچھ

سوال کیا گھونگا اور مگرمچھ کھانا جائز ہے؟

جواب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے حلزون (گھونگا) اور مگرمچھ کھانا جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ دریائی شکار ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۹۶)

"تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لیے"

کے عموم میں داخل ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل علم کی ایک جماعت نے انہیں ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ دونوں جانور درندے ہیں اور اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کے شکار سے منع فرمایا ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اگرچہ اس میں گنجائش ہے لیکن زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ انہیں نہ کھایا جائے تاکہ اختلاف سے بچا جا سکے اور ممانعت کے پہلو کو غلبہ دیا جا سکے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

خنزیر کا گوشت اور چربی حرام ہے

سوال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

"تم پر مردار جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت .... سب حرام ہیں"

کیا اس سے یہ سمجھنا درست ہے کہ گوشت کے علاوہ خنزیر کے دیگر حصے، مثلاً تیل اور چربی وغیرہ استعمال کرنا حلال ہے؟ اور اگر یہ بھی حرام ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے خنزیر کے بجائے "لحم الخنزیر" (خنزیر کا گوشت) کے الفاظ کیوں استعمال کیے ہیں؟

جواب تمام علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ خنزیر کا گوشت اور چربی اور سب کچھ حرام ہے اور انہوں نے اس آیت کریمہ اور اس کے ہم معنی دیگر آیات سے استدلال کیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ خنزیر کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک خبیث جانور ہے اور اس کی یہ پلیدی، گوشت اور چربی سب کچھ میں سرایت کیے ہوئے ہے، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صرف گوشت کا ذکر اس لیے کیا کہ اصل مقصود گوشت ہی ہوتا ہے اور باقی اشیاء اس کے تابع ہوتی ہیں۔ نیز ان کا استدلال "صحیحین" کی اس حدیث سے بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ،

ح: (۱۵۸۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب‘ مردار‘ سور اور بتوں کے بیچنے سے منع فرمایا ہے۔“

اس حدیث میں گوشت کا نہیں بلکہ خنزیر کا ذکر ہے‘ تو یہ حدیث بھی عمومِ حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

سور کے گوشت کی حرمت کی حکمت

سوال سور کے گوشت کھانے کی حرمت میں کیا حکمت ہے؟

جواب بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی رحمت‘ حکمت اور عدل ہر چیز سے وسیع ہے‘ وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے‘ وہ ان پر رحم فرماتا ہے‘ وہ خلق‘ تدبیر اور شریعت سازی میں حکیم ہے اس نے اپنے بندوں کو ان کاموں کا حکم دیا ہے جو ان کے لیے دنیا و آخرت میں موجب سعادت ہیں۔ اس نے ان کے لیے ان پاک چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو ان کے لیے منفعت بخش ہیں اور ان ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو ان کے لیے ضرر رساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے‘ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں‘ میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا‘ بجز اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہو لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سور خبیث جانوروں میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی شان میں فرمایا ہے:

﴿ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

”اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں“

مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس کی غذا گندگی اور ناپاک چیزیں ہیں‘ گندگی اور ناپاک چیزوں کو یہ بہت شوق اور رغبت سے کھاتا ہے اور گندی جگہوں ہی پر بسیرا کرتا ہے۔ باخبر لوگوں کا کہنا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے پیٹ میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں‘ نیز اسے کھانے سے غیرت و حمیت اور پاک دامنی اور عفت میں کمی آجاتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اور بھی بہت سے نقصانات ہیں‘ مثلاً یہ کہ اسے ہضم کرنا بہت مشکل ہے‘ یہ نظام ہضم کے لیے معاون رطوبتوں کو پیدا ہونے سے بھی روکتا ہے۔ باخبر لوگوں کی یہ باتیں اگر صحیح ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے نقصان دہ اور ناپاک ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے اور اگر یہ صحیح نہیں ہیں تو عقل مند کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خبر پر یقین رکھے کہ یہ ناپاک ہے اور اس بات پر ایمان رکھے کہ اسے کھانا حرام ہے اور اس کی حرمت میں جو حکمتیں پنہاں ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کہ وہ ذات گرامی جس نے اسے پیدا کیا‘ وہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس میں کیا کچھ ودیعت کیا ہے۔

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ ﴾ (الملك٦٧/ ١٤)

"بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔"

—— فتویٰ کمیٹی ——

خنزیر اور اس کا تیل

اَلْحَمْدُ لله وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَعَلٰى اٰلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ، أَمَّا بَعْدُ:

"خنزیر اور اس کا تیل" کے زیر عنوان میں نے ایک مضمون ملاحظہ کیا ہے جو کہ عصام عبدالبدیع کے قلم سے ہے اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ "یہ وہ مسئلہ ہے جو ہر مسلمان کے دل میں کھٹکتا ہے جو کسی بھی غرض سے یورپ اور امریکہ جاتا ہے' اسے جو کھانا پیش کیا جاتا یا وہ خرید کر کھاتا ہے' کیسے معلوم کرے کہ یہ خنزیر کے تیل سے پاک ہے جسے مغربی معاشروں میں کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے' لہٰذا اسے اس بات کا کیسے اطمینان ہو کہ جو کھانا وہ کھا رہا ہے وہ شریعت اسلامیہ اور سنت محمدیہ کے مطابق پاک ہے؟" عصام مزید لکھتے ہیں کہ ان حالات میں اکثریت کو کیا کرنا چاہیے؟ یہ وہ سوال ہے جو ان بہت سے مسلمانوں کو پریشان کیے ہوئے ہے جو حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر مغربی معاشروں میں کام کاج یا تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ ہم یہ سوال سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز چیئرمین کونسل بحوث علمیہ وافتاء و دعوت و ارشاد کی خدمت میں بھی پیش کرتے ہیں تاکہ وہ ان بہت سے فرزندان توحید کو راحت بخشیں جنہوں نے اس موضوع سے متعلق کثرت سے سوالات پوچھے ہیں اور بعض تو اب یہاں تک سوچنے لگے ہیں کہ ان کی یہ حالت' ضرورت کی حالت ہے اور بوقت ضرورت ممنوع چیزیں بھی مباح ہو جاتی ہیں۔ تو کیا یہ بات صحیح ہے یا شریعت میں اس بات کی اجازت نہیں ہے اور اس کا شریعت میں کوئی حل موجود ہے؟

میں اپنے اس مضمون نگار بھائی کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس مشکل مسئلہ کی طرف توجہ فرمائی اور اس کا حل تلاش کرنا چاہا' لہٰذا میں بھی اختصار کے ساتھ اس کا جواب دینا پسند کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے منفعت بخش بنائے۔

اولاً: اس میں کچھ شک نہیں کہ بیرون ملک جانے والے طالب علم کو کھانے پینے' آنے جانے اور ان عبادات کے ادا کرنے میں' جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے' بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسے اور بہت سے بڑے بڑے خطرات کا بھی خوف ہوتا ہے کیونکہ نوجوان کو بہت سے فتنوں' داعیان ضلالت' بے حیائی کے علمبرداروں اور مغربی و مشرقی تنظیموں کے لشکروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جن سے صرف وہی شخص بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے' لہٰذا کسی بھی مسلمان طالب علم کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنے مسلمان ملک میں تعلیم کو ترک کر کے کسی غیر اسلامی ملک میں تعلیم کے لیے جائے اور ان عظیم خطرات اور بڑے بڑے فتنوں سے دوچار ہو۔

اگر مسلم ممالک کچھ معین لوگوں کو بعض ایسے مخصوص علوم کے حاصل کرنے کے لیے غیر مسلم ممالک بھیجنے پر مجبور ہو جائیں' جن کی تعلیم کا سعودیہ یا دیگر مسلم ملکوں میں انتظام نہیں ہے تو پھر مسلم ممالک کو چاہیے کہ غیر مسلم ممالک میں بھیجنے

کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جو ارباب عقل و دین ہوں اور جنہیں احکام اسلام کا فہم ہو اور وہ ان علوم کو جہاں سے سیکھنا ممکن ہو حاصل کریں اور قیام کے دوران اپنے دین کے احکام و ہدایات پر نہایت سختی اور کڑی نگرانی کے ساتھ عمل کریں اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد فوراً اپنے ملکوں میں واپس آجائیں۔

ثانیاً: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے اور وہ ان کے نفع و نقصان کو بھی خوب جانتا ہے' اس نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر اس اسلامی شریعت کو نازل فرمایا جو سراپا خیر ہے اور جس نے ہر شر سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کو ان نقصانات کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے جو ان میں موجود ہیں خواہ لوگ انہیں جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ انہی حرام اشیاء میں سے سور کا گوشت بھی ہے جس کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع علماء اسلام سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٣)

"اس (اللہ) نے تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) جانور اور بہتا ہوا لہو اور سور کا گوشت ..... حرام کر دیا ہے"

اور فرمایا:

﴿ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت....."

اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح: ١٥٨١)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔"

قرآن و سنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سور کا گوشت حرام ہے اور اس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ "خنزیر کے بارے میں تمام امت کا اجماع ہے کہ اس کے تمام اجزا حرام ہیں۔" اللہ تعالیٰ نے عظیم حکمتوں کے پیش نظر خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا ہے' اگرچہ وہ حکمتیں بعض لوگوں پر مخفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو جو حرام قرار دیا ہے' ان کی بعض حکمتیں اور اسرار اگرچہ بعض لوگوں پر واضح ہو گئے ہیں لیکن ان کی جو حکمتیں ابھی تک مخفی ہیں' وہ بہت زیادہ ہیں۔ خنزیر کی حرمت میں جو حکمتیں ہیں' انہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن ان میں سے جو واضح ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ بے حد گندا جانور ہے اور اس کی گندگی بہت سے نقصانات اور مادی و معنوی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔ سور کی سب سے پسندیدہ غذا گندگی اور نجاست ہے' لہٰذا یہ تمام ملکوں میں نقصان دہ ہے خصوصاً گرم ملکوں میں جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے وہ کیڑا پیدا ہوتا ہے جو انتہائی مہلک ہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا گوشت کھانے سے عفت و غیرت پر بھی بدترین اثرات پڑتے ہیں' جیسا کہ ان ممالک کے حالات گواہ ہیں

جہاں یہ کھایا جاتا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس نے ان بہت سے حقائق تک رسائی حاصل کرلی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانے والے بہت سے لوگوں کو ایسی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جو ناقابل علاج ہیں۔ طب جدید نے اگرچہ ایسی چند بیماریوں کی تشخیص کرلی ہے جو اس کا گوشت کھانے سے پیدا ہوتی ہیں مگر شاید وہ بیماریاں اور نقصانات ان سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں جن کے بارے میں ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔

ثالثاً: حلال و طیب چیزوں کے کھانے کے دل کی صفائی اور قبولیت دعا و عبادت کے سلسلہ میں اثرات بے حد واضح ہیں جس طرح اکل حرام (حرام کھانا) دعا اور عبادت کی قبولیت میں بہت بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمۡ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمۡۚ لَهُمۡ فِي ٱلدُّنۡيَا خِزۡيٞۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحۡتِۚ﴾ (المائدة٥/ ٤١-٤٢)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا' ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بہت بڑا عذاب ہے (یہ) جھوٹی باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور رشوت کا حرام مال کھانے والے ہیں“

جس کی یہ صفت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو کیونکر پاک کرے گا اور اس کی دعا کو کیونکر شرف قبولیت سے نوازے گا؟ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعۡمَلُواْ صَٰلِحًاۖ إِنِّي بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ ﴿٥١﴾﴾ (المؤمنون٢٣/ ١٥) وَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ﴾ (البقرة٢/ ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟» (صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، ح:١٠١٥)

”لوگو! بے شک اللہ پاک ہے' وہ صرف پاک ہی کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا اس نے اپنے رسولوں کو حکم دیا تھا: اے رسولو! تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو“ اور مومنوں سے فرمایا: اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے' پراگندہ حال اور غبار آلود ہوتا ہے' اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے کہ یا رب! یا رب! مگر اس کا کھانا حرام' اس کا پینا حرام' اس کا لباس حرام اور حرام غذا پر وہ پلا ہے' اس کی دعا کیونکر شرف قبولیت سے نوازی جائے!؟“

رابعاً: جب مذکورہ باتیں معلوم ہوگئی ہیں تو ایک مسلمان پر واجب (لازم اور ضروری) ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرے' محرمات سے اجتناب کرے' اپنے آپ کو کسی ایسی جگہ نہ رکھے جہاں وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام پر عمل نہ کر سکتا ہو۔ مسلمان کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ اپنے آپ کو اس طرح کی جگہ پر رکھ

کر پھر علماء سے یہ پوچھے کہ اسلام کے حوالہ سے میری اس مشکل کا حل کیا ہے؟ کیونکہ مشکل کا حل تو اس وقت ڈھونڈا جاتا ہے جب تمام پہلوؤں سے متعلق اسلام کی رائے پر عمل کر لیا گیا ہو کیونکہ ایک پہلو کو چھوڑ دینا یا اس میں کوتاہی کرنا اور دوسرے پہلو کو لے لینا مفید نہیں ہو سکتا۔

خامساً: باہر گئے ہوئے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس دلیل کے ساتھ سور کا گوشت یا اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ استعمال کرے کہ اس کی یہ حالت ضرورت ہے اور بوقت ضرورت ممنوع اشیاء بھی مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ ایک غلط خیال ہے' اس لیے کہ باہر جانے والا کوئی مجبور نہیں ہے کہ وہ اگر سور کا گوشت نہیں کھائے گا تو مر جائے گا۔ علاوہ ازیں اس مسئلہ کے دیگر وہ حل جن کی طرف مضمون نگار نے اشارہ کیا ہے' وہ تقویٰ سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

"اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا تو وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے لیے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔"

حاضر وہ کچھ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھ سکتا اور پھر مسلم ممالک میں تیل بہت سستے ہیں' باہر جانے والا اپنی ضرورت کے مطابق اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے یا اسے بھیجا جا سکتا ہے نیز باہر جانے والے طلبہ کو چاہیے کہ وہ ایک گروپ کی شکل میں اکٹھے رہیں اور اجتماعی طور پر مناسب اور حلال کھانوں کا انتظام کریں' مثلاً مچھلی وغیرہ استعمال کر لیں یا خود حلال جانور ذبح کر لیں اور اس سلسلہ میں آنے والی مشقت کو اللہ کی رضا کی خاطر اور حرام سے بچنے کے لیے گوارا کر لیں۔

آخر میں' میں بھائی عصام عبدالبدیع کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں' جنہوں نے اس مشکل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمان نوجوانوں کو اپنے رب کی اطاعت' اس کی شریعت کی پابندی اور اس کے احکام کے مطابق عمل کی توفیق بخشے اور انہیں دشمنوں کے مکر و فریب سے بچائے۔ انه سميع قريب۔

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

چیئرمین ادارات بحوث علمیہ وافتاء

سور کے گوشت کی حرمت میں حکمت

سوال میں سویڈن میں مقیم ہوں' یہاں ہوٹلوں میں خنزیر کا گوشت پیش کیا جاتا ہے' بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سور کا گوشت کیوں حرام کیا گیا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کی حرمت کی دلیل کیا ہے؟ امید ہے تسلی بخش جواب عطا فرمائیں گے؟

جواب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن) میں متعدد مقامات پر سور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ

لَحۡمَ خِنزِيرٖ فَإِنَّهُۥ رِجۡسٌ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٥)

"(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں' میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ ناپاک ہے اور انسان کے دین اور بدن کے لیے نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق ہے اور وہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی مخلوقات میں کیا نقصانات اور منافع ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے سور کے گوشت کو حرام قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ ناپاک ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کی ناپاکی ہمارے دین اور جسم دونوں کے لیے نقصان دہ ہے' لہٰذا جب بھی ہم سے کوئی سور کے گوشت کی حرمت کی حکمت کے بارے میں پوچھے تو ہمیں کہہ دینا چاہیے کہ یہ نجس ہے اور ہمارے بدن اور ہمارے دین کے لیے نقصان دہ ہے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس گندے جانور کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ یہ بے غیرت ہے' لہٰذا اسے کھانے والے انسان سے بھی اپنی محرمات اور اہل و عیال کے بارے میں غیرت سلب ہو جاتی ہے کیونکہ انسان اپنی غذا سے متاثر ہوتا ہے۔ غور فرمایئے کہ نبی ﷺ نے کچلی والے ہر درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے ہر پرندے کے کھانے سے بھی تو اسی لیے منع فرمایا ہے کہ ان درندوں اور پرندوں کی طبیعت میں دشمنی اور چیر پھاڑ ودیعت کی گئی ہے اور خدشہ ہوتا ہے کہ انہیں کھانے والے انسان میں بھی یہ عادات نہ پیدا ہو جائیں کیونکہ انسان اپنی خوراک سے متاثر ہوتا ہے پس یہی ہے وہ حکمت جس کی وجہ سے سور کے گوشت کھانے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

یہ بات جب ہم اس انسان سے کہتے ہیں جو قرآن اور اللہ کے احکام پر ایمان نہیں رکھتا تو ہم مومن سے بھی یہی کہتے ہیں تاکہ اسے اطمینان قلب اور مزید ثبات حاصل ہو' ورنہ ایک مومن کے لیے تو بس اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس سے یہ کہہ دیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور یہ تمام حکمتوں سے بڑی حکمت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٖ وَلَا مُؤۡمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمۡرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلۡخِيَرَةُ مِنۡ أَمۡرِهِمۡۗ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔"

نیز فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوۡلَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ أَن يَقُولُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ۝٥١ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَخۡشَ ٱللَّهَ وَيَتَّقۡهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَآئِزُونَ ۝٥٢﴾ (النور٢٤/ ٥١-٥٢)

"مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت کو روزوں کی قضاء تو دینا پڑتی ہے مگر نماز

کی نہیں؟ تو انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ جب ہمارے ایام ہوتے ہیں تو ہمیں ان کے روزوں کی قضاء کا تو حکم دیا جاتا تھا مگر نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

مومن حکم شرعی کے بارے میں صرف اسی بات سے قانع ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور وہ اس حکم کے سامنے سراطاعت خم کرتے ہوئے اس پر راضی ہو جاتا ہے لیکن جب ہم کسی ایسے شخص سے مخاطب ہوں جس کا ایمان کمزور ہو یا جس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہ ہو تو پھر ہمارے لیے ضروری ہے کہ حکمت کو تلاش کریں اور اسے بیان کریں۔

اس دور میں جب کہ یقین کمزور اور بحث و جدال کی کثرت ہو گئی ہے' طالب علم کو چاہیے کہ اسے ان شرعی حکمتوں کا علم ہو جن پر احکام مبنی ہوں' وہ بحث کرنے والے کو دلیل و تعلیل کے ساتھ قائل کر سکے اور اس کا کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ واللہ المستعان۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

سور ایک گندا جانور ہے

سوال مسلمانوں کے لیے سور کے گوشت کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟

جواب سور ایک گندا جانور ہے جو نجاستوں اور غلاظتوں کو پسند کرتا اور جانوروں اور انسانوں کے فضلات (پاخانہ وغیرہ) کھانے کا حریص ہے۔ اس سے اس کے گوشت میں بھی نجاست پیدا ہو جاتی ہے اور وہ بدترین غذا بن جاتی ہے۔ نجاست چونکہ اس کی طبیعت میں رچ بس گئی ہے' لہٰذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ خود خون اور گندگی کو استعمال کرے یا کسی اور غذا کو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

سور کے گوشت پر پلنے والی مرغی کھانا

سوال بحوث علمیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی کو محلہ بنی مراد کے ایک مسلمان نوجوان کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے جو کمیٹی کے چیئرمین کو مکتوب نمبر ۲۸۶ مؤرخہ ۱۰-۲-۱۴۰۱ھ موصول ہوا ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ "یہ لوگ مرغیوں کو مختلف غذائیں کھلاتے ہیں' جن میں مردہ جانوروں کے گوشت بلکہ سور کا گوشت بھی ہوتا ہے' تو اس گوشت پر پلنے والی مرغی حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو اس کے انڈوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

مرغی کی غذا کے سلسلہ میں اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو اس کے گوشت اور انڈے کھانے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کا گوشت اور انڈے کھانا جائز ہے کیونکہ ناپاک غذائیں گوشت اور انڈوں میں تبدیل ہو کر پاک ہو جاتی ہیں اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے' جن میں ثوری' شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں' کہ ایسے جانوروں کا گوشت اور انڈے کھانا اور ان کا دودھ پینا حرام ہے۔ اس

سلسلہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر ان کی اکثر خوراک نجاست پر مبنی ہو تو یہ جلالہ (گندگی خور) ہیں' لہٰذا ان کا گوشت نہ کھایا جائے اور اگر ان کی اکثر خوراک پاک ہو تو پھران کا گوشت کھالیا جائے' ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ انہیں کھانا حرام ہے' کیونکہ امام احمد' ابوداؤد' نسائی اور ترمذی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، نَهٰى عَنْ لَبَنِ الْجَلاَّلَةِ»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهى عن أكل الجلالة وألبانها، ح:٣٧٨٦ وجامع الترمذي، الأطعمه، باب ماجاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، ح:١٨٢٥)

"نبی ﷺ نے جلالہ کے دودھ (پینے) سے منع فرمایا ہے۔"

اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن دقیق العید رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ نیز امام احمد' ابوداود' ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ الْجَلاَّلَةِ وَأَلْبَانِهَا»(سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهى عن أكل الجلالة وألبانها، ح:٣٧٨٥ وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها، ح:١٨٢٤)

"رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔"

جلالہ' اس جانور کو کہتے ہیں جو براز (پاخانہ) اور دیگر نجاستوں کو کھائے۔ ان اقوال میں سے دوسرا قول راجح ہے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— شیخ ابن باز ———

مردار کھانا

سوال ایک سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ کیا آبادی سے خالی صحراء میں مردار کھانا جائز ہے' جب کہ ایک طویل مدت سے اسے کھانے کو کچھ نہ ملا ہو' ہاں البتہ آبادی والے علاقوں تک پہنچنے کے لیے اس کے پاس پانی کافی ہو؟

جواب اگر یہ شخص اضطراری حالت کو پہنچ جائے اور نہ کھانے کی وجہ سے جان کو خطرہ ہو تو پھر اس کے لیے مردار کھانا جائز ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم ذبح کر لو اور وہ

جانور بھی جو تھان (آستانے) پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں [1] سے قسمت معلوم کرو۔ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں پس تم ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔ (اور) آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا' ہاں جو شخص بھوک سے لاچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ذبح کے احکام اور اہل کتاب کا ذبیحہ

اہل کتاب کے ذبائح حلال ہیں خواہ وہ اپنے دین سے منحرف ہو گئے ہوں

آلات کے ساتھ ذبح کرنا چند شروط کے ساتھ جائز ہے

سوال ہمارا ملک مصر عیسائی' یہودی اور کبھی کبھی اشتراکی ممالک سے بھی گوشت درآمد کرتا ہے اور ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے اکثر ممالک میں جانوروں کو اسلامی طریقے سے ذبح نہیں کیا جاتا اور پھر بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کے عیسائی کافر ہیں اور وہ اپنے دین اور اس انجیل کو بھی نہیں مانتے جو آج ان کے ہاتھوں میں موجود ہے' ان میں سے اکثر لوگ اپنے دین کو ترک کر کے ملحد ہو چکے ہیں جب کہ کچھ لوگ اس کتاب مقدس پر عمل پیرا ہیں جو اس کتاب سے عبارت ہے جسے ان کے بڑے بڑے پادریوں نے مختلف انجیلوں کی صورت میں مرتب کیا تھا' لہٰذا یہ اس انجیل کے منکر اور کافر ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی حالانکہ وہ انجیل جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تھی وہ بھی محرف تھی۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مشینی آلات سے ذبح کرنے کا طریقہ اسلام کے مطابق بھی ہو تو پھر بھی ضروری ہے کہ مشین کا بٹن دبانے والا شخص مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو اور اب اہل کتاب تو موجود نہیں ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سلسلہ میں اعتبار مشینی آلات کا ہے' بٹن دبانے والے انسان کا نہیں تو پھر یہ ذبیحہ قتل شمار ہو گا' اس جانور کی طرح جس پر چھری گر گئی ہو اور وہ مر گیا ہو اگر مشینی آلات سے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا جائے مگر' ملک اشتراکی ہو تو پھر اس ذبیحے کا کیا حکم ہو گا؟ آپ حضرات سے امید ہے کہ ان استفسارات کے تمام اجزاء کا جائزہ لے کر تفصیل کے ساتھ جواب عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ مسائل بہت سے مسلمانوں کے لیے مشکلات کا سبب بنے ہوئے ہیں اور ہم اس درآمد کیے جانے والے گوشت کو کئی سالوں سے نہیں کھا رہے؟

---

[1] زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ دستور تھا کہ ان کے پاس تین پانسے (بے ریش تیر) ہوتے تھے۔ ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ اِفعَلْ (یہ کام کر) دوسرے پر لَا تَفعَلْ (یہ کام نہ کر) اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتے تو پانسے ڈالتے اگر اِفعَلْ والا نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر لا تفعل والا نکلتا تو اسے نہ کرتے اور اگر خالی نکلتا تو پھر ڈالتے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں آپ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں دیکھیں کہ ان کے ہاتھوں میں پانسے بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کرے' یہ خوب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل نے کبھی پانسوں سے کام نہیں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پانسوں سے قسمت آزمائی کو گناہ قرار دے کر اس سے منع فرما دیا ہے۔ (مترجم)

جواب اولاً: یہود و نصاریٰ ان بہت سے اصولوں کے منکر تھے جو تورات اور انجیل میں ایمان کی حیثیت رکھتے تھے یہودی بعض انبیاء کرام' مثلاً: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے منکر تھے' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے' انہوں نے تورات کے بہت سے احکام میں تحریف کر دی تھی۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتی تھی..... الخ' عیسائی یہ کہتے تھے کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور یہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے منکر تھے..... الخ' اس سب کچھ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل کتاب کے نام سے موسوم کیا ہے اور مسلمانوں کے لیے ان کے ذبیحوں کو اور ان کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے' ان کا کفر' شرک اور اپنی کتابوں میں تحریف نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اس امر سے مانع نہ تھی کہ ان پر اہل کتاب کے احکام کا اجراء کیا جائے' لہٰذا یہ امور قیامت تک مانع نہیں ہیں۔

ثانیاً: آلات سے ذبح کرنے کی صورت میں اگر وہ حصہ قطع ہو جائے جو اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کرنے کی صورت میں ماکول اللحم جانوروں کا قطع کرنا اسلامی شریعت نے ضروری قرار دیا ہے تو پھر یہ چھری سے ذبح کرنے سے مختلف نہیں ہو گا یعنی اگر کسی بھی قسم کے آلہ کو استعمال کرنے سے مقصود جانور کو ذبح کرنا ہے اور اس وقت اللہ وحدہ کا نام لیا جائے تو اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی' کیونکہ ہر وہ چیز جو خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ ذبح نہ کیا گیا ہو۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

عیسائیوں کے ذبیحے کھانے کے بارے میں حکم

سوال کیا اس زمانے کے عیسائیوں کے ذبیحوں کو کھانا بھی حلال ہے؟ یاد رہے! ان کے ہاں ذبح کرنے کے مختلف طریقے رائج ہیں' مثلاً یہ ذبح کرنے کے لیے مشینی آلات کو بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو منشیات بھی استعمال کروا دیتے ہیں؟

جواب ان کے ذبیحوں کو کھانا جائز ہے بشرطیکہ انہیں غیر شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا گیا ہو کیونکہ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرح ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدة۵/ ۵)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

اہل کتاب کے وہ ذبیحے جن کے لیے بجلی کے جھٹکے کو.....

سوال ف - ت نے جرمنی سے دو سوال ارسال کیے ہیں ایک تو یہ کہ یورپ اور امریکہ کے اکثر ملکوں کے عیسائی مذبحوں میں بھیڑ بکریوں کو بجلی کے جھٹکوں سے ذبح کیا جاتا ہے اور مرغیوں کو ذبح کرتے وقت گردن کو اڑا دیا جاتا ہے تو ایسے ذبیحوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دوسرے سوال میں انہوں نے سور کی چربی کے بارے میں پوچھا ہے؟

جواب پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ' سنت مطہرہ اور مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل کتاب

کا کھانا حلال ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل کتاب کا کھانا حلال ہے اور کھانے سے مراد ان کے ذبیحے ہیں' اس اعتبار سے وہ مسلمانوں سے اعلیٰ نہیں ہیں بلکہ اس باب میں وہ مسلمان ہی کی طرح ہیں لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے جانور کو اس طرح ذبح کیا ہے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے تو پھر اسے کھانا حرام ہو گا۔ اگر کوئی مسلمان اس طرح کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہو گا' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مردار (طبعی موت مرا ہوا) اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں۔"

ہر مسلمان یا کتابی کے ذبح کرنے کا وہ طریقہ جو ذبیحہ کو گلا گھٹ کر مر جانے والے' یا چوٹ لگ کر مر جانے والے یا گر کر مر جانے والے' یا سینگ لگ کر مر جانے والے جانور کے حکم میں کر دے تو اس سے جانور حرام ہو کر ان مرداروں میں شمار ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اس آیت سے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے۔"

کے عموم کی تخصیص ہو جاتی ہے' نیز اس آیت سے ان دلائل کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے جن سے مسلمان کا وہ ذبیحہ بھی حلال معلوم ہوتا ہے جو اس طرح سے ہو کہ ذبیحہ مردہ کے حکم میں ہو گیا ہو۔ آپ نے جو یہ کہا ہے کہ عیسائی مذبحوں میں بھیڑ بکریوں کو بجلی کے جھٹکے سے اور مرغیوں کو گردن اڑا کر ذبح کیا جاتا ہے تو اس سلسلہ میں ہم نے بعض باخبر لوگوں سے پوچھا کیونکہ آپ نے اسے وضاحت سے نہیں لکھا تھا تو انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے اس طرح ذبح کیا جاتا ہے کہ شرعی طریقے سے ذبح کیے بغیر بجلی کا جھٹکا دے کر جانور کی روح نکال دی جاتی ہے اور مرغی کی گردن ایک ہی وار سے اڑا دی جاتی ہے' اگر آپ کی بھی اس سے یہی مراد ہے تو جس جانور کو اس طرح بجلی کے جھٹکے سے مارا جائے وہ مردار ہو گا کیونکہ اسے اس شرعی طریقے کے مطابق ذبح نہیں کیا گیا جس میں گلے کی رگیں کاٹی جاتی ہیں اور خون بہایا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم ... الخ، ح:٥٥٠٩ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

"جو خون بہادے اور جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھالو بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ نہ قتل کیا گیا ہو۔"

البتہ مذکورہ طریقے سے مرغی کی گردن اڑا کر ذبح کرنا جائز ہے کیونکہ یہ شرعی ذبح پر مشتمل ہے کہ اس سے گلے کی تمام رگیں کٹ جاتی ہیں اور خون بھی بہہ جاتا ہے اور اگر بجلی کے کرنٹ اور جھٹکے سے ذبح کرنے سے آپ کی کوئی اور مراد ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں تاکہ اس کی روشنی میں جواب دیا جا سکے۔ اللہ ہم سب کو حق کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا دوسرا سوال جو سور کی چربی کے بارے میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور اکثر اہل علم گوشت کی طرح سور کی چربی کو بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کیونکہ جب اس کے اشرف حصہ کی حرمت پر نص موجود ہے تو اس کا ادنیٰ حصہ بالاولیٰ حرام ہو گا اور پھر اس لیے بھی کہ بوقت اطلاق چربی گوشت ہی کے تابع ہوتی ہے' لہٰذا ممانعت و حرمت اسے بھی شامل ہو گی اور پھر یہ گوشت کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کے ساتھ لگی ہوتی ہے لہٰذا اس کے استعمال سے بھی یقیناً وہ نقصان ہو گا جو اس کے گوشت کے استعمال سے ہو گا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی بہت سی احادیث میں وارد ہے جو اس امر پر دلالت کناں ہیں کہ سور کے جسم کے تمام اجزاء حرام ہیں اور سنت قرآن کی تفسیر اور اس کے معنی کی وضاحت کرتی ہے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور اگر بالفرض کسی نے اختلاف کیا بھی ہو تو وہ شاذ ہے اور ولائل اور اجماع کے خلاف ہے لہٰذا وہ ناقابل التفات ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں سنت سے بھی رہنمائی ملتی ہے' چنانچہ امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے "صحیحین" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالأَصْنَامِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، ح:٢٢٣٦ وصحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ... الخ، ح:١٥٨١)

"بے شک اللہ اور اس کے رسول نے تم پر "شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔"

تو اس حدیث میں سور کو شراب اور مردار کا ہم پلہ قرار دیا گیا ہے جس طرح کہ شراب اور مردار کی بیع کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے لہٰذا اس نص سے بھی یہ صاف صاف معلوم ہوا کہ سور سارے کا سارا حرام ہے اور اس کی حرمت پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

——— شیخ ابن باز ———

بجلی کے جھٹکے سے ذبح کیا ہوا جانور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَمَّا بَعْدُ:

میں نے فضیلۃ الشیخ یوسف القرضاوی کا وہ فتویٰ دیکھا ہے جو مجلّہ "المسلمون" شمارہ نمبر ۱۴ مورخہ ۲۱-۸-۱۴۰۵ھ میں شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (اہل کتاب کے ہاں سے درآمد کیے جانے والے مرغی اور گائے وغیرہ کے

محفوظ (سٹور کیے) گوشت' جنہیں بجلی کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کیا گیا ہو' اگر وہ انہیں حلال ذبیحہ سمجھتے ہوں تو یہ ہمارے لیے بھی حلال ہیں.....الخ)

یہ فتویٰ تفصیل طلب ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ کتاب و سنت نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے جب کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کا ذبیحہ حرام ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

''آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔''

یہ آیت نص صریح ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا کھانا اور ذبیحہ حلال ہے اور یہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس بات پر بھی دلالت کناں ہے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کے ذبیحے حرام ہیں ہاں' البتہ اہل علم کے نزدیک اہل کتاب کے ذبیحوں میں سے وہ مستثنیٰ ہے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے' کیونکہ جسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو وہ تو مطلقاً حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

''تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے..... یہ سب حرام ہیں۔''

اور جسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جائے' مثلاً جس جانور کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہو کہ وہ بجلی کا کرنٹ لگنے یا گلا گھٹنے سے مر گیا ہے تو وہ حسب حالات موقوذہ اور منخنقۃ وغیرہ میں شمار ہو گا خواہ یہ عمل اہل کتاب کا ہو یا مسلمانوں کا اور جس جانور کے ذبح کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے بشرطیکہ وہ مسلمانوں یا اہل کتاب کا ذبیحہ ہو اور جسے کرنٹ لگایا گیا یا مارا گیا اور ابھی وہ زندہ ہی تھا کہ اسے شرعی طریقے سے ذبح کر لیا گیا تو وہ حلال ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

''تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور وہ جانور بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ پانسوں سے قسمت معلوم کرو' یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو جانور چوٹ لگ کر یا گلا گھٹ کر مر جائے وہ حرام ہے' اسی طرح جو بجلی کے جھٹکے سے مر جائے اور مرنے سے پہلے اسے ذبح نہ کیا جائے تو وہ بھی انہی کی طرح حرام ہے' اسی طرح جس جانور کے سر وغیرہ پر مارا جائے اور ذبح کرنے سے قبل وہ مر جائے تو اس آیت کریمہ کے پیش نظر اسے کھانا بھی حرام ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شیخ یوسف قرضاوی کا جواب بہت مجمل ہے۔ یہودی اور عیسائی اگر اس جانور کو کھانا جائز سمجھتے ہیں جسے گلا گھونٹ کر یا بجلی کے جھٹکے سے مار دیا جائے تو اسے کھانا ہمارے لیے جائز نہیں' خواہ بعض مسلمان اسے جائز ہی کیوں نہ قرار دیں کیونکہ حلال و حرام کے سلسلہ میں اعتبار تو صرف شریعت مطہرہ کا ہے اور اگر اس آیت میں اجمالی طور پر اہل کتاب کے کھانے کو جائز قرار دیا گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اسے بھی جائز قرار دے لیں جس کی حرمت دوسری آیت سے تفصیل کے ساتھ ثابت ہے' مثلاً گلا گھٹ کر یا چوٹ لگ کر مرجانے والا جانور' بلکہ واجب یہ ہے کہ مجمل کو مبین پر محمول کیا جائے جیسا کہ اصول میں یہ شرعی قاعدہ طے شدہ ہے۔

باقی رہی وہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس کی طرف شیخ یوسف نے اشارہ کیا ہے تو یہ ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور وہ کافر نہیں تھے لہٰذا اس سے کفار کے ان ذبائح کے بارے میں استدلال کرنا درست نہیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے چنانچہ یہ حدیث اس طرح ہے:

«عَنْ عَائِشَةَ ـ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا ـ أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ: وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور اسے کھالو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو نئے نئے کفر کو چھوڑ کر آئے تھے۔"

نصیحت' بیان' نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر تعاون کے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے یہ تحریر لکھی گئی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں' فضیلۃ الشیخ یوسف اور تمام مسلمانوں کو قول و عمل میں اصابت حق کی توفیق عطا فرمائے۔

انه خير مسئول وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه.

——— شیخ ابن باز ———

مشرکین و کفار کا ذبیحہ

بت پرستوں کے ذبیحے

سوال کیا ان ملکوں سے درآمد کیے جانے والے گوشت کو کھانا جائز ہے' جن کی اکثریت اسلام یا عیسائیت یا یہودیت سے وابستہ نہیں ہے' مثلاً ہندوستان' جاپان اور چین وغیرہ؟

جواب اگر گوشت بت پرست یا اشتراکی ملکوں سے درآمد کیا ہو تو اس کو کھانا حلال نہیں ہے' کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے' ہاں البتہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے کھانے کو جائز قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے"۔

اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ اسے غیر شرعی طریقے' مثلاً: گلا گھونٹ کر یا بجلی کے کرنٹ سے ذبح نہ کیا گیا ہو اور اگر معلوم ہو کہ اسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہے تو پھر ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

——— شیخ ابن باز ———

اسلام کی طرف منسوب مشرکوں کے ذبیحے

سوال ان ذبیحوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایسے ممالک کے بازاروں میں فروخت ہوتے ہیں' جن کے باشندے شرک سے محفوظ نہیں ہیں؟ اگرچہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن جہالت اور بدعات و خرافات کی کثرت کی وجہ سے وہ شرک تک بھی کر گزرتے ہیں جیسے کہ فرقہ تیجانیہ ہے۔ مگر غلبہ جہالت اور بدعی جماعتوں کے غلبہ کی وجہ سے وہ شرک بھی کرتے ہیں؟

جواب اگر بات اسی طرح ہے جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ ذبح کرنے والا اسلام کا مدعی تو ہے مگر اس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ اس کا تعلق ایک ایسی جماعت سے ہے جو غیراللہ سے ایسے امور پر مدد طلب کرتی ہے جن کے دفع کرنے پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں اور فوت شدگان مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام سے مدد مانگتی ہے نیز ان شخصیتوں سے بھی مدد مانگتی ہے جن کو یہ اپنے عقیدہ کے مطابق ولی سمجھتی ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ مشرکوں' بت پرستوں اور لات و عزیٰ و منات و وَدّ و سواع و یغوث و یعوق اور نسر کے پجاریوں کے ذبیحہ جیسا ہے' کسی سچے مسلمان کے لیے اسے کھانا حلال نہیں کیونکہ یہ مردار ہے اور ذبح کرنے والا انہی مشرکوں میں سے ہے کیونکہ وہ اس اسلام سے مرتد ہے جس کا وہ دعوے دار ہے' اس لیے کہ وہ ان امور میں بھی غیراللہ کی طرف رجوع کرتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قادر نہیں' مثلاً: گمراہ کو ہدایت دینا اور مریض کو شفا دینا وغیرہ۔ یہ لوگ مردوں کو یا ان لوگوں کو جو غائب ہونے کی وجہ سے مردوں کے حکم میں ہیں' پکارتے ہیں کیونکہ جہالت کی وجہ سے یہ ان کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہیں پکارنے سے برکت حاصل ہوتی ہے نیز ان کے بارہ میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ ان کو وہ خواص حاصل ہیں جن کی وجہ سے وہ فریاد کرنے والوں کی دعاؤں کو سنتے' ان کی تکلیف کو دور کرتے اور انہیں نفع پہنچاتے ہیں خواہ دعا کرنے والا مشرق کے انتہائی کنارے پر اور جس کو پکارا جا رہا ہو مغرب کے انتہائی کنارے میں ہو۔

ان ملکوں میں رہنے والے اہل سنت پر یہ واجب ہے کہ ان مشرکوں کو سمجھائیں اور انہیں توحید خالص کی دعوت دیں'

اگر وہ قبول کر لیں تو الحمدللہ اور اگر قبول نہ کریں تو پھر حقیقت حال بیان کر دینے کے بعد ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہو گا۔

اگر ذبح کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو لیکن اس کے ملک کے اکثر لوگ دعوئ اسلام کے باوجود مردوں سے فریاد کرتے ہوں اور ان کی طرف رجوع کرتے ہوں تو اس کے ذبیحے کا حکم بھی اکثریت کے ذبیحے کا ہو گا اور اسے کھانا حلال نہیں ہو گا۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

غیراللہ کے لیے ذبح کرنا شرک ہے

سوال اگر کوئی شخص بکری ذبح کرے اور کہے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں بزرگ کے نامہ اعمال میں درج فرما دے تو کیا یہ بدعت ہو گا؟

جواب اگر کوئی شخص بکری یا کوئی اور جانور ذبح کر کے کسی میت کی طرف سے صدقہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ اس میت کی تعظیم اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہو گا کیونکہ ذبح کرنا بھی عبادت و قربت ہے اور عبادت و قربت صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُۥ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا۠ أَوَّلُ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

"اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔"

دونوں مقصدوں میں فرق کرنا واجب ہے یعنی اگر ذبح کرنے والے کا قصد یہ ہو کہ وہ اس کے گوشت کو صدقہ کر دے تاکہ اس کا ثواب اس میت کو حاصل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں' اگرچہ اولیٰ اور احسن بات یہ ہے کہ میت کے لیے دعا کی جائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے دعا کا مستحق ہو اور صدقہ انسان کو خود اپنی طرف سے کرنا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے امت کو یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ وہ مردوں کی طرف سے صدقہ کریں بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ»(صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ١٦٣١)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین اعمال کے سوا اس کے سب اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (١) صدقہ جاریہ (٢) علم جس کے ساتھ نفع حاصل کیا جا رہا ہو اور (٣) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔"

دیکھیے اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا جائے یا روزہ رکھا جائے یا نماز پڑھی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا کرنا افضل و احسن عمل ہے۔ عمل کے تو اے زندہ انسان! تم خود محتاج ہو' لہٰذا عمل خود اپنے لیے کریں اور اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے دعا کریں۔ اگر کسی شخص کے لیے ذبح کرنے سے مقصود اس کا تقرب و تعظیم ہو تو یہ شرک ہے' شرک اکبر! کیونکہ اس نے اس عبادت کو غیراللہ کے لیے سرانجام دیا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

غیر اہل کتاب کفار کے ذبیحے

سوال میں ایک صومالی طالب علم ہوں اور چین میں تعلیم حاصل کرتا ہوں' مجھے کھانے کے بارے میں عموماً اور گوشت کے بارے میں خصوصاً بہت سی مشکلات کا سامنا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

① چین آنے سے پہلے میں نے سنا تھا کہ جن حیوانات کو ملحدین نے ذبح یا زیادہ صحیح الفاظ میں قتل کیا ہو' مسلمان کے لیے انہیں کھانا جائز نہیں ہے۔ ہماری یونیورسٹی میں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے جس میں گوشت بھی ہوتا ہے لیکن مجھے یقین نہیں کہ اسے اسلامی طریقے سے ذبح کیا گیا ہوتا ہے' مجھے تو اس کے بارے میں شک ہوتا ہے جب کہ میرے ساتھی طلبہ کو اس کے بارے میں کوئی شک نہیں' لہٰذا وہ کھا لیتے ہیں جب کہ میں نہیں کھاتا۔ کیا میرے یہ ساتھی حق پر ہیں یا وہ حرام کھاتے ہیں؟

② کھانے کے برتنوں کے حوالہ سے وہاں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے کوئی فرق نہیں ہے تو ان امور میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ دیگر کفار' خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست یا اشتراکی وغیرہ' کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے۔ ان کے ذبح کیے ہوئے گوشت کے شوربے وغیرہ کو استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار میں سے صرف اہل کتاب ہی کے کھانے کو ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

''آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔''

اہل کتاب کے کھانے سے مراد ان کا ذبیحہ ہے' جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل علم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ جہاں تک پھلوں وغیرہ کا تعلق ہے تو وہ حرام کھانے میں داخل نہیں ہیں۔ مسلمانوں کا کھانا مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے حلال ہے بشرطیکہ وہ سچے مسلمان ہوں۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے ہوں اور نہ ہی اس کے ساتھ انبیاء' اولیاء اور اصحاب قبور وغیرہ کو پکارتے ہوں کہ جن کی کفار عبادت کرتے ہیں۔

برتنوں کے حوالے سے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے لیے برتن کافروں کے زیر استعمال برتنوں سے الگ ہوں' جن کو وہ اپنے کھانے اور شراب وغیرہ کے لیے استعمال کرتے ہوں۔ اگر الگ برتن میسر نہ ہوں تو پھر مسلمانوں کے باورچی کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ برتنوں کو اچھی طرح دھو لے اور پھر انہیں مسلمانوں کے کھانے کے لیے استعمال کرے' کیونکہ صحیحین میں حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے برتنوں میں کھانا کھانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا:

«فَلَا تَأْكُلُوا فِيهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَاغْسِلُوهَا ثُمَّ كُلُوا فِيهَا»(صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب ماجاء في التصيد، ح:٥٤٨٨ وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة، ح: ١٩٣٠)

''ان میں نہ کھاؤ' ہاں البتہ اگر (ان کے علاوہ اور) برتن نہ ہوں تو پھر انہیں دھو کر ان میں کھا لو۔''

شیخ ابن باز

غیراللہ سے استغاثہ کرنے والے کا ذبیحہ

سوال طلبہ کی ایک جماعت یہ سمجھتی ہے کہ غیراللہ سے استغاثہ کرنے والوں اور انہیں ایسے امور کے لیے جن پر اللہ کے سوا اور کسی کو قدرت نہیں' پکارنے والوں' کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیں' ان کا استدلال ﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ (الانعام :۶/۱۱۸) کے عموم سے ہے نیز انہوں نے آیت کریمہ: ﴿ وَمَالَكُمْ أَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَا سْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ --- (الانعام :۶/۱۱۹) سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ جو ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دے وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہے جو بغیر علم کے اپنی خواہشات سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لیے حرام قرار دیا ہے' اسے تفصیل سے بیان فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِاللّٰهِ بِهِ ﴾ (المائده :۵/۳) اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ ﴾ (البقره :۲/۱۷۳) میں ہے نیز وہ دیگر آیات جن میں ان ذبائح کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور ان آیات میں سے کسی میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی حرمت کو بیان نہیں کیا جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو' خواہ ذبح کرنے والا بت پرست ہو یا مجوسی۔ یہ لوگ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب ان لوگوں کے ذبیحوں کو کھا لیتے تھے جو زید بن خطاب کو پکارتے تھے جب کہ وہ ان پر اللہ کا نام لے لیتے تھے۔ کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اگر مذکورہ آیات سے ان کا استدلال غلط ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ اس مسئلہ میں حق کیا ہے؟ براہ کرم دلیل کے ساتھ جواب دیں۔

جواب ذبح کرنے والوں کے حال کے مختلف ہونے کی وجہ سے حلت و حرمت کے اعتبار سے ذبیحوں کا حکم مختلف ہو گا۔ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو اور اس کے بارے میں ایسی کسی بات کا علم نہ ہو جو اسلام کے منافی ہو اور اس نے ذبیحہ پر اللہ کا نام لے لیا ہو' یا معلوم نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں تو اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿ فَكُلُوا۟ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِـَٔايَـٰتِهِۦ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا ٱضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾ (الأنعام۶/ ۱۱۸۔۱۱۹)

"تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے' اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھا لیا کرو اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اس نے تمہارے لیے حرام ٹھہرا دی ہیں' وہ ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بے شک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ (ان کے کھانے کے لیے) لاچار ہو جاؤ۔"

اگر ذبح کرنے والا کتابی یعنی یہودی یا عیسائی ہے اور وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لے تو وہ بھی بالاجماع حلال ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة۵/ ۵)

''اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔''

اور اگر وہ اللہ کا نام لے نہ کسی غیر اللہ کا' تو اس کے ذبیحہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے اس مذکورہ آیت سے استدلال کے پیش نظر حلال قرار دیا ہے اور بعض نے ذبیحہ پر وجوب تسمیہ کے دلائل کے عموم سے استدلال کے پیش نظر اسے حرام قرار دیا ہے۔ نیز درج ذیل آیت کریمہ سے بھی ان کا استدلال ہے' جس میں یہ ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اسے نہ کھایا جائے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

''اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ۔''

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے' اگر کتابی' ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لے' مثلاً کہے: میں اسے عزیر یا مسیح یا صلیب کے نام سے ذبح کرتا ہوں تو پھر یہ ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ ﴾ (المائدہ :۵/ ۳) کے عموم کے پیش نظر کھانا حلال نہیں ہو گا کیونکہ اس آیت نے ﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُو الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدہ :۵/ ۵) کے عموم کی تخصیص کر دی ہے۔

ذبح کرنے والا اگر مجوسی ہو تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا خواہ وہ اس پر اللہ کا نام لے یا نہ لے۔ ہمارے علم کے مطابق اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں بجز اس کے کہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مجوسی کا شکار اور ذبیحہ جائز ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ»(الموطأ، الزکاة، باب جزية أهل الكتاب والمجوس: ١/ ٢٧٨)

''ان سے بھی اہل کتاب کا سا معاملہ کرو۔''

اور پھر اس لیے بھی کہ ان سے بھی اہل کتاب کی طرح جزیہ لے کر انہیں اپنے دین پر برقرار رہنے کی اجازت دی جاتی ہے' لہٰذا ان کا شکار اور ذبیحہ جائز ہے لیکن علماء نے ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اسے ائمہ سلف کے اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ ''المغنی'' میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ نے اجماع کی خلاف ورزی کی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مجوسیوں کے ذبیحوں میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے حالانکہ یہ کس قدر تعجب انگیز ہے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ ہی کی طرف ہے۔ جن لوگوں سے مجوسیوں کے ذبیحہ کی کراہت مروی ہے' ان میں ابن مسعود' ابن عباس' علی' جابر' ابوبردہ رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیب' عکرمہ' حسن بن محمد' عطاء' مجاہد' عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ' سعید بن جبیر' مرہ ھمدانی' زھری' مالک' ثوری' شافعی رحمہم اللہ اور اصحاب رائے شامل ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس کے خلاف کہا ہو الا یہ کہ وہ بدعتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

''اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔''

جس کا مفہوم یہ ہے کہ دیگر کفار کا کھانا حرام ہے' کیونکہ ان کے پاس کتاب نہیں ہے' لہٰذا بت پرستوں کی طرح ان کے ذبیحے حلال نہیں ہیں..... پھر فرمایا ہے کہ ان سے جزیہ اس لیے لیا جاتا ہے' کیونکہ کتاب کا شبہ ان کے خون کی حرمت کا تقاضا کرتا ہے اور جب خون کی حرمت کے سلسلہ میں اس شبہ کو غلبہ دے دیا گیا تو واجب تھا کہ ذبیحوں اور عورتوں کی

حرمت کے سلسلہ میں عدم کتاب کے شبہ کو غلبہ دے دیا جاتا' تاکہ دونوں جگہوں پر احتیاط کے پیش نظر حرمت کے پہلو کو غلبہ دے دیا جائے اور پھر اس بات پر اجماع بھی ہے' چنانچہ یہی قول ان اہل علم کا بھی ہے جن کے اسماء گرامی ہم نے شمار کرائے ہیں اور ان کے زمانہ میں یا بعد میں کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی الا یہ کہ سعید رحمۃ اللہ علیہ سے جو ایک روایت ہے ان سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ (المغنی)

اگر ذبح کرنے والا اہل کتاب اور مجوسیوں کے سوا دیگر مشرکوں' بت پرستوں یا ان میں سے ہو جو ان کے حکم میں ہوں تو پھر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس کا ذبیحہ حرام ہے خواہ یہ اللہ کا نام لیں یا نہ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدہ ۵/۵) سے معلوم ہوتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے علاوہ دیگر کفار کے ذبیحے حرام ہیں' ورنہ تخصیص کے ساتھ ان کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔

اسی طرح جو شخص اسلام کی طرف منسوب تو ہو مگر ایسے امور میں غیراللہ کو پکارتا ہو' جن پر اللہ کے سوا کسی اور کو قدرت نہیں ہوتی یا غیراللہ سے استغاثہ کرتا ہو تو کفار' بت پرستوں اور زندیقوں کی طرح اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے لوگ بھی شرک اور ارتداد کی وجہ سے کافر ہیں' لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ ان کے ذبیحوں کی حرمت پر مسلمانوں کے اجماع اور آیت کے مفہوم نے ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالیا کرو۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ﴾ (الأنعام٦/ ١١٩)

"اور سبب کیا ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اسے نہ کھاؤ"

کے عموم کی تخصیص کر دی ہے' لہٰذا ان دو اور ان کے ہم معنی آیتوں سے بتوں کے پجاریوں اور ان لوگوں کے ذبیحوں کے حلال ہونے پر جو ان کے ہم معنی ہوں' استدلال کرنا صحیح نہیں ہے' جو کہ اسلام سے مرتد ہو گئے ہوں اور مردوں اور دیگر غیراللہ سے استغاثہ و دعا کے لیے اصرار کرتے ہوں اور ان سے ایسے امور کے لیے مدد کے طلب گار ہوں' جن پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اور پھر اسے ان کے سامنے دلائل کے ساتھ بیان بھی کر دیا گیا ہو اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کا یہ شرک جاہلیت اولیٰ کے شرک جیسا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے ذبیحوں کے حلال ہونے پر اعتماد کرنا بھی صحیح نہیں ہے جو مردوں اور غیراللہ سے استغاثہ اور ایسے امور کے لیے فریاد کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں' خواہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام کیوں نہ لے لیں اور اگر ان کے ذبیحوں کا آیت کریمہ: ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ﴾ (البقرہ ۲/۱۷۳) اور اس کے ہم معنی دیگر آیات میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے تو یہ مردار کی حرمت کے دلائل کے عموم میں داخل ہیں کیونکہ یہ اسلام سے مرتد ہیں کیونکہ انہوں نے ایسے امور کا ارتکاب کیا ہے جو اصل ایمان کے منافی ہیں اور پھر حقیقت حال کے بیان کے باوجود انہوں نے ان امور پر اصرار کیا ہے۔

جس شخص کا یہ گمان ہے کہ امام الدعوۃ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اہل نجد کے ذبیحوں کو کھا لیتے تھے حالانکہ وہ زید بن خطاب کو پکارتے تھے تو یہ محض اٹکل پچو اور ایک ایسا دعویٰ ہے جس کے بارے میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی صراحت منقول نہیں

ہے بلکہ یہ گمان اس حکم کے خلاف ہے جس پر ان کی کتب و مؤلفات شاہد ہیں کہ جو ان امور میں جن پر اللہ کے سوا کوئی اور قادر نہیں' غیراللہ کو پکارے خواہ وہ کوئی ملک مقرب ہو یا نبی مرسل یا اللہ کا کوئی نیک بندہ' تو وہ مشرک و مرتد اور خارج اسلام ہے بلکہ اس کا یہ شرک زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے شرک سے بھی زیادہ شدید ہے' لہٰذا اس کے اور اس کے ذبیحوں کے بارے میں بھی وہی حکم ہو گا جو زمانہ جاہلیت کے لوگوں کے بارے میں ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت حکم ہو گا۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اہل کتاب کے سوا دیگر تمام کفار کے ذبیحے حرام ہیں' خواہ وہ ان پر اللہ تعالیٰ کا نام ہی کیوں نہ لے لیں' کیونکہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عبادت کی ایک قسم ہے اور عبادت کو جب تک خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ادا نہ کیا جائے وہ صحیح نہیں ہوتی' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/٨٨)

"اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

تارک نماز کے ذبیحہ کے بارے میں حکم

سوال اگر کوئی ایسا شخص ذبح کرے جو تارک نماز ہو تو کیا نمازی کے لیے اس ذبیحہ کو کھانا جائز ہے؟

جواب نماز ارکان خمسہ میں سے شہادتین کے بعد سب سے بڑا رکن ہے' جو اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے تو اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص محض سستی و کوتاہی کی وجہ سے اسے ترک کرے تو وہ بھی علماء کے صحیح قول کی روشنی میں کافر ہے اور اس سلسلہ میں دلیل وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان اطلاق اسم الكفر علي من ترك الصلاة، ح: ٨٢ وجامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢٠)

"بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے "مسند" میں اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، ح: ٢٦٢١ وسنن ابن ماجه، إقامة الصلاة، باب ما جاء فيمن ترك الصلاة، ح: ١٠٧٩)

"ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے' وہ نماز ہے' جو اسے ترک کر دے تو اس نے کفر کیا۔"

لہٰذا جس شخص کے بارہ میں آپ نے سوال کیا ہے کہ اگر وہ وجوب نماز کے انکار کی وجہ سے تارک ہے تو اس کا ذبیحہ بالاجماع نہیں کھایا جا سکتا اور اگر وہ محض سستی اور کوتاہی کی وجہ سے تارک نماز ہے تو ظاہر قول کے مطابق وہ کافر ہی ہے' لہٰذا اسے کھانا جائز نہیں جسے اس نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہو کیونکہ وہ مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ نہیں کھایا جا سکتا جیسا کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے صراحت فرمائی ہے۔ واللہ الموفق' وصلی اللہ محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تارک نماز کا ذبیحہ

سوال کیا تارک نماز کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے؟

جواب جب کوئی ایسا شخص جانور ذبح کرے جو نماز نہیں پڑھتا تو اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اہل علم کے راجح قول کے مطابق تارک نماز کافر ہے اور وہ اپنے اس کفر کی وجہ سے ملت سے خارج ہو جاتا ہے' لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہیں کیونکہ ذبیحہ صرف مسلمان یا کتابی کا حلال ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے یہ سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اہل کتاب کے کھانوں سے مراد ان کے ذبیحے ہیں' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے علاوہ دیگر تمام کفار کے ذبیحے حلال نہیں ہیں۔ مسلمان اور کتابی جب کوئی جانور ذبح کرے تو وہ حلال ہے خواہ ہمیں یہ علم نہ ہو کہ اس نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ "کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"تم خود اللہ کا نام لے لو اور اس کو کھا لو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آتے تھے۔ ان لوگوں کے ذبیحہ کو جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال قرار دیا ہے کیونکہ فعل جب اپنے اہل سے صادر ہو تو اس فعل کی کیفیت' شروط اور موانع کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اس میں اصل صحت ہے' مسلمان' یہودی اور نصرانی کے ذبیحہ کے بارے میں سوال نہیں ہو گا کہ اس نے کس طرح ذبح کیا ہے؟ اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ذبیحوں کو کھایا اور ان سے یہ سوال نہیں کیا کہ انہوں نے کس طرح ذبح کیا تھا۔

جس قاعدہ کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ بہت مفید ہے یعنی جو شخص کسی فعل کا اہل ہو تو اس کا فعل صحیح ہے الا یہ کہ اس کے فاسد ہونے کی دلیل موجود ہو۔ اگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ لازم قرار دے دیں کہ وہ فاعل کے فعل کے بارے میں سوال کریں کہ کیا تمام شروط پوری تھیں' موانع ختم تھے تو ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک بہت بڑی مشقت میں مبتلا کر دیں گے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو اس کا ذبیحہ حرام ہے' اسے نمازیوں یا غیر نمازیوں کے لیے کھانا حلال نہیں ہے' اسی طرح جو شخص فریضہ نماز کا منکر ہو اس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے الا یہ کہ وہ نیا نیا دائرہ اسلام میں داخل ہوا ہو اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ نماز واجب ہے یا غیر واجب! تو انکار وجوب کی وجہ سے اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا حتی کہ اس کے لیے حق واضح کر دیا جائے اور اگر حق واضح کیے جانے کے بعد بھی وہ وجوب نماز کا انکار کرے تو اس پر بھی یہی حکم لگایا جائے گا جو اس انکار کا تقاضا کرتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

اولیاء کے لیے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا حکم

سوال اس میت کے لیے ذبح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ ولی اللہ ہے اور پھر اس کی قبر پر مقبرہ بھی بنایا گیا ہو؟

جواب ایسی میت کے لیے ذبح کرنا جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ وہ ولی اللہ ہے' شرک کی ایک قسم ہے اور ولی کے نام پر ذبح کرنے والا مشرک اور ملعون ہے اور یہ ذبیحہ مردار ہے' اسے کھانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو اور جسے بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔"

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیراللہ کے لیے ذبح کرے۔"

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں کے پاس ذبح کیے جانے والے جانور

سوال کچھ لوگ ایسی قبر پر جانور ذبح کرتے ہیں' جس کے بارے ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ زمانۂ قدیم میں فوت ہونے والے فلاں بن فلاں ولی اللہ کی قبر ہے او یہ لوگ اپنے جانوروں اور کھیتوں میں اس ولی کا باقاعدہ حصہ رکھتے ہیں تاکہ اس سے برکت حاصل کر سکیں' اپنے اہل و عیال سے بلا کو دور کر سکیں اور اپنی معیشت میں نفع حاصل کر سکیں؟

جواب قبروں کے پاس جانوروں کو ذبح کرنا اور کچھ مقامات کو مخصوص کرنا تاکہ وہاں جانوروں کو ذبح کیا جائے یا کھانا کھلایا جائے' ان اعمال میں سے ہے' جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اگر اس سے مقصود ولی یا دیگر مخلوقات کے تقرب کا حصول ہو' تاکہ نفع حاصل کیا جائے' یا نقصان کو دور کیا جائے' یا اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی شفاعت کی امید رکھی جائے' یا اس طرح کے کوئی اور مقاصد ہوں جو قبر پرستوں کے پیش نظر ہوتے ہیں تو یہ شرک اکبر ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جدف (جانور وغیرہ کو کاٹنے) کے بارے میں حکم

سوال بعض لوگ میت کے ساتھ جانور لے کر جاتے ہیں جسے وہ جدف کے نام سے موسوم کرتے ہیں تاکہ اسے قبرستان میں ذبح کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ اسے قبرستان سے ایک سومیٹر کے فاصلہ پر ذبح کیا جاتا ہے یہ اونٹ' گائے یا بکری ہوتا ہے۔ امید ہے اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں گے۔ وفقکم اللّٰہ۔

جواب قبر کے پاس جانور ذبح کرنا اور یہ جسے جدف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حرام ہے کیونکہ اس سے مقصود عبادت اور تقرب ہوتا ہے اور نبی اکرم ﷺ نے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے' فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اہل میت کا حاضرین کے لیے کھانا تیار کرنا سنت نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کیا جائے کیونکہ سنت سے ثابت ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جب خبر آئی تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو۔[1] وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

درآمد شدہ اور مجہول ذبیحے

درآمد شدہ گوشت کا حکم!

سوال اس گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے جو منجمد حالت میں باہر سے منگوایا جاتا ہے خصوصاً فروزن چکن کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب وہ گوشت جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے پاس سے آئے' اس کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے' اسی طرح جو گوشت اسلامی ملکوں سے منگوایا جائے' اس کے بارے میں بھی اصل یہی ہے کہ وہ حلال ہے' خواہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے جانور کو کس طرح ذبح کیا تھا اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا تھا یا نہیں' کیونکہ اصول یہ ہے کہ جو فعل اپنے اہل سے واقع (صادر) ہو صحیح ہوتا ہے الا یہ کہ واضح ہو جائے کہ وہ صحیح سلامت نہیں ہے۔

اس اصل کی دلیل وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي أَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

---

[1] دیکھیے: جامع الترمذی' الجنائز' باب ماجاء فی الطعام یصنع لاھل المیت' حدیث:٩٩٨ و سنن أبی داود' الجنائز' باب صنعة الطعام لاھل المیت' حدیث:٣١٣٢۔

”کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لے کر آتے ہیں مگر ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور اسے کھالو۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”(یہ سوال ان لوگوں کے بارے میں تھا) جو کفر کو نئے نئے چھوڑ کر آئے تھے۔“

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی فعل اس کے اہل کی طرف سے واقع ہو تو پھر ہمارے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ ہم یہ سوال کریں کہ کیا اسے صحیح طریقے سے سرانجام دیا گیا ہے یا نہیں؟

اس اصل کی بنیاد پر جو گوشت ہمارے پاس اہل کتاب کے پاس سے آئے' وہ حلال ہے اور اس کے بارے میں سوال یا کرید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر یہ واضح ہو جائے کہ یہ غیر صحیح طریقے سے ذبح کیا ہوا ہے تو پھر ہم اسے نہیں کھائیں گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَا أَنْهَرَ أَوْ نَهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ غَيْرَ السِّنِّ وَالظُّفُرِ فَإِنَّ السِّنَّ عَظْمٌ وَالظُّفُرَ مُدَى الْحَبَشَةِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب إذا ند بعير لقوم ... الخ، ح:٥٥٤٤ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

”جو چیز بھی خون بہادے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو کھالو بشرطیکہ اسے دانت یا ناخن کے ساتھ ذبح نہ کیا گیا ہو کیونکہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔“

انسان کو چاہیے کہ دین میں غلو سے کام نہ لے اور ایسی چیزوں کے بارے میں کرید نہ کرے' جن کے بارے میں کرید کرنا لازم نہیں ہے لیکن اگر خرابی یقینی اور واضح ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اور اگر شک و تردد ہو کہ معلوم نہیں اسے صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں تو اس صورت میں ہمارے سامنے دو اصول ہیں۔ اصل اول: کہ یہ صحیح سلامت ہے اور اصل دوم: یہ کہ پرہیزگاری کا ثبوت دیتے ہوئے اسے نہ کھایا جائے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں اور اگر کھالے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔

گویا اس مسئلہ کی تین حالتیں ہیں (۱) ہمیں معلوم ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے (۲) ہمیں معلوم ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا تو ان دو حالتوں کا حکم تو ہمیں معلوم ہے (۳) یہ کہ ہمیں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ جانور کو صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو اس حالت میں حکم یہ ہے کہ ذبیحہ حلال ہے اور ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم یہ تحقیق کریں کہ اسے کس طرح ذبح کیا گیا ہے؟ اور کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں بلکہ سنت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ اس کے بارے میں سوال اور تحقیق نہ کی جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے جب لوگوں نے یہ عرض کیا کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان سے پوچھ لو کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں بلکہ یہ فرمایا:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

”تم اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔“

اور یہ نام لینے کا جو نبی ﷺ نے حکم دیا ظاہر ہے کہ اس سے مراد بوقت ذبح بسم اللہ پڑھنا نہیں ہے کیونکہ ذبح کا عمل تو

اس سے پہلے سرانجام پا چکا ہے' لہٰذا اس سے مراد اسے کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے کیونکہ حکم شریعت یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے بلکہ راجح قول کے مطابق کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور پھر اس لیے بھی کہ اگر انسان بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کے کھانے پینے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

ڈبوں میں بند گوشت کا استعمال

سوال بیرونی ملکوں سے آنے والے ان ڈبوں میں بند گوشت کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے' جن پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا ہوا ہے؟

جواب اجنبی ملکوں سے درآمد شدہ گوشت کو کھانا مکروہ ہے کیونکہ اس کا حلال ہونا مشکوک ہوتا ہے' خواہ ان ملکوں میں مسلمان یا کتابی ہی کیوں نہ رہتے ہوں' اس لیے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں ان کا ذبح کرنے کا طریقہ شرعی نہیں ہوتا۔ کبھی تو یہ جانوروں کو اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ ان کا سر کاٹ کر ان کو گردن کے اوپر کے حصہ کی طرف سے ذبح کرتے ہیں اور کبھی انہیں بڑی بڑی مشینوں میں داخل کر دیتے ہیں اور یہ ذبح کرنے سے قبل ہی مر جاتے ہیں' پھر بعد میں ان کے سر کاٹ دیئے جاتے ہیں تاکہ ان کا خون ضائع نہ ہو اور گوشت وزنی ہو جائے اور کبھی انہیں زبردست کھولتے ہوئے پانی میں ڈبو کر مار دیتے ہیں تاکہ ان کے پروں اور بالوں وغیرہ کو یہ آسانی سے نوچ سکیں اور پھر اکثر و بیشتر صورتوں میں ذبح کرنے والے لوگ بھی مسلمان یا تورات و انجیل کو قائم کرنے والے حقیقی کتابی نہیں ہوتے' لہٰذا وہ مرتد شمار ہوں گے اور پھر یہ لوگ ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھی نہیں پڑھتے' حالانکہ ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مرغی کے درآمد شدہ گوشت کا استعمال

سوال مرغی کے اس گوشت کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے جو بیرون ملک سے ذبح کیا ہوا اور ٹین کے بند ڈبوں میں آتا ہے؟

جواب بیرون ممالک سے آنے والا مرغی یا دیگر جانوروں کا گوشت اگر اہل کتاب کے ملکوں سے آیا ہو تو حلال ہے۔ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ اہل کتاب کا کھانا قرآن کریم کی نص کی روشنی میں ہمارے لیے حلال ہے بشرطیکہ کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جس سے وہ حرام قرار پاتا ہو' مثلاً یہ کہ اسے غیراللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا سر قطع کیے بغیر ذبح کیا گیا ہو اور اگر یہ گوشت مجوسیوں یا سوشلسٹوں اور اشتراکیوں یا دیگر بت پرستوں کے ملکوں سے منگوایا گیا ہو تو پھر یہ حرام ہے' اسے کھانا جائز نہیں ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

منجمد مرغی کا استعمال

سوال باہر سے درآمد کیے ہوئے گوشت' نیز ان فروزن مرغیوں کے استعمال کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ انہیں کس طرح ذبح کیا گیا تھا بعض علماء ایسی مرغیوں کے خریدنے کو جائز قرار نہیں دیتے؟

جواب اگر مذکورہ گوشت اہل کتاب کے ملکوں سے در آمد کیے گئے ہوں تو انہیں کھانا حلال ہے بشرطیکہ کوئی اور ایسی وجہ نہ ہو جس سے یہ حرام قرار پائیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اہل کتاب کے بعض ملکوں کے بعض مذبحوں میں اگر جانوروں کو غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے تو اس سے یہ واجب قرار نہیں پاتا کہ اہل کتاب کے ملکوں سے در آمد کیا جانے والا تمام گوشت حرام ہے الا یہ کہ کسی معین ذبیحہ کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اسے جس مذبح سے منگوایا گیا ہے' اس میں جانوروں کو غیر شرعی طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے کیونکہ اصل حلت و سلامتی ہے حتی کہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس کا تقاضا اس کے خلاف ہو۔

——— شیخ ابن باز ———

بازاروں میں بکنے والا در آمدی گوشت

سوال بازاروں میں فروخت ہونے والے اس گوشت کے متعلق کیا حکم ہے جو باہر سے در آمد کیا ہوتا ہے؟ کیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر جانوروں یا پرندوں کو ذبح کرنے والا شخص غیر کتابی ہو جس طرح کہ روس اور بلغاریہ یا ان کی طرح الحاد اور ترک ادیان میں مشابہت رکھنے والے کفار ہیں تو ان کا ذبیحہ کھانا حلال نہیں ہے' خواہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو کیونکہ اصل میں تو صرف مسلمانوں ہی کے ذبیحے حلال ہیں۔ ہاں البتہ قرآنی نص نے اہل کتاب کے ذبیحوں کو بھی مستثنیٰ قرار دے دیا ہے' لہٰذا اگر کوئی یہودی یا عیسائی کسی زندہ جانور کو گردن سے ذبح کرے یا اونٹ کو (سینے کے گڑھے میں زخم لگا کر) نحر کرے اور بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام بھی لے تو اسے کھانا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

اور اگر وہ عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اور نہ کسی اور کا نام لے تو اس کے جواز کے بارے میں اختلاف ہے' اگر وہ غیر اللہ کا نام لے تو اسے کھانا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں یہ مردار ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُۥ لَفِسْقٌ ۗ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔"

اور اگر وہ اس کے سر پر ہتھوڑا مارے یا اسے بجلی کا کرنٹ لگائے جس سے وہ مرجائے تو یہ جانور "موقوذہ" شمار ہو گا' خواہ بعد میں اس کی گردن کاٹ بھی لے' اور اللہ تعالیٰ نے "موقوذہ" کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ ﴾
(المائدة٥/ ٣)

"تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے..... یہ سب حرام ہیں۔"

ہاں البتہ سر پر چوٹ لگنے کے بعد اگر جانور ابھی تک زندہ ہو اور اسے باقاعدہ ذبح کر لیا جائے تو پھر اسے کھانا حلال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

﴿ وَٱلۡمَوۡقُوذَةُ وَٱلۡمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"اور جو جانور چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

محرمات میں سے اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو مستثنیٰ قرار دے دیا ہے جو ابھی تک زندہ ہو اور اسے ذبح کر لیا گیا ہو کیونکہ ذبح کیا ہوا جانور مردہ نہیں ہوتا۔

جس جانور کا گلا گھونٹ دیا گیا اور وہ مرگیا یا اسے بجلی کا کرنٹ دیا گیا اور وہ مرگیا تو اسے کھانا بالاتفاق حلال نہیں ہے خواہ گلا گھونٹنے یا بجلی کا کرنٹ لگانے یا اسے کھانے کے وقت بسم اللہ ہی کیوں نہ پڑھ لی جائے۔ یاد رہے نبی ﷺ کا یہ فرمان کہ تم:

«سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"اللہ کا نام لو اور کھالو۔"

ان لوگوں کے ذبیحوں کے بارے میں تھا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور معلوم نہ تھا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں' لہٰذا اللہ کا نام لینے کے سلسلہ میں شک کرنے والے مسلمانوں کو آپ نے یہ حکم دے دیا کہ وہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لیں اور ان ذبح کرنے والوں کے معاملہ کو اسی پر محمول کریں جو مسلمانوں میں مروج ہے کہ وہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیتے ہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مجہول العقیدہ اور شرک سے ناواقف شخص کا ذبیحہ

سوال کیا اس شخص کا ذبیحہ کھایا جا سکتا ہے جس کا عقیدہ معلوم نہ ہو اور جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہو اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ حرام ہیں اور جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ قصد و ارادہ کے بغیر جن کو پکارتا ہے؟

جواب اگر وہ شرک نہ کرتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نہ اس کے بارے میں کوئی اور ایسی بات معلوم ہو جس سے کفر لازم آتا ہو تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ ہاں البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے' مثلاً: یہ کہ کسی جن کو پکارا ہے یا مردوں سے دعا اور استغاثہ کیا ہے تو یہ شرک اکبر ہے' اس کے مرتکب انسان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ جنوں کو پکارنے کی مثال یہ ہے کہ ان سے کہے کہ یہ کام کرو یا یہ کام نہ کرو یا مجھے یہ دو یا فلاں شخص کے ساتھ یہ کرو' اس طرح جو شخص قبروں میں مدفون لوگوں یا فرشتوں کو پکارے' ان سے استغاثہ کرے یا ان کے لیے نذر مانے تو یہ سب شرک اکبر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے محفوظ رکھے۔

گناہوں کے ارتکاب سے ذبیحہ کھانا حرام نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ انہیں حلال نہ سمجھے بلکہ انہیں حرام ہی سمجھے اور پھر اس

نے جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کیا ہو اور جو شخص گناہوں کو حلال سمجھے تو وہ کافر شمار ہو گا۔ مثلاً: اگر کوئی شخص زنا یا شراب یا سود یا والدین کی نافرمانی یا جھوٹی گواہی وغیرہ ایسے گناہوں کو حلال سمجھے' جن کی حرمت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے تو وہ کافر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر اس کام سے بچائے جو اسے ناراض کرنے کا سبب بنیں۔

——— شیخ ابن باز ———

کفار ملکوں میں مجہول گوشت

سوال یہاں امریکہ میں فروزن گوشت ملتا ہے' جس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کس نے اور کس طرح ذبح کیا تھا؟ کیا ہم اس طرح کے گوشت کو کھا سکتے ہیں؟

جواب اگر مذکورہ گوشت کے علاقے میں صرف اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہی رہتے ہیں تو ان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ یہ معلوم نہ بھی ہو کہ انہوں نے اسے کس طرح ذبح کیا ہے' کیونکہ ان کے ذبیحہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ہے' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَٰتُ ۖ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ﴾ (المائدة٥/ ٥)

"آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔"

اور اگر اس علاقہ میں اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار رہتے ہوں تو پھر اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس میں حلال کے ساتھ حرام کا اشتباہ بھی ہے' اسی طرح گوشت فروخت کرنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اسے غیر شرعی طریقے سے ذبح کرتے ہیں مثلاً گلا گھونٹ کر یا بجلی کا کرنٹ دے کر تو اسے بھی نہیں کھانا چاہیے خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا کافر' کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٣)

"تم پر مردہ جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جسے درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین میں فقاہت (سمجھ بوجھ) کی توفیق عطا فرمائے۔ انه سميع قريب.

——— شیخ ابن باز ———

جسے معلوم نہ ہو کہ اس گوشت پر اللہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں؟

سوال جب ہمارے سامنے کھانے کے لیے گوشت پیش کیا جائے اور ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں تو ہم اس وقت کیا کریں؟

جواب صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ قَوْمًا قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّ قَوْمًا يَأْتُونَنَا بِلَحْمٍ لاَ نَدْرِي اَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ أَمْ لاَ، فَقَالَ: سَمُّوا عَلَيْهِ أَنْتُمْ وَكُلُوهُ قَالَتْ: وَكَانُوا حَدِيثِي عَهْدٍ بِالْكُفْرِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، ح:٥٥٠٧)

"کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کہا ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لے کر آتے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم خود نام لے لیا کرو اور اسے کھا لیا کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔"

اس طرح کے لوگوں پر فرعی اور دقیق احکام مخفی ہوتے ہیں کیونکہ انہیں صرف وہی شخص جان سکتا ہے جو مسلمانوں کے درمیان رہتا ہو۔ اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان سوال کرنے والوں کی رہنمائی فرمائی کہ تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھا لو یعنی کھانے پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لو اور اسے کھا لو۔

اور تمہارے علاوہ ان دیگر لوگوں کا فعل جن کا تصرف صحیح ہے' صحت پر محمول کیا جائے گا' اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تکلف اور غلو شمار ہو گا۔ اور اگر ہم اس قسم کے سوال شروع کر دیں تو اپنے آپ کو بہت تکلیف میں مبتلا کر دیں گے کیونکہ پھر تو ہمارے سامنے پیش کئے جانے والے ہر کھانے کے بارے میں یہ احتمال ہو گا کہ شاید یہ جائز نہیں' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس نے آپ کو کھانے کی دعوت دی اور اسے آپ کے سامنے پیش کیا اس کا یہ کھانا غصب شدہ یا مسروقہ ہو یا ممکن ہے کہ اس کی جو قیمت ادا کی گئی ہو' وہ حرام ہو۔ گوشت کی صورت میں احتمال ہے کہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ الغرض! اس طرح کے کئی شکوک و شبہات پیدا ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحمت کے پیش نظر یہ قرار دیا ہے کہ فعل جب اپنے اہل سے صادر ہو تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسے اسی طرح سر انجام دیا گیا ہو جس سے انسان بری الذمہ ہو جاتا ہے' لہٰذا اس صورت میں کھانا وغیرہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

وہ ذبیحے جو مختلف مناسبتوں سے ذبح کیے جاتے ہیں

مہمان اور رشتہ دار کے اعزاز میں جانور ذبح کرنا

سوال غیراللہ کے لیے ذبح کرنا تو حرام اور شرک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مہمانوں اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب کسی فائدے کے حصول یا نقصان سے بچنے کے لیے غیراللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر (جانور وغیرہ) ذبح کرنا شرک ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے' آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو غیراللہ کے لیے ذبح کرے۔"

لیکن مہمان یا قریبی رشتہ دار کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مہمان اور اہل و عیال کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیراللہ کے لیے ذبح کرے"" سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے کیا مقصود ہے؟ اور اگر کوئی شخص اپنے مہمان یا اہل خانہ کے لیے جانور ذبح کرے اور یہ کہے: (اللہ کے نام کے ساتھ' رسول اللہ ﷺ کی ملت پر' اللہ کی رضا کے لیے' اے اللہ! اس کا ثواب مجھے اور میرے اہل خانہ کو عطا فرما) تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب مذکورہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ فوت شدہ انبیاء و اولیاء کے لیے ذبح کرنا حرام ہے جس سے ان کی برکت کی امید کی جائے' اسی طرح جنوں کو خوش کرنے کے لیے ذبح کرنا بھی حرام ہے تاکہ وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کریں یا ان سے شر کو دفع کریں' یہ شرک اکبر ہے' اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہے۔ مہمانوں کی عزت افزائی یا اہل خانہ کی کشادگی کے لیے ذبح کرنا نیز تقرب الی اللہ کے حصول کے لیے ذبح کرنا اور اسے فوت شدگان کے لیے صدقہ کر دینا اور زندہ و مردہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید رکھنا جائز ہے بلکہ یہ احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔ اسی طرح قربانی کے دن فوت شدگان اور زندوں کی طرف سے جو قربانیاں کی جاتی ہیں وہ بھی نہ صرف جائز بلکہ نیکی و تقویٰ کا کام ہیں۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد

——— فتویٰ کمیٹی ———

مہمان کے لیے ذبح کرنا

سوال مہمان کے لیے جانور ذبح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا اھل بہ لغیر اللہ "اور جس پر غیراللہ کا نام پکارا جائے..... (حرام ہے)"

جواب مہمان نوازی کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے جب کہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ (المائدہ ۵:۳) "اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے (وہ حرام ہے)" کے عموم میں داخل نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے مقصود وہ جانور ہے جسے غیراللہ کے لیے ذبح کیا جائے' مثلاً مردوں وغیرہ کے تقرب کے حصول کے لیے ذبح کرنا۔ جہاں تک مہمان کے لیے ذبح کرنے کا تعلق ہے تو اس سے مقصود مہمان کی عزت افزائی ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کرنا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مہمان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کسی مشروع مناسبت سے جانور ذبح کرنا

سوال اس صدقہ کے بارے میں کیا حکم ہے جسے میں ذبح کروں اور اپنے دل میں یہ کہوں یا اپنے پاس موجود لوگوں کے سامنے یہ کہوں کہ یہ میرے بیٹے کی کامیابی کی خوشی میں' یا گاڑی کے حادثہ میں محفوظ رہنے کی خوشی میں یا کسی بھی اور خوشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ کیا میں خود بھی اس صدقہ سے کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ یاد رہے میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم نہیں کھائی ہوتی اور نہ یہ نذر مانی ہوتی ہے کہ میں یہ کام کروں گا' لیکن جب کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے تو کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ ہے۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں' کیا یہ طریقہ درست ہے' جسے ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟

جواب اعمال کے بارے میں اصل یہ ہے کہ یہ نیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ عمل پر ثواب کے لیے نیت شرط ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ ہر خرچ کے وقت تقرب الٰہی کے حصول کی نیت کرے اور اگر کسی پروگرام کی مناسبت سے' مثلاً: مہمان کی آمد یا بیٹے کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے جانور ذبح کیا جائے اور مقصود تقرب الٰہی کا حصول ہو تو اس سے خود کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

کسی شخص کے اکرام اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال بعض عربوں میں یہ عادت ہے کہ وہ بوقت حاجت ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں' کبھی کبھی طالب رضا بکری لے کر آتا ہے اور اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے بعد ہی دروازہ سے داخل ہوتا ہے' اور کبھی وہ بکری لے کر آتا ہے تو وہ جس شخص کے لیے بکری لایا ہوتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ: ''عقیرہ'' حرام ہے اور وہ اسے اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے لیکن اس کی رضا کا طالب اس کے اکرام میں ایک دوسری بکری ذبح کر دیتا ہے' تو کیا ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب انسان کے کسی دوسرے کے لیے بکری وغیرہ ذبح کرنے سے اگر مقصود اس کی عزت افزائی ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے رفقاء بھی اسے کھائیں' نیز جسے بھی ان کے ساتھ کھانے کی دعوت دی جائے' وہ بھی شریک ہو جائے تو یہ جائز ہے بلکہ صحیح احادیث نے اس کی ترغیب بھی دی ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح:٦٠١٩ وصحيح مسلم، الايمان، باب الحث علي اكرام الجار والضيف ... الخ، ح:٤٨)

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''

اسی طرح ابو شریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ يَوْمُهُ وَلَيْلَتُهُ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ

وَمَا بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلاَ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح:٦٠١٩ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث علي اكرام الجار والضيف ... الخ، ح:٤٨ وسنن أبي داود، الأطعمة، باب ما جاء في الضيافة، ح:٣٧٤٨ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے' اس کا انعام ایک دن رات ہے اور مہمان نوازی تین دن اور پھر اس کے بعد صدقہ ہے' کسی کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی کے پاس اس قدر قیام کرے کہ اسے مشقت میں ڈال دے۔"

کبھی ذبح کرنے سے مقصود محض تعظیم و تکریم ہوتی ہے خواہ بعد میں ذبیحہ کھانے کے لیے پیش کیا جائے یا نہیں' تو یہ جائز نہیں بلکہ یہ شرک اور موجب لعنت ہے' کیونکہ یہ بھی ذبح لغیر اللہ کے عموم میں داخل ہے۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«حَدَّثَنِي (رَسُولُ اللهِ ﷺ) بِكَلِمَاتٍ أَرْبَعٍ: لَعَنَ اللهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ، وَلَعَنَ اللهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا وَلَعَنَ اللهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الأَرْضِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے چار باتیں ارشاد فرمائیں ① جو اپنے والدین پر لعنت کرے' اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے اور ② جو غیراللہ کے لیے ذبح کرے' اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے ③ جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے' اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت فرمائے ④ اور جو زمین کی حدود کو مٹائے' اللہ اس پر بھی لعنت فرمائے۔"

لہذا اس طرح کے ذبیحہ کو کھانا جائز نہیں ہو گا خواہ ذبح کرنے والا اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام کیوں نہ لے کیونکہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور "عقیرہ" کی تقدیم سے اس کا مقصود' غیراللہ کی تعظیم اور خالصتاً اس کی تکریم ہے' نہ کہ اس کے گوشت سے کھانا مقصود ہے اگر وہ زندہ جانور پیش کرے اور مسترضی اسے لے لے اور مہمانوں کے لیے ذبح کر دے یا مہمانوں کے لیے کسی اور جانور کو ذبح کر دے تو اس طرح کے جانور کو کھانا جائز ہے کیونکہ اسے اس کی تعظیم کے لیے ذبح نہیں کیا گیا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آله وصحبه وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

برھہ یا عتامہ کے بارے میں حکم

سوال دو یا تین یا اس سے بھی زیادہ اشخاص میں جھگڑے کی صورت میں بستی کے بزرگ یا قبیلہ کا شیخ جھگڑا کرنے والوں کے معاملات کا جائزہ لیتا ہے۔ جھگڑے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد' جھگڑے کی بنیادی وجہ اور یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اصل غلطی کس کی ہے' وہ غلطی کا ارتکاب کرنے والے پر یہ فرض قرار دے دیتے ہیں کہ وہ دو یا تین یا بسا اوقات اس سے بھی زیادہ جانوروں کو ذبح کرے' اور جس کی غلطی کم ہو اسے یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ بھی کم از کم ایک جانور ذبح کرے۔ چنانچہ ان میں سے ہر شخص پر جس قدر فرض قرار دے دیا گیا ہوتا ہے' وہ اسے ذبح کرتا ہے اور پھر کھانے پر لوگ اور فیصلہ کرنے والے منصف بھی حاضر ہوتے ہیں۔ جھگڑا کرنے والے خواہ فقیر ہوں یا غنی ان کے لیے منصفوں کے احکام

کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہوتا۔ اس عادت کو "برھہ" یا "عتامہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اکثر و بیشتر فیصلوں میں حکومتی اداروں کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ میرا سوال ان عادات کے بارے میں ہے کہ کیا یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ کیا اس طرح جانوروں کو ذبح کرنے والا اس ارشاد نبوی کے مصداق تو نہیں ہے:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

"جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے' اللہ اس پر لعنت کرے۔"

یاد رہے یہ جو جانور ذبح کیے جاتے اور خون بہائے جاتے ہیں یہ کسی ایک شخص یا اشخاص یا رئیس یا روسائے قبیلہ کی رضامندی کے لیے ہوتے ہیں۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں؟

جواب تنازعات کا فیصلہ کرنا تاکہ خطاکار کی خطا کو واضح کیا جائے اور جس پر زیادتی ہوئی ہے' اس کی مدد کی جائے' آپس میں صلح کرا دی جائے اور اس حق کے ساتھ تنازعات کا فیصلہ کیا جائے جسے اسلامی شریعت لے کر آئی ہے' کتاب و سنت کی روشنی میں حق اور مشروع ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱقْتَتَلُوا۟ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا ۖ فَإِنۢ بَغَتْ إِحْدَىٰهُمَا عَلَى ٱلْأُخْرَىٰ فَقَٰتِلُوا۟ ٱلَّتِى تَبْغِى حَتَّىٰ تَفِىٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ ٱللَّهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا۟ بَيْنَهُمَا بِٱلْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا۟ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ ﴾

(الحجرات٤٩/ ٩)

"اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے' پس جب وہ رجوع کرے تو دونوں فریقوں کے درمیان عدل و انصاف کیساتھ صلح کرا دو اور (پورے) انصاف سے کام لو یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ لَّا خَيْرَ فِى كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَىٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَٰحٍۭ بَيْنَ ٱلنَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ ﴾ (النساء٤/ ١١٤)

"ان لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی بھلائی (کی بات) نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے کہ خیرات دینے کی' یا نیک کام کرنے کی' یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی ترغیب دی ہو۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کام کرے گا' تو ہم اس کو بہت بڑا ثواب دیں گے۔"

وہ جانور جنہیں معاملہ کے دونوں فریق جھگڑا ختم ہو کر صلح ہو جانے کے بعد ذبح کرتے ہیں' اگر یہ ذبح کرنے والے کی طرف سے صدقہ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے ہیں کہ اس نے امن و سلامتی کے ساتھ جھگڑے سے خلاصی عطا فرمائی اور پہلے کی سی اخوت و محبت کی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائی تو یہ ایک اچھی بات ہے۔ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے اور یہ ان نصوص کے عموم میں داخل ہے جن میں نیکی کی ترغیب اور نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' مثلاً: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن شرط یہ ہے

کہ اسے عادت نہ بنایا جائے اور ان واجبات کی طرح اسے لازم قرار نہ دیا جائے جو اپنے اوقات و اسالیب کے ساتھ مخصوص ہیں' نیز اپنی مادی طاقت و حیثیت سے کسی بھی انسان کو تجاوز نہیں کرنا چاہیے ورنہ ممنوع ہو گا اور اگر معاملات کی تحقیق کرنے والا اور فریقین میں صلح کرانے والا شخص اسے دونوں فریقوں پر اس طرح لازم قرار دے کہ جو اسے سرانجام نہ دے سکے' اس کے لیے اسے عیب و عار تصور کیا جائے اور بسا اوقات اس سے صلح بھی ختم اور فیصلہ کالعدم قرار پائے اور لڑائی جھگڑا پہلے ہی کی طرح یا اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ شروع ہو جائے' تو یہ ایک ایسا فیصلہ ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا' ہاں البتہ اگر یہ زیادتی یا غلطی کرنے والے کے لیے تعزیری سزا ہو اور یہ اس کی زیادتی اور غلطی کے بقدر (برابر) ہو اور اس سے مقصود اسے ادب سکھانا اور جس پر زیادتی ہوئی ہے اس کی دل جوئی کرنا ہو تو یہ ان فقہاء کے بقول جائز ہے جو مال کی صورت میں تعزیری سزا نیز اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ مال وہاں خرچ کیا جائے جہاں دونوں منصف مناسب سمجھیں۔ یعنی اگر ان کی رائے میں اسے بیت المال میں جمع کرانا مناسب ہو تو بیت المال میں جمع کرا دیا جائے اور اگر وہ اسے نیکی کے کسی کام میں صرف کرنا موزوں سمجھیں تو وہاں صرف کر دیا جائے اور اس بات کی پابندی نہ کی جائے کہ اسے صرف دونوں منصفوں یا حاضرین مجلس صلح ہی کے لیے ذبح کیا جائے۔ ان ذبیحوں کا حکم ان قربانیوں کا نہیں ہے جنہیں غیراللہ کے لیے مثلاً: بتوں کے نام پر' یا نیک لوگوں کی قبروں کے پاس' یا کسی جن وغیرہ کے لیے ان کے تقرب کے حصول یا قضاء حاجت کی امید یا دفع مضرت یا حصول منفعت وغیرہ کے لیے ذبح کیا جاتا ہے۔

ممانعت کی صورت میں یہ ذبیحہ دین میں بدعت اور ایسی شریعت سازی کی قبیل میں سے ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور اس طرح یہ حدیث ((لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ)) (غیراللہ کے نام پر ذبح کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے) کی نسبت اس آیت کے معنی کے زیادہ قریب ہے:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ (التوبة٩/ ٣١)

''انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

اگرچہ یہ دونوں عمل ہی ضلالت و گمراہی اور جھوٹ پر مبنی ہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

دو جھگڑنے والوں کی صلح کے لیے جانور ذبح کرنا

سوال جب دو قبیلوں میں شدید اختلاف پیدا ہو جائے اور اس بات کا شدید خطرہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جائیں گے تو اس صورت حال میں ایک تیسرا قبیلہ اگر مداخلت کرے اور جانور ذبح کر کے جھگڑنے والے دونوں قبیلوں کو کھانے پر بلائے تاکہ ان میں صلح کرا دی جائے تو اس ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جب جانور ذبح کرنے والے سے جھگڑا کرنے والے دو فریقوں میں سے کسی سے بھی سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ ہو کہ وہ آئیں تاکہ ان میں صلح کرا دی جائے تو یہ اس صلح کے سلسلہ میں مدد ہو گی جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٠)

"مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔"

نیز یہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے اور دلوں سے کدورت کو ختم کرنے میں مدد اور صلح کے لیے حاضر ہونے والوں کی عزت افزائی کے لیے ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

ذبح کرنے کے احکام

حیوان کے ساتھ نرمی

سوال ڈاکٹر۔ت۔ج۔عبدالهادی اسکینر نے آسٹریلیا سے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جانور بھیجنے کے بارے میں خط لکھ کر ان بدترین حالات کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز سے سوال پوچھا ہے جن کا ان جانوروں کو سامنا کرنا پڑتا ہے؟ چنانچہ اس سوال کا فضیلۃ الشیخ نے حسب ذیل جواب دیا:

جواب عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی طرف سے جناب برادر مکرم ڈاکٹر ت۔ج۔عبدالهادی اسکینر کے نام:

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' امابعد:

میں نے آپ کا وہ خط ملاحظہ کیا ہے جس میں آپ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ آپ کے ملک آسٹریلیا سے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں جانوروں کی منتقلی کے وقت انہیں جن بدترین حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور رش وغیرہ کی وجہ سے بحری جہازوں میں انہیں جن بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اس موضوع پر قلم اٹھائیں۔ سب سے پہلے تو ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں' آپ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے ایک انتہائی اہم مسئلہ کی طرف جو توجہ مبذول فرمائی ہے' اس پر آپ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ ہمیں خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ ہم آپ کے اس سوال کا کتاب کریم و سنت مطہرہ کے ان نصوص کی روشنی میں جواب دیں' جن میں جانوروں کے ساتھ' خواہ وہ ماکول اللحم (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) ہوں یا غیر ماکول اللحم' حسن سلوک کی ترغیب دی گئی ہے' نیز اس موقع پر ہم کچھ ایسی صحیح احادیث کو بھی بیان کریں گے جن میں جانوروں کو تکلیف دینے والوں کے لیے وعید بیان کی گئی ہے' خواہ یہ تکلیف انہیں بھوکا رکھنے کے نتیجہ میں ہو یا نقل و حمل میں پرواہ نہ کرنے کی صورت میں یا کسی بھی اور وجہ سے چنانچہ حیوان وغیر حیوان سب کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحْسِنُوٓا۟ ۛ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۹۵)

"اور احسان کرو' بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ ۞ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَـٰنِ ﴾ (النحل ۱۶/ ۹۰)

"اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔"

اس حدیث میں ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر باحسان الذبح ... الخ، ح:١٩٥٥)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں احسان کو فرض قرار دیا ہے' لہٰذا جب تم (کسی چیز کو) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقہ سے ذبح کرو' چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ''

صحیح حدیث میں ہے کہ جو کسی غم زدہ کی مدد کرتا ہے تو اسے عظیم اجر و ثواب ملتا ہے' اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس کے اس عمل کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے' چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ مِنِّي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلأَ خُفَّهُ مَاءً ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ حَتّٰى رَقِيَ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ: وَإِنَّ لَنَا فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ لأَجْرًا؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ح:٦٠٠٩ وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقى البهائم ... الخ، ح:٢٢٤٤ واللفظ له)

''ایک آدمی راستہ پر چل رہا تھا کہ اسے پیاس نے ستایا تو اس نے ایک کنواں دیکھا اور اس میں اتر کر پانی پی لیا اور جب وہ کنویں سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہانپتے ہوئے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے کیونکہ اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی' اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کو بھی اس طرح پیاس لگی ہے جیسے مجھے پیاس لگی تھی' لہٰذا وہ پھر کنویں میں اترا اور اس نے اپنے موزے کو پانی سے بھر لیا' اسے اپنے منہ سے تھام لیا اور اس طرح باہر آکر کتے کو پانی پلا دیا' اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی نیکی کا صلہ دیا اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی وجہ سے بھی ہمیں اجر و ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہر زندہ چیز کی وجہ سے اجر و ثواب ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيفُ بِرَكِيَّةٍ قَدْ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ إِذْ رَأَتْهُ بَغِيٌّ مِنْ بَغَايَا بَنِي إِسْرَائِيلَ فَنَزَعَتْ مُوقَهَا فَاسْتَقَتْ لَهُ بِهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهِ»(صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ٥٤ بعد باب حديث الغار، ح:٣٤٦٧ وصحيح مسلم، السلام، باب فضل سقى البهائم ... الخ، ح:٢٢٤٥ واللفظ له)

''ایک کتا کنویں کی منڈیر کے گرد چکر لگا رہا تھا اور قریب تھا کہ پیاس کی شدت سے مر جائے کہ اسے بنی

اسرائیل کی ایک بدکار عورت نے دیکھ لیا' اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس سے کنویں سے پانی نکال کر اسے پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے اس عمل کی وجہ سے معاف فرما دیا۔"

اسلام نے احسان کی ترغیب دی ہے' مستحق کے لیے اسے واجب قرار دیا ہے اور اس کے برعکس ظلم وزیادتی سے منع فرمایا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٨٧)

"اور زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ١٩)

"اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

صحیح مسلم میں ہے:

«مَرَّ ابْنُ عُمَرَ بِنَفَرٍ قَدْ نَصَبُوا دَجَاجَةً يَتَرَامَوْنَهَا فَلَمَّا رَأَوُا ابْنَ عُمَرَ تَفَرَّقُوا عَنْهَا فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَنْ فَعَلَ هٰذَا؟ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، لَعَنَ مَنْ فَعَلَ هٰذَا»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما يكره من المثلة ... الخ، ح:٥٥١٥ وصحيح مسلم، الصيد، باب النهي عن صبر البهائم، ح:١٩٥٨ واللفظ له)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کچھ لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو ایک مرغی کو باندھ کر اپنے نشانہ کی مشق کر رہے تھے' انہوں نے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو منتشر ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: یہ کس نے کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کام کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

صحیح مسلم ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ أَيْ أَنْ تُحْبَسَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما يكره من المثلة ... الخ، ح:٥٥١٣ وصحيح مسلم، الصيد، باب النهى عن صبر البهائم، ح:١٩٥٦)

"رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جانوروں کو باندھ کر رکھا جائے (کہ وہ مرجائیں۔)"

ایک اور روایت میں ہے:

«لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا»(صحيح مسلم، الصيد، باب النهى عن صبر البهائم، ح:١٩٥٧)

"کسی بھی ذی روح چیز کو نشانہ کے لیے مشق نہ بناؤ۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ: اَلنَّمْلَةِ وَالنَّحْلَةِ، وَالْهُدْهُدِ، وَالصُّرَدِ» (سنن أبي داود، الأدب، باب في قتل الذر، ح:٥٢٦٧ وسنن ابن ماجه، الصيد، باب ما ينهى عن قتله، ح:٣٢٢٤)

نبی اکرم ﷺ نے چار جانوروں (۱) شہد کی مکھی (۲) چیونٹی (۳) ہدہد اور (۴) لٹورا (ایک پرندے کا نام) کے قتل

کرنے (مار ڈالنے) سے منع فرمایا ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لاَ هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَسَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا وَلاَ هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ» (صحيح مسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، ح: ٢٢٤٢)

"ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا جسے اس نے قید کر دیا تھا حتی کہ وہ بلی مر گئی' لہٰذا فوت ہونے کے بعد وہ عورت جہنم رسید ہو گئی کیونکہ قید میں اس نے اسے نہ تو کھلایا' پلایا اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑا کہ وہ خود زمین سے کیڑے مکوڑے کھا لیتی۔"

سنن ابی دواود میں ابو واقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ»(سنن أبي داود، الصيد، باب إذا قطع من الصيد قطعة، ح: ٢٨٥٨ وجامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء ما قطع من الحي فهو ميت، ح: ١٤٨٠ واللفظ له)

"زندہ جانور کے جسم سے جو حصہ کاٹا جائے' وہ مردار ہے۔"

اور ترمذی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«مَا قُطِعَ مِنْ حَيٍّ فَهُوَ مَيِّتٌ» (الحاكم في المستدرك، الأطعمة، ح: ٧١٥١ وسنن ابن ماجه، الصيد، باب ما قطع من البهيمة وهي حية، ح: ٣٢١٧)

"زندہ سے جو کاٹا جائے' وہ مردہ ہے۔"

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے' آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے۔ ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا تو چڑیا نے آ کر پھڑ پھڑانا شروع کر دیا' اتنے میں نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے تو آپ نے فرمایا:

«مَنْ فَجَعَ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا، رُدُّوا وَلَدَهَا إِلَيْهَا»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ح: ٢٦٧٥ والحاكم في المستدرك، الذبائح، ح: ٧٥٩٩)

"اس کے بچوں کی وجہ سے اسے کس نے تکلیف دی ہے' اس کے بچے اسے واپس لوٹا دو۔"

آپ ﷺ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ہم نے چیونٹیوں کی ایک بل کو جلا دیا تھا تو آپ نے فرمایا: "اسے کس نے جلایا ہے؟" ہم نے عرض کیا: "ہم نے" آپ نے فرمایا:

«لاَ يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلاَّ رَبُّ النَّارِ»(سنن أبي داود، الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ح: ٢٦٧٥ وسنن الدارمي، السير، باب في النهي عن التعذيب بعذاب الله، ح: ٢٤٥٨)

"آگ کے رب کے سوا کسی اور کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ آگ کا عذاب دے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

«مَا مِنْ إِنْسَانٍ قَتَلَ عُصْفُورًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا إِلاَّ سَأَلَهُ اللهُ ـ عَزَّوَجَلَّ ـ عَنْهَا، قِيلَ

يَارَسُولَ اللهِ، وَمَا حَقُّهَا؟ قَالَ: يَذْبَحُهَا فَيَأْكُلُهَا وَلاَ يَقْطَعُ رَأْسَهَا يَرْمِي بِهَا»(سنن النسائي، الصيد، باب إباحة أكل العصافير، ح:٤٣٥٤ والحاكم في المستدرك، الذبائح، ح:٧٥٧٤ ومسند أحمد: ٢/ ١٦٦)

''جو انسان بھی کسی چڑیا یا اس سے بڑھ کر بھی کسی چھوٹی چیز کو ناحق قتل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اس سے سوال کرے گا'' عرض کیا گیا: ''یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟'' فرمایا: ''یہ کہ اسے ذبح کر کے کھا لے اور اس طرح نہ کرے کہ اس کے سر کو کاٹ دے اور اسے پھینک دے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عادت کو ترک کر دینا چاہیے اور ان جانوروں وغیرہ کے ساتھ رحمت کا عین یہی تقاضا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک گدھے کے پاس سے گزر ہوا جس کے منہ پر آگ سے نشان لگایا گیا تھا تو آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللهُ الَّذِي وَسَمَهُ»(صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، ح:٢١١٧)

''اللہ تعالیٰ اس نشان لگانے والے پر لعنت فرمائے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ، عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ» (صحيح مسلم، اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، ح:٢١١٦)

''رسول اللہ ﷺ نے منہ پر مارنے اور نشان لگانے سے منع فرمایا ہے۔''

اور یہ حکم انسان اور حیوان سب کے لیے ہے۔ یہ اور ان کے ہم معنی دیگر نصوص اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ ہر قسم کے جانور کو عذاب دینا حرام ہے حتی کہ ان جانوروں کو بھی جنہیں قتل کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے' مثلاً: پانچ فاسق جانور (۱) کوا (۲) بچھو (۳) چوہا (۴) چیل اور (۵) باؤلا کتا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں سانپ کا ذکر بھی ہے۔

ان تمام نصوص کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے حیوانات کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی ہے خواہ اس کا تعلق انہیں نفع پہنچانے سے ہو یا ان سے تکلیف کو دور کرنے سے' لہٰذا اسلام کی یہ تعلیمات ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں خصوصاً ان جانوروں کے حوالہ سے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ حیوانات بھی اپنے اپنے دائرہ میں اس اعتبار سے قابل احترام ہیں کہ ہم انہیں کھاتے ہیں یا یہ بھی ہمارا مال ہیں اور پھر ایک طرف تو اطاعت و قربت کے حوالہ سے ان سے بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں اور دوسری طرف انہیں بہت سی مشکلات کا جو سامنا کرنا پڑتا ہے' تو اس حوالہ سے بہت سے احکام ان سے متعلق ہیں خصوصاً جب کہ ان کے دور دراز علاقوں کی طرف نقل و حمل کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے اور بے پناہ رش' بھوک' پیاس یا بیماری کے پھیلنے سے ان کے مرنے کا خدشہ ہوتا ہے تو ان حالات میں متعلقہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس طرف جلد توجہ کریں اور نقل و حمل کے وقت ان کے آرام' کھانے پینے اور علاج معالجے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کریں۔ کمزور جانوروں کو طاقتوروں سے اور بیماروں کو تندرستوں سے مقدور بھر کوشش کر کے تمام مراحل میں الگ رکھیں اور پھر یہ ساری باتیں سرمایہ کاری کرنے والے اداروں' افراد اور درآمد برآمد کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے لیے ممکن بھی ہیں۔

جو بات بے حد قابل افسوس بلکہ قابل مذمت ہے اور شریعت نے بھی اس سے منع کیا ہے' وہ جانوروں کے ذبح کرنے کا وہ طریقہ ہے جو آج کل اکثر غیر اسلامی ملکوں میں مروج ہے اور جس میں جانوروں کو مختلف قسم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے' مثلاً یہ کہ جانوروں کے مرکز دماغ پر بجلی کے جھٹکے لگائے جاتے ہیں تاکہ اسے بے ہوش کر دیا جائے اور پھر اسے ایسی مشینوں سے گزارا جاتا ہے جو اس کے بالوں اور کھالوں کو نوچ لیتی ہیں یا ابھی وہ زندہ ہی ہوتا ہے کہ اسے الٹا لٹکا کر بجلی کا جھٹکا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح زندہ مرغیوں اور پرندوں کے بالوں کو نوچ لیا جاتا ہے یا انہیں سخت گرم پانی میں ڈبو دیا جاتا ہے یا بال اڑانے کے لیے ان پر سخت گرم بھاپ کو ڈالا جاتا ہے کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ اس طرح جانوروں کو ذبح کرنے سے زیادہ گوشت حاصل ہوتا ہے حالانکہ ان تمام صورتوں میں جانوروں کے عذاب کا پہلو ہے جو کہ ان نصوص شریعت کے مخالف ہے جن میں اسلامی شریعت بیضاء نے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے' لہٰذا ہر وہ طریقہ جو ان نصوص کے خلاف ہو گا اسے ظلم و زیادتی تصور کیا جائے گا اور ایسا کرنے والے کا محاسبہ ہو گا' جیسا کہ مذکورہ بالا نصوص سے واضح ہوتا ہے اور جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سینگوں والی بکری سے بھی اس کا بدلہ لے گا جو اس نے بغیر سینگوں والی بکری کو مارا ہو گا' تو اس شخص سے کیوں نہ حساب لیا جائے گا جو ظلم اور اس کے بدترین نتائج کو خوب سمجھتا ہے۔

انہی نصوص شرعیہ اور ان کے تقاضوں کے پیش نظر فقہاء شریعت اسلامی نے ایسے ابواب بھی قائم کیے ہیں جن میں ایک طرف تو حیوانات کے حوالہ سے واجب' مستحب یا حرام و مکروہ امور کو بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف تفصیل کے ساتھ ان امور کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا تعلق حیوانات کے ذبح کرنے سے ہے تاکہ کھانے والے کے لیے وہ مباح ہو سکیں' چنانچہ ذیل میں ہم ان امور کو بیان کرتے ہیں' جو بوقت ذبح جانور سے حسن سلوک سے متعلق ہیں اور انہیں پیش نظر رکھنا مستحب ہے: 1 مذکورہ بالا حدیث:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ» (صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل ... الخ، ح:١٩٥٥)

''اللہ تعالیٰ نے یہ فرض قرار دیا ہے کہ ہر چیز کے ساتھ احسان کیا جائے۔''

کے پیش نظر یہ مستحب ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو' اسے ذبح کرنے سے پہلے پانی پلا دیا جائے۔

2 ذبح کرنے کا آلہ بہت اچھا اور بہت تیز ہونا چاہیے اور ذبح کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اسے مقام ذبح پر بہت طاقت اور تیزی کے ساتھ چلا دے۔ اونٹ کا مقام ذبح لبہ ہے اور دیگر جانوروں کا حلق۔[1]

3 اونٹ کو کھڑا کر کے اور اس کے بائیں ہاتھ (گھٹنے) کو باندھ کر نحر کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اسے قبلہ رخ کر لیا جائے۔

4 اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کو بائیں طرف لٹا لیا جائے بشرطیکہ ذبح کرنے والے کے لیے آسانی سے ایسا ممکن ہو' وہ اپنے پاؤں کو اس کی گردن پر رکھ لے' اس کے ہاتھ پاؤں کو نہ باندھے اور نہ روح نکلنے اور حرکت بند ہونے سے پہلے کسی چیز کو مروڑے اور نہ توڑے۔ روح نکلنے اور حرکت بند ہونے سے پہلے گردن کو الگ کرنا بھی مکروہ ہے' نیز یہ بھی مکروہ ہے کہ ایک جانور کو ذبح کیا جائے اور دوسرا اسے دیکھ رہا ہو۔

---

[1] ''لبہ'' سے مراد گردن اور سینے کے درمیان کا گڑھا ہے۔ (مترجم)

جانور کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ رحمت اور احسان کے پیش نظر مذکورہ بالا امور کو ملحوظ رکھنا مستحب ہے اور ایسے امور مکروہ ہیں جن میں رحمت و شفقت مفقود ہو' مثلاً اسے پاؤں سے گھسیٹنا۔ چنانچہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے موقوفاً روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ذبح کرنے کے لیے بکری کو پاؤں سے گھسیٹ کر لے جا رہا ہے تو انہوں نے فرمایا: "تجھ پر افسوس! اسے موت کی طرف اچھے طریقے سے لے کر جاؤ۔"

یہ بھی مکروہ ہے کہ جانور دیکھ رہا ہو اور اسے ذبح کرنے کے لیے چھری کو تیز کرنا شروع کر دیا جائے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح بھی ثابت ہے:

«أَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِحَدِّ الشِّفَارِ وَأَنْ تُوَارٰی عَنِ الْبَهَائِمِ»(سنن ابن ماجه، الذبائح، باب إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، ح: ۳۱۷۲)

"رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھریوں کو تیز کیا جائے اور انہیں جانوروں سے چھپا کر رکھا جائے۔"

معجم طبرانی کبیر و اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کے تمام راوی بھی صحیح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک شخص کے پاس سے گزر ہوا' جس نے بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا تھا' چھری کو تیز کر رہا تھا اور بکری اسے دیکھ رہی تھی' آپ نے فرمایا:

«أَفَلَا قَبْلَ هٰذَا؟ أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَتَيْنِ»(الطبراني في الكبير: ۱۱/ ۳۳۳، ح: ۱۱۹۱۶ والأوسط: ٤/ ٣٦١، ح: ٣٦١٤ واللفظ في الأوسط)

"یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کر لیا؟ کیا تو اسے دو دفعہ مارنا چاہتا ہے"؟

جس جانور کو ذبح کرنا مقدور نہ ہو' مثلاً جنگلی شکار یا بپھرا ہوا جانور یا بھاگا ہوا اونٹ وغیرہ تو اسے بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ سے' جس سے خون بہہ جائے' ذبح کرنا جائز ہے لیکن اس مقصد کے لیے ہڈی یا ناخن کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ تیر اگر اسے قتل کر دے تو اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ اسے اس طرح قتل کرنا شرعی طور پر ذبح کرنے ہی کے حکم میں ہے بشرطیکہ یہ احتمال نہ ہو کہ اس کی موت اس تیر سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

آپ کی خواہش پر' آپ کے استفادہ کے لیے یہ چند باتیں ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ یہاں ان تمام باتوں کو ذکر کرنا مقصود نہیں ہے جو مختلف حیوانات کے سلسلہ میں وارد ہیں۔ مختصر یہ کہ اسلام دین رحمت' حسن سلوک کی شریعت' مکمل دستور حیات اور اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچانے کا سیدھا راستہ ہے' لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس کی طرف دعوت دی جائے' اسی سے فیصلے کرائے جائیں' جو نہیں جانتے ان میں اس کی نشرو اشاعت کی کوشش کی جائے اور عامۃ المسلمین جو اس کے احکام و مقاصد سے ناواقف ہیں' اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر انہیں یاد دہانی کرائی جائے۔ شریعت اسلامی کے مقاصد حد درجہ حکمت و عدل پر مبنی ہیں' اس میں ہر نفع بخش حیوان کے کھانے کی حرمت نہیں ہے' جیسا کہ بدھ مت کے لوگوں میں ہے اور نہ ہی اس میں ہر نقصان دہ جانور کو جائز قرار دیا گیا ہے' جیسا کہ سور اور چیرپھاڑ کرنے والے درندوں اور دیگر خبیث چیزوں کے کھانے والوں نے ہر چیز کو جائز قرار دے رکھا ہے۔ اسلام نے کسی بھی قابل احترام چیز کو خواہ وہ جان ہو یا مال یا عزت و آبرو ہو' اس پر نہ تو ظلم کیا ہے اور نہ اسے رائیگاں قرار دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں' جن میں سے سب سے بڑی نعمت تو خود اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین کی مدد

فرمائے' اپنے کلمہ کو سربلندی عطا فرمائے اور ہمیں ہماری کوتاہیوں کے سبب کافرلوگوں کے لیے فتنہ نہ بنائے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد المبلغ البلاغ المبین وعلی آله وصحبه ومن اهتدی بهدیه الی یوم الدین۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاته۔

——— شیخ ابن باز ———

حیوانات کے ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سوال حیوانات کے ذبح کرنے کے لیے صحیح اسلامی طریقہ کیا ہے؟

جواب اس طرح کا ایک سوال پہلے بھی دفتر میں موصول ہوا تھا' جس کا جناب مفتی شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے حسب ذیل شافی جواب دیا تھا:

اس ملک میں ذبح اور نحر کے شرعی طریقے کے بارے میں سوالات آتے رہتے ہیں اور سوال پوچھنے والوں نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کئی بار دیکھا ہے کہ جانوروں کو ایسے طریقے سے ذبح کیا جاتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ چونکہ ہر عام و خاص کے لیے مشترک ہے' لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے تبلیغ کے انداز میں بیان کیا جائے تاکہ امانت کو ادا کیا جا سکے اور امت کی خیر خواہی کی جا سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے--- اس بات کو خوب جان لیجئے کہ ذبح کرنے کے شرعی طریقہ کے لیے کچھ شروط اور سنن ہیں لیکن سب سے پہلے ہم ایک جامع حدیث کو بیان کریں گے اور پھر ان شروط اور سنن کا تذکرہ کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ اور اصحاب سنن نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، ح:١٩٥٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ احسان و بھلائی کو فرض قرار دیا ہے' لہٰذا جب (بھی) قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو' چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔"

ذبح کرنے کے لیے حسب ذیل چار شرطیں ہیں:

1. ذبح کرنے والے کی اہلیت یعنی یہ کہ وہ عاقل---خواہ بچہ ہو لیکن باشعور ہو--- مسلم ہو یا کتابی ہو یعنی اس کے ماں باپ اہل کتاب میں سے ہوں اور اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

”تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔“

نیز مسند امام احمد اور سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مُرُوا أَبْنَاءَ كُمْ بِالصَّلَاةِ لِسَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»(سنن أبي داود، الصلاة، باب متى يومر الغلام بالصلاة، ح:٤٩٤ ومسند أحمد:٢/١٨٧ واللفظ له والحاكم في المستدرك، الصلاة:٧٠٨)

”اپنے بیٹوں (اولاد) کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں سزا دو جب کہ وہ دس سال کے ہوں‘ نیز ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بالغ اور باشعور کو صفت عقل سے موصوف قرار دیا جائے گا‘ لہٰذا باشعور کا قصد عبادت بھی صحیح ہے اور کتابی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۵)

”اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔“

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کھانے سے مراد اہل کتاب کا ذبیحہ ہے۔

2 دوسری شرط آلہ ہے کہ ہر اس آلہ کے ساتھ جانور کو ذبح کرنا جائز ہے جو اپنی دھار کے ساتھ خون بہا دے لیکن دانت اور ناخن کے ساتھ ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم ... الخ، ح:٥٥٠٩ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

”جو چیز بھی خون بہا دے اسے کھا لو لیکن وہ دانت اور ناخن نہ ہو۔“

3 تیسری شرط گلا کاٹنا ہے‘ گلے سے مراد سانس اور کھانے کی رگیں ہیں۔ اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو سنن ابو داوٗد میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شیطان کے نشتر سے منع فرمایا اور اس سے مراد وہ نشتر ہے جو ذبح کے وقت جلد کو تو کاٹ دے لیکن گردن کی رگوں کو نہ کاٹے اور یہ اصول یاد رہے کہ نہی کا تقاضا تحریم ہی ہوتا ہے۔ اور سنن سعید بن منصور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”جب خون بہا دیا جائے اور رگیں کاٹ دی جائیں تو اس ذبیحہ کو کھا لو“ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ ذبح کرنے کی جگہ حلق اور لبہ ہے۔ لبہ سے مراد وہ گڑھا ہے جو گردن کی جڑ اور سینے کے درمیان ہوتا ہے‘ اس کے علاوہ کسی اور جگہ سے ذبح کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام نحر لبہ اور حلق ہے۔ سنن دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ منیٰ کی وادیوں میں یہ اعلان کر دو کہ جس جگہ سے جانور ذبح کرنا ہے وہ حلق اور لبہ (گردن اور سینے کے درمیان کا گڑھا) ہے۔

4 چوتھی شرط اللہ کا نام لینا ہے یعنی ذبح کرنے والا ذبح کرنے کے لیے جب اپنے ہاتھ کو حرکت دے تو وہ بسم اللہ پڑھے

کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

''اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

''جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھالیا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے نام لینے اور نہ لینے کی دونوں حالتوں اور دونوں حکموں میں فرق کیا ہے' ہاں البتہ اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کا ذبیحہ حلال ہو گا کیونکہ سعید بن منصور نے ''سنن'' میں نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

«ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ وَإِنْ لَّمْ يُسَمِّ إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ»(إرواء الغليل، ح:٢٥٣٧ والبيهقي في السنن الكبرى، باب من ترك التسمية ... الخ:٩/ ٢٤٠)

''مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ اللہ کا نام نہ بھی لے بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر اسے ترک نہ کیا ہو۔''

اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو گئی تو ذبیحہ کھانا حلال نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں سنن حسب ذیل ہیں:

(۱'۲) ذبح کرنے کا آلہ تیز ہو اور اسے قوت اور طاقت کے ساتھ چلایا جائے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الأمر بإحسان الذبح ... الخ، ح:١٩٥٥ وسنن ابن ماجه، الذبائح، باب إذا ذبحتم ... الخ:٣١٧٠)

''تمہیں چاہیے کہ چھری تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''

(۳'۴) یہ بھی مسنون ہے کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود' ہو تو وہ اس آلے کو نہ دیکھ رہا ہو جس سے اسے ذبح کرنا ہے' نیز ذبیحہ کو دوسرے جانوروں سے چھپا کر رکھنا چاہیے کیونکہ مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ چھری کو تیز کر لیا جائے اور اسے جانوروں سے چھپایا جائے اور معجم طبرانی کبیر و اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس نے بکری کی گردن پر پاؤں رکھا ہوا تھا' وہ چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی' آپ نے فرمایا: ''یہ کام اس سے پہلے کیوں نہ کر لیا' کیا تو اسے دو دفعہ مارنا چاہتا ہے۔''

(۵) جانور کو قبلہ رخ کر لیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی ذبیحہ کو ذبح فرمایا یا ہدی (حج و عمرہ کی قربانی) کو نحر کیا تو اسے قبلہ رخ کر لیا تھا۔ اونٹ نحر کے وقت کھڑا کر لیا جائے اور اس کے بائیں پاؤں کو باندھ لیا جائے اور بکری اور گائے وغیرہ کو بائیں پہلو پر لٹا لیا جائے۔

(۶) جانور کے ٹھنڈا ہونے یعنی اس کی روح نکلنے کے بعد اس کی گردن توڑی اور کھال اتاری جائے کیونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا' جنہوں نے منیٰ کی وادیوں میں چند اعلانات کیے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جانوروں کے جسموں سے روحوں کے نکلنے سے پہلے جلدی نہ کرو۔ (دار قطنی)

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

سوال بعض لوگ جانور ذبح کرتے وقت گردن کو دو وقفوں میں کاٹتے ہیں یعنی وہ حلق پر چھری چلاتے ہیں حتی کہ وہ رگ تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ تھوڑی سی دیر کے لیے رک جاتے ہیں اور پھر اس رگ کو کاٹتے ہیں جس سے ذبیحہ کی موت واقع ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ گردن ایک ہی بار نہیں کاٹنی چاہیے کیونکہ اسی طریقہ میں جانور کے لیے راحت ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی جو چھری تیز کرنے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ تو آپ اس موضوع سے متعلق ہم سب کو کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب افضل یہ ہے کہ سب سے پہلے حلق' نرخرہ اور گردن کی ان دو رگوں کو کاٹا جائے جو نرخرہ کے ساتھ ہوتی ہیں اور پھر اسے چھوڑ دیا جائے تاکہ تمام خون بہہ جائے کیونکہ خون کے رگوں میں باقی رہنے سے گوشت خراب ہو جاتا ہے۔ جب خون بہنا بند ہو جائے تو پھر گردن کاٹ لے اور اگر ابتداء ہی میں سر کو یا ہڈی کو کاٹ لے تو اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

مسنون تسمیہ پر اکتفا کرنا افضل ہے

سوال ایک سائل نے پوچھا ہے کہ بعض سادہ اور درویش قسم کے لوگ' نیز عامۃ الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ ذبح کرتے وقت صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا چاہیے اور اگر کوئی بوقت ذبح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے تو پھر واجب یہ ہے کہ اس بکری وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے کیونکہ تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ رحمٰن اور رحیم کا یہ تقاضا ہے کہ اس بکری وغیرہ پر رحم کیا جائے اور اسے ذبح نہ کیا جائے۔ اسلام کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ ان کی اس بات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اس وجہ سے بکری کے ذبح کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے ذبح کر دینا چاہیے اور ذبح کرنے والے کو یہ بات سکھا دینی چاہیے کہ وہ تسمیہ کے سلسلہ میں صرف انہی الفاظ پر اکتفاء کرے جو نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہیں اور وہ یہ کہ ذبح کرتے وقت صرف یہ کہنا چاہیے بسم اللہ واللہ اکبر۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جو ذبیحہ حرکت نہ کرے

سوال کیا یہ بات صحیح ہے کہ چھری سے ذبح کرنے کے بعد جو ذبیحہ (جانور) حرکت نہ کرے اسے کھانا حلال نہیں' کیونکہ وہ مردہ شمار ہو گا؟

جواب یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب جانور بیمار اور قریب المرگ ہو اور اس حال میں اسے ذبح کر لیا جائے اور گردن کاٹتے وقت اس کا کوئی بھی عضو حتی کہ دم بھی نہ ہلے تو وہ مردہ تصور ہو گا۔ جو جانور بیمار نہ ہو تو وہ عموماً ذبح کے وقت ضرور حرکت کرتا اور تڑپتا ہے' ہاں البتہ ذبح کر چکنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ حرکت کرے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ

سر جلدی کاٹ لینے کی وجہ سے وہ جلدی مرگیا ہو' لہٰذا اسے کھانا حلال ہو گا۔

—— شیخ ابن جبرین ——

عورت کے ذبح کے بارے میں حکم

سوال کیا عورت کے لیے ذبح کرنا جائز ہے؟ کیا عورت کے ذبیحہ کو کھانا حلال ہے؟

جواب مرد کی طرح عورت کے لیے بھی جانور کو ذبح کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے' لہٰذا عورت کے ذبیحہ کو کھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ مسلمان یا کتابیہ ہو اور جانور کو شرعی طریقے سے ذبح کرے۔ مرد کی موجودگی میں بھی عورت ذبح کر سکتی ہے یعنی یہ شرط نہیں ہے کہ عورت صرف مرد کی عدم موجودگی کی صورت میں ذبح کر سکتی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

سوال کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عورت کے ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت کھائے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کہ مسلمان اس جانور کا گوشت کھائے جسے کسی عورت نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ وہ جانور ایسا ہو جسے شریعت نے حلال قرار دیا ہو کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے' اور پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "ایک عورت نے ایک بکری کو پتھر کے ساتھ ذبح کیا تھا' نبی اکرم ﷺ سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے کھالیا جائے۔"[1]

—— فتویٰ کمیٹی ——

سوال کیا عورت کے لیے ہر قسم کے جانور کو ذبح کرنا جائز ہے یا عورت کا ذبیحہ جائز نہیں ہے؟

جواب احکام شریعت میں اصل یہ ہے کہ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے مشترک ہے الا یہ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ہو چنانچہ ذبح کا مسئلہ بھی مشترک احکام میں سے ہے۔ ہمیں اس سلسلہ میں ایسی کوئی دلیل معلوم نہیں جو مرد کی خصوصیت پر دلالت کرتی ہو اور وہ تمام عام دلائل جو ذبح کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں' ان میں مرد اور عورتیں سب داخل ہیں۔
وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرنا

سوال ان جانوروں کا گوشت کھانے کے بارے میں (شریعت کا) کیا حکم ہے جنہیں کسی مسلمان ملک میں بجلی کے جھٹکے کے ذریعے سے ذبح کیا جاتا ہو؟ یعنی اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جانور کو بجلی کے آلہ سے جھٹکا دیا جاتا ہے جس سے وہ زمین پر گر جاتا ہے اور پھر زمین پر گرنے کے فوراً بعد قصاب اسے ذبح کر لیتا ہے؟

---

[1] دیکھیے : صحیح البخاری' الذبائح' باب ما انهرالدم من القصب والمروة والحدید' حدیث :۵۵۰۱ و سنن ابن ماجة' الذبائح' باب ذبیحة المرأة' حدیث :۳۱۸۲۔

جواب اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ بجلی کے جھٹکے سے جانور زمین پر گر جاتا ہے اور زمین پر گرنے کے فوراً بعد قصاب اسے ذبح کر لیتا ہے' اگر ذبح کرتے وقت اس جانور میں ابھی تک جان ہو تو اسے کھانا جائز ہے اور اگر اس میں جان نہ ہو تو پھر اسے کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ موقوذہ ---جو جانور چوٹ لگ کر مر جائے--- کے حکم میں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے الا یہ کہ مرنے سے پہلے پہلے اسے ذبح کر لیا گیا ہو اور ذبح کرنا اسی صورت میں مؤثر ہو سکتا ہے کہ اس میں ابھی تک زندگی موجود ہو۔ زندگی کا ثبوت ہاتھ یا پاؤں یا دم ہلنے سے معلوم ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے او جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی حرام ہے جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔"

یعنی جس جانور کو کوئی حادثہ لاحق ہوا ہو تو اسے بھی شرط ذبح کے ساتھ ہی جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی اگر اسے زندہ حالت ہی میں ذبح کیا گیا تو اسے کھانا حلال ہو گا ورنہ نہیں۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

جب کتابی ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لے

سوال جب کوئی کتابی کسی بکری کو اس طرح ذبح کرے جس طرح کوئی مسلمان ذبح کرتا ہے مگر وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو کیا اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ تو تثلیث (تین خداؤں) پر ایمان رکھتا ہے؟

جواب جب کوئی کتابی کسی ذبیحہ کو ذبح کرے اور ہمیں یہ معلوم ہو کہ اس نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے تو اسے کھانا حلال ہے کیونکہ وہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

کے عموم میں داخل ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ اس نے غیر اللہ کا نام لیا ہے تو پھر اسے کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ پھر وہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہو گا کہ:

﴿ وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُۥ لَفِسْقٌ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔"

نیز یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں بھی داخل ہے:

﴿ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ﴾ (المائدۃ٥/ ٣)

"اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے تو وہ حرام ہے۔"

اور اگر ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے اللہ کا نام لیا ہے یا اسے ترک کر دیا ہے تو اسے کھانا جائز ہے کیونکہ اصل میں ان کے ذبیحے حلال ہیں' جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا تقاضا ہے:

﴿ وَطَعَامُ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۵)

"اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے۔"

فتویٰ کمیٹی

بکری کا حادثہ ہوا اور اسے .....

سوال ایک گاڑی بکری سے ٹکرا گئی جس سے اس کی کمر اور ٹانگ ٹوٹ گئی یہ ابھی زندہ تھی اور لڑکھڑا کر چل بھی رہی تھی کہ میں نے اسے جلدی سے ذبح کر لیا مگر ذبح کرنے اور کھال اتار لینے کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ یہ بکری حرام ہے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ براہ کرم بتائیں کہ اس ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے تو یہ ذبیحہ حلال ہے کیونکہ یہ بکری ابھی زندہ تھی جب آپ نے اسے ذبح کیا' لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ --- وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدہ: ۵/۵) کی وجہ سے یہ حلال ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

جس جانور کو حرام مغز کاٹ کر قتل کیا گیا ہو

سوال ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد کو درج ذیل سوال موصول ہوا ہے کہ اس بیل کا گوشت کھانے کے بارے میں کیا حکم ہے جسے چھری سے ذبح کرنے سے پہلے حرام مغز کاٹ کر قتل کر دیا گیا ہو جس کی وجہ سے مغز بھی بہہ گیا ہو' کیا اسے کھانا حلال ہے یا یہ مردار ہے؟

جواب یہ سوال مجمل ہے' اگر بیل وغیرہ کی گردن اور سر کو کوٹا گیا جس کی وجہ سے حرام مغز کٹ گیا اور مغز بہہ گیا اور یہ بیل ذبح کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس حالت میں یہ مردار کے حکم میں ہو گا کیونکہ اسے شرعی طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا' اور اگر اسے مرنے سے پہلے شرعی طریقے سے ذبح کر لیا گیا ہو تو یہ حلال ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گلا گھٹ کر مر جانے اور چوٹ لگ کر مر جانے والے اور اس طرح کے دیگر جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

﴿ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

"(ان میں سے وہ حلال ہیں) جن کو مرنے سے پہلے پہلے تم ذبح کر لو۔"

یاد رہے کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ذبح کرنے سے پہلے کسی حیوان کے سر یا گردن پر مارے تاکہ اسے ذبح کرنے کے لیے گرا لے' ہاں البتہ اس برے طریقے کے علاوہ اور کوئی طریقہ استعمال کر سکتا ہے' مثلاً یہ کہ اسے رسی وغیرہ سے باندھ لے تاکہ اس کے لیے ذبح کرنا ممکن ہو۔ وباللّٰہ التوفیق' وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

مشتعل اونٹ کو جب اصل جگہ سے ذبح نہ کیا گیا ہو

سوال بحوث علمیہ و افتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک سائل کی طرف سے یہ استفسار موصول ہوا ہے کہ ایک مشتعل اونٹ اپنے مالک کو کھانا چاہتا تھا تو مالک نے اسے تیر وغیرہ سے قتل کر دیا مگر تیر ذبح کرنے کی اصل جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ لگا تو کیا اسے کھانا حلال ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكُلُوا۟ مِمَّا ذُكِرَ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١١٨)

"جس چیز پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیا جائے تو اسے کھا لیا کرو۔"

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا۟ مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ ٱسْمُ ٱللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الأنعام٦/ ١٢١)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے' اسے مت کھاؤ"

اور "صحیحین میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوهُ»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم . . . الخ، ح:١٩٦٨)

"جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھا لو۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا ضروری ہے اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے' لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر ذبح کی جگہ تیر لگانا ممکن نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو اسے زخمی کر دیا جائے' مثلاً: ران وغیرہ پر تیر مار دیا جائے جس طرح کہ اس شکار پر تیر پھینکا جاتا ہے جسے پکڑنا ممکن نہ ہو اور وہ اسی طریقہ سے ہی جمہور علماء کے نزدیک مباح ہے۔ اس سلسلہ میں اصل وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا تو ایک آدمی نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم . . . الخ، ح:١٩٦٨)

"یہ پالتو جانور بھی غضب ناک (مشتعل) ہو جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور غضب ناک ہوتے ہیں لہٰذا جو پالتو جانور مشتعل ہو کر تم پر حملہ کر دے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

اگر ایسے اونٹ کو زندہ حالت میں پا لیا جائے تو اسے اس کے اصل مقام سے جہاں تک ممکن ہو نحر کیا جائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے شکار کے بارے میں فرمایا ہے:

«فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ»(صحيح مسلم، الصيد، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، ح:١٩٢٩)

''اگر تو اسے زندہ پالے تو ذبح کرلے۔''

ـــــــــــ فتویٰ کمیٹی ـــــــــــ

حیوانات کو بجلی کے جھٹکے سے قتل کرنا

سوال افتاء کی مستقل کمیٹی کو برادر سید عزیز پاشا سیکرٹری جنرل اتحاد جمعیات اسلامیہ لندن کی طرف سے خط موصول ہوا ہے' جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ انہیں برطانیہ کی رائل کونسل کی طرف سے یہ خط موصول ہوا ہے جس میں جانوروں پر سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں مقیم اسلامی جماعتوں کو اس بات کا قائل کیا جائے کہ وہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں جنہیں ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا جھٹکا دیا گیا ہو۔ رائل کونسل نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ تنزانیہ کے قاضی اکبر نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی نص نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ان حیوانات کا گوشت کھانا حرام ہے جنہیں ذبح کرنے سے پہلے بجلی کا جھٹکا دیا گیا ہو۔ انہوں نے اس سلسلہ میں صحیح فتویٰ طلب کیا ہے' لہٰذا آپ سے امید ہے کہ اس موضوع سے متعلق فتویٰ جاری فرما کر ہمیں ارسال کریں گے تاکہ رائل کونسل کو جواب دینا ممکن ہو؟

جواب کمیٹی نے اس کا حسب ذیل جواب دیا:

اولاً: اگر بجلی کا جھٹکا اس کے سر پر لگایا گیا یا اسے بجلی کا کرنٹ لگا دیا گیا اور جانور ذبح کرنے سے پہلے پہلے مرگیا تو یہ ''موقوذہ'' جو چوٹ لگ کر مرجائے' ہو گا اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں' خواہ بعد میں اس کی گردن کو کاٹ لیا جائے یا اسے لبہ سے نحر کرلیا جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ﴾ (المائدة٥/ ٣)

''تم پر طبعی موت مرا ہوا جانور اور (بہتا ہوا) لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے اور جو چوٹ لگ کر مرجائے......... یہ سب حرام ہیں۔''

تمام علماء اسلام کا اجماع ہے کہ اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر بجلی کے جھٹکے وغیرہ کے بعد جانور ابھی تک زندہ ہو اور اسے ذبح یا نحر کرلیا جائے تو اسے کھانا جائز ہے کیونکہ اس مذکورہ بالا آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ (المائدة٥/ ٣)

''اور جو چوٹ لگ کر مرجائے اور جو گر کر مرجائے اور جو سینگ لگ کر مرجائے' یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کرلو۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان حرام جانوروں میں سے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے جو زندہ ہو اور اسے ذبح کرلیا جائے تو اسے کھانا جائز ہے لیکن جو جانور ذبح یا نحر سے پہلے ہی بجلی کے جھٹکے سے مرجائے تو ذبح کرنے سے بھی وہ حلال نہ ہو گا' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی روشنی میں وہ حیوانات حرام ہیں جو ذبح کرنے سے پہلے ہی بجلی کے جھٹکے سے مرجائیں کیونکہ

«مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، وَسَأُحَدِّثُكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب ما ند من البهائم ... الخ، ح:٥٥٠٩ واللفظ له وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

"جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اسے کھا لو لیکن وہ (خون بہانے والی چیز) دانت اور ناخن نہ ہو اور عنقریب میں تمہیں بتاؤں گا کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔"

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں مال غنیمت میں سے اونٹ اور بکریاں ملیں تو ان میں سے ایک اونٹ بدک کر بھاگ کھڑا ہوا' اسے ایک آدمی نے تیر مار کر روک لیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِهٰذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هٰكَذَا»(صحيح البخاري، الشركة، باب قسمة الغنم، ح:٢٤٨٨ وصحيح مسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم ... الخ، ح:١٩٦٨)

"بلاشبہ ان جانوروں میں سے کچھ غضب ناک (مشتعل) ہو جاتے ہیں جس طرح وحشی جانور غضب ناک ہوتے ہیں' لہٰذا ان میں سے جب کوئی تم پر غالب آجائے تو اس کے ساتھ اسی طرح کرو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کے پالتو جانوروں میں سے جو تمہیں عاجز کر دے تو وہ شکار کی طرح ہے' جو اونٹ کنویں وغیرہ میں گر جائے تو اسے جہاں سے ممکن ہو ذبح کر لو۔ حضرت علی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی رائے ہے اور بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ وَقَدْ قَتَلَ فَلَا تَأْكُلْ، فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ سَهْمَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللهِ فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ»(صحيح البخاري، الذبائح، باب الصيد إذا غاب عنه يومين أو ثلاثة، ح:٥٤٨٤ وصحيح مسلم، الصيد، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمى، ح:١٩٢٩ واللفظ له)

"جب تم اپنے کتے کو شکار کے لیے چھوڑو تو اللہ تعالیٰ کا نام لے لو' اگر وہ شکار کو آپ کے لیے پکڑ لے اور آپ اسے زندہ پائیں تو اسے ذبح کر لیں' اگر آپ اسے اس حالت میں پائیں کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے اور اسے خود نہیں کھایا تو اسے کھا لیں اور اگر آپ اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو بھی پائیں اور شکار قتل ہو گیا ہو تو اسے نہ کھائیں کیونکہ آپ کو معلوم نہیں کہ اسے کس کتے نے قتل کیا ہے؟ اگر آپ تیر پھینکیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لے لیں' اگر شکار ایک دن غائب رہے اور پھر آپ اس میں صرف اپنے تیر ہی کا نشان پائیں تو اگر چاہیں تو اسے کھا لیں اور اگر شکار کو پانی میں غرق پائیں تو اسے نہ کھائیں۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے شکار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، فَإِذَا أَصَابَ بِعَرْضِهِ فَقَتَلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ فَلاَ تَأْكُلْ» (صحيح البخاري، الذبائح، باب صيد المعراض، ح:٥٤٧٦)

''اگر تم نے اسے دھار سے ذبح کیا ہو تو اسے کھالو اور اگر عرض کی طرف سے اسے مارا ہو تو وہ چوٹ لگ کر مرا ہے' لہٰذا اسے نہ کھاؤ۔''

رائل برٹش کونسل کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ حیوانات کے ساتھ نرمی کریں حتی کہ جس جانور کو ذبح کرنا مقصود ہو اس کے سر پر بھی نہ تو ضرب لگائیں اور نہ اسے بجلی کا کرنٹ لگائیں اور نہ کسی کو حیوانات کے ذبح و نحر کے وقت ایسا کرنے کی اجازت دیں اور اگر کسی حیوان کو باندھے بغیر ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو اسے رسی وغیرہ سے باندھ لیاجائے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اسے اس طرح نیزہ یا تیر مارا جائے جس سے اس کا خاتمہ ہو جائے' یہ عمل اس کے ذبح کے مترادف ہو گا جب کہ وہ نیزہ یا تیر مارنے کے بعد ابھی تک زندہ نہ ہو' جیسا کہ سابقہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١٦)

''سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

مشتبہ اور حرام کھانے

یہ تقویٰ نہیں ہے کہ .....

سوال مجھے کھانے کے مسئلہ میں بعض ائمہ کے تقویٰ کے بارے میں معلوم ہے' مثلاً: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہ وہ اپنے اس بیٹے کے مال کو بھی استعمال نہیں کرتے تھے جو منصب قضاء پر فائز تھے کیونکہ انہیں حکومت سے ملنے والے مال کے بارے میں شک تھا۔ جب سے مجھے اس کا علم ہوا ہے میں نے ہر قسم کے کھانے چھوڑ دیے ہیں سوائے اس کھانے کے جسے میں اپنے گھر میں اپنے باپ کے مال میں سے کھاتا ہوں یا جس کے متعلق مجھے یہ علم ہو کہ یہ کہاں سے حاصل ہوا ہے۔ اس احتیاط کی وجہ سے مجھے بہت سی مشکلات کا بھی سامنا ہے' میں نے اس وجہ سے بہت سے بھائیوں کو بھی ناراض کر لیا ہے کیونکہ وہ مجھے کھلانا چاہتے تھے اور میں نے ایک کھجور تک کھانے سے بھی انکار کر دیا تھا' اسی طرح ہمارے گھر میں بہت سے مہمان آتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ پھل یا کھانے کی کچھ اور چیزیں لے کر آتے ہیں مگر میں انہیں نہیں کھاتا' اس لیے نہیں کہ مجھے یہ وثوق سے علم ہے کہ وہ حرام مال ہے بلکہ اس لیے کہ مجھے اس کے بارے میں شرعی حکم معلوم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرعی حکم ہے کہ مجھے جب بھی کھانے کی دعوت دی جائے تو میں یہ پوچھوں کہ یہ کھانا کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ اسی طرح جب بھی کسی دوسرے شہر میں کسی رشتہ دار یا دوست کے پاس جاؤں تو کیا یہ ضروری ہے کہ اس کے کھانے کے بارے میں یہ پوچھوں کہ یہ کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی تحفہ کسی کھانے پینے کی چیز کی صورت میں ہو تو کیا اس کے بارے میں بھی اس طرح پوچھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب اس طرح کا سوال کرنا حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی سنت ہے اور پھر اس طرح کا سوال کرنے سے جفا' کینہ اور قطع رحمی پیدا ہوتی ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

«لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إِلَيْهِ وَآكِلَ ثَمَنِهَا»(مسند أحمد: ٢/ ٩٧ والبيهقي في السنن الكبرى، البيوع، باب كراهية بيع العصير ... الخ، ح: ٥/ ٣٢٧ واللفظ له والحاكم في المستدرك، البيوع، ح: ٢٢٣٥ وسنن أبي داود، الأشربة، باب العصير للخمر، ح: ٣٦٧٤)

"اللہ تعالیٰ نے شراب' اس کے پینے والے' پلانے والے' اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے' نچوڑنے والے' جس کے لیے نچوڑی گئی ہو' اٹھانے والے' جس کی طرف اٹھا کر لی جائی گئی ہو اور اس کی قیمت کھانے والے (ان سب لوگوں) پر لعنت فرمائی ہے۔"

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب الخمر من العسل وهو البتع، ح: ٥٥٨٥ وصحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر ... الخ، ح: ٢٠٠١)

"ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔"

نیز صحیح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے:

«نَهٰى عَنْ كُلِّ مُسْكِرٍ وَمُفْتِرٍ»(سنن أبي داود، الأشربة، باب ما جاء في السكر، ح: ٣٦٨٦ ومسند أحمد: ٦/ ٣٠٩)

"آپ نے ہر نشہ آور اور مست کر دینے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔"

لہذا تمام مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ خود بھی تمام نشہ آور اشیاء سے اجتناب کریں اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کریں' جو ان کے استعمال کا عادی ہو اسے چاہیے کہ انہیں ترک کر دے اور فوراً اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٣١)

"اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ﴾ (التحريم ٦٦/ ٨)

"مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے (سچی اور پکی) توبہ کرو۔"

—— شیخ ابن باز ——

اندرائن کا استعمال

سوال یہ اندرائن جو بعض عطر فروشوں کی دکانوں سے ملتا ہے اور بعض امراض کے علاج کے لیے استعمال ہوتا ہے' کیا حلال ہے یا حرام؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس گھر میں اندرائن ہو' اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے؟

جواب یہ اندرائن جو بعض عطر فروشوں کی دکانوں سے ملتا ہے حلال ہے کیونکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل معلوم نہیں

اور بعض لوگوں کے حوالہ سے آپ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ جس گھر میں اندرائن ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے' یہ بات بھی بے اصل بلکہ بالکل باطل ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

تمباکو نوشی اور تمباکو کی تجارت

سوال تمباکو نوشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب تمباکو نوشی حرام ہے کیونکہ یہ خبیث بھی ہے اور بہت سے نقصانات پر بھی مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کی ان چیزوں کو جائز قرار دیا ہے جو پاک ہیں اور جو خبیث اور ناپاک ہیں انہیں حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتُ ﴾ (المائدة٥/ ٤)

"اے پیغمبر! آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں؟ (ان سے) کہہ دیجئے کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کی شان میں سورۃ الاعراف میں فرمایا ہے:

﴿ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَـٰٓئِثَ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔"

تمباکو نوشی کی کوئی قسم بھی طیبات میں سے نہیں بلکہ اس کی تمام انواع و اقسام خبیث ہیں۔ اسی طرح تمام نشہ آور اشیاء بھی خبیث اور ناپاک ہیں۔ شراب کی طرح تمباکو پینا' اس کی خرید و فروخت کرنا اور اس کی کسی طرح کی بھی تجارت کرنا جائز نہیں ہے' لہٰذا جو شخص تمباکو نوشی کرتا یا اس کی تجارت کرتا ہو تو اسے چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرے' ماضی میں جو کچھ ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرے اور عزم صمیم کرے کہ آئندہ یہ کام نہیں کرے گا۔ جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (النور٢٤/ ٣١)

"اور مومنو تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَإِنِّى لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَـٰلِحًا ثُمَّ ٱهْتَدَىٰ ﴿٨٢﴾ ﴾ (طه٢٠/ ٨٢)

"اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے تو اس کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔"

——— شیخ ابن باز ———

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

«إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً»

"وہ یا تو تمہیں تحفہ دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا اس سے اچھی خوشبو ہی پاتے رہو گے۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے برے ساتھی کو آگ کی بھٹی میں پھونکنے والے سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا:

«إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً»(صحيح البخاري، الذبائح، باب المسك ح: ٥٥٣٤ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين ... الخ، ح: ٢٦٢٨)

"وہ یا تو آپ کے کپڑے جلا دے گا یا آپ (اس سے) بدبو محسوس کریں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

«اَلرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»(سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، ح: ٤٨٣٣ وجامع الترمذي، الزهد، باب حديث الرجل على دين خليله ... الخ، ح: ٢٣٧٨)

"آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے' لہٰذا تم میں سے ہر ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی رکھتا ہے۔"

خاندان کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ ہر اس فرد کو منع کرے جو ان منکر (گندی) اشیاء میں سے کسی کو استعمال کرتا ہو' خواہ اس کے لیے مار پیٹ اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا پڑے یا اسے گھر سے نکالنا پڑے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/ ١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٤﴾ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٤)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا' اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کو درست فرمائے اور انہیں ہر اس چیز کی توفیق عطا فرمائے جس میں ان کی اور ان کے خاندانوں کی بہتری ہو۔ انه خير مسئول۔

—— شیخ ابن باز ——

پان حرام ہے ناپاک (پلید) نہیں

سوال بہت سے پان استعمال کرنے والے لوگ نماز کے وقت پان کو منہ سے نکال کر پلاسٹک کی ڈبیہ میں رکھ لیتے ہیں اور پھر نماز سے فراغت کے بعد اسے دوبارہ منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پان نجس نہیں ہے؟ جو منہ میں پان رکھ کر نماز پڑھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جس کے منہ میں پان ہو' کیا اس کے لیے یہ جائز ہے کہ پان سے فارغ ہونے تک نماز کو مؤخر کر دے اور پھر فوت شدہ نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لے؟

جواب مجھے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جس سے پان نجس قرار پاتا ہو کیونکہ یہ ایک معروف درخت ہے اور درختوں اور تمام نباتات کے بارے میں اصل یہ ہے کہ یہ پاک ہیں' لیکن علماء کے صحیح ترین قول کی روشنی میں اس کا استعمال حرام ہے

کیونکہ یہ بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے۔ پان استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ نماز کے وقت اسے استعمال نہ کرے۔ پان کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا بھی جائز نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر نماز کو بروقت اور باجماعت اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر مسجد میں ادا کرے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلاَ صَلاَةَ لَهُ إِلاَّ مِنْ عُذْرٍ»(سنن ابن ماجه، المساجد، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح:٧٩٣ وسنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥١)

"جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی سوائے اس کے جسے کوئی عذر ہو۔"

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' دار قطنی اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عذر سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ خوف یا بیماری۔ پان کا استعمال کوئی شرعی عذر نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال تو ایک بہت بری بات ہے اور اگر اس کے استعمال سے نماز میں تاخیر ہوتی ہو یا مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو تو پھر اس کے استعمال کرنے کا گناہ اور بھی زیادہ شدید ہو گا۔

پان استعمال کرنے والے کے لیے دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کا استعمال ان شرعی عذروں میں سے نہیں ہے جن کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت ہے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز کے اوقات سکھائے اور پہلے اور آخری اوقات کی وضاحت فرما دی تو فرمایا کہ "نماز ان دو وقتوں کے درمیان ہے۔" [1]

اور "صحیح مسلم" میں حدیث ہے کہ ایک نابینا شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لیے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟ تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلاَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَأَجِبْ»(صحيح مسلم، المساجد، باب يجب اتيان المسجد علي من سمع النداء، ح:٦٥٣)

"کیا آپ نماز کے لیے اذان کی آواز سنتے ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ "پھر اس آواز پر لبیک کہو۔"

صحیح مسلم کے علاوہ ایک دوسری روایت میں جس کی سند صحیح ہے' یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً»(سنن أبي داود، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح:٥٥٢)

"میں تمہارے لیے کوئی رخصت نہیں پاتا۔"

یہ صحیح احادیث اور اس کے ہم معنی دیگر تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز باجماعت' اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں ادا کرنا ضروری ہے۔ نماز کو مؤخر کر کے پڑھنا یا بغیر شرعی عذر کے دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا حرام ہے۔ میں پان' سگریٹ' نشہ آور اور مستی پیدا کرنے والی اشیاء استعمال کرنے والے تمام لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان چیزوں سے مکمل طور پر اجتناب کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں کیونکہ ان کے استعمال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

---

[1] دیکھیے: صحیح مسلم' المساجد' باب اوقات الصلوات الخمس' حدیث: ٦١٣ و جامع الترمذی' الصلاة' باب ماجاء فی مواقیت الصلاة ..... حدیث: ١٤٩۔

ان کے اس برے کام میں شرکت یا کم از کم اسے پسند کرنے کا وسیلہ ہے اور سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ (الأنعام٦/ ٦٨)

"اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ بکواس کر رہے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات) شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلْكِتَٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا۟ مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦٓ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ﴾ (النساء٤/ ١٤٠)

"اور اللہ نے تم (مومنوں) پر اپنی کتاب میں (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جاتی ہے تو جب تک وہ لوگ (ان باتوں کو چھوڑ کر) دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں' ان کے پاس مت بیٹھو' ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔"

—— شیخ ابن باز ——

شراب سے علاج

سوال بوقت ضرورت شراب پینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مثلاً یہ کہ طبیب نے شراب پینے کا حکم دیا ہو۔

جواب شراب یا کسی بھی ایسی ناپاک چیز کے ساتھ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے' علاج کرنا حرام ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے' چنانچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اسے دوا کے لیے بناتا ہوں تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ»(صحيح مسلم، الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمر ... الخ، ح:١٩٨٤ ومسند أحمد:٤/ ٣١١)

"یہ دوا نہیں بلکہ یہ تو بیماری ہے۔"

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، ح:٣٨٧٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بما يكون حراما ... الخ:١٠/ ٥)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے دوا کو نازل فرمایا اور بیماری کو بھی نازل کیا ہے اور ہر بیماری کے لیے دوا بھی بنائی ہے تو دوا ضرور استعمال کرو لیکن حرام چیز کو بطور دوائی استعمال نہ کرو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ»(سنن أبي داود، الطب، باب في الادوية المكروهة، ح: ٣٨٧٠ وجامع الترمذي، الطب، باب ما جاء فيمن قتل نفسه ... الخ، ح:٢٠٤٥)

"رسول اللہ ﷺ نے ناپاک اور پلید چیز کے ساتھ علاج سے منع فرمایا ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے زہر کے ساتھ علاج سے منع فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "صحیح" میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

«إِنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَ كُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ»(صحيح البخاري، الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، معلقا، قبل، ح:٥٦١٤ والطبراني في الكبير:٩/ ٣٤٥، ح:٩٧١٤ والبيهقي في السنن الكبرى، الضحايا، باب النهي عن التداوي بالمسكر:١٠/ ٥)

"اللہ تعالیٰ نے اس چیز میں تمہارے لیے شفا نہیں رکھی جس کو اس نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔"

اسے امام ابو حاتم بن حبان رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں نبی اکرم ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے۔ یہ اور ان جیسے دیگر نصوص سے نہایت صراحت کے ساتھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پلید چیزوں کے ساتھ علاج ممنوع ہے۔ نیز ان سے یہ بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ شراب سے علاج کرنا حرام ہے' کیونکہ یہ تو ام الخبائث اور تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے۔ علمائے کوفہ میں سے جس نے شراب کے ساتھ علاج کو جائز قرار دیا ہے تو اس نے اسے مضطر کے لیے مردار اور خون کے استعمال کے جواز پر قیاس کیا ہے' لیکن نص کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ قیاس کمزور ہے' لہٰذا یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ مردار اور خون کھانے سے ضرورت زائل ہو جاتی ہے اور اس سے جان کی حفاظت ہو جاتی ہے لیکن یہ بات یقینی نہیں کہ واقعی شراب سے مرض کا ازالہ ہو جائے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں یہ خبر دی ہے کہ یہ بجائے خود بیماری ہے' یہ دوا نہیں ہے' لہٰذا یہ علاج کا متعین طریقہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مسلمان پر رحم فرمائے جو بیماری کے علاج کے سلسلہ میں حرام اور خبیث (ناپاک) چیزوں سے بے نیاز ہو کر صرف انہی پاک اشیاء کے استعمال پر اکتفاء کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

حرام چیزوں کے ساتھ علاج

سوال میں ایک طبیب ہوں اور میرے پیشہ کا تقاضا ہے کہ مجھے کبھی کبھی نشہ آور اشیاء' مثلاً: مارفین' کوکین' اور ویلیم استعمال کرنا پڑتی ہیں' تو ان کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی بہت سی أدلۂ شرعیہ موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام اشیاء کے ساتھ علاج جائز نہیں ہے' مثلاً سنن ابی داود میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلاَ تَتَدَاوَوْا بِحَرَامٍ»(سنن أبي

کسب حرام سے کھانا

کسب حرام سے کھانا

سوال میں ایک بے روزگار مسلمان ہوں۔ میرا خاندان مجھ پر کھانے پینے میں جو خرچ کرتا ہے وہ حرام کمائی ہوتی ہے تو کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ حرام کمائی سے کھائیں یا پئیں یا خرچ کریں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے' اللہ تعالیٰ اس کے لیے رنج و محن سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو لیکن اس کا آپ کی نماز پر کوئی اثر نہیں' آپ کی نماز صحیح ہو گی۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

چوری کیا ہوا کھانا

سوال میرے والد صاحب ایک ہوٹل میں کام کرتے ہیں' ہوٹل کا مالک ایک بخیل شخص ہے' لہٰذا میرے والد صاحب اور کچھ دیگر ملازمین ہوٹل کے مالک کو بتائے بغیر کچھ کھانا لے لیتے ہیں' چنانچہ میرے والد صاحب ہوٹل کے مالک کے علم کے بغیر ہفتہ میں تقریباً تین کلو گوشت گھر لے آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ابا جان آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا' اس لیے کہ ہوٹل کا مالک بخیل ہے اور وہ ہم پر ترس نہیں کھاتا' میں طالب علم ہوں اور ابھی زیر تعلیم ہوں۔ کیا اس گوشت کو کھا سکتا ہوں یا یہ حرام ہے؟ یہ گوشت ہمارے گھر میں چار دن تک رہتا ہے اور ان چار دنوں میں ہم اس کے سوا اور کچھ نہیں کھاتے؟

جواب آپ کے لیے اس گوشت کو کھانا جائز نہیں ہے جسے آپ کے والد ہوٹل کے مالک کے علم کے بغیر چوری چھپے لاتے ہیں خواہ وہ بخیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ کارکن کا حق تو صرف وہ تنخواہ وغیرہ ہے جسے بوقت معاہدہ طے کر لیا گیا ہو' لہٰذا آپ کے لیے اسے کھانا جائز نہیں جسے آپ کے والد ہوٹل سے چوری کر کے لائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ... الخ، ح: ٢٥٦٤)

''مسلمان سارے کا سارا دوسرے مسلمان پر حرام ہے (یعنی) اس کا مال بھی' خون بھی اور عزت و آبرو بھی۔''

اس کمائی سے اجتناب کرو

سوال اگر میرے والد کی کمائی حرام ہو تو کیا وہ جو کچھ ہمارے لیے لاتا ہے اسے کھانا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو ہم کیا کریں؟



جواب اگر والد کی کمائی حرام ہو تو ضروری ہے کہ اسے سمجھایا جائے' اگر ہو سکے تو اسے خود ہی سمجھاؤ یا ایسے اہل علم سے مدد لو جو اسے قائل کر سکیں یا اس کے دوست واحباب سے مدد لو جو اسے قائل کر سکیں اور وہ اس حرام کمائی سے اجتناب کر لے۔ اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو تم بقدر ضرورت اس سے کھا سکتے ہو' اس حالت میں تمہیں کوئی گناہ نہیں ہو گا لیکن ضروری ہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ لو کیونکہ جس کی کمائی حرام ہو' اس کے مال میں سے کھانے میں شبہ ضرور موجود ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

حلال میں حرام کی آمیزش .....

سوال ہمارے ہاں یہاں برطانیہ میں بعض مسلمانوں نے حلال و حرام طریقوں سے مال جمع کیا ہے کیونکہ وہ تاجر ہیں اور ان کی تجارت میں شراب اور سور کا گوشت بھی شامل ہے اور ان میں سے کسی کے مال میں حرام کی مقدار زیادہ ہے اور کسی کے مال میں کم' تو کیا ہم مسلمانوں کے لیے ان سے میل جول رکھنا اور جب وہ دعوت دیں تو ان کے کھانے کو کھانا جائز ہے؟ کیا مسجد وغیرہ کے سلسلہ میں ان لوگوں کے عطیات قبول کیے جا سکتے ہیں؟

جواب اولاً: آپ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو سمجھائیں اور انہیں حرام اشیاء کی تجارت اور حرام کی کمائی کے بدترین انجام سے ڈرائیں اور اہل خیر میں سے اپنے ان بھائیوں کے ساتھ تعاون کریں جو انہیں سمجھائیں اور بتائیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اور برائیوں کا ارتکاب کرے اس کے لیے اللہ کی گرفت بہت سخت اور اس کا عذاب بہت شدید ہے' نیز انہیں بتایا جائے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے اور آخرت بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے۔

اگر وہ ان باتوں کو قبول کر لیں تو الحمدللہ! اور اس طرح وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے' پھر انہیں نصیحت کرو کہ اگر انہیں علم ہے تو غصب شدہ اشیاء ان کے اصل مالکوں کو واپس لوٹاؤ اور پھر نیک اعمال بھی کثرت سے بجالاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمہارے برے اعمال کو نیکیوں میں تبدیل کر دے' اس کے بعد تمہارے لیے ان سے میل جول اور اخوت کا معاملہ' ان کی دعوت کو قبول کرنا اور مساجد میں تعمیر و تزیین کے لیے ان سے عطیات وغیرہ لینا جائز ہو گا کیونکہ توبہ کرنے اور حسب امکان حق داروں کو ان کے حق لوٹا دینے سے ان کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَن جَآءَهُۥ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ فَٱنتَهَىٰ فَلَهُۥ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۷۵)

"تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اس کا' اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔"

ثانیاً: اگر نصیحت کرنے اور سمجھانے کے بعد بھی وہ اپنے حرام کاموں ہی پر اصرار کریں تو انہیں اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ دینا چاہیے۔ ان کی دعوت اور ان کے عطیات کو قبول نہیں کرنا چاہیے تاکہ انہیں سمجھایا جا سکے اور ان کے باطل کا انکار کیا جا سکے شاید کہ وہ اس طرح ہی سمجھ جائیں اور منکر اور حرام کاموں کو چھوڑ دیں۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم

——— فتویٰ کمیٹی ———

فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقْتُلُوا۟ ٱلصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُۥ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ ٱلنَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِۦ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًۢا بَٰلِغَ ٱلْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّٰرَةٌ طَعَامُ مَسَٰكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِۦ ۗ عَفَا ٱللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ ٱللَّهُ مِنْهُ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ ذُو ٱنتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ ٱلْبَحْرِ وَطَعَامُهُۥ مَتَٰعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ ٱلْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ (المائدة٥/ ٩٤-٩٦)

"مومنو! کسی قدر شکار سے' جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو' اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے' اس کے لیے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلا (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چارپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔ تمہارے لیے دریا کی چیزوں کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار' جب تم احرام کی حالت میں ہو تم پر حرام ہے اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کیے جاؤ گے' ڈرتے رہو۔" اور نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي وَلاَ لأَحَدٍ بَعْدِي وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ لاَ يُخْتَلَى خَلاَهَا وَلاَ يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلاَ يُنَفَّرُ صَيْدُهَا»(صحيح البخاري، البيوع، باب ما قيل في الصواغ، ح:٢٠٩٠ وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها ... الخ، ح:١٣٥٣)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کے لیے حلال نہ تھا اور میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہ ہو گا۔ میرے لیے دن کی صرف ایک گھڑی میں حلال قرار دیا گیا تھا' لہٰذا اس کی گھاس نہ کاٹی جائے' اس کے درخت کو نہ کاٹا جائے اور اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا لاَ يُقْطَعُ عِضَاهُهَا وَلاَ يُصَادَ صَيْدُهَا»(صحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي ﷺ فيها بالبركة ... الخ، ح:١٣٦٢ ... الخ)

"بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کی دونوں سرحدوں (مدینہ طیبہ کے دونوں طرف کے پتھریلے میدانوں) کے درمیان کے علاقہ کو حرم قرار دیتا ہوں کہ اس کی گھاس کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو پکڑا جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شکار جسے غیر محرم حل (حرم سے باہر) میں پکڑے اور اسے لے کر حرم میں داخل ہو جائے یا محرم اس سے خریداری کے ذریعے یا ہبہ کی صورت میں یا وراثت کے طور پر لے لے تو وہ محرم کے لیے بھی حلال ہے اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو حرم میں ہو' اسے ملکیت میں لینا' ذبح کرنا اور حل و حرم میں کھانا جائز ہے اسی طرح جس نے احرام باندھا اور اس کے ہاتھ میں یا اس کے گھر میں یا اس کے پنجرہ میں کوئی ایسا شکار ہو جس کا وہ قبل از احرام مالک ہو تو وہ اس کے لیے بعد از احرام بھی حلال ہے جیسا کہ پہلے حلال تھا' وہ اسے ذبح بھی کر سکتا ہے' کھا بھی سکتا ہے اور اسے بیچ بھی سکتا ہے کیونکہ حرام تو اس شخص کے لیے ہے جو حالت احرام میں ہو یا حرم میں ہو اور وہ شکار کرے یا اس شکار کو لے جو اس کی وجہ سے پکڑا گیا ہو' لہٰذا اسے نہیں لینا چاہیے اور اگر وہ اسے ذبح کر دے تو وہ مردار ہو گا جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو عمیر انصاری کے ہاتھ میں ایک پرندہ دیکھا جسے "نغیر" کہا جاتا ہے' تو آپ نے فرمایا:

«يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الانبساط إلى الناس، ح:٦١٢٩، وصحيح مسلم، الأدب، باب جواز تكنية من لم يولد له ... الخ، ح:٢١٥٠)

"اے ابو عمیر! تمہاری نغیر کو کیا ہو گیا۔"

اور آپ نے اسے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ یہ حرم مدینہ کی بات ہے۔ ہشام بن عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں نو سال تک پرندوں کو پنجروں میں دیکھتے رہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف قسم کے پرندے دیکھتے جو مکہ میں کھانے کے لئے زندہ حالت میں لائے جاتے اور وہ منع فرماتے اور ابن حزم رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ شکار کو زندہ حرم میں داخل کر دیا جائے اور پھر اسے ذبح کر لیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ صالح بن کیسان رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں شکار کئے ہوئے زندہ جانور مکہ میں فروخت کیے جاتے تھے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم

چند متفرق احکام

ہاتھوں اور برتنوں کی چکناہٹ

سوال کیا کسی گھر یا بلڈنگ کے مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ہر قسم کے پانی کی نکاسی کے لیے ایک سیوریج سسٹم بنائے کہ کھانے کے برتنوں کو دھونے کے بعد کا پانی اور کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کے دھونے کا پانی بھی اسی میں جائے؟

جواب برتنوں کے دھونے' کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کے دھونے کے پانی اور دیگر اشیاء کے پانی کی نکاسی کے لیے ایک ہی سسٹم بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ برتنوں اور ہاتھوں کو لگنے والی چکناہٹ کھانا نہیں ہے لیکن روٹی' گوشت اور دیگر کھانوں کے ٹکڑوں کو نالیوں میں گرانا جائز نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ یہ ضرورت مندوں کو دے دیے جائیں یا انہیں کسی کھلی جگہ پر رکھ دیا جائے تاکہ رزق کی بے حرمتی نہ ہو اور جو شخص جانوروں یا پرندوں وغیرہ کو کھلانا چاہے' وہ انہیں لے لے۔

کھانے کے ٹکڑوں کو کوڑا کرکٹ یا گندی جگہوں یا راستہ میں پھینکنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے کھانے کی بے حرمتی ہے اور راستہ میں پھینکنے کی صورت میں چلنے والوں کے لیے تکلیف بھی ہے۔


٢٢
كتاب
الإيمان

قسم کے الفاظ

قسم کے الفاظ اور قسم مغلظ

سوال کیا "اللہ کی قسم" کے الفاظ کو حلف شمار کیا جائے گا؟ اسی طرح جب ایک عورت دوسری سے یہ کہے کہ اگر تو ایسا کرے یا یہ پکڑے "تو یہ مجھ پر حرام ہے" کیا یہ الفاظ قسم ہیں؟ قسم مغلظ کیا ہوتی ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ بارک اللہ فیکم۔

جواب جب کوئی انسان یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم" یا اس کے مشابہ کوئی اور الفاظ استعمال کرے تو یہ قسم شمار ہوں گے اور ان کے لیے بھی وہی حکم گا جو "واللہ" "باللہ" اور "تاللہ" جیسے قسم کے صریح الفاظ کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان جب کسی چیز کو اپنے لیے حرام قرار دے لے تو یہ بھی قسم کے حکم میں ہوتا ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ ۚ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے تم اسے کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧-٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں' ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا۔"

اللہ تعالیٰ نے جن پاک چیزوں کو ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے' انہیں حرام قرار دینے کی ممانعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر فرمایا ہے' لہٰذا اگر کوئی شخص کسی چیز کو حرام قرار دے لے تو وہ ایسے ہے جیسے قسم کھا کر کہے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا' مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "میرے لیے اس کے گھر میں داخل ہونا حرام ہے" تو یہ ایسے ہے جیسے یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں اس کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔" اور اگر یہ کہے کہ اس چیز کا بیچنا میرے لیے حرام ہے" تو یہ ایسے ہی ہے جیسے یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں یہ چیز نہیں بیچوں گا" اور راجح قول کے مطابق اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے کہ کوئی اپنی بیوی کو حرام قرار دے لے یا کسی اور چیز کو' کیونکہ تحریم کو بمنزلہ قسم قرار دینے والے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ اور جہاں تک قسم مغلظ کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ قسم ہے جس کی تغلیظ (تاکید اور سختی) کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جواب کونسل نے مختلف مذاہب کے فقہاء کی آراء کا اس موضوع سے متعلق جائزہ لیا ہے کہ کس کے ساتھ قسم جائز ہے اور کس کے ساتھ ناجائز ہے' نیز قاضی کے سامنے عدالتی قسم کے بارے میں بھی جائزہ لیا ہے اور کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے:

① قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نام کی جائز ہے' کسی اور چیز کی قسم جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ»(صحيح البخاري، الشهادات، باب كيف يستحلف، ح:٢٦٧٩ وصحيح مسلم، الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله تعالى، ح:١٦٤٦)

''جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ ہی کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''

② قسم کھاتے وقت قرآن مجید یا تورات یا انجیل پر یا کسی بھی اور آسمانی کتاب پر ہاتھ رکھنا صحت قسم کے لیے لازم نہیں ہے لیکن اگر حاکم قسم کو پختہ بنانے کے لیے ایسا کرنا ضروری سمجھے تاکہ قسم کھانے والا جھوٹ سے بچ جائے تو یہ جائز ہے۔

③ مسلمان کے لیے بوقت قسم تورات یا انجیل پر ہاتھ رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت تورات اور انجیل کے جو نسخے متداول (پھیلے ہوئے) ہیں وہ سب تحریف شدہ ہیں اور یہ وہ نسخے نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل فرمائے تھے اور پھر شریعت محمدیہ نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ بھی کر دیا ہے۔

④ اگر کسی غیر اسلامی ملک کی عدالت کسی مسلمان سے بوقت قسم تورات یا انجیل یا دونوں پر ہاتھ رکھنے کے لیے کہے تو وہ عدالت سے درخواست کرے کہ اسے قرآن مجید پر ہاتھ رکھنے کی اجازت دی جائے' اگر عدالت اس کی اجازت نہ دے تو اسے مجبور قرار دیا جائے گا اور اس صورت میں ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک پر ہاتھ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہو گا لیکن وہ ان کی تعظیم کی نیت نہ کرے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

قسم کھانے' توڑنے اور اس کے متعلقہ احکام

بے ارادہ قسم

سوال میں بسا اوقات گفتگو کرتے ہوئے ''واللہ'' (اللہ کی قسم) کا کثرت سے استعمال کرتا ہوں تو کیا یہ قسم شمار ہو گی؟ اور اگر میں یہ قسم توڑ دوں تو اس کا کفارہ کیا ہو گا؟

جواب جب کوئی مکلف مسلمان مرد و عورت کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ''واللہ'' (اللہ کی قسم) کا کلمہ قصد و ارادہ سے استعمال کرے' مثلاً یہ کہے: ''اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے نہیں ملوں گا'' یا یہ کہے کہ: ''اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے ملوں گا'' اور یہ بات وہ دو یا اس سے زیادہ دفعہ کہے یا یہ کہے کہ: ''اللہ کی قسم'' میں فلاں شخص سے ضرور ملوں گا'' یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے اور قسم توڑ دے کہ جس کے کرنے کی قسم کھائی تھی اسے نہ کرے یا جس کے ترک کی قسم کھائی تھی اسے کرے تو اس پر کفارہ قسم واجب ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام کا آزاد کرنا۔ کھانے کے سلسلہ میں ضروری ہے کہ کھجور یا چاول یا اس جنس میں سے جو شہر کی خوراک ہو نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو فی کس کے حساب سے دیا جائے اور لباس وہ دیا جائے جس میں نماز جائز ہوتی ہے' مثلاً قمیص یا تہبند اور

چادر اور اگر ان تینوں میں سے اسے کسی کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر تین روزے رکھ لے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں (مسکینوں) کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے۔ جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تمہیں) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اگر قصد و ارادہ کے بغیر زبان سے قسم کے الفاظ ادا ہو جائیں تو یہ قسم لغو شمار ہو گی اور اس آیت کریمہ کے الفاظ ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي اَيْمَانِكُمْ ﴾ کے پیش نظر اس پر مؤاخذہ نہیں ہو گا۔

اگر ایک ہی فعل کے بارے میں کئی قسمیں ہوں تو ان کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہو گا جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے اور اگر قسمیں مختلف افعال پر ہوں تو پھر ہر قسم کے توڑنے پر کفارہ ہو گا' مثلاً یہ کہے کہ: "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے ضرور ملوں گا" یا "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص سے بات نہیں کروں گا" یا "اللہ کی قسم! میں فلاں شخص کو ضرور ماروں گا" تو اس طرح کی مختلف قسموں میں سے جس کو وہ توڑے گا' اس کا کفارہ واجب ہو گا اور اگر سب کو توڑ دے تو سب کے کفارے واجب ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

قسم مشیت الٰہی کے ساتھ


حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کا کیا معنی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب الاستثناء في اليمين، ح:٣٢٦١، ٣٢٦٢ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في الاستثناء في اليمين، ح:١٥٣١ واللفظ له)

"جس نے قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے؟"

جواب اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ انسان جب کوئی قسم کھاتے ہوئے ان شاء اللہ کہہ دے اور پھر وہ قسم کو پورا نہ کر سکے تو اس پر کفارہ نہیں ہے' مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ: ان شاء اللہ میں یہ کام ضرور کروں گا اور پھر وہ اسے نہ کرے یا یہ کہے کہ: ان شاء اللہ میں یہ کام نہیں کروں گا اور وہ اسے کرلے تو اس حال میں اس پر کفارہ لازم نہیں ہو گا کیونکہ اس نے ان شاء اللہ کہہ دیا تھا' لہٰذا قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ ان شاء اللہ کہہ دیا کرے تاکہ قسم پورا نہ کر سکنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم نہ ہو۔

بوقت قسم ان شاء اللہ کہنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اس سے وہ کام آسان ہو جائے گا جس پر قسم کھائی ہو کیونکہ اس نے

—— شیخ ابن جبرین ——

ایک کام نہ کرنے کی قسم کھائی.....

سوال ایک شخص نے ایک خاص کام کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ اگر اس نے اسے کیا تو وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے گا لیکن اب اسے یہ خدشہ ہے کہ وہ اس کام کا ارتکاب نہ کر لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ شخص ایک مخصوص کام سے رک جانے کا ارادہ رکھتا ہے' لہٰذا اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر اس نے یہ کام کیا تو وہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھے گا اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ اس کام سے باز رہنے کے لیے اس کے سامنے ایک قوی سبب بھی موجود ہو اور وہ متواتر دو ماہ کے روزے ہیں' تو اس طرح کی صورت حال کو نذر قرار دیا جائے گا اور وہ نذر جس سے مقصود ترغیب یا ممانعت یا تصدیق یا تکذیب ہو اہل علم کے نزدیک اس کا حکم قسم کا ہے' لہٰذا اس شخص سے ہم یہ کہیں گے کہ اگر آپ نے یہ کام کر لیا تو آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہو گا اور وہ ہے دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہیں کرے گا مگر.....

سوال کمیٹی کو درج ذیل سوال موصول ہوا ہے:

ایک شخص نے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ وہ کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ نہیں کرے گا لیکن ایک مدت کے بعد جب وہ ایک مجلس میں گیا تو اس میں اس کے پڑوسی کی بیوی بھی تھی اور اس نے اپنی سابقہ قسم کو بھول جانے کی وجہ سے اس سے مصافحہ کر لیا اور اب وہ پوچھتا ہے کہ اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب کمیٹی نے استفتاء کے مطالعہ کے بعد درج ذیل جواب دیا ہے:

اگر امرواقع اسی طرح ہے جس طرح سائل نے ذکر کیا ہے کہ اس نے غیر محرم عورتوں سے مصافحہ نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد بھول کر مصافحہ کر لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کریں۔"

اور صحیح حدیث میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُفِيَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»(سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح:٢٠٤٣، بلفظ: إن الله تجاوز لي عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه)

"میری امت کے لیے غلطی' بھول چوک اور جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو' معاف کر دیا گیا ہے۔"

اور اگر اس نے ایسا جان بوجھ کر اور اپنی قسم کو یاد رکھتے ہوئے کیا ہے تو اس کے لیے کفارہ قسم لازم ہے' لیکن یاد رہے کہ شرعاً عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ ماں' بہن' بیٹی یا دیگر محرم ہوں۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد۔

فتویٰ کمیٹی

ایک چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا.....

سوال میرا ایک بڑا بھائی ہے، ۱۹۶۷ء میں میرے پاس کھانے پینے کی بنیادی ضرورت کی بھی استطاعت نہ تھی لیکن میرے اس بڑے بھائی کو جب خوراک مل جاتی تو وہ میرے دل کو توڑتے ہوئے اسے کھا لیتا، میں نے غصہ میں آکر قسم کھالی کہ میں آئندہ چائے کو حرام سمجھوں گا چنانچہ میں نے ۱۹۶۷ء سے اب تک چائے نہیں پی، لہٰذا رہنمائی فرمائیں کہ کیا اس طرح حرام قرار دینے کے بعد میرے لیے چائے پینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی ایسی چیز کو حرام قرار دیں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو کیونکہ تحلیل و تحریم کا اختیار صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے۔ آپ نے جو چائے کو حرام قرار دیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے حق پر زیادتی ہے اور اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ اور استغفار کیجئے۔ چائے پینے کی صورت میں آپ پر کفارہ قسم واجب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ ۚ وَٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ ۝٢ ﴾ (التحریم٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے آپ اسے کیوں حرام ٹھہراتے ہیں؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ۝٨٧ وَكُلُوا۟ مِمَّا رَزَقَكُمُ ٱللَّهُ حَلَٰلًا طَيِّبًا ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ٱلَّذِىٓ أَنتُم بِهِۦ مُؤْمِنُونَ ۝٨٨ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَٱحْفَظُوٓا۟ أَيْمَٰنَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٨٩ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧-٨٩)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو یقیناً اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور جو حلال پاکیزہ روزی اللہ نے تم کو دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ سے، جس پر ایمان رکھتے ہو، ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی

قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"

لہٰذا آپ کے لیے یہ کافی ہے کہ دس مسکینوں کا پانچ صاع گندم یا کھجور یا چاول وغیرہ جو آپ کھاتے ہیں نصف صاع فی مسکین کے حساب سے دے دیں اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لیں۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

قسم کھائی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا

سوال میں بعض دوستوں کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں ان کے پاس رہوں لیکن میں نے کہا کہ میری وجہ سے جو بھی نقصان اٹھاؤ گے وہ میرے لیے حرام ہے لیکن انہوں نے بکریاں ذبح کر لیں اور مجھے کھانے پر مجبور کیا تو میں نے ان کے پاس خاطر سے کھالیا تو اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

جواب ایک چیز کو حرام قرار دے کر اسے کھالینے کی وجہ سے آپ کے لیے کفارہ قسم لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا جو آپ اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہیں خواہ وہ گندم ہو یا کھجور وغیرہ' اس کا ہر مسکین کو نصف صاع دے دیں یا دس مسکینوں کو کپڑے دے دیں یا ایک غلام آزاد کر دیں اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھ لیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝١ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ ۚ﴾ (التحریم ٦٦/ ١-٢)

"اے پیغمبر جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے آپ اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں؟ کیا اس سے اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾ (المائدۃ ٥/ ٨٧)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو حرام نہ کرو۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے کفارہ کی صورتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِىٓ أَيْمَـٰنِكُمْ وَلَـٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَـٰنَ ۖ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَـٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّـٰرَةُ أَيْمَـٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ﴾ (المائدۃ ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو

یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو۔)"

——— فتویٰ کمیٹی ———

قسم کھائی تھی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا

سوال میں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ یہ کام نہیں کروں گا لیکن حالات نے مجھے قسم توڑنے پر مجبور کر دیا' لہٰذا میں اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

جواب آپ اگر کسی چیز کے ترک کرنے کی قسم کھائیں اور پھر اسے کر لیں تو اس صورت میں قسم کا کفارہ لازم ہوتا ہے خواہ آپ نے قسم کھاتے وقت قرآن مجید پر ہاتھ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے' جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو)۔ اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اگر آپ دس مسکینوں کو صبح و شام کا کھانا کھلا دیں یا انہیں کپڑے دے دیں تو اس سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر آپ ہر مسکین کو نصف صاع (تقریباً ڈیڑھ کلو) کھجور یا گندم یا چاول دے دیں تو یہ بھی کافی ہے اور اگر جس کام کے لیے آپ نے قسم کھائی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مبنی ہے' مثلاً سگریٹ یا تمباکو نوشی ہے تو اس کا کرنا حرام ہے خواہ آپ اس کے ترک کرنے کی قسم نہ بھی کھائیں' لہٰذا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کے بارے میں اللہ سے ڈریں اور اسے چھوڑ دیں۔

——— شیخ ابن باز ———

قسم نیت کے مطابق ہوتی ہے

سوال کچھ دوست دروازے کے پاس بیٹھے تھے' میں نے انہیں اندر آنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے معذرت کر دی تو میں نے کہا کہ: "اللہ عظیم کی قسم! یا تو تم اندر آجاؤ' یا یہاں کھڑے نہ ہوں" انہوں نے کہا کہ وہ مشغول ہیں اور پھر وہ چلے گئے۔ امید ہے کہ آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ اس قسم کے حوالہ سے میرے لیے کیا لازم ہے؟ اللہ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے؟

جواب مسلمان کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی قسم کو پورا کرے۔ آپ نے جو یہ قسم کھائی تھی کہ وہ دروازے کے پاس کھڑے نہ ہوں اگر آپ کی اس سے نیت یہ تھی کہ وہ طویل وقت کے لیے کھڑے نہ ہوں اور وہ قسم کے بعد چلے گئے تو آپ کی قسم پوری ہو گئی کیونکہ وہ چلے گئے تھے اور کھڑے نہیں رہے' اور اگر آپ کی نیت محض

کھڑے ہونے سے تھی خواہ یہ تھوڑی ہی دیر کے لیے کیوں نہ ہو اور پھر وہ آپ کی قسم کے بعد بھی کھڑے رہے ہوں اور انہوں نے آپ کی قسم کی خلاف ورزی کی ہو تو پھر آپ پر کفارہ قسم لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا جو آپ اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہیں یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھنا۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھیل کے بارے میں قسم

سوال جب انسان کسی کھیل وغیرہ کے بارے میں قسم کھائے' مثلاً یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں تاش نہیں کھیلوں گا تو کیا یہ قسم بھی منعقد ہو جاتی ہے؟

جواب ہاں! جب بھی انسان اپنے دل سے قسم کھائے تو وہ منعقد ہو جاتی ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) تم سے مؤاخذہ کرے گا۔"

لہٰذا انسان جب بھی دل سے قسم کھائے تو وہ منعقد ہو جائے گی خواہ وہ کسی مباح یا واجب یا حرام چیز کے بارے میں ہو اور جب قسم منعقد ہو جائے تو پھر دیکھا جائے گا وہ کسی اچھے کام کے بارے میں ہے تو اسے باقی رکھا جائے اور اگر وہ اس کے خلاف ہے تو پھر نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهِ»(صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينًا فرأى غيرها خيرًا منها ... الخ، ح: ١٦٥٠)

"جس نے کوئی قسم کھائی اور پھر دیکھا کہ خیر و بھلائی اس کے علاوہ کسی اور بات میں ہے تو وہ قسم کا کفارہ دے دے اور جو بہتر بات ہے اسے اختیار کر لے۔"

لہٰذا اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ تاش نہیں کھیلے گا تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم کو پورا کرے اور اسے نہ توڑے اور تاش نہ کھیلے اور اگر وہ کھیلنا چاہے تو ہم اسے یہ کہیں گے کہ تو اپنی قسم پر باقی نہیں رہا ہے بلکہ تو نے اسے توڑ دیا ہے لہٰذا اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔ اور قسم کا کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جسے یہ میسر نہ ہو تو اس کے لیے متواتر تین دن کے روزے رکھنا ہے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص قسم توڑ دے اس کے لیے کفارہ واجب ہے

سوال ایک دن ایک قریبی شخص نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ تو فلاں شخص کی بیٹی سے شادی کرے گا تو میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر دنیا میں اس کی بیٹیوں کے سوا اور کوئی عورت نہ ہو تو پھر بھی میں ان سے شادی نہیں کروں گا لیکن کئی سال

گزرنے کے بعد میں نے انہی میں سے ایک لڑکی سے شادی کر لی اور اب میں الحمدللہ پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوں تو رہنمائی فرمائیں کہ اس سابقہ قسم کے حوالہ سے میں کیا کروں؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے تو آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہے اور یہ دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ کھانے کے سلسلہ میں واجب ہے کہ ہر مسکین کو کھجور یا گندم وغیرہ کا نصف صاع دیا جائے جس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے اور لباس وہ دیا جائے جس میں نماز پڑھنا جائز ہو مثلاً قمیص یا تہبند یا چادر۔ اگر کوئی شخص کھانا کھلانے یا کپڑے دینے یا غلام آزاد کرنے سے قاصر ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ5/ 89)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

ایک عورت اپنے بچوں کو قسم دیتی ہے مگر.....

سوال میرے بچے ہیں اور بہت دفعہ میں انہیں قسم دے کر کہتی ہوں کہ یہ کام نہ کرو لیکن وہ میری بات نہیں مانتے تو کیا اس صورت میں بھی مجھ پر کفارہ لازم ہے؟

جواب جب بھی آپ اپنے بچوں یا دوسرے لوگوں کے بارے میں ایسی قسم کھائیں جو مقصود ہو کہ مثلاً وہ یہ کام کریں یا نہ کریں اور پھر وہ آپ کی بات کو نہ مانیں تو آپ پر کفارہ قسم لازم ہو گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ5/ 89)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

اسی طرح اگر آپ کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائیں اور پھر یہ دیکھیں کہ مصلحت اس قسم کے خلاف ہے تو

اس میں کوئی حرج نہیں کہ قسم توڑ دو اور مذکورہ کفارہ ادا کر دو' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب قول الله تعالى ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾، ح:٦٦٢٢ وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأي غيرها خيرًا منها ... الخ، ح:١٦٥٠ واللفظ له)

''جب تم قسم کھاؤ اور پھر اس کے علاوہ کسی اور بات کو بہتر دیکھو تو قسم کا کفارہ دے دو اور جو بہتر ہے' اسے اختیار کر لو۔''

——— شیخ ابن باز ———

ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیٹے ....

سوال ایک عورت نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بیٹے کے گھر میں اس کے والد کی وفات کے بعد داخل نہیں ہوگی' اب ماں اس گھر کو خریدنا چاہتی ہے' بیٹا بھی راضی ہے' تو کیا ماں اس گھر کو خرید کر اس میں رہائش اختیار کر سکتی ہے؟ اور اگر یہ جائز نہیں تو کیا قسم کا کفارہ ہے؟

جواب گھر خریدنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے بشرطیکہ گھر کے مالکان اسے بیچنا چاہیں' لہٰذا گھر خریدنے کے بعد اگر یہ اس میں داخل ہو تو کفارہ بھی نہیں کیونکہ اب تو یہ خود اس گھر کی مالکن بن چکی ہے اور اب یہ اس کے بیٹے کا گھر نہیں رہا اور اگر یہ اپنے بیٹے کے اس گھر میں داخل ہو جس میں وہ رہائش پذیر ہے تو اس پر کفارہ قسم واجب ہو گا خواہ وہ بیٹے کا اپنا گھر ہو یا اس نے کرایہ پر لیا ہو۔ قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جسے استطاعت نہ ہو وہ تین دن کے روزے رکھ لے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں بیان فرمایا ہے۔ کھانے کی صورت میں ایک مسکین کو نصف صاع کھجور یا چاول یا اس جنس میں سے دیا جائے جو شہر میں کھائی جاتی ہے اور اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے' اور اگر ان کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا ہر ایک کو ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز پڑھی جا سکتی ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ اگر مذکورہ مکان خریدنے کے بعد بیٹا ابھی تک اسی میں رہائش پذیر ہو اور یہ عورت بیٹے کے اس سے منتقل ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جائے تو پھر بھی اس پر مذکورہ کفارہ لازم ہو گا۔ وباللہ التوفیق۔

حلف اور حرام کے ساتھ طلاق

سوال ہمارے ہاں لوگوں میں حلف اور حرام کے ساتھ طلاق دینے کا بہت رواج ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب طلاق کے ساتھ حلف مکروہ ہے' ایسا نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ اہل کے فراق کا وسیلہ ہے (یعنی بیوی سے علیحدگی اور جدائی کا ذریعہ ہے) اور پھر اس لیے بھی کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے' لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کی حفاظت کرے اور ضرورت کے بغیر طلاق کا لفظ استعمال نہ کرے اور طلاق اس وقت دے جب وہ غصے کی حالت میں نہ ہو اور جب وہ اپنے دوستوں یا مہمانوں کو اپنے ہاں آنے یا کھانے کی دعوت وغیرہ کے سلسلہ میں تاکید کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ صرف اللہ کے نام کی قسم پر اکتفاء کرے۔ اگر غصے

کی حالت میں ہو تو اسے أعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا چاہیے اور اپنی زبان اور دیگر اعضاء کی ایسے امور سے حفاظت کرنی چاہیے جو زیب نہ دیتے ہوں۔ کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا جائز نہیں خواہ وہ قسم کے صیغہ سے ہو یا کسی اور صیغہ سے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

''اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے' تم اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟''

اس سلسلہ میں دیگر دلائل بھی معروف ہیں۔ اور پھر کسی مسلمان کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ وہ کسی بھی ایسی چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھے۔

——— شیخ ابن باز ———

تاکید کے لیے تین بار طلاق کی قسم

سوال آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو ایک طلاق کی تین بار قسم دی کہ وہ یہ کام ضرور کرے لیکن اس نے نہ کیا' تو کیا یہ قسم اس کی ذات کی حد تک اس کی بیوی کے بارے میں معتبر اور نافذ ہو گی؟ اور اگر یہ قسم نافذ نہیں تو اسلام کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب جب کوئی شخص تین طلاقوں کے ساتھ کسی کو قسم دے کہ وہ یہ کام کرے یا یہ کام نہ کرے یا یہ کہ اگر میں فلاں کے ولیمہ میں گیا تو مجھ پر تین طلاقیں واجب ہیں یا یہ کہے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا یا اس طرح کے کسی بھی اور کام پر قسم کھالے تو اس میں تفصیل ہے' اگر اس طرح طلاق کے ساتھ قسم کھانے سے مقصد تاکید اور بات میں زور پیدا کرنا ہے' مقصود طلاق دینا نہیں تو اس کا حکم قسم کا ہو گا اور اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں بھی قسم کا کفارہ لازم ہو گا' اور وہ ہے دس مسکینوں کا کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام کو آزاد کرنا' اور اگر اس سے عاجز ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھنا۔

اور اگر اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ چیز نافذ نہ ہوئی تو طلاق واقع ہو جائے گی تو اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس نے تین طلاقوں کے الفاظ ہی استعمال کیے ہوں۔ صحیح قول یہی ہے۔ عدت کے اندر اندر اسے رجوع کا حق بھی حاصل ہو گا اور اگر رجوع کرنے سے قبل عدت ختم ہو گئی تو پھر معتبر شروط کے ساتھ نکاح جدید کے بغیر یہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہو گی۔ نبی اکرم ﷺ کی صحیح حدیث ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں' ایک (رجعی) طلاق شمار ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

طلاق کے ساتھ قسم کھائی کہ وہ یہ کام نہیں کرے گا.....

سوال ایک شادی شدہ نوجوان ایک ایسا کام کرتا تھا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے' لہٰذا ایک دن اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اس کی بیوی کو طلاق' اسی طرح اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اگر اس نے دوبارہ یہ کام کیا تو میری بیوی میرے لیے میری ماں کی طرح ہو گی۔ کچھ مدت تک تو وہ توبہ پر قائم رہا لیکن پھر وہ اس جگہ چلا گیا جہاں وہ حرام کا

ارتکاب کرتا تھا اور شیطان نے اسے معصیت میں مبتلا کر دیا۔ اس گناہ کے ارتکاب کے بعد اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی اور اسے حمل قرار پا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ شرعی احکام کیا ہیں؟ کفارہ کیا ہے؟ اور اس شخص پر کیا واجب ہے؟

جواب اگر اس شخص کا مقصد اپنے آپ کو اس حرام کام اور نافرمانی سے روکنا تھا' بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا مقصد نہ تھا اور اس نے طلاق کو اس حرام کام کے ساتھ معلق کر دیا تو اس پر قسم کی وجہ سے کفارہ قسم اور بیوی کو ماں کی طرح قرار دینے کی وجہ سے کفارہ ظہار واجب ہے اور اسے ان دونوں کفاروں کے ادا کرنے تک بیوی سے صحبت نہیں کرنی چاہیے۔ کفارہ قسم میں اختیار ہے کہ چاہے غلام آزاد کر دے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا انہیں کپڑے دے دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھ لے اور کفارہ ظہار میں واجب ہے کہ غلام آزاد کرے اور اگر میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور اگر اس کا ارادہ طلاق کا تھا اور وہ بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا تھا اور اس معصیت کو اس نے علیحدگی اختیار کرنے کی علامت قرار دے دیا تو اس سے اس کی بیوی پر ایک (رجعی) طلاق واقع ہو جائے گی۔ عدت کے اندر اندر اسے رجوع کا حق بھی حاصل ہو گا تاہم اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بھی اور دیگر معصیتوں سے بھی بچائے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

غصے کی حالت میں طلاق کے ساتھ قسم کھالی

سوال غصے کی حالت میں ایک کام نہ کرنے کے سلسلہ میں میں نے طلاق کے ساتھ قسم کھالی اور پھر شدید ندامت ہوئی کیونکہ یہ کام تو میرے اور میرے بچوں کی گزر بسر کا ذریعہ ہے' تو اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ جو شخص جنوں کا انکار کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا جنبی کے ساتھ نکاح جائز ہے؟

جواب مذکورہ قسم چونکہ بہت شدید غصے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو اس کام سے روکنا تھا اور قسم اٹھانے والے کا مقصد بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا نہیں تھا' لہٰذا میری رائے میں اسے کفارہ قسم ادا کرنا چاہیے' اور یہ ہے دس مسکینوں کو درمیانہ درجے کا کھانا کھلانا جو یہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے یا انہیں کپڑے دینا............الخ

اسے یہ کام کرتے رہنا چاہیے جس میں اس کے لیے منفعت ہے کیونکہ جو شخص کسی کام پر قسم کھالے اور پھر دیکھے کہ کوئی دوسرا کام اس سے بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ قسم کا کفارہ دے دے اور جو کام بہتر ہے' اسے کر لے۔

ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرح جنوں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور انہیں فرشتوں اور شیطانوں کی طرح انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل رکھا ہے' جیسا کہ ارشاد تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ﴾ (الأعراف ٧/ ٢٧)

"وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔"

یہ جسموں کے بغیر ارواح ہیں جس طرح کہ موت کے بعد جسم سے خارج ہونے والی انسانی روح ہوتی ہے۔ ہم اس

بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ شیطان انسانی جسم میں اس طرح گردش کر سکتا ہے جس طرح خون گردش کرتا ہے۔ اسی طرح جن بھی انسان کے جسم میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں' لیکن یہ ثابت نہیں کہ کسی انسان نے کسی جن کے ساتھ یا کسی جن نے کسی عورت کے ساتھ شادی کی ہو۔ قارئین کرام کو اس موضوع پر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "ایضاح الدلالۃ" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

بھول کر طلاق کے ساتھ قسم کھالی

سوال ایک شخص کی نئی نئی شادی ہوئی تھی مگر اس نے بھول کر قسم کھالی کہ میں آئندہ سال یہ خریدوں گا ورنہ مجھ پر طلاق اور کیا اگر وہ نہ خریدے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟ نہ خریدنے کی صورت میں اس پر کیا لازم ہو گا؟ یاد رہے کہ طلاق کے ساتھ قسم کھانا اس کی ہرگز عادت نہ تھی' لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار بھی کیا ہے؟

جواب اس طرح کے کلام کا حکم شوہر کی نیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقصد اپنے آپ کو اس خریداری پر برانگیختہ کرنا تھا اور بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا مقصود نہ تھا تو اگر وہ چیز نہ بھی خریدے جس کا اس نے طلاق کے ساتھ ذکر کیا تھا تو اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ طلاق قسم کے حکم میں ہو گی' لہٰذا اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کہ ہر مسکین کو نصف صاع کھجور وغیرہ یا جو بھی شہر کی خوراک ہو دیا جائے۔ اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے۔ اگر دس مسکینوں کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلادے یا انہیں ایسے کپڑے دے دے جو نماز کے لیے کافی ہوں تو یہ بھی جائز ہے اور اگر اس کی نیت نہ خریدنے کی صورت میں طلاق ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ مومن کو چاہیے کہ اس طرح کے حالات میں لفظ طلاق کے استعمال سے اجتناب کرے کیونکہ بہت سے اہل علم اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس صورت میں مطلقاً طلاق واقع ہو جاتی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢ وصحيح مسلم، المساقات، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩ واللفظ له)

"جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین و عزت کو بچالیا۔"

——— شیخ ابن باز ———

بیوی سے کہا کہ اگر تو نکلی تو پھر واپس نہ آنا

سوال میں نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو پھر واپس نہ آنا۔ اس وقت میرا مقصد اسے گھر سے نکلنے سے منع کرنا تھا اور طلاق وغیرہ کے بارے میں تو میں نے سوچا تک بھی نہ تھا۔ اب مجھے ڈر ہے کہ میری بیوی کسی وقت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو سکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا علم بھی نہ ہو تو کیا میں نے جو بات کی تھی وہ قسم ہے اور میں اس کا اب کفارہ دے سکتا ہوں؟ یا اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب یہ کلام قسم کے حکم میں ہے' لہٰذا جب وہ گھر سے نکلے تو آپ پر کفارہ قسم لازم ہے' اس سے اس پر طلاق واقع نہ

ہو گی اور اگر اس کلام کے وقت آپ نے یہ بھی کہا کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے تو اجازت دینے کی صورت میں کفارہ بھی لازم نہیں ہو گا' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ»(سنن أبي داود، القضاء، باب في الصلح، ح:٣٥٩٤، علقه البخاري قبل، ح:٢٢٧٤ وجامع الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، ح:١٣٥٢)

"مسلمان اپنی شرطوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔" واللہ ولی التوفیق۔

——— شیخ ابن باز ———

بیوی سے کہا کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو............

سوال ایک شخص نے ٹیلی ویژن سیٹ خریدا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دینی پروگرام کے علاوہ تو اگر کوئی پروگرام دیکھے تو تو مجھ پر حرام ہے' پھر ایک دن وہ گھر آیا تو اس نے دیکھا کے ٹیلی ویژن پر ڈرامہ لگا ہوا ہے۔ اس نے بیوی سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دینی پروگرام دیکھنے کے بعد وہ اسے بند کرنا بھول گئی تھی تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر امر واقع اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ وہ دینی پروگرام کے بعد ٹیلی ویژن بند کرنا بھول گئی تو اس سے شوہر کی قسم نہیں ٹوٹے گی' ہاں البتہ اس نے شروع میں بیوی سے جو یہ کہا کہ اگر تو نے ٹیلی ویژن کھولا تو .... مجھ پر حرام ہے' یہ کہنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق پر دست درازی ہے' اس لیے کہ حلال و حرام کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحَرِّمُوا۟ طَيِّبَـٰتِ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٧)

"مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں' ان کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو بلاشبہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔"

اور فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ۖ تَبْتَغِى مَرْضَاتَ أَزْوَٰجِكَ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١﴾ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

"اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے اس کو کیوں حرام ٹھہراتے ہو؟ (کیا اس سے) اپنی بیوی کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ دینی پروگراموں کے علاوہ دیگر پروگراموں کے لیے ٹیلی ویژن نہ کھولے اور جب دینی پروگرام

ختم ہو جائے تو اسے فوراً بند کر دے۔ اگر بیوی عمداً ان میں سے کسی پروگرام کے لیے ٹیلی ویژن کو کھولے جس سے اس کے شوہر نے منع کیا ہے تو اس صورت میں اس کے شوہر پر کفارہ قسم لازم ہو گا کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق اسطرح کا کلام قسم کے حکم میں ہوتا ہے۔ تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ٹیلی ویژن کے حرام گانوں کے پروگرام' موسیقی کے پروگرام اور ان بے ہودہ ڈراموں وغیرہ کے پروگرام نہ دیکھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

زبان سے نہیں بلکہ دل سے حرام قرار دیا

سوال میں سگریٹ نوشی کرتا ہوں اور ایک بار میں نے اپنے دل میں یہ کہا کہ اگر میں نے دوبارہ سگریٹ پی تو میری بیوی مجھ پر حرام' مگر میں یہ بھول گیا اور میں نے دوبارہ سگریٹ پی لی' پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے تو کہا تھا کہ اس سے میری بیوی مجھ پر حرام ہو جائے گی' تو اس صورت میں میرے لیے کیا لازم ہے؟

جواب اگر سگریٹ نوشی ترک کرنے کی آپ کی اس قدر شدید خواہش ہے تو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس کے ترک کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو عزم صادق' استقامت اور صبر عطا فرمائے کہ آپ کو اپنی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا کرے۔ جس تحریم کے بارے میں آپ نے سوال پوچھا ہے اگر آپ نے اسے صرف دل ہی میں کہا تھا اور زبان سے اسے ادا نہیں کیا تو اس کا کوئی حکم اور کوئی اثر نہیں ہے اور اگر آپ نے زبان سے یہ الفاظ کہے ہیں اور آپ کی اس سے نیت اپنے نفس کو شدت کے ساتھ ترک سگریٹ نوشی پر آمادہ کرنا تھا تو اس کا حکم قسم کا ہو گا' لہٰذا جب آپ قصد و ارادہ کے ساتھ اور ان الفاظ کو یاد رکھنے کی حالت میں سگریٹ پئیں گے تو آپ پر قسم کا کفارہ لازم ہو گا اور اگر آپ نے بھول کر سگریٹ پی تو پھر کچھ لازم نہیں ہو گا لیکن اسے یاد کرنے کے بعد دوبارہ سگریٹ نوشی نہ کریں کیونکہ اس صورت میں آپ پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ آپ کو اختیار ہے کہ کفارہ کی ان تین صورتوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر لیں۔ کھانا کھلانے کی صورت میں آپ یا تو انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیں یا انہیں چاول اور گوشت دے دیں۔ دس مسکینوں کے لیے چھ کیلو کافی ہو گا خواہ وہ ایک گھر میں ہوں یا مختلف گھروں میں۔ اگر فقراء نہ ملیں تو آپ متواتر تین روزے رکھ لیں۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

حرام قرار دینے سے حلال حرام نہیں ہوتا

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے اپنے ماموں کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا تو میری والدہ نے مجھے بتایا کہ اس نے اس دوشیزہ کو میرے تمام بھائیوں کے لیے حرام قرار دے رکھا ہے لیکن اب میری والدہ اس پر بہت نادم ہے اور میں اسی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا میرے لیے اس سے شادی کرنا حلال ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کفارہ کیا ہو گا؟

جواب حرام قرار دینے سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ بات قسم کے درجہ میں ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن فرمایا تھا کہ "یہ شہد مجھ پر حرام ہے" [1] تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی:

﴿ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ أَحَلَّ ٱللَّهُ لَكَ ﴾ (التحریم٦٦/ ١)

"آپ اسے کیوں حرام قرار دیتے ہیں' جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے؟۔"

اور پھر فرمایا:

﴿ قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَٰنِكُمْ ﴾ (التحریم٦٦/ ٢)

"اللہ نے تم لوگوں کے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔"

یعنی تمہارے لیے قسم کا وہ کفارہ بیان فرما دیا ہے جس سے تم اس چیز کو حلال کر لیتے ہو جس کے بارے میں قسم کھالی ہو یعنی یہ کفارہ اس آیت میں بیان فرمایا ہے:

﴿ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔"

لہٰذا یہ لڑکی آپ کی ماں کے حرام قرار دینے کی وجہ سے حرام نہیں ہوگی' ہاں البتہ اس کے لیے کفارہ قسم لازم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارے کے احکام

قسم کا کفارہ

سوال قسم کا کیا کفارہ ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کا کفارہ بیان کرتے ہوئے سورۃ المائدہ میں فرمایا ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔"

---

[1] دیکھیے : صحیح بخاری التفسیر' سورۃ التحریم' باب :١' حدیث : ۴۹۱۲ و صحیح مسلم' الطلاق' باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امراتہ ..... الخ' حدیث : ۱۴۷۴۔

بے ارادہ قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو اثناء کلام میں غیرارادی طور پر انسان کی زبان پر آجاتی ہیں اور انسان کہتا ہے "نہیں اللہ کی قسم" یا "ہاں اللہ کی قسم" ایسی قسموں پر کوئی کفارہ نہیں' ہاں البتہ ان قسموں پر کفارہ ہے جو انسان دل کے قصد و ارادہ کے ساتھ کھائے تو ان کے کفارہ میں اختیار ہے کہ ایک غلام آزاد کر دیا جائے یا دس مسکینوں کو اوسط درجے کا وہ کھانا کھلایا جائے جو وہ خود اور اس کے اہل و عیال کھاتے ہوں۔ اگر انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا بقدر ضرورت دے دیا جائے تو یہ کافی ہے یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جو نماز میں ستر پوشی کا کام دے سکے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو متواتر تین روزے رکھ لیے جائیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کفارہ قسم میں کھانے کی مقدار

سوال یہ تو معلوم ہے کہ کفارہ قسم دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہر مسکین کو کتنی مقدار میں اور کس معیار کا کھانا دیا جائے؟

جواب قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلادیا جائے یا انہیں لباس دیا جائے یا ایک غلام آزاد کر دیا جائے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ متواتر تین روزے رکھے۔ کھانا اس اوسط درجے کا ہونا چاہیے جو قسم کھانے والا اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہے کہ مسکین اس کے پاس دوپہر یا شام کا کھانا کھائیں حتی کہ سیر ہو جائیں یا یہ انہیں ایک رات کا کھانا دے دے اور اس کا اندازہ نصف صاع چاول وغیرہ ہے۔ لباس کی صورت میں ایسا لباس ہونا چاہیے جس میں نماز پڑھنی جائز ہو۔

——— شیخ ابن جبرین ———

قسم کا کفارہ ادا کرنے کی صورت

سوال قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے' کیا انہیں ایک دفعہ کھانا کھلا دینا کافی ہے؟ کیا انہیں کھانا پکنے سے قبل دینا بھی جائز ہے؟ اس کی مقدار کتنی ہو گی؟

جواب ایک دفعہ کھانا کھلانا ان شاء اللہ کافی ہے اور یہ کافی ہے کہ دوپہر یا شام کے وقت اس قدر کھانا کھلائے کہ وہ سیر ہو جائیں اور اگر انہیں پکائے بغیر خام حالت میں کھانا دے دے تو یہ بھی جائز ہے اور اس کی مقدار یہ ہے کہ ہر مسکین کو ڈیڑھ کلو چاول وغیرہ دے دے اور افضل یہ ہے کہ اس کے ساتھ وہ کچھ بھی دے جس سے چاول پکائے جا سکیں' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَكَفَّـٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَـٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔"

یعنی اس طرح کا کھانا جو تمہارے اور تمہارے اہل و عیال کا معمول ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

افضل یہ ہے کہ کفارہ پہلے ادا کیا جائے

سوال میں نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر نہیں جاؤں گا اور اس سے تعلق قطع کر لوں گا اور اس کے بعد میں نے صلہ رحمی کے بارے میں سنا ہے' لہٰذا اب میں اس کے پاس جانا چاہتا ہوں تو اس صورت میں مجھ پر کیا لازم ہے؟ اگر کفارہ قسم لازم ہے تو کیا اسے اس کے پاس جانے سے پہلے ادا کروں یا بعد میں؟

جواب آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ تعلقات منقطع کریں اور قطع رحمی کریں خواہ آپ نے اس کی قسم ہی کیوں نہ کھائی ہو' کیونکہ جو شخص قسم کھائے اور پھر یہ دیکھے کہ بہتری اس کے علاوہ کسی اور بات میں ہے تو اسے چاہیے کہ جو بات بہتر ہو اسے اختیار کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور جب قسم توڑنے کا ارادہ کرے تو افضل یہ ہے کہ پہلے کفارہ ادا کر دے اور اگر قسم توڑنے کے بعد کفارہ ادا کرے تو پھر بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کھانا کھلانے سے پہلے روزے رکھنا جائز نہیں

سوال جب کسی چیز کے بارے میں میں یہ قسم کھالوں کہ میں اسے نہیں کروں گا اور پھر کسی دن اسے کر لوں تو کیا پہلے تین دن کے روزے رکھوں اور پھر اس چیز کو مکمل کروں یا اس سے رک جاؤں؟

جواب جب انسان کسی چیز کے بارے میں قسم کھائے کہ اسے نہیں کرے گا اور پھر اسے کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے' مثلاً یہ کہے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا یا اس کے کھانے کو نہیں کھاؤں گا اور پھر وہ اس سے کلام کر لے یا اس کے کھانے کو کھالے تو اس پر کفارۂ قسم لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو' اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کفارۂ قسم ذکر کیا اور یہ بیان فرمایا کہ روزے رکھنا اس شخص کے حق میں ہے جو کھانا کھلانے' لباس دینے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز و قاصر ہو۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ ہر مسکین کو کھانے کی کتنی مقدار دینا واجب ہے۔ سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ان تمام اجناس میں سے نصف صاع دیا جائے

جنہیں انسان اپنے اہل خانہ کو کھلاتا ہے' مثلاً چاول اور کھجور وغیرہ' وزن کے حساب سے اس کی مقدار تقریباً ڈیڑھ کیلو ہے۔ اگر دس مسکینوں کو صبح یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے یا انہیں ایسا لباس دے دیا جائے جس میں نماز جائز ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر کسی مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کر دیا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔ اور اگر کوئی ان سب سے عاجز و قاصر ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ واللہ ولی التوفیق۔

—— شیخ ابن باز ——

جب قسمیں متعدد ہوں تو کیا ایک کفارہ کافی ہے؟

سوال جب انسان ایک سے زیادہ قسمیں کھالے تو کیا ایک قسم کا کفارہ کافی ہے یا وہ ہر قسم کا الگ الگ کفارہ ادا کرے؟

جواب اگر قسم مختلف افعال کے بارے میں ہو تو پھر ہر قسم کا کفارہ الگ ہو گا جب وہ اسے پورا نہ کرے' اور اگر قسمیں ایک ہی فعل کے بارے میں ہوں تو پھر ایک ہی کفارہ ہے کیونکہ فعل بھی ایک ہی ہے۔

—— شیخ ابن باز ——

ایک فعل کے بارے میں متعدد قسمیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں' میں نے تین سے بھی زیادہ قسمیں کھا کر ایک حرام کام سے توبہ کی تھی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا مجھ پر ایک کفارہ لازم ہے یا تین؟ نیز میرے لیے کفارہ کیا ہے؟

جواب آپ پر ایک ہی کفارہ لازم ہے اور وہ ہے دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا اور اگر یہ میسر نہ ہو تو آپ تین روزے رکھیں' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾ (المائدۃ۵/ ۸۹)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے' یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔"

اسی طرح ہر وہ قسم جو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں ہو وہ ایک ہی شمار ہو گی خواہ بار بار قسم کھائی گئی ہو اور اس میں کفارہ بھی ایک ہی ہو گا بشرطیکہ پہلی بار قسم کا کفارہ ادا نہ کر دیا ہو' اگر پہلی بار قسم کا کفارہ ادا کر دیا ہو اور پھر دوبارہ قسم کھائی ہو تو اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں دوبارہ کفارہ دینا ہو گا۔ اسی طرح اگر دوسری قسم کا کفارہ ادا کرنے کے بعد تیسری بار قسم کھائی ہو اور اسے پورا نہ کیا ہو تو اس صورت میں تیسرا کفارہ ادا کرنا لازم ہو گا۔

اگر متعدد افعال کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں متعدد قسمیں کھائی ہوں تو اس صورت میں ہر قسم کے پورا نہ

کرنے پر کفارہ ہو گا' مثلاً کسی نے اگر یہ کہا کہ: "اللہ کی قسم میں فلاں شخص سے کلام نہیں کروں گا' اللہ کی قسم میں اس کا کھانا نہیں کھاؤں گا' اللہ کی قسم میں فلاں جگہ کا سفر نہیں کروں گا" یا یہ کہے کہ "اللہ کی قسم میں فلاں شخص سے ضرور کلام کروں گا' اللہ کی قسم میں اسے ضرور ماروں گا۔"

کھانا کھلانے کی صورت میں واجب یہ ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع اس جنس میں سے دے دیا جائے جو شہر میں کھائی جاتی ہو۔ اس کا وزن تقریباً ڈیڑھ کلو ہے۔ لباس وہ ہونا چاہیے جس میں نماز پڑھنی جائز ہو' مثلاً قمیص یا تہبند اور چادر۔ اور اگر مسکینوں کو دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیا جائے تو یہ بھی کافی ہے' جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

متعدد قسموں کا کفارہ جب کہ ان کی تعداد معلوم نہ ہو

سوال پہلے میں ہر کام کے لیے قسم کھا لیا کرتا تھا لیکن اسے پورا نہ کرتا تھا اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ان قسموں کا کفارہ ادا کر دوں لیکن مجھے ان قسموں کی تعداد یاد نہیں تو کیا ان سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہو گا؟

جواب اندازے سے ان قسموں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کرو جن کو آپ نے توڑ دیا تھا اور پھر ان کے حساب سے کفارے ادا کر دو جب کہ یہ قسمیں مختلف امور پر کھائی گئی ہوں۔ اور اگر یہ قسمیں ایک ہی کام کے بارے میں ہوں' مثلاً اس طرح کہ: "اللہ کی قسم میں زید سے نہیں ملوں گا" "اللہ کی قسم زید سے نہیں ملوں گا" تو ان سب کا کفارہ ایک ہی ہو گا۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

کفارہ قسم مجاہدین کو دے دینا

سوال میں نے قسم کے کفارے کے سو ریال افغان مجاہدین کے امدادی فنڈ میں دے دیے تو کیا یہ دس مسکینوں کے کھانے کے لیے کافی ہوں گے۔ فتویٰ عطا فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرًا۔

جواب مذکورہ رقم کا کفارہ قسم کے طور پر ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قرآنی نص کے خلاف ہے اور نص سورۂ مائدہ کی یہ آیت ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ ٱللَّهُ بِٱللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ٱلْأَيْمَٰنَ ۖ فَكَفَّٰرَتُهُۥٓ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذَٰلِكَ كَفَّٰرَةُ أَيْمَٰنِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۸۹)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور تم کو چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔"

——— شیخ ابن باز ———

کفارہ قسم نقدی کی صورت میں ادا کرنا

سوال میری والدہ کے ذمہ قسم کا کفارہ ہے تو کیا میں دس مسکینوں کے کھانے کی قیمت کو سعودی ریال میں ادا کر کے کسی فلاحی تنظیم کو دے سکتا ہوں؟ اگر سعودی ریال کی صورت میں اسے ادا کرنا درست ہو تو کتنے ریال ادا کرنے چاہئیں؟ رہنمائی فرمائیں' اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب اگر آپ کی والدہ فوت ہو گئی ہوں یا زندہ ہوں اور انہوں نے آپ کو کفارہ ادا کرنے کی اجازت دے دی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آپ ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیں لیکن کفارہ کھانے کی صورت میں ہونا چاہیے نقدی کی صورت میں نہیں کیونکہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں کھانے کا ذکر ہے۔ ضروری ہے کہ کھجور یا گندم یا ہر اس جنس میں سے جو شہر کی خوراک ہو نصف صاع یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو فی مسکین ادا کیا جائے' اگر آپ انہیں دوپہر یا شام کا کھانا کھلا دیں یا ایسے کپڑے دے دیں جن میں نماز جائز ہو' مثلاً قمیص یا تہہ بند اور چادر تو یہ بھی جائز ہے۔

——— شیخ ابن باز ———

جو شخص اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائے

سوال ایک شخص نے یہ پوچھا ہے کہ اگر میں کسی معمولی چیز پر محض جلد بازی اور غصے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھالوں اور یہ قسم جان بوجھ کر نہ ہو تو کیا اس صورت میں میں گناہ گار ہوں گا؟ اور پھر اس کے بعد میرے لیے کیا واجب ہے؟

جواب اگر قسم کھاتے وقت آپ کو یہ علم یا ظن غالب تھا کہ آپ اپنی قسم میں سچے ہیں اور پھر بعد میں معلوم ہوا کہ نہیں آپ تو جھوٹے تھے تو اس صورت میں کوئی گناہ یا کفارہ نہیں ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔"

اور اگر بوقت قسم آپ کو علم یا ظن غالب تھا کہ آپ قسم میں جھوٹے ہیں تو پھر آپ گناہ گار ہیں اور صحیح قول کے مطابق آپ پر کفارۂ قسم واجب ہے' اسی طرح اگر بوقت قسم' جس چیز کے بارے میں قسم کھائی گئی ہو' آپ کو شک تھا تو پھر بھی کفارہ واجب ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَٰنِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ ﴾ (المائدۃ٥/ ٨٩)

"اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن ایسی پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا۔"

جو شخص قصداً جھوٹی قسم کھاتا ہے' اور وہ پختہ قسم کھاتا ہے جبکہ قسم کھاتے وقت اس کے دل میں قسم کے برعکس ارادہ ہوتا ہے تو یہ شخص قسم کی توہین کرتا ہے اور اس کی حفاظت نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ واحفظوا ایمانکم ﴾ "اپنی قسموں کی حفاظت کرو" کی مخالفت کرتا اور فرمان رسول ﷺ کے مطابق کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے' جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جھوٹی قسم کو بھی کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا تھا۔

اگر آپ نے قصد و ارادہ سے قسم نہیں کھائی یعنی دل سے یہ قسم نہیں تھی بلکہ قصد و ارادہ کے بغیر زبان پر آگئی تو آپ کو گناہ نہیں ہو گا اور نہ اس پر کفارہ لازم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا" لیکن ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی قسم کی حفاظت کرے' قسم کھانے میں جلدی نہ کرے اور نہ ہی کثرت سے قسمیں کھائے۔ نیز اسے چاہیے کہ اپنی زبان کو بھی جھوٹ سے بچائے۔ غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے۔ وباللّٰه التوفيق' وصلى اللّٰه على نبينا محمد و آله وصحبه وسلم۔

—— فتویٰ کمیٹی ——

بچپن میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھائی

سوال ایک شخص نے بچپن میں جب کہ اس کی عمر پندرہ سال تھی قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر جھوٹی قسم کھائی لیکن سن رشد کو پہنچنے کے بعد اسے بہت ندامت ہوئی کیونکہ اب اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شرعاً حرام ہے' تو کیا اس پر گناہ یا کفارہ ہے؟

جواب اس سوال میں دو مسئلے قابل غور ہیں ایک تو ہے قسم میں تاکید پیدا کرنے کی خاطر قرآن مجید پر ہاتھ رکھنا' تو اس کی سنت سے چونکہ کوئی دلیل نہیں ہے' لہٰذا یہ شرعی حکم نہیں ہے کہ بوقت قسم قرآن مجید پر ہاتھ رکھا جائے۔

دوسرا مسئلہ ہے جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانے کا تو بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے' لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جھوٹی قسم کے لیے حدیث میں جو "یمین غموس" (بمعنی ڈبو دینے والی قسم) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو یہ اس لیے کہ جھوٹی قسم گناہ میں اور پھر جہنم کی آگ میں ڈبو دیتی ہے۔ جھوٹی قسم اگر اس نے بالغ ہونے کے بعد کھائی ہے تو یہ شخص گناہ گار ہو گا' لہٰذا اسے توبہ کرنی چاہیے لیکن اس پر کفارہ لازم نہیں ہے کیونکہ کفارہ تو ان قسموں پر ہوتا ہے جن کا تعلق مستقبل کی اشیاء سے ہو' ماضی کی اشیاء میں کفارہ نہیں ہے بلکہ انکے حوالہ سے تو بات صرف اس قدر ہے کہ انسان گناہ گار ہے یا نہیں۔ اور جب انسان کسی ایسی چیز کے بارے میں قسم کھائے جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ یہ جھوٹ ہے تو وہ گناہ گار ہو گا اور اگر کسی ایسی چیز کے بارے میں قسم کھائے جس کے بارے میں اسے علم یا ظن غالب ہو کہ وہ سچا ہے تو وہ گناہ گار نہیں ہو گا۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

نذر (منت ماننے) کے مسائل

اسلام میں نذر کے بارے میں حکم

سوال اسلام میں نذر کے بارے میں کیا حکم ہے' بعض لوگ اپنے آباؤ اجداد کی عادت کے مطابق عمل کرتے ہوئے جانور ذبح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کی نیت کے مطابق ہے لیکن اس نذر کو وہ سال کے معین اوقات میں' مانتے ہیں مثلاً اکثر لوگ رمضان المبارک میں ایسی نذر مانتے ہیں تو اسلام کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے کیا یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب جانور ذبح کرنے یا نفل نماز ادا کرنے یا نفل روزے رکھنے وغیرہ کی نذر ماننا عبادت ہے لہٰذا جو شخص ایسی کوئی نذر مانے تو اسے پورا کرنا لازم ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُهُۥ ﴾ (البقرة۲/ ۲۷۰)

"اور تم (اللہ کی راہ میں) جو کچھ خرچ کرو یا کوئی نذر مانو' اللہ اس کو جانتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ ﴾ (الإنسان۷٦/ ۷)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

"جو شخص یہ نذر مانے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

اور جو شخص غیراللہ کے لیے یعنی کسی نبی یا فرشتے یا ولی کے لیے نذر مانے تو یہ شرک ہے کیونکہ اس نے عبادت کو غیراللہ کے لیے قرار دیا ہے' لہٰذا اس شرک کی وجہ سے اس کے لیے توبہ و استغفار کرنا واجب ہے۔

ثانیاً: رسول اللہ ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کے تقرب اور تعظیم کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے کیونکہ یہ بھی غیراللہ کی عبادت ہے لہٰذا اس سے بھی توبہ اور استغفار کرنا واجب ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

نذر کی جہت بدلنے کا حکم

سوال کیا انسان کے لیے نذر کی جہت تبدیل کرنا جائز ہے؟ یعنی نذر ماننے اور اس کی جہت متعین کرنے کے بعد جب کوئی اور جہت زیادہ مستحق نظر آئے تو کیا اس میں تبدیلی جائز ہے؟

جواب جواب سے قبل اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ انسان کو نذر نہیں ماننی چاہیے کیونکہ نذر مکروہ یا حرام ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

"یہ کوئی خیر نہیں لاتی ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل کا کچھ مال ضرور نکال لیا جاتا ہے۔"

نذر کے ذریعے جس خیر و بھلائی کی توقع کی جاتی ہے' اس کا سبب نذر نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ جب بیمار ہوتے ہیں تو یہ نذر مانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے شفا بخشی تو وہ یہ کام کرے گا یا کسی چیز کے گم ہو جانے کی وجہ سے نذر مانتے ہیں کہ اگر ان کی وہ گم شدہ چیز مل گئی تو وہ یہ کام کریں گے لیکن جب انہیں شفا یا گم شدہ چیز حاصل ہو جائے تو اس کے یہ معنی

نہیں کہ یہ چیز انہیں نذر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے بلکہ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بے نیاز ہے کہ سوال کے لیے وہ کسی شرط کا محتاج ہو' لہٰذا آپ کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ اس مریض کو شفا عطا فرمائے یا اس گم شدہ چیز کو واپس لوٹا دے' نذر کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ نذر مانتے اور مقصود حاصل ہونے کے بعد نذر پورا کرنے میں سستی کرتے ہیں یا اسے پورا کرتے ہی نہیں تو یہ بات بہت خطرناک ہے' ارشاد باری تعالیٰ سماعت فرمایئے:

﴿ ۞ وَمِنْهُم مَّنْ عَـٰهَدَ ٱللَّهَ لَئِنْ ءَاتَىٰنَا مِن فَضْلِهِۦ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُم مِّن فَضْلِهِۦ بَخِلُوا۟ بِهِۦ وَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِى قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُۥ بِمَآ أَخْلَفُوا۟ ٱللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا۟ يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٧٥-٧٧)

”اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکو کاروں میں ہو جائیں گے لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر بیٹھے تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لیے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے' ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا' اس لیے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔“

لہٰذا مومن کو نذر نہیں ماننی چاہیے۔ اب رہا اس سوال کا جواب تو وہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے بارے میں نذر مان لے اور پھر وہ یہ دیکھے کہ کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے زیادہ افضل و اقرب اور بندگان الٰہی کے لیے زیادہ نفع بخش ہے تو پھر نذر کو اس کی طرف تبدیل کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فتح مکہ سے نوازے تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔

«صَلِّ هَاهُنَا ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ: صَلِّ هَاهُنَا، ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ: شَأْنَكَ إِذَنْ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب من نذر أن يصلى في بيت المقدس، ح:٣٣٠٥ ومسند أحمد:٣/ ٣٦٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من لم ير وجوبه بالنذر . . الخ: ١٠/ ٨٢)

آپ نے فرمایا تم یہاں نماز پڑھ لو' اس نے اپنی بات پھر دوہرائی تو آپ نے فرمایا تم یہاں نماز پڑھ لو' اس نے اپنی بات تیسری بار دوہرائی تو آپ نے فرمایا: پھر تم جانو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر انسان نذر میں ادنیٰ کو افضل سے بدل دے تو یہ جائز ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

کیا نذر ماننے والا اپنی نذر میں سے خود بھی.....

سوال جب کوئی شخص نذر مانے اور اسے پورا بھی کر دے تو کیا وہ خود اپنی نذر میں سے کھا سکتا ہے؟

جواب اصل یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی گئی ہے' اگر وہ مشروع امور میں سے ہے تو اسے اسی مصرف پر خرچ کیا جائے

جس کی نذر ماننے والے نے نذر مانی ہے اور اگر اس نے کسی مصرف کا تعین نہ کیا ہو تو وہ ایک صدقہ ہے' لہٰذا اسے صدقہ کے مصرف یعنی فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر نذر ماننے والے شخص کے شہر میں یہ عادت ہو کہ نذر ماننے والا بھی اس سے کھا سکتا ہے تو پھر عرف و عادت کے مطابق وہ اس سے کھا سکتا ہے یا اگر اس نے خود بھی کھانے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں بھی وہ خود کھا سکتا ہے کیونکہ اس طرح عرف اس جزء کی تخصیص کر دیتا ہے جسے وہ خود کھاتا ہے' لہٰذا وہ نذر میں داخل نہیں ہوتا۔ مستقل کمیٹی کی طرف سے پہلے بھی اس سلسلہ میں ایک فتویٰ صادر ہوا تھا اور وہ یہ ہے کہ ''نذر اطاعت کا مصرف وہ ہے جس کی نذر ماننے والے نے شریعت مطہرہ کی حدود کے اندر رہتے ہوئے نذر مانی ہو' مثلاً اگر گوشت ہو اور اس کی اس نے صرف فقراء کے لیے نذر مانی ہو تو وہ خود اس میں سے نہیں کھا سکتا اور اگر اس نے اپنے اہل خانہ اور دوست احباب کو کھلانے کی نذر مانی ہو تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی اپنے گھر کا ایک فرد ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے۔''

اس طرح اگر اس نے نذر مانتے ہوئے خود کھانے کی بھی شرط عائد کی ہو یا اس کے علاقے میں یہ عرف ہو تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے۔

———— فتویٰ کمیٹی ————

نذر مکروہ ہے لیکن اسے پورا کرنا لازم ہے

سوال نذر کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا نذر پوری نہ کرنے کی سزا ہے؟ کیا نذر کی قیمت کو کسی دوسرے رفاہی کام میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

 نذر کے بارے میں حکم شریعت یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وانه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

''یہ کسی خیر و بھلائی کو تو نہیں لاتی' البتہ اس کے ذریعہ بخیل کا کچھ مال نکال لیا جاتا ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ بعض لوگ جب بیمار ہو جاتے یا نقصان اٹھاتے یا کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ یہ نذر مانتے ہیں کہ اگر انہیں شفا حاصل ہو جائے یا نقصان پورا ہو جائے تو وہ صدقہ کریں گے یا جانور ذبح کریں گے یا مال تقسیم کریں گے اور ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ یہ نذر نہ مانیں اللہ تعالیٰ انہیں شفا نہیں دے گا یا یہ نفع

نہیں پہنچائے گا' تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ قضا و قدر میں تو کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی البتہ یہ ضرور ہے کہ نذر ماننے والا بسا اوقات بخیل ہوتا ہے اور وہ نذر مانے بغیر خرچ نہیں کرتا۔

اگر کسی عبادت کی نذر مانی ہو' مثلاً نماز یا روزہ یا صدقہ یا اعتکاف کی تو اسے پورا کرنا لازم ہے اور اگر نذر کسی معصیت یعنی گناہ کی ہو مثلاً قتل' یا زنا یا شراب نوشی کی یا کسی کا مال ظلم سے چھیننے کی' تو یہ جائز نہیں اور اس صورت میں کفارہ قسم ادا کر دینا چاہیے اور وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا.....الخ

اگر نذر کا تعلق کھانے' پینے' پہننے' سفر کرنے اور معمول کی بات چیت کرنے وغیرہ کے مباح امور میں سے ہو تو پھر نذر ماننے والے کو اختیار ہے کہ اسے پورا کرے یا کفارہ قسم ادا کر دے۔

اگر اطاعت الٰہی پر مبنی نذر کا تعلق مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے ہو' مثلاً کھانا کھلانا یا دنبہ وغیرہ ذبح کرنا ہو تو اسے مسکینوں اور محتاجوں ہی پر خرچ کیا جائے اور اگر نذر کا تعلق کسی بدنی یا مالی نیک عمل' مثلاً جہاد' حج اور عمرہ وغیرہ سے ہو تو اسے پورا کرنا لازم (ضروری) ہے اگر نذر ماننے والے نے مصرف کا تعین کر لیا ہو' مثلاً یہ کہ اسے مساجد یا کتب یا اس طرح کے دیگر نیک کاموں میں خرچ کرے گا تو پھر اس طرح کے مقرر کردہ مصرف میں تبدیلی جائز نہیں۔

——— شیخ ابن جبرین ———

کیا غیراللہ کے لیے نذر ماننا شرک ہے؟

سوال غیراللہ کے لیے نذر ماننے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب غیراللہ کے لیے نذر شرک ہے کیونکہ اس میں جس کے لیے نذر مانی جائے اس کی تعظیم و تقرب ہے اور اسے پورا کرنا اس کی عبادت کے مترادف ہے۔ اگر نذر کا تعلق اطاعت و عبادت سے ہو تو پھر بہت سے دلائل کی روشنی میں یہ واجب ہے کہ اسے صرف اور صرف اللہ وحدہ کے لیے ادا کیا جائے' مثلاً ارشاد باری ہے:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ ﴾
(الأنبياء ٢١/ ٢٥)

"اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' تو میری ہی عبادت کرو۔"

لہٰذا غیراللہ کے لیے نذر ماننا شرک ہے۔

سوال نذر کے بارے میں ایک جماعت کا تو یہ کہنا ہے کہ نذر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مانی چاہیے کیونکہ غیراللہ کے لیے نذر ماننا کفر و شرک ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیراللہ کی عبادت کفر ہے اور ایک دوسری جماعت کا یہ کہنا ہے کہ غیراللہ کے لیے نذر عمل صالح اور موجب اجر و ثواب ہے تو اس میں سے کون سی بات حق ہے؟

جواب نذر عبادت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور یہ صرف اللہ وحدہ کا حق ہے' لہٰذا غیراللہ کے لیے نذر جائز نہیں۔ جو شخص غیراللہ کے لیے نذر مانتا ہے وہ گویا عبادت کی اس قسم کو غیراللہ کے لیے ادا کرتا ہے اور جو عبادت کی کسی بھی قسم کو خواہ وہ نذر ہو یا ذبح یا کچھ اور' غیراللہ کے لیے ادا کرتا ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتا

ہے اور وہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم میں داخل ہے:

﴿ إِنَّهُۥ مَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدۡ حَرَّمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِ ٱلۡجَنَّةَ وَمَأۡوَىٰهُ ٱلنَّارُۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنۡ أَنصَارٖ ﴾ (المائدۃ۵/ ۷۲)

''جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا' اللہ اس پر بہشت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

جو عاقل بالغ مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ قبر میں مدفون لوگوں کے لیے نذر و ذبح جائز ہے تو اس کا یہ عقیدہ شرک اکبر ہے جو (آدمی کو) ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے اس عقیدہ کے حامل شخص سے تین دن تک نہایت سختی کے ساتھ توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا' اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

ایسے شخص کے بیٹے کا اپنے باپ کے مال کو مستقبل بنانے کے لیے استعمال کرنا یا اس کی وفات کے بعد وارث بننا اسی مسئلہ پر موقوف ہے' اگر اس کا باپ اسی عقیدہ پر فوت ہوا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے توبہ کی ہے تو وہ اس کا وارث نہیں ہو گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلاَ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»(صحيح البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح:٦٧٦٤ وصحيح مسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ... الخ، ح:١٦١٤)

''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔''

اس کا بیٹا اس کی زندگی میں اس کے مال کو جس قدر اس کا جی چاہے لے سکتا ہے' نیز اس کے لیے بھی بیٹے کے مال کو اس کے علم کے بغیر بھی لینا جائز ہے بشرطیکہ فقیر اور ایسے اسباب سے عاجز ہو جو اسے اس سے بے نیاز کر دینے والے ہوں' کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کے پاس یہ شکایت کی کہ ابو سفیان اسے اس قدر خرچ نہیں دیتا جو اس کے اور اس کے بیٹوں (اولاد) کے لیے کافی ہو تو آپ نے فرمایا کہ:

«خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»(صحيح البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ... الخ، ح:٥٣٦٤ وصحيح مسلم، الأقضية، باب قضية هند، ح:١٧١٤ واللفظ له)

''تو اس کے مال میں سے دستور کے مطابق اس قدر لے لے جو تیرے بیٹوں کے لیے کافی ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی جماعت کا مؤقف حق ہے' جو یہ کہتی ہے کہ نذر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونی چاہیے اور غیراللہ کے لیے نذر کفر و شرک ہے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

غیراللہ کے لیے نذر (منت ماننا) شرک ہے اور وہ .....

سوال غیراللہ کے لیے نذر ماننا تو باطل ہے اور یہ نذر منعقد ہی نہیں ہوتی لیکن اگر کوئی شخص شیخ محی الدین یا شیخ عبدالقادر جیلانی کے لیے مثلاً کسی بکری کی نذر مانے کہ اس کا گوشت تو فقیروں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور اس کا ثواب شیخ

کی روح کے لیے ہو گا اور اس سے اس کے عقیدہ کے مطابق اسے شیخ کی طرف سے برکت حاصل ہو گی تو کیا اس طرح کی نذر منعقد ہو جاتی ہے؟ کیا یہ بکری بھی ارشاد باری تعالیٰ ﴿ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ "اور جس پر غیراللہ کا نام پکارا گیا ہو" (وہ حرام ہے) کے ضمن میں داخل ہو گی کیونکہ نذر کا یہ جانور تو پاک ہے' تو کیا اس باطل نذر کے سبب یہ حرام ہو جائے گا؟

جواب اللہ کے لیے نذر ماننا اور اللہ ہی کے لیے ذبح کرنا عبادت ہے اور کسی بھی عبادت کو غیراللہ کے لیے ادا کرنا جائز نہیں۔ جس نے غیراللہ کے لیے نذر مانی یا کوئی جانور ذبح کیا تو اس نے اس غیر کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا اور یہ گناہ اس وقت اور بھی شدید ہو جائے گا جب نذر ماننے یا ذبح کرنے والے کا کسی فوت شدہ انسان کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ وہ نفع و نقصان کا مالک ہے کیونکہ اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں شرک ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ کہ غیراللہ کے لیے نذر منعقد ہی نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک باطل نذر ہوتی ہے۔ غیراللہ کے لیے جن مباح کھانوں یا ماکول اللحم حیوان کی نذر مانی اور اسے ابھی ذبح نہیں کیا تو وہ اس کے مالک کا ہے اور اگر اسے غیراللہ کے لیے ذبح کر دیا تو وہ مردار ہو گا جسے اس حیوان کے مالک کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی کھانا حرام ہو گا کیونکہ وہ مذکورہ بالا آیت کے عموم میں داخل ہے۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

بکری کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی مگر اسے بیچ دیا

سوال میں نے اللہ کے لیے ذبیحہ کی نذر مانی تھی مگر مجھے اس کی قیمت کی ضرورت پڑ گئی جس کی وجہ سے میں نے اسے ذبح کرنے کی بجائے بیچ دیا' یہ چار سال پہلے کی بات ہے۔ اب میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں تو کیا اسی قیمت کا ایک جانور لے کر ذبح کر دوں جس قیمت میں میں نے پہلے جانور کو فروخت کیا تھا؟

جواب یہ بکری جسے آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کرنے کی نذر مانی تھی' اگر آپ کی یہ نذر' نذر اطاعت تھی تو آپ کے لیے اسے پورا کرنا واجب تھا اور متعین طور پر اسی بکری کو ذبح کرنا چاہیے تھا' اس کا بیچنا غلط بلکہ حرام تھا' لہٰذا اب آپ اسی طرح کی یا اس بھی بہتر بکری اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کریں اور اپنی اس کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور تقرب الٰہی کے حصول کے لیے اس کے بدلے اور بکری ذبح کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دیں بشرطیکہ آپ کی نیت اللہ کی رضا کے لیے صدقہ کرنے کی تھی اور اب جو جانور ذبح کریں وہ اسی طرح کا یا اس سے بھی بہتر ہونا چاہیے جس کی آپ نے نذر مانی تھی۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

جو شخص نذر مانے اور اسے پورا نہ کرے

سوال جو شخص قسم کھاتے ہوئے یہ کہے کہ میرا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد ہے کہ میں اس طرح کروں گا یا یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ اس طرح کروں گا اور پھر وہ اس قسم کو پورا نہ کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب سوال کا جواب دینے سے قبل میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں کہ یہ نذر

جسے انسان اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے‘ یہ مکروہ ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب ألقاء العبد النذر إلي القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩ واللفظ له)

”یہ کوئی خیر و بھلائی تو نہیں لاتی‘ ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے مال ضرور نکالا جاتا ہے۔“

بعض اہل علم نے تو یہ بھی کہا ہے کہ نذر حرام ہے کیونکہ اس سے انسان اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو لازم قرار دے لیتا ہے جو لازم نہیں ہوتی‘ لہٰذا وہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لیتا ہے اور بسا اوقات پورا نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو اس عذاب عظیم کا سزا وار (مستحق) قرار دے لیتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ نذر کے مکروہ ہونے کی طرف اللہ تعالیٰ نے خود بھی اشارہ فرمایا:

﴿ وَأَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا۟ ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ﴾ (النور٢٤/ ٥٣)

”اور یہ اللہ کی سخت سخت (انتہائی پختہ) قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں گے۔ کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ‘ پسندیدہ فرماں برداری درکار ہے۔“

پھر ہم لوگوں سے اس قسم کی باتیں ہمیشہ سنتے رہتے ہیں کہ انہوں نے کسی شرط کے ساتھ معلق نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مریض کو شفا دی تو میں اس قدر روزے رکھوں گا یا یہ صدقہ کروں گا اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ اس طرح انسان اپنے آپ کو ایک بہت بڑی سزا میں مبتلا کر لیتا ہے۔

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی کوئی نذر مان لے تو اسے پورا کرنا بہرحال واجب ہے اور اسے ترک کرنا جائز نہیں ہے‘ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے۔“

اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ اس نے یہ نذر کسی اطاعت واجب کی مانی ہو‘ مثلاً یہ کہ انسان یہ کہے ”میں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ میں اپنی زکوٰۃ ادا کردوں گا“ یا کسی اطاعت مستحب کی نذر مانی ہو‘ مثلاً یہ کہے کہ: ”میں اللہ کے لیے نذر مانتا ہوں کہ میں دو رکعت نماز ادا کروں گا“ اور اس اعتبار سے بھی کوئی فرق نہیں کہ نذر مطلق ہو اور کسی چیز کے ساتھ معلق نہ ہو یا وہ مطلق نہ ہو اور کسی چیز کے ساتھ معلق ہو۔

بہرحال ہر نذر اطاعت کا پورا کرنا واجب ہے اور یہ حلال نہیں کہ اسے چھوڑ دے اور اس کی بجائے کفارہ ادا کر دے‘ اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ گناہ گار ہوگا‘ ہاں البتہ اگر نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کی ہو تو اسے پورا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح: ٣٢٨٩ واللفظ له)

”جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔“

ہاں البتہ اس صورت میں اس کے لیے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«كَفَّارَةُ النَّذْرِ إِذَا لَمْ يُسَمِّ كَفَّارَةُ يَمِينٍ»(سنن أبي داود، الأيمان، باب من نذر نذرا لا يطيقه، ح:٣٣٢٢ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في كفارة النذر إذا لم يسم، ح:١٥٢٨ واللفظ له)

”جب نذر کو پورا نہ کرے تو نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔“

یہ حکم ہے‘ لہٰذا جس نذر کو پورا کرنا جائز نہ ہو تو اس میں کفارہ قسم واجب ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کی بنا پر سائل کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

نذر کو نیت کے مطابق پورا کرنا چاہیے

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی جدوجہد کے مطابق مال عطا فرما دیا تو میں ایک جامع مسجد بنانے کے لیے اس قدر مال خرچ کروں گا‘ اس مال کا تعین میں نے اپنے دل میں کر لیا تھا اور نذر کے دن میرا یہ خیال تھا کہ یہ رقم مسجد بنانے کے لیے کافی ہو گی۔ کئی سال گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری خواہش کو پورا کر دیا‘ لہٰذا میں اپنی نذر کو پورا کرنا چاہتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ جس رقم کے خرچ کرنے کی میں نے نیت کی تھی‘ کرنسی کی قدر کم ہونے کی وجہ سے اب اس سے مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی‘ لہٰذا اگر میں اس رقم کو رشتہ دار اور غیر رشتہ دار محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کر دوں یا کسی ایسی فلاحی تنظیم کو دے دوں جو اسے کسی نامکمل مسجد کی تکمیل کے لیے خرچ کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ رہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب آپ کے لیے واجب ہے کہ نذر کو پورا کریں اور حسب طاقت مسجد تعمیر کریں اور اگر آپ کا ارادہ ایسی جامع مسجد کی تعمیر کا تھا جس میں نماز جمعہ بھی ادا کی جائے تو آپ کے لیے ایسی ہی مسجد کی تعمیر واجب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان، والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے چاہیے کہ وہ اطاعت کرے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے نافرمانی والا کام نہیں کرنا چاہیے۔“

آپ کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اپنی نذر کو مکمل طور پر ادا کریں اور اگر آپ کی نیت ایک معین رقم خرچ کرنے کی تھی تو پھر آپ پر اسی رقم کا خرچ کرنا واجب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوى»(صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اگر اس رقم کے ساتھ مکمل مسجد تعمیر نہ ہو سکتی ہو تو کسی دوسرے کے ساتھ مل کر مسجد کی تعمیر میں حصہ ڈال لیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن٦٤/١٦)

"سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔"

اللہ تعالیٰ آپ کے لیے آسانی کرے اور قرض سے عہدہ برا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

——— شیخ ابن باز ———

نذر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی

سوال میری بیوی نے یہ نذر مانی تھی کہ جب اس کے بیٹے نے میٹرک کی سند حاصل کر لی تو وہ ہر ماہ چھ روزے رکھا کرے گی' اس نے تقریباً ایک سال پہلے یہ سند حاصل کر لی اور اس نے اس تاریخ سے روزے رکھنے شروع کر دیے لیکن اب اسے اس نذر کی وجہ سے بہت ندامت اور دشواری کا سامنا ہے کیونکہ بچوں کی تربیت' گھریلو کام کاج اور خصوصاً موسم گرما میں اسے روزے رکھنے میں بہت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے' لہٰذا اس نذر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ ہمیشہ روزے رکھتی رہے یا اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے؟ یاد رہے اس نے نذر یہ مانی تھی کہ وہ ساری زندگی ہر ماہ چھ روزے رکھے گی؟

جواب اس عورت کو اپنی نذر پوری کرنی چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔"

اگر اس عورت نے متواتر روزے رکھنے کی نیت نہیں کی تھی تو پھر الگ الگ روزے رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر اس نے متواتر روزے رکھنے کی نیت کی تھی تو پھر اسے متواتر روزے ہی رکھنے ہوں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے' اسے عظیم اجر و ثواب عطا فرمائے اور اسے بھی اور دیگر مسلمانوں کو بھی یہ وصیت کرتے ہیں کہ وہ نذر نہ مانا کریں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لاَ تَنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لاَ يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ» (صحيح

مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح: ١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب في كراهية النذور، ح: ١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح: ٦٦٠٨)

"نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے کچھ مال ضرور نکال لیا جاتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———

جس طرح کی نذر مانی ہو' اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے

سوال میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری بیٹی کو شفا عطا فرما دی تو میں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک بکری ذبح کروں گا۔ الحمدللہ! اب بیٹی شفایاب ہو گئی ہے تو کیا میرے لیے اس ذبیحہ کی قیمت کو صدقہ کرنا جائز ہے؟ کیونکہ فقیر تو گوشت کے بجائے مال کو ترجیح دیتا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب آپ پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کریں' اس بکری کو ذبح کریں جس کی نذر مانی تھی اور تقرب و طاعت الٰہی کے حصول اور نذر کو پورا کرنے کے لیے اسے فقراء پر صدقہ کر دیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح: ٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اسی کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

لہٰذا آپ کے لیے قیمت کو صدقہ کرنا جائز نہیں بلکہ واجب یہ ہے کہ بکری ذبح کریں جیسا کہ آپ نے نذر مانی تھی۔ اگر آپ نے یہ نیت کی تھی کہ اس کے گوشت کو آپ اور آپ کے اہل خانہ کھائیں گے یا آپ اپنے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کو دعوت پر بلائیں گے تو پھر نیت کے مطابق عمل کریں اور اس صورت میں اسے فقراء میں تقسیم کرنا لازم نہیں ہے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح: ١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح: ١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

ہم آپ کو یہ وصیت کرتے ہیں کہ آئندہ نذر نہ مانیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تَنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح: ١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور والأيمان، باب في كراهية النذور، ح: ١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح: ٦٦٠٨)

"نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر الٰہی کو تو نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل کے مال میں سے کچھ ضرور

نکال لیا جاتا ہے۔"

—— شیخ ابن باز ——

مشروط نذر

سوال میں نے اپنے بیمار بھائی کی وجہ سے ایک دن کے روزے کی نذر مانی تھی مگر حالات ایسے رہے کہ میں روزہ نہ رکھ سکا اور یہ بھائی بھی فوت ہو گیا' تو کیا اب اس کی وفات کے بعد بھی روزہ رکھ سکتا ہوں؟ ایک روزہ رکھوں یا دو روزے؟ میں نے دو دفعہ اپنے اس فوت شدہ بھائی کی قبر کی بھی زیارت کی ہے' کیا اسلام میں یہ جائز ہے؟ اور کیا یہ حقیقت ہے کہ زندہ لوگ جب میت کی قبر کی زیارت کریں تو فوت شدہ شخص کو اس کا علم ہو جاتا ہے؟

جواب اگر آپ نے مشروط نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی کو شفا عطا فرمائی تو آپ ایک روزہ رکھیں گے اور وہ شفا سے قبل ہی فوت ہو گیا تو پھر آپ کے لیے یہ روزہ رکھنا لازم نہیں ہے' چنانچہ سوال سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی وفات صحت یاب ہونے سے پہلے ہو گئی۔

آپ کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے فوت شدہ بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے ایک یا دو یا اس سے بھی زیادہ دفعہ جائیں لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ آپ ہمیشہ قبر کی زیارت کرتے رہیں کیونکہ ایسا کرنا مشروع نہیں ہے' ہاں یہ جائز ہے کہ کبھی کبھی زیارت کے لیے جائیں اور دعا کریں۔ جہاں تک زیارت کرنے والے کو پہچاننے کا تعلق ہے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَا مِنْ أَحَدٍ مَرَّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ إِلاَّ عَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ» (الاستذکار: ٢/ ١٦٥)

"جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ (میت) اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔"

اس حدیث کو عبدالبر رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کے حوالہ سے "کتاب الروح" میں درج کیا اور ان سے اتفاق کیا ہے۔ [1]

اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ زیارت فوت شدگان کی مصلحت اور زندہ انسانوں کی عبرت کے لیے ہونی چاہیے اور اس سے یہ مقصود نہیں ہونا چاہیے کہ ان مردوں کو پکارا جائے کیونکہ غیر اللہ کو پکارنا ایسا شرک اکبر ہے جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور پھر قبروں کے پاس دعا کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ مسجدوں میں دعا کرنا افضل ہے اور دعا کے ارادے سے قبروں کے پاس جانا بدعت ہے بلکہ یہ کبھی کبھی وسیلۂ شرک بھی بن جاتا ہے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

[1] ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا ہے۔ اسے صحیح قرار نہیں دیا اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ سکوت روایت کے صحیح ہونے کی علامت قطعاً نہیں۔ العلل المتناهية کی تعلیق میں شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے اس روایت کی سند پر مختصر اور جامع نقد کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: العلل المتناهية بتحقیق الاستاذ ارشاد الحق الاثری ۲/۴۳۰' ۴۲۹)

اپنی نذر کو پورا کرو

سوال میری ایک شادی شدہ بہن ہے' جس کے تین بچے ہیں اور اس کا ہمیشہ اپنے شوہر سے جھگڑا رہتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے شوہر کے انتہائی سخت معاملہ کی وجہ سے اس کا اپنے باپ کے ساتھ بھی اختلاف رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ مجبور ہو گئی کہ اپنا گھر چھوڑ کر اپنی اس مطلقہ ماں کے پاس چلی جائے جس نے ایک اور شخص سے شادی کر لی ہے مگر وہ بھی اس سے برا معاملہ کرتا ہے' لہٰذا میں نے ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کے لیے مکان کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تاکہ یہ میرے ساتھ رہائش اختیار کر لے۔ یہ اپنی ماں کے پاس بھی اکثر آتی جاتی رہتی ہے۔ ایک بار ماں کے شوہر نے اسے مجبور کیا کہ یہ جائے اور بچوں کو اپنے شوہر کے پاس چھوڑ آئے' چنانچہ اپنی ماں کو راضی کرنے کی خاطر اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن اس کے اور اس کی ماں کے اس شوہر کے درمیان بہت شدید اختلاف ہوا جس کی وجہ سے یہ اپنے مکان پر آگئی' ان پریشانیوں اور اولاد سے دوری کی وجہ سے اس نے فریج سے گولیاں نکالیں اور یہ تمام گولیاں کھالیں جس سے یہ اپنی زندگی ختم کرنا چاہتی تھی' چنانچہ میں اسے ہسپتال لے گیا اور اس کا علاج کروایا۔ وفات سے قبل کے آخری دنوں میں میں نے یہ محسوس کیا کہ اپنے اس فعل پر اس نے کثرت سے توبہ و استغفار کیا ہے اور وہ ہم سے بھی یہ کہتی رہتی تھی کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے' بہرحال اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت سے اس کا انتقال ہو گیا' تو سوال یہ ہے کہ اب اس کا کیا حال ہو گا؟ کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کروں؟ یاد رہے کہ میں نے یہ نذر مانی ہوئی ہے کہ میں ان شاء اللہ ساری زندگی یہ اعمال سرانجام دیتا رہوں گا؟

جواب اگر آپ کی مذکورہ بہن نے اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کر لی اور خود کشی (کا راستہ اختیار) کرنے پر ندامت کا اظہار کیا تو اس کے لیے مغفرت کی امید ہے کیونکہ توبہ سے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہوتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے' اگر آپ اس کی طرف سے صدقہ کریں یا اس کے لیے استغفار کریں اور دعا کریں تو یہ اس کے حق میں اور بھی اچھا ہو گا' اس سے اسے فائدہ ہو گا اور آپ کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جو نذریں مانی ہیں تو انہیں پورا کرتے رہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر کو پورا کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُۥ مُسْتَطِيرًا ۝٧ ﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

''یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔''

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔''

شیخ ابن باز

نذر مانی ہوئی چیز کی قیمت صدقہ کرنا

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ میں فی سبیل اللہ ایک کنواں کھودوں گا مگر مجھے اس کی توفیق نہ ہوئی اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی نیت بدل لوں اور کنویں پر آنے والے خرچ کو صدقہ کردوں' تو کیا اس سے نذر پوری ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب نذر اگر اطاعت الٰہی پر مبنی ہو اور نذر ماننے والے کو اس کی قدرت ہو تو اسے پورا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نذر پورا کرنے کا حکم دیا اور اس پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا۟ تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا۟ نُذُورَهُمْ ﴾ (الحج۲۲/ ۲۹)

"پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں۔"

اور فرمایا:

﴿ يُوفُونَ بِٱلنَّذْرِ ﴾ (الإنسان۷٦/ ۷)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح: ٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الإيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح: ٣٢٨٩ واللفظ له)

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

لہٰذا اس شخص پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کرے اور کنواں کھود کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اور اگر اسے اس کی طاقت نہ ہو یا کنویں کے لیے مناسب جگہ نہ ملے یا اسے حکومت یا حکمران یا اس علاقے کے باشندے کنواں کھودنے سے منع کر دیں تو پھر اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کنویں کی بجائے کوئی اور ایسی چیز اختیار کر لے جو اس سے مشابہہ ہو اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو پھر وہ کنویں پر آنے والے اخراجات کو صدقہ کر دے' یہ صدقہ مجاہدوں مسکینوں اور محتاجوں کو دیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

دل میں نذر مانی

سوال ایک سال پہلے میں ایک بہت ہی مشکل میں مبتلا تھا اور میں نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ اگر یہ مشکل ختم ہو گئی تو میں سارا قرآن مجید زبانی حفظ کروں گا۔ الحمدللہ! یہ مشکل بہت احسن انداز میں ختم ہو گئی اور میں نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا اور صرف دو پارے یاد کر سکا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں سارا قرآن حفظ نہیں کر سکوں گا جب

کہ میں نے اس کا اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر میں قرآن مجید حفظ نہ کر سکوں تو کیا مجھ پر کوئی چیز لازم ہوگی جب کہ معلوم ہے کہ جو عہد کو پورا نہ کرے' اس کا دین ہی نہیں ہے؟

جواب یہ معاملہ چونکہ آپ کے اور آپ کے دل کے درمیان تھا' لہٰذا اسے اس نذر کا حکم نہیں دیا جا سکتا جسے پورا کرنا لازم ہوتا ہے لیکن ہم آپ کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اب جب کہ آپ نے قرآن مجید حفظ کرنا شروع کر دیا ہے تو اسے مکمل کرنے کی کوشش کریں' بھرپور محنت کریں' بار بار پڑھیں اور حفظ کے لیے کافی وقت مخصوص کر دیں۔ جو شخص محنت کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔ جو بوتا ہے وہ کاٹتا ہے اور جو راستے پر چلتا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ واللہ الموفق

—— شیخ ابن جبرین ——

امتحان میں کامیاب ہونے کی صورت میں جانور ذبح............

سوال میں نے امتحان سے پہلے ایک دن یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں چھٹی جماعت سے پاس ہو کر ساتویں جماعت میں چلا گیا تو ایک جانور ذبح کروں گا۔ میں کامیاب تو ہو گیا لیکن پہلے مرحلے میں نہیں (بلکہ) دوسرے مرحلہ میں' تو کیا اس صورت میں بھی مجھے جانور ذبح کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس بات کو چار سال ہو گئے ہیں اور میں نے ابھی تک نذر کو پورا نہیں کیا۔ اسی طرح کی نذر میں نے یہ بھی مانی تھی کہ اگر میں مڈل سکول سے کامیاب ہو کر ہائی سکول میں پہنچ گیا تو جانور ذبح کروں گا تو کیا اس امتحان سے کامیابی کی صورت میں مجھے ایک جانور ذبح کرنا ہو گا یا دو؟

جواب اگر آپ نے مطلق نذر مانی تھی اور پہلے مرحلہ میں کامیابی کی نیت نہیں کی تھی تو پھر آپ نذر پوری کریں' جانور ذبح کر کے اللہ کے لیے فقراء میں تقسیم کر دیں اور اس میں سے کچھ بھی آپ یا آپ کے اہل خانہ نہ کھائیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

اور اگر آپ نے پہلے مرحلہ میں کامیابی کی صورت میں نذر مانی تھی اور آپ دوسرے مرحلہ میں کامیاب ہوئے تو اس صورت میں آپ پر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحى، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ، ح:١٩٠٧)

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔"

اسی طرح جب آپ ہائی سکول میں پاس ہو جائیں تو اپنی نذر پوری کریں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کا

یہی تقاضا ہے۔ اگر پہلی یا دوسری نذر سے آپ کی نیت اپنے اہل خانہ' رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو کھلانے کی ہے تو اپنی نیت کے مطابق عمل کریں' جیسا کہ حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ حدیث کا تقاضا ہے۔

بھائی! آپ کو چاہیے کہ دوبارہ نذر نہ مانیں کیونکہ نذر تقدیر الٰہی کو نہیں ٹال سکتی اور نہ ہی یہ کامیابی کے اسباب میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:

«إِنَّهُ لاَ يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، ح:٦٦٠٨ وصحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٣٩)

''یہ کچھ بھلائی لے کر نہیں آتی' ہاں البتہ اس سے بخیل سے مال ضرور نکلوا لیا جاتا ہے۔''

جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے۔ ہم اپنے لیے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

نذر کے جانور کو ذبح کیا اور خود بھی کھا لیا

سوال میں نے نذر مانی کہ اگر ساتویں کلاس میں پاس ہو کر آٹھویں کلاس میں چلا گیا تو بکری ذبح کروں گا۔ الحمدللہ! میں پاس ہو گیا اور میں نے بکری ذبح کر دی تو کیا اس سے میری لیے اور میرے بزرگوں اور عزیزوں کے لیے کھانا جائز ہے؟ اگر ہم نے اس سے کھا لیا ہو تو ہم پر کیا واجب ہے جب کہ میری نذر اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کی تھی؟

جواب یہ نذر ایک چیز کے ساتھ مشروط تھی جو کہ واقع ہو چکی ہے لہٰذا اسے پورا کرنا ضروری ہے' کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔''

سائل نے چونکہ ذکر کیا ہے کہ اس نے صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی' لہٰذا اسے ان فقراء میں تقسیم کرنا چاہیے جن پر زکوٰۃ کو خرچ کیا جا سکتا ہو۔ نذر ماننے والے اور اس کے بزرگوں اور عزیزوں کو اس میں سے نہیں کھانا چاہیے کیونکہ وہ اس کے مال کی زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں' لہٰذا وہ نذر کے بھی مستحق نہیں ہیں۔ اگر اس نذر ماننے والے یا اس کے بزرگوں اور عزیزوں نے اس میں سے کھا لیا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں پہلے جیسا یا اس سے بھی بہتر جانور ذبح کرے اور اسے فقراء میں تقسیم کر دے' ہاں البتہ اگر نذر ماننے والے نے بوقت نذر یہ نیت کی ہو کہ وہ اور اس کے اہل خانہ بھی اس میں سے کھائیں گے خواہ یہ نیت لفظی یا عرفی شرط کی صورت میں ہو تو پھر اس نیت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

روزوں کی نذر کو پورا کرنے سے عاجز و قاصر ہے

سوال ایک عورت نے یہ نذر مانی کہ اگر اس نے بچے کو صحیح سالم جنم دیا اور وہ ایک سال تک سلامت رہا تو وہ ایک سال کے روزے رکھے گی۔ اس نے بچے کو جنم دیا اور اب اسے ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو گیا ہے لیکن وہ روزے رکھنے سے عاجز ہے؟

جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ نذر اطاعت عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کرنے والوں کی تعریف میں فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

"یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہو گی۔"

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داو٦، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنَ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قالوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر ... الخ:١٠/ ٨٣)

"ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ ذبح کرے گا' اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو' اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو۔"

اس خاتون نے چونکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے سال بھر کے روزوں کی نذر مانی تھی اور سال بھر کے متواتر روزے چونکہ صیام دہر کے قبیل سے ہیں اور صیام دہر مکروہ ہیں' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ صَامَ الدَّهْرَ فَلاَ صَامَ وَلاَ أَفْطَرَ»(مسند أحمد:٤/ ٢٦ وصحيح مسلم، الصيام، باب استحباب

صيام ثلاثة أيام من كل شهر ... الخ، ح:١١٦٢)

"جس نے زمانہ بھر کے روزے رکھے' اس نے گویا نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا۔"

اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مکروہ عبادت میں اللہ کی نافرمانی ہے' لہٰذا ایسی نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص عبادت مکروہ کی نذر مانے' مثلاً ساری رات کے قیام یا زمانہ بھر کے روزوں کی تو ایسی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔

اس خاتون پر کفارہ قسم واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو نصف صاع فی مسکین کے حساب سے کھجور وغیرہ یا اسی خوراک میں سے دیا جائے جو شہر میں اکثر و بیشتر کھائی جاتی ہو' اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ متواتر تین دن کے روزے رکھ لے۔ وباللہ التوفیق' وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

قبروں کے پاس جانور ذبح کرنے کی نذر

سوال ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ قبروں کے پاس ایک مینڈھا ذبح کرے گا تو کیا اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے یا وہ کسی بھی جگہ مینڈھا ذبح کر سکتا ہے؟

جواب قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا بدعت اور شرک اکبر کا ذریعہ ہے' لہٰذا جو شخص قبروں کے پاس جانور ذبح کرنے کی نذر مانے اس کے لیے اپنی اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نذر معصیت ہے اور نذر معصیت کو پورا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلاَ يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

نیز امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے:

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنَ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قالوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر ... الخ:١٠/ ٨٣)

"ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ نحر کرے گا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا! جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: ''کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا جی نہیں تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔ اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو''۔

اگر یہ ذبیحہ صاحب قبر کے لیے ہو تو یہ شرک اکبر ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ (الأنعام٦/ ١٦٢-١٦٣)

''اے پیغمبر! کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔''

اور صحیح حدیث میں ہے:

«لَعَنَ اللهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللهِ»(صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح:١٩٧٨)

''اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔''

فتویٰ کمیٹی

جو شخص نذر پوری نہ کرے

سوال ایک آدمی کچھ لوگوں سے مذاق کر رہا تھا اور اس کے پاس اس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کی عمر ایک سال تھی۔ اس نے مذاق ہی مذاق میں یہ کہہ دیا کہ اگر یہ بیٹا زندہ رہا تو میں اہل محلہ کی دعوت کروں گا۔ اب وہ بیٹا بڑا ہو کر مرد بن چکا ہے مگر اس شخص نے کچھ نہیں کیا۔ اب وہ پوچھتا ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کے محلہ کے لوگ اس وقت بہت کم تھے اور اب ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے؟

جواب اگر سائل نے یہ بات بطور نذر کہی تھی تو اس پر واجب ہے کہ اپنی نذر کو پورا کرے اور اپنے پڑوسیوں کو کھانا کھلا دے جن کی تعداد اس وقت کے اہل محلہ سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ لوگوں کو کھانا کھلانا بھی تقرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ»(صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠)

''جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے بھی نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾﴾ (الإنسان٧٦/ ٧)

''یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی پھیل رہی ہوگی۔''

اسی طرح:

«نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِبِلاً بِبُوَانَةَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ، هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنَ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: هَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قالوا: لاَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لاَ وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ وَلاَ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ»(سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، ح:٣٣١٣ والبيهقي في السنن الكبرى، النذور، باب من نذر أن ينحر ... الخ:١٠/ ٨٣)

''رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ مقام بوانہ میں ایک اونٹ نحر کرے گا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کے کسی بت کی عبادت تو نہیں ہوتی؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! آپ نے فرمایا: کیا اس جگہ زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ تو منعقد نہیں ہوتا؟ عرض کیا گیا: جی نہیں! تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو' اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہیے' جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو یا جس کا ابن آدم مالک ہی نہ ہو۔''

اگر یہ بات بطور نذر نہیں بلکہ کھانا کھلانے کا ایک وعدہ تھا تو پھر بھی وعدے کو پورا کرنا چاہیے۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم۔

فتویٰ کمیٹی

اپنی نذر کے گوشت میں سے خود کھانا

سوال کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی نذر کے اس گوشت میں سے کھائے جو اس نے اپنی طرف سے یا اپنے گھر کے کسی فرد کی طرف سے مانی ہو؟

جواب نذر اطاعت کا مصرف وہ ہے جس کی نذر ماننے والے نے شریعت مطہرہ کی حدود کے اندر نیت کی ہو' لہٰذا اگر اس گوشت کو فقراء میں تقسیم کرنے کی نیت کی تھی تو پھر اس کے لیے اسے کھانا جائز نہیں اور اگر اس نے اپنے دوستوں اور اہل خانہ کو جن میں سے وہ خود بھی ایک ہے' کھلانے کی نیت کی تھی تو پھر وہ خود بھی کھا سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى»(صحيح البخاري، بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحی إلی رسول الله ﷺ ... الخ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية ... الخ ح:١٩٠٧)

''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔''

اسی طرح اگر نذر میں کوئی شرط لگالی جائے یا علاقے کا کوئی رواج و دستور ہو تو پھر بھی اس کے مطابق عمل ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

دس رکعات نماز کی نذر مانی تھی

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے پاؤں کا درد کم ہو گیا تو میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے دس رکعات نماز ادا کروں گا لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ دو دو کر کے میں پانچ دنوں میں یہ دس رکعات پڑھوں یا ایک ہی دن میں پڑھ لوں۔ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے؟

جواب جب مذکورہ شرط پائی جائے یعنی آپ کے پاؤں کا درد کم ہو جائے تو آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ نذر کو فوراً پورا کریں اور دس رکعات ایسے وقت میں پڑھیں جس میں نماز پڑھنا ممنوع نہ ہو اور دو دو رکعات کر کے پڑھیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى»(سنن أبي داود، الصلاة، باب صلاة النهار، ح:١٢٩٥ وجامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، ح:٥٩٧)

”رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔“

——— شیخ ابن باز ———

اونٹنی ذبح کرنے کی نذر مانی تھی .....

سوال ایک عورت اور اس کے بچوں کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس کی وجہ سے ایک بچہ فوت بھی ہو گیا' یہ عورت ہسپتال میں داخل اور بیماری و غم میں مبتلا تھی کیونکہ اسے گھر میں موجود بچوں کے بارے میں معلوم نہ تھا کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو گئے ہیں۔ اس حالت میں اس نے یہ نذر مانی کہ: ”اے اللہ! اگر گھر میں موجود بچوں سے زندہ سلامت میری ملاقات ہو گئی تو میں تیرے لیے ایک اونٹنی ذبح کروں گی اور اس کے گوشت میں سے خود کچھ بھی نہیں کھاؤں گی' نیز تیری رضا کے لیے ایک ماہ کے روزے بھی رکھوں گی' چنانچہ اس نے ایک ماہ کے روزے رکھ لیے اور اونٹنی بھی ذبح کر دی' لیکن اس کا کچھ گوشت بھی کھا لیا تو اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ اونٹنی کافی ہو گی جس کے گوشت میں سے اس نے کھا لیا ہے یا اس کے لیے ایک دوسری اونٹنی ذبح کرنا لازم ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اس عورت نے اونٹنی کو چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بطور صدقہ ذبح کرنے کی نذر مانی تھی اور یہ نذر اطاعت ہے اور نذر اطاعت کو پورا کرنا لازم ہے' لہٰذا اسے اس اونٹنی کا سارا گوشت صدقہ کر دینا چاہیے تھا لیکن اس نے اس کا جو گوشت کھا لیا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے لیے ایک اور اونٹنی کو ذبح کرنا لازم نہیں ہے بلکہ لازم یہ ہے کہ جتنا گوشت

اس نے کھایا ہے اتنا ہی گوشت خرید کر مسکینوں میں صدقہ کر دے' اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ اس نذر سے یہ بری الذمہ ہو جائے گی۔

——— شیخ ابن جبرین ———

نذر پورا کرنے میں تاخیر

سوال جو شخص کسی شرط کے ساتھ نذر مانے اور شرط کے پورا ہونے پر نذر پورا کرنے میں تاخیر سے کام لے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفا عطا فرما دی تو میں پانچ دن کے روزے رکھوں گا اور پھر وہ شفایاب ہونے پر روزے رکھنے میں تاخیر کرے لیکن یاد رہے کہ اس نے روزے رکھنے کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا تھا؟ کیا ایسے شخص کے لیے متواتر روزے رکھنا واجب ہے؟ اگر نذر سے انکار کی نیت نہ ہو تو کیا تاخیر کی صورت میں کوئی کفارہ بھی لازم ہے؟

جواب نذر اطاعت' مثلاً روزہ' صدقہ' اعتکاف' حج اور تلاوت وغیرہ کی نذر کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر نذر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو مثلاً بیماری سے شفا یا سفر سے واپسی وغیرہ کے ساتھ تو اسے فوراً پورا کرنا چاہیے' اگر ایسی نذر کو تاخیر سے پورا کر دیا تو پھر بھی کوئی گناہ نہیں اور اگر کوئی ایسی نذر کو پورا کیے بغیر فوت ہو جائے تو اس کا وارث اسے پورا کر دے لیکن ایسی نذر کو جلد پورا کرنا چاہیے تاکہ مسلمان اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو سکے۔

——— شیخ ابن جبرین ———

جس نے نذر کو کسی چیز کے ساتھ مشروط کیا اور وہ ....

سوال ایک انسان نے ایک حرام چیز کے بارے میں یہ نذر مانی کہ اگر وہ اسے حاصل ہو گئی تو وہ کسی شخص کو ایک ماہ کا خرچہ دے دے گا لیکن یہ حرام چیز اسے حاصل نہیں ہوئی تو کیا اس پر کفارہ لازم ہے یا ایک ماہ کا خرچہ دینا؟ کیا کفارہ ہر مسکین کو بیس ریال نقدی کی صورت میں دیا جا سکتا ہے؟

جواب جس نے نذر کو مستقبل میں کسی چیز کے حصول کے ساتھ معلق قرار دیا اور وہ اسے حاصل نہ ہو تو اس سے اس پر کوئی کفارہ یا نذر کو پورا کرنا لازم نہیں آتا' ہاں البتہ اگر وہ چیز حاصل ہو جائے اور نذر اطاعت ہو تو پھر اسے پورا کرنا واجب ہے' مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر مجھے اس مال سے نفع حاصل ہوا تو میں مسکینوں پر ایک ماہ کی تنخواہ صدقہ کر دوں گا اور اگر نذر معصیت ہو' مثلاً کوئی یوں کہے کہ اگر میرا یہ مقصد حاصل ہو گیا تو میں شراب کا ایک جام پیئوں گا تو اس طرح کی نذر کو پورا کرنا حرام ہے۔ ایسی نذر ماننے والے کو کفارہ قسم ادا کرنا چاہیے' اگر نذر مباح ہو' مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں اس کپڑے کو خریدوں گا یا اس ماڈل کی گاڑی خریدوں گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ نذر کو پورا کرے یا کفارہ قسم ادا کر دے کفارہ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک وقت کا اوسط درجے کا وہ کھانا کھلا دیا جائے جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا ہو یا انہیں کپڑے دے دے یا ایک غلام آزاد کر دے۔ اور اگر وہ اس سے عاجز ہو تو متواتر تین دن کے روزے رکھ لے' کھانے میں قیمت دینا کافی نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

نذر پوری کرنی واجب (ضروری) ہے

سوال میں نے ایک مرتبہ یہ کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس گناہ سے نجات دے دی تو میں یہ نذر مانتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کو سونے کے زیور کا ایک سیٹ دوں گا' میری بیوی کو میری اس نذر کا علم نہیں ہے تو کیا میں اس نذر کو پورا کروں یا قسم کا کفارہ ادا کر دوں؟

جواب اگر شرط مذکور حاصل ہو جائے تو آپ کے لیے اس نذر کو پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ» (صحيح البخاري، الأيمان، باب النذر فيما لا يملك وفي معصية، ح:٦٧٠٠ وسنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب النذر في المعصية، ح:٣٢٨٩ واللفظ له)

"جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے تو اسے اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے تو اسے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔"

ہاں البتہ اگر آپ کی بیوی معاف کر دے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

نذر امتناعی' قسم کے حکم میں ہے

سوال میں ایک گناہ گار نوجوان تھا' اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرما دی لیکن ایک گناہ کا میں پھر بھی ارتکاب کرتا رہا۔ میں نے کئی بار توبہ کی کوشش کی لیکن اس سے باز نہ رہ سکا' لہٰذا میں نے ایک بار اپنے دل میں یہ کہہ دیا کہ اگر اب میں نے اس گناہ کا ارتکاب کیا تو میں متواتر دو ماہ روزے رکھوں گا لیکن شیطان نے مجھے پھر بہکا دیا اور میں نے سوچا کہ اس صورت میں یہ نذر قسم کی طرح ہے اور میں قسم کا کفارہ ادا کروں گا' لہٰذا میں نے اس گناہ کا ارتکاب کر لیا۔ میری رہنمائی فرمائیں اب میں کیا کروں؟ جزاکم اللہ خیرًا۔ 'کیا میرے لیے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز ہے کیونکہ دو ماہ کے روزوں کی نسبت یہ میرے لیے آسان ہے؟ یاد رہے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ احسان فرمایا ہے کہ میں نے اب اس گناہ سے سچی توبہ کر لی ہے۔

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ سچے پکے عزم کا ثبوت دے اور قسم یا نذر کے بغیر حرام کو ترک کر دے اور فرض و واجب کو ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ۞ وَأَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَـٰنِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُل لَّا تُقْسِمُوا۟ ۖ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ ﴾ (النور٢٤/٥٣)

"اور یہ اللہ کی سخت سخت (انتہائی پختہ) قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ' پسندیدہ فرماں برداری درکار ہے۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔"

لیکن کچھ لوگ اپنے نفس کو قابو کرنے سے عاجز و قاصر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فرض ادا کرنے یا حرام کے لیے نذر یا قسم کا سہارا لیتے ہیں تو علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ جس نذر سے مقصود امتناع (کسی کام سے رکنا) یا اقدام (کوئی کام کرنا) ہو تو اس کا حکم قسم کا سا ہے لہٰذا اس سوال کرنے والے بھائی پر یہ واجب ہے کہ اپنی اس نذر کی بجائے قسم کا کفارہ ادا کر دے اور وہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک مد چاول یا گندم فی مسکین کے حساب سے دے دے۔ ہمارے عرف میں جو صاع موجود ہے یہ پانچ مد نبوی کے برابر ہے' یا دس مسکینوں کو کپڑے دے دے۔ یا ایک غلام آزاد کرے۔ اسے اختیار ہے کہ ان تین صورتوں میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر اسے استطاعت نہ ہو تو پھر متواتر تین روزے رکھ لے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الْأَيْمَانَ ۖ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ﴾ (المائدة٥/ ٨٩)

"اللہ تعالیٰ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا' تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ تین روزے رکھے۔"

کھانے کے سلسلہ میں یہ بھی جائز ہے کہ دوپہر یا شام کے کھانے پر دس مسکینوں کو دعوت دے دی جائے۔

—— شیخ ابن عثیمین ——

یہ نذر نہیں ہے

سوال ایک عورت نے ایک بچے کو ریڈیو پر بہت خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جو اس کو بہت اچھی لگی' اس وقت وہ عورت حاملہ تھی' اس نے کہا کہ اگر میرے ہاں بچہ پیدا ہوا تو میں بھی اسے تعلیم دلواؤں گی تاکہ وہ اس بچے کی طرح پڑھے۔ اس کے ہاں واقعی بچہ پیدا ہوا والحمدللہ! تو کیا اس کی اس خواہش کو نذر قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

جواب یہ نذر نہیں ہے اور نہ اس کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ بچے کو اس طرح کی تعلیم دلائے کہ وہ اسی بچے کی طرح پڑھے بلکہ اس کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے بچے کو قرآن مجید' شرعی علوم اور دیگر مفید علوم کی اسی طرح تعلیم دلوائے جس طرح اس ملک میں دوسرے مسلمان حاصل کرتے اور اپنے بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔

—— شیخ ابن باز ——

دوسرے کے مال سے نذر پوری کرنا

سوال میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا تو میں تین بکریاں ذبح کروں گا۔ ایک مخیر شخص نے مدد کے لیے مجھے ایک ہزار ریال دیے ہیں تو کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ میں ان میں سے بکریاں خرید کر اپنی نذر کو پورا کر دوں

جب کہ یہ میرا خالص مال نہیں ہے بلکہ یہ تو مذکورہ شخص کی طرف سے مدد ہے؟ جزاکم اللہ خیرًا۔

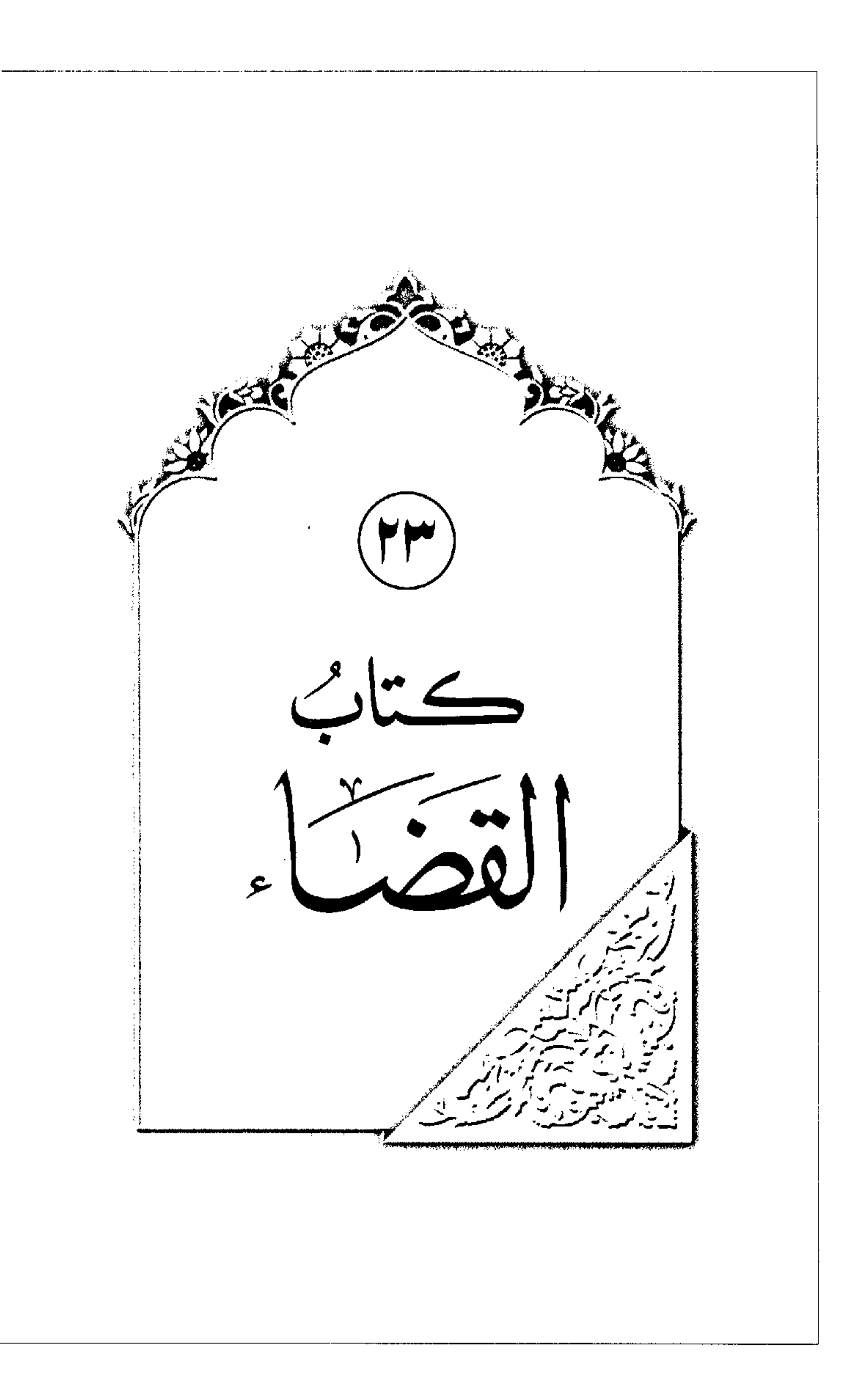
جواب اس مال سے نذر پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ جب اس نے یہ مال آپ کو دے دیا اور آپ نے اسے قبول کر لیا تو اب یہ مال آپ کا ہو گیا اور اس سے اگر آپ بکریاں خرید کر اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کر دیں تو ان شاء اللہ یہ نذر پوری ہو جائے گی لیکن آپ کو ہم یہ نصیحت کرتے ہیں کہ آئندہ نذر نہ مانیں کیونکہ نذر ماننی مناسب نہیں ہے' اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لاَ تَـنْذُرُوا فَإِنَّ النَّذْرَ لاَ يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا، وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ»(صحيح مسلم، النذر، باب النهى عن النذر وإنه لا يرد شيئا، ح:١٦٤٠ وجامع الترمذي، النذور الأيمان، باب في كراهية النذور، ح:١٥٣٨ وصحيح البخاري، القدر، باب القاء العبد النذو إلى القدر، ح:٦٦٠٨)

"نذر نہ مانو کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی نہیں ٹال سکتی' ہاں البتہ اس کے ساتھ بخیل سے کچھ مال ضرور نکلوا لیا جاتا ہے۔"

——— شیخ ابن باز ———




۲۳
کتاب
القضاء

قضا اور اس کے متعلقہ احکام

کسی ایسے ملک میں منصب قضا.....

سوال کیا کسی مسلمان کے لیے کسی ایسے ملک میں قاضی بننا جائز ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت یعنی قرآن وحدیث کی حکمرانی نہ ہو؟

جواب یہ جائز نہیں ہے۔ وصلی اللّٰہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

——— فتویٰ کمیٹی ———

پیشہ وکالت

سوال اسلامی شریعت کا پیشہ وکالت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مولانا مودودی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اسلامی قانون اور اس کے نفاذ کے طریقے" کے آخر میں اس پیشے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللّٰہ خیرًا۔

جواب پیشہ وکالت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بھی دیگر وکلاء کی طرح دعویٰ اور جواب دعویٰ میں وکیل بنانے کے مترادف ہے بشرطیکہ وکیل طالب حق ہو اور قصد و ارادہ سے جھوٹ نہ بولے۔

مولانا مودودی رحمہ اللہ کی جس مذکورہ کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے' اسے میں نے نہیں دیکھا۔

——— شیخ ابن باز ———

پیشہ وکالت کو اختیار کرنے کی شروط

سوال پیشہ وکالت میں انسان بسا اوقات ایک خرابی کو روکنے اور اسے دور کرنے کے سلسلہ میں مدد کرتا ہے کیونکہ وکیل کا مقصد ایک بے گناہ شخص کو سزا سے بچانا ہوتا ہے تو کیا وکیل کی کمائی حرام ہے؟ کیا بطور وکیل کام کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے کچھ شروط عائد کی ہیں؟

جواب محاماۃ (بمعنی پیشہ' وکالت) مادۂ حمایت سے (مفاعلۃ کا صیغہ) ہے اور حمایت اگر شر کے لیے اور اس کی طرف سے دفاع کے لیے ہو تو بلاشبہ یہ حرام ہے' کیونکہ یہ اس امر کا ارتکاب ہے' جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں منع فرمایا ہے:

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ (المائدۃ ۵/ ۲)

"اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔"

اور اگر وکالت خیر کی حمایت اور اس کے دفاع کے لیے ہو تو یہ قابل ستائش ہے اور اس کا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ

میں حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔"

لہٰذا جس نے اپنے آپ کو پیشہ وکالت کے لیے تیار کیا ہو' اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جس کیس کو لے رہا ہو اس کا مطالعہ کرے اور خوب جائزہ لے۔ اگر مؤکل کا مؤقف حق پر مبنی ہو تو کیس کو لے لے' حق کی حمایت اور حقدار کی مدد کرے اور اگر اس کا موقف مبنی بر حق نہ ہو تو پھر بھی وکالت کرے لیکن اس مؤکل کے خلاف اور وہ اس طرح کہ اسے سمجھائے کہ وہ حرام کا ارتکاب نہ کرے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا»(صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه ... الخ، ح:٦٩٥٢)

"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔"

صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ»(صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه أنه أخوه ... الخ، ح:٦٩٥٢ والبيهقي في السنن الكبرى، الغصب، باب نصر المظلوم ... الخ:٦/ ٩٤ واللفظ له وجامع الترمذي، الفتن، باب انصر أخاك ظالما أو مظلوما، ح:٢٢٥٥)

"ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے منع کرو۔"

وکیل کو اگر یہ معلوم ہو کہ مؤکل کا یہ دعویٰ مبنی بر حق نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسے سمجھائے اور اس دعویٰ کے بارے میں اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈرائے اور اسے بتائے کہ اس کا یہ دعویٰ باطل ہے تاکہ وہ اسے چھوڑ دے۔

——— شیخ ابن عثیمین ———

تحقیق کے لیے ملزم کو مارنا

سوال کیا تحقیق و تفتیش کے دوران ملزم کو مارنا شرعاً جائز ہے تاکہ وہ اعتراف کرے؟ کیا اسلام میں پیشہٴ وکالت جائز ہے؟ کیا مجرم کی طرف سے دفاع جائز ہے؟

جواب اگر الزام قوی اور اس کی علامات واضح ہوں تو ملزم کو مارنا جائز ہے لیکن مطلق الزام کی بنیاد پر مارنا یا سزا دینا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سزا یا جبر کی وجہ سے مجبور ہو کر اقرار کرے تو اس کا اقرار حد اور اس حق کے لینے کا موجب نہیں ہے جس کا اس نے اقرار کیا ہو' اگر قرائن واضح ہوں تو حاکم ان کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

وکالت ایک حق خاص کے بارے میں خصومت ہے' لہٰذا صاحب حق کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا وکیل مقرر کرے جو اس کی طرف سے جھگڑا کرے کیونکہ وہ خود عجز یا جہالت وغیرہ کی وجہ سے جھگڑا نہیں کر سکتا لیکن وکیل کے لیے یہ لازم ہے کہ وکالت سے قبل وہ مؤکل کی خیر خواہی کرے اور اسے اس کے حق اور فرض سے آگاہ کر دے اور

اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا مؤکل ظالم یا مجرم ہے تو پھر اس کی طرف سے دفاع کرنا حرام ہے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ فیس کیوں نہ دے کیونکہ اس میں باطل کی نصرت اور ظالم کی تائید و حمایت ہے جو کہ حرام ہے۔ واللہ أعلم۔

—— شیخ ابن جبرین ——

شہادت حق کو چھپانا

سوال ایک آدمی ایک شخص کے پاس کام کرتا تھا لیکن اس نے اسے اجرت سے محروم کرنے کے لیے اس کے کام کا انکار کر دیا۔ کارکن انتظامیہ کے پاس شکایت لے کر گیا تو انتظامیہ نے اس سے گواہوں کا مطالبہ کیا' جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی کام کرتا ہے' وہ اس شخص کے پڑوسی یا کارکن ہیں' لہٰذا انہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا تو شہادت حق چھپانے والے ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو لوگ شہادت حق کو چھپائیں خواہ ان کا تعلق اس سوال سے ہو یا کسی بھی دوسرے معاملہ سے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَكْتُمُوا۟ ٱلشَّهَـٰدَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُۥٓ ءَاثِمٌ قَلْبُهُۥ ۗ ﴾ (البقرة۲/ ۲۸۳)

"اور شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا' وہ دل کا گناہ گار ہو گا۔"

اور دل کا گناہ انسان کو انحراف بدن کی طرف لے جاتا ہے جس طرح کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢)

"جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ سن لو وہ ٹکڑا دل ہے۔"

—— شیخ ابن عثیمین ——

گواہی اپنے علم کے مطابق دینی چاہیے

سوال لوگوں کو پاسپورٹ حاصل کرنے کے لیے اس قسم کی گواہی کی ضرورت ہوتی ہے کہ مثلاً فلاں شخص واقعی بحرین میں پیدا ہوا ہے تو لوگ یہ گواہی دے دیتے ہیں خواہ انہیں اس بات کا یقین ہو یا نہ ہو' تو کیا یہ بھی جھوٹی گواہی شمار ہو گی؟

جواب انسان کے لیے صرف اسی چیز کے بارے میں گواہی دینا جائز ہے' جسے وہ دیکھنے یا سننے کی وجہ سے جانتا ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِلَّا مَن شَهِدَ بِٱلْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ ﴾ (الزخرف۴۳/ ۸۶)

"ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں"

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ ۚ ﴾ (الأنبياء۱۷/ ۳۶)

"اور جس چیز کا تجھے علم نہیں' اس کے پیچھے نہ پڑ۔"

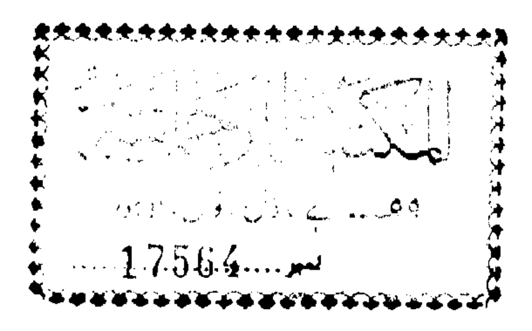
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے:

«أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الشَّهَادَةِ فَقَالَ: هَلْ رَأَيْتَ الشَّمْسَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَعَلٰى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ أَوْ دَعْ»(أبونعيم في حلية الأولياء: ٤/ ٢٠ وكنز العمال، الشهادات، ح: ١٧٧٨٢)

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے شہادت (گواہی) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم سورج کو دیکھتے ہو؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کی بات کے بارے میں گواہی دو یا اسے چھوڑ دو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی شخص کے لیے اس وقت تک یہ گواہی دینا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص بحرین میں پیدا ہوا ہے' جب تک کہ اسے اس کا علم نہ ہو۔ اور جو شخص یہ گواہی دے کہ فلاں شخص بحرین میں پیدا ہوا ہے اور وہ جھوٹا ہو تو اس کی یہ گواہی جھوٹی ہو گی اور وہ اس وعید کا مستحق ہو گا جو جھوٹی گواہی کے بارے میں قرآن کریم اور سنّت میں وارد ہے۔





فتاویٰ اسلامیہ (جلد سوم)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سوتیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے، وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ اور "اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء والإرشاد" کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں کتاب و سنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

دارُالسّلام
کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض ○ جدہ ○ شارجہ ○ لاہور
لندن ○ ہیوسٹن ○ نیو یارک